

UNIVERSAL  
LIBRARY

**OU\_224494**

UNIVERSAL  
LIBRARY



Checked 1965

جہانگیر | ماہ جمادی الاول سنہ مطابق جنوری سنہ ۱۳۰۰ | عدد اول

# مضامین

۸ - ۲	سنہ دات
۱۴ - ۹	مردانہ الب کا فرنگی شاگرد
۲۸ - ۱۸	پرنسپل
۳۹ - ۲۹	سلسلہ طلاق
۴۷ - ۳۰	سلسلہ دین کے خطبہ پر ایک نظر
۵۸ - ۴۸	سری نیل لائن ایم ایس غازی پور شری
۶۱ - ۵۹	فریضات
۶۴ - ۵۲	خود کوئی خدو نہ ہو
۶۵ - ۶۴	فریضات
۶۶ - ۶۵	ایک نیا نیا
۶۹ - ۶۷	تقدیر و تقدیر کی کہانت
۷۶ - ۷۰	افغانیہ
۷۸ - ۷۷	سہارا و انصاری، شاقب کھنوی
۸۰ - ۷۹	مطالعہ و تفسیر

# کتابخانه دار الفین عظم گدہ

۵۵ ف

## علامہ شبلی نعمانی

شیخ ابی مسلم حسد اول جمع دوم سے لکھا

ایضاً حصہ دوم طبع اولیٰ حصہ دوم لکھا

الفاروق حضرت فاروق عظمیٰ کی لغت و طرز حکومت سے

الغزالی امام غزالی کی مولیٰ عمری اور ادب کا فلسفہ

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت فارسی شاعری کا

آغاز و قدا کا دو صفحہ ۳۵ سے

ایضاً حصہ سوم، شعر کے متاخرین صفحہ ۱۲۰ سے

(حصہ دوم اور چہارم زیر طبع ہیں)

شجر العجم حصہ پنجم

الاتحاد علی التمدن الاسلامی، جبریل بن کندی کے تمدن

اسلامی عربی جن پر ۱۰۰

مستمر نامہ مصر و شام

مواثرہ انیس و دیر

مستفیدین عالمگیر شہنشاہ اور گنبد بجا لکیر پر اعتراضات

افراد کے جوابات، حصہ دوم - ۱۲

مکاتیب شبلی، مولانا مرحوم کے خطوط کا مجموعہ جو

علمی، قومی، ادبی، اخلاقی معلومات

کا خزائن ہے جلد اول

ایضاً جلد دوم

رسائل شبلی، مولانا کے مختلف علمی مضامین کا

مولانا نے جو فارسی تصنیفیں جمع کیں

طبع تکمیل و اسٹیل

مجموعہ کلام شبلی، اردو

شعری مجمع امید اردو

نوحہ اسحاق، مولانا کا اپنے بھائی کی وفات پر اردو و ترکی

دیوان شبلی

مولانا حمید الدین صاحب بی لے

تفسیر سورہ تحریم، حدیث طرز پر عربی میں قرآن مجید کی تفسیر

تفسیر سورہ قیامہ

تفسیر سورہ دانش

تفسیر سورہ واکفرون

تفسیر سورہ واکفرون

الرای المصحفی من جہد اللہ، عربی میں حضرت اسماعیل

کے نبی محمد پر ایک ل

اور پندرہ سالہ

اسبان المصنوع، حدیث طرز پر عربی گرامر، اردو

دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان سے تصویر

خرد نامہ منظوم خاص فارسی زبان میں شالی سیما کا

ترجمہ

تحفۃ الطالب، عربی کی خوبصورت یاد دہن نظمیں، اردو

دیوان انفس، ہندوستان کے ایمان ناساد ادب

مولانا فیض الحسن بہار پوری کا عربی

کلام مجھے ۱۰۰ قیمت



مجلد پنجم | ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ مطابق جنوری ۱۹۶۵ء | عدد اول

## مضامین

۸ - ۲	شذرات
۱۷ - ۹	مرزا غالب کا فرنگی شاگرد مولوی عبدالماجد بی، اے
۲۸ - ۱۸	ابن الطیث سولانا محمد یونس فرنگی علی
۳۹ - ۲۹	سلسلہ طلاق مولوی ابوالحسنات ندوی
۴۷ - ۳۰	سولانا جامی کے خط پر ایک نظر مولوی حفیظ الحق بی، اے
۵۸ - ۴۸	افریقہ میں دولت علیہ میں کی ابتدا بریدی خلیل الرحمن ایم، اے عثمانیہ یونیورسٹی
۶۱ - ۵۹	فن صحافت
۶۴ - ۴۲	خودکشی پر اخلاقی نظر
۶۵ - ۴۴	فوبل پر اثر
۶۶ - ۴۵	ایوان مذہب
۶۹ - ۴۷	تدن چین کی قد است
۷۶ - ۷۰	اخبار علیہ
۷۸ - ۷۷	ادبیات سماوات انصاری، ثاقب الحسنی
۸۰ - ۷۹	سطبوعات جدیدہ

۷۸۶

## مشکلات

سرگیا نندرو ناتہ پکڑتی کا شمار اسوقت ہندوستان کے شہور ترین ماہرین تعلیم میں ہوتا ہے  
انکی ساری عمر حدیثہ تعلیم میں بسر ہوئی ہے، مدتوں وہ کالج کے پروفیسر اور مائٹ اسکولوں کے اسپیکٹر رہ چکے ہیں،  
الہ آباد یونیورسٹی کے بہت پرانے نیو اور بنارس ہندو یونیورسٹی کو رٹ کے ممبر ہیں، اور اب کچھ عرصہ سے  
لکھنؤ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں، ان کے قلم کا ایک مضمون عثمانیہ یونیورسٹی پر جنوری کے ماڈرن ریلو  
میں شائع ہوا ہے، جسکی مختص آئندہ نمبر میں ناظرین معارف کے پیشکش ہوگی، فاضل موصوف نے بعض  
نکتہ چیمنیوں کے باوجود، بہ حیثیت مجموعی یونیورسٹی مذکور کے تخیل اور طریق کار کی بہت کافی داد دی ہے،  
اور اسے برٹش انڈیا کی یونیورسٹیوں کے سامنے بطور نمونہ کے پیش کیا ہے، یونیورسٹی کے تخیل کے بلند،  
بہتر و قابل تقلید ہونے میں کس کا فزکوشک ہو سکتا ہے، لیکن یونیورسٹی کے طریق کار سے کیا خود موجودہ  
کارکنوں کی بھی قوت ایمانی مطمئن ہے؟ دنیا پرطاؤس کے حسن و خوشنالی کی مداحی میں بالکل حق بجانب  
لیکن خود طاؤس کی کیفیت نفسی، اپنے پیرون پر نظر کرنے کے بعد کیا ہو جاتی ہے، اردو کے ظریف مامع  
نے حال ہی میں کہا ہے،

نہ بھول اسپہ کہ یہ اردوہ تجھے اچھا سمجھتا ہے

تو اپنے دل میں اپنے آپ کو کیسا سمجھتا ہے

بات پر بات یاد آتی ہے، اردو دیو نیورسٹی کے ذکر پر ذہن انجمن اردو کی جانب منتقل ہوتا ہے، دسمبر کا آخری ہفتہ ملک کے جملہ قواسم علی کے لئے میدان مظاہرہ ہوتا ہے، جس میں قوم کی زندہ آبادی کا پھر پھر ہست، اقدام و عمل کے اسلحہ سے کمر بستہ نظر آتا ہے، لیکن اردو کا لشکر شاید اپنے خیال میں فتح کامل حاصل کر چکا ہے، اس کے سپاہیوں نے ہتھیار کھول کر رکھ دیئے ہیں، اور اس کے افسر خراب راحت کا لطف لے رہے ہیں، اسلیمین بدالین سے ایک پرزد آواز اُلٹا، اردو کا نفرس کی تحریک قیام کیلئے اٹھی مگر لیکن جس تیزی کے ساتھ یہ آواز اٹھی تھی اسی سرعت کے ساتھ اس زمین میں مدفون ہو گئی جو مرارات شہداء کے لئے مشہور ہے۔

سلسلہ میں بزرگان لکھنؤ نے اس نقارہ پر اس زور سے چوب لگائی کہ علی گڑھ، بنارس، پٹنہ و ادونا گناہوں کے درو دیوار جنبش میں آ گئے، لیکن کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ یہ کسی ساحر قیصر باغ کے جرس کا رداں کی صدا ہے باز گشت تھی، اسی کے سال دو سال بعد یہ برق افق دہلی پر چمکی لیکن سنا نظر آ گیا کہ اس کا مقصد زائرین حرم ادبیات کو روشنی پہنچانا نہیں بلکہ انکی نگاہوں کو خیرہ کر دینا تھا، خیر یہ تاسخ تو اردو کا نفرس کی تھی جو ابتدا ہی سے ایک تفریح و تفتن کی چیز تھی، البتہ انجمن ترقی اردو ایسی مجلس تھی جو اپنی بساط کے موافق فی الجملہ قابل قدر خدمات انجام دے رہی تھی، لیکن اب دایاں برس سے اس کے بھی کہیں اجلاس منعقد ہونے کی خبر نہیں آتی، اگر اس کے اجلاس اب بند ہو گئے تو یہ مطلق حیرت انگیز نہیں، حیرت اس پر ہے کہ اتنے عرصہ تک کیونکر نہ ہونے رہے، جس چراغ کا تیل بالکل ختم ہو چکا ہے، وہ اگر کچھ دیر جھلکاتی ہوئی روشنی دیتا رہے تو اس پر حیرت ہو سکتی ہے، لیکن اگر وہ فوراً بجھ جائے تو کسی کو بھی تعجب نہ ہوگا۔

ایک سرکاری اطلاع نامہ کے مطابق اپریل سلسلہ سے ماسچ سلسلہ تک برٹش ہندوستان میں (یعنی سیلہ ستون کے رقبہ کو مستثنیٰ کر کے) سوڑکی قسم کی سواریاں ۴۵۹۹۳ کی تعداد میں درج حربہ سوڑین، ان میں ۴۳۴ سوڑین تھیں، ۱۱۳ سوڑاں لکھنیں تھیں، اور ۲۶۰ سوڑاں موڑگاٹیاں تھیں،

اس سال نئی سوٹر کا دون کی درآمد کی تعداد ۱۵۴۳۲۱۵ ہے۔ کھیتی مچھری قیمت تخمیناً آٹھ کروڑ ہوتی ہے! ہندوستان کے مختلف صوبوں نے اس کا رخیہ میں حسب ذیل نمایاں حصہ لیا :-

بھئی	۱۰۲۸۸	سوٹرین
بنگال	۶۴۸۲	"
برہما	۳۲۴۰	"
صوبہ متحدہ	۲۶۶۵	"

تمدن جدید کے آیات کمال کا سر عنوان تو شاید سوٹرین ہی کو کہنا چاہیے، لیکن ان کا دایرہ امرار و خیشمال طبقہ تک محدود ہے، کائنات شائستگی کے آفتاب و ماہتاب دو اوسط درجہ ہستیاں ہیں، جن کے دائرہ اطلاق میں متوسط احوال افراد بلکہ غربا تک بھی آجاتے ہیں، یعنی شراب و سگریٹ، اعداد و ذیل ان کے حلقہ فیض کے حدود پیش نظر کر دیئے :-

۱۹۱۸-۱۹ء	۲۰-۱۹۱۹ء	۲۱-۱۹۲۰ء
۳۵ لاکھ گیلن	۵۵ لاکھ گیلن	۷۰ لاکھ گیلن
سگریٹ	۲۰ لاکھ پونڈ	۶۰ لاکھ پونڈ

یہ اعداد وزن کے لحاظ سے تھے، اب ایک لٹر ایک قیمتوں پر بھی ہو :-

۲۰-۱۹۱۹ء	۲۱-۱۹۲۰ء
۲ کروڑ روپیہ	۳ کروڑ روپیہ
۱ کروڑ ۶۸ لاکھ	۲ کروڑ ۵۸ لاکھ

انفوس ہے، سرکاری اعداد میں اس کی تفصیل درج نہیں کہ ہندوستان کی مختلف قوموں میں

کس کس نے کس حد تک ان جنبہا سے گراں مایہ کی قدر دانی میں حصہ لیا، ورنہ نظر آجائے کہ جس شرابی نے شراب نوشی کو عملِ شیطانی قرار دیا ہے جس ملت کے اکابر نے شراب کو امِ اخلاص کا لقب دیا ہے، جس مذہب نے اپنے پیروؤں کے سامنے کفایت و سادگی کا نصب العین رکھا ہے اور جس کتاب آسمانی نے تکلفات دنیوی کو "متاعِ غرور" اور لہو و لب سے تعبیر کیا ہے، اسکے نام لینے والے کس حد تک اپنے ضمیر کو اپنے نفس پر حاکم رکھنے والے ہیں، لیکن نامِ مشاہدات کی بنا پر کون کہہ سکتا ہے کہ بازارِ تعیش کے اس کاروبار میں اس دریا دل قوم کا نمایاں حصہ نہ ہوگا؟ یہی قوم آج باوجود اپنی تنہائی عیش پرستی، تن پروری و زشت اعمالی کے، حق و صداقت، غیرت و حمیت، ایثار و ولایت، صدق و روحانیت، عزم و حقانیت کا نام بیکراٹھی ہے کہ صنگدہ کائنات کو پھر ایک بار کاشا نہ بخیل بنا دے، اسکے دعوؤں کی لاج رکھنا محض شاعرِ عیب و تادارِ کل کے ہاتھ ہے، ورنہ اپنے اعمال اور اسبابِ ظاہری تو ایسے ہیں کہ غیر تو غیر خود اپنوں کو بعض دفعہ اس جسارت پر حیرت ہو جاتی ہے اور بے ساختہ یہ شعر زبان پر آ جاتا ہے،

ہے آرزو کہ برو سے پرچم کو دیکھئے  
اس جو صلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

نئی گندم سلم یونیورسٹی جسکی بابت اسیدین یہ دلائی گئی تھیں کہ وہ قریبہ اور لبدا کی جانتیں ہوگی، بالآخر جب وجود میں آگئی تو اس کا سب سے پہلا کار نمایاں دنیا کے سامنے یہ پیش ہوتا ہے کہ ۱۲- فردی شاہزادہ ولیعہد بہادر سلم یونیورسٹی کی سر زمین کو اپنے در و دوسے مشرف کرینگے، یونیورسٹی انہیں ڈاکٹر کی اعزازی ڈگری دیگی، اور اسکے ساتھ چار اور صاحبوں کو بھی ڈاکٹر کی اعزازی ڈگری عطا ہوگی، یہ قابلِ رشک اصحاب اگر لہ کون ہیں؟ گورنر صوبہ سندھ، ممبر تعلیمات حکومت ہند، ہمارا راجہ صاحب گوالیار

اور نواب صاحب رامپور، اس سے قطع نظر کر کے کہ مسلم یونیورسٹی کی یہ انگریز نوازی موجودہ مسلم جذبات کے کھانک موافق ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن خوش نصیب اصحاب اربعہ پر یہ اعزاز کی بارش ہونے والی ہے وہ واقعہً اس اعزاز سے کچھ بھی مناسبت رکھتے ہیں؟ اس سوال کا جواب آج مسلم یونیورسٹی کے اربابِ حل و عقد آسانی سے ٹال سکتے ہیں، لیکن ایک وقت آنے والا ہے جب یہ سوال اس آسانی سے نہ ٹل سکیگا، اور جب دنیا کی ہر امانت کی طرح اس امانت کا بھی حساب دینے پر مجبور ہونا پڑیگا، بہتر ہوگا اس وقت کے لئے کوئی معقول جواب ابھی سے سوچ رکھا جائے۔

یونیورسٹیوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ علم و اخلاق کی روایات کی زندہ رکھا جائے، اور انکی زندگی کو ترقی دیا جاتی رہے، آئندہ نگرانی انتہائی اعزاز ہے جو کوئی یونیورسٹی اپنے اصل مقاصد کے لحاظ سے کسی فرد کو دیکھتی ہے، باقی اگر کسی دولتمند نے باوجود علم و اخلاق سے معوا ہونے کے یونیورسٹی کی مالی مدد کی ہے تو اس احسان کے اعتراف کے لئے یونیورسٹی کے پاس اور بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً یہ کہ اسے یونیورسٹی کا رکن منتخب کر دیا جائے، اسکے نام پر کوئی عمارت یونیورسٹی میں تعمیر کر دیا جائے، دس علی ہذا۔ لیکن اعزازی و نگرانی کے استحقاق کا معیار تمارتعلی امتیاز و بلند اخلاق پر ہے، مسلم یونیورسٹی کے آئندہ نگرانی پانے والے اصحاب نے اگر اس حیثیت سے اپنی اہلیت کا کوئی ثبوت دیا ہے تو اسے یقیناً علی گڑھ کے دایس چانسلر یا خراجی صاحب کے دفتر کی کسی آہنی الماری میں بہت ہی مضبوط قفل ڈال کر چھپا دیا گیا ہے۔

دنیا کی دوسری یونیورسٹیوں میں آئندہ نگرانی جس درجہ کے کالمین فنون و سائنسہ علوم کو ملتی رہتی ہیں، انکی توضیح کے لئے یورپ و امریکہ سے مثالیں تلاش کر کے لانے کی حاجت نہیں،

حد ہندوستان میں علی گڑھ سے چند قدم پر بنارس اور ذرا اور آگے بڑھ کر کلکتہ ہے، اولیٰ بعد بہادر کا درود ان دونوں جگہوں میں بھی ہوا، آخراں یونیورسٹیوں نے اس موقع پر کیا کیا؟ بنارس کی ہندو یونیورسٹی نے ڈاکٹر کی آنریری ڈگری دی مگر کسکو؟ سر بسنت کو، جسکے ہاتھوں ہندو کا کج کی بنیاد پڑی تھی جنکی ایک عمر ہندو علوم و فنون کی ترویج و اشاعت میں بسر ہو چکی ہے، اور جنکی علمی و دماغی قابلیت کا اعتراف ملک کے نہیں، دنیا کے گوشہ گوشہ سے ہو چکا ہے، کلکتہ کی سرکاری یونیورسٹی نے متعدد اشخاص کو ڈاکٹر کی آنریری ڈگریاں دیں، اگر یہ کون لوگ تھے؟ یہ وہ تھے جو اپنی عمریں، فلسفہ، سائنس، تاریخ و ادب کی خدمت گزار میں صرف کر چکے ہیں، جنکا نام علمی دنیا میں بچہ بچہ کی زبان پر اور جنکی عزت و تعظیم کرنا خود علم و فن کی عزت و تعظیم کرنا ہے، مسلمانوں میں بیشک قحط الرجال ہی بلکہ کیا یہ قحط اس قدر سخت ہے کہ مسلم یونیورسٹی کو اپنے اخوان طلیقیت میں چند افراد بھی اس پایہ کے نظر نہ آئے؟ ان لوگوں سے قطع نظر کیجئے جنکی سیاسیات مسلم یونیورسٹی کے نزدیک قابل نفرت ہے، تو بھی کیا اہل بیانات میں ایک تفضیل بھی اس پایہ کا نہیں کر سکتا؟ سید امیر علی کی خدمات تاریخ و مذہب و احوال ملک سید حسین بکرا کی کا علم و فضل و تعلق علی گڑھ، ڈاکٹر اقبال کی فلسفیانہ و ادبی عظمت، جٹس عبد الرحیم کی قانونی وسعت نظر، مولوی عبد الحکیم شرر کی خدمات زبان و ادب، شاید یہ تمام قربانیان مسلم یونیورسٹی کی درگاہ میں ناقابل قبول ہیں!

خیر عزت تو جسکی ہے، صرف اسی کی ہے، (ولہ الکبر یا عافی السموات والارض)

اور اسی رب العزت کی رحمت کے طفیل میں پیہرون اور پھر عام مومنین کی ہے، واللہ العزیز  
ولیسولہ للمومنین لکن لنا نفعین لایعلمون۔ (منافقون - ع ۱) اسکو کسی یونیورسٹی کی اعزازی گزریاں  
گناہ بڑا نہیں سکتیں، اسکا تعلق تو صرف ایمان و اعمال صالحہ سے ہے، البتہ نااہلون کو زبردستی

علم یا حکومت کا لباس پہنا دینا، بالآخر خود انہیں کے حق میں اور ساری قوم کے حق میں بضرورتاً ہی  
مولانا رومی نے کیا خوب تمثیل دی ہے کہ نااہل کو عالم یا حاکم بنا دینا رہزن کے ہاتھ میں تلوار  
دیدینا ہے، بلکہ اس سے بھی بدتر ہے،

بدگہر را علم و فن آموختن      دادن تیغ بدستِ راہزن

تیغ دادن در کفِ رنگِ مست      بد کہ آید علم ناکس را بدست

علم و مال و منصب و جاہ و قرآن      فتنہ آید در کفِ بدگوہران

پس غم ازین فرض شد بر یوسنان      تا ستانند از کفِ مجنون سان

قوم کے نادان دوست اسی غم و جہاد کے وقت کو اپنے اعمال سے قریب بلارہے ہیں۔



# مقالات

مرزا غالب کا ایک رنگی شاگرد

آزاد فرانیسی

انزولی عبد الماجد بی اس

پچھلے نمبر کے شذرات میں اردو کے چند رنگی شاعروں کا جو مختصر تذکرہ آگیا تھا، ناظرین کرام نے اس سے دلچسپی کا اظہار کیا، اور بعض احباب کو یہ داستان خوشگوار اور پر لطف سمجھ ہوئی، ان حضرات کی ضیافت ذوق کے لئے ایک رنگی شاعر کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

الگزٹریڈر بیدری، ایک فرانیسی خاندان کے رکن تھے، ولادت غالباً ہندوستان ہی میں ہوئی تھی، سال ولادت تقریباً ۱۲۵۹ء تھا، اٹھارہ سال کی عمر سے اردو شاعری کا شوق پیدا ہوا، مشورہ سخن کے لئے کلام کو نواب زین الدین خان عارف (شاگرد و عزیز مرزا نوشہ) اور غوث غالب کی خدمت میں پہنچا شروع کیا، ان حضرات کا فیض توجہ بے اثر نہیں رہ سکتا تھا، کچھ عرصہ میں اچھی خاصی شق ہو گئی، اور کلام میں فی الجملہ بختی آگئی، جو ایک غیر قوم کے فرد کے لئے بہت بڑی بات ہے، عمر نے وفات کی، ۳۲ سال کی عمر میں ۷ جولائی ۱۳۱۶ء کو انتقال کیا، تاہم اتنے ہی عرصہ میں کلام کا مجموعہ اس قدر ہو گیا تھا کہ معمولی ضخامت کا دیوان تیار ہو جاتا، چنانچہ مرحوم کے برادر کلان طاس بیدری نے دہریس کے بعد

لے تذکرہ نمائندہ جاوید، جلد اول،

لے یہ دہی عارف جن کجی جوان مرگی پر غالب نے وہ مرثیہ کہا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے

ہاں تو فلک پر جوان تباہی عارف ۱۰ کیا تیرا گزتا جو نہ مر تا کوئی دن اور۔ (یہ مرثیہ بطور دیوان غالب (اردو) میں درج ہے)

اس دیوان کو شائع کرایا،

تخلص آزاد کرتے تھے، اسلئے دیوان بھی دیوان آزاد کے نام سے موسوم ہے، صفحات ۱۷۵ صفحہ ہے، مطلع احمدی اگرہ سے ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا، اب بازار میں نایاب ہے، میرے پیش نظر کتب خانہ سرکاری راولپنڈی کا نسخہ ہے،

ابتداء میں دو دیباچے ہیں، پہلا دیباچہ فارسی میں منشی شوکت علی ساکن شاہپور ضلع فقیر کا ہے جسکا طرز بیان تقریباً نگاروں کے عام دستور کے مطابق کافی شاعرانہ ہے، اور بعض بیانات مبالغہ سے خالی نہیں، یہ صاحب حمد و نعمت کے بعد تحریر فرماتے ہیں :-

” قاسم ہنر مند گوہر ذکا پوند خداوند عقل و تیز، صاحب فراست و ہر دلویر، مستعد از لی لکزنڈ  
ہیدرلی کہ دہن و ذکا را در غفلت خمیر بود، و سعادت و مروت در ضمیرش جا پذیرا، در سن ہرزہ سالگی  
بر شنیدن اشعار سادہ و متقدمین و متاخرین طبع و فادش در تحصیل کمالش توجہ نمود، گاہ گاہ ہنگام  
فرصت بمطالعہ تصانیف و ستادوں پر داشتے، و با مقتسم الدولہ امیر الملک محمد اسد اللہ خان بہادر  
سہراب جنگ غالب تخلص و نواب زمین العابدین خان تخلص بہ عارف کہ ہر دو حضرات از اکابر  
امراء و الاء و دمان دہلی بودند بذریعہ مراسلات و مکاتبات استمداد و سخن داشتے۔“

آگے چل کر اسی دیباچہ میں یہ ذکر ہے کہ ہیدرلی صاحب کو طلب میں بھی یدِ طولی حاصل تھا، اور بعض عموماً انکے علاج سے شغایاب ہوتے تھے، مراجع میں سعادت و فیاضی عدسے بڑھی ہوئی تھی، دوامین بلا قیمت تقسیم کرتے، اور دوسرے طریقوں سے بھی غربا کی دستگیری کرتے رہتے، خود عسرت سے بسر کرتے، لیکن قرض لیکر دوسروں کی حاجت روائی کرتے، ریاست الوری میں تو پچانہ کے کپتان مقرر ہو کر گئے، اسی سال وفات پائی۔

دوسرا دیباچہ جو اردو میں ہے، آزاد کے بڑے بہائی طاس ہیدرلی کے قلم سے نکلا ہے جو

ریاست بہر پور میں دہلی کلکٹر تھے، یہ دیباچہ ذیل میں تمام وکمال درج کیا جاتا ہے، آج سے ۶۰ سال قبل کی ایک فرانسیسی شخص کی اردو نثر کا نمونہ بجائے خود ایک یادگار نثر ہے،

نیا زمندور گاؤں میں یزلی طاس ہیدری ابن سرجیس ہیدری مرحوم بیان کرتا ہے، اور اپنا راز دل صاحبہ لون پر یون عیان کرتا ہے کہ میرا تعلق چوٹا بہائی کپتان الگوند ہیدری جو ان سعادتمند شیریں زبان دانش پیوند ابتدا سے عمر میں شرف سخن کا مایل ہوا اور چند روز میں جیسا چاہتا مایہ مخوری و معنی گسری اسکو حاصل ہوا، کیونکہ نہ طبیعت در اک تقی، فکر جالاک غمی، جو کچھ دل سے زبان تک اور زبان سے قلم تک آیا، اس نے گہائے معنی کا ایک تختہ منوثر رنگ کھایا، رفتہ رفتہ اس کے کلام کی وہ صورت ہوئی کہ ہم فنون کو رشک ہوا، اور دانشمندان کو میرت ہوئی، نواب زین العابدین خان دہلی کے امیر زادہ عالی خاندان جو عارف تخلص کرتے تھے اور جناب نجم الملک اسد اللہ خان بہادر غالب کے شاگرد تھے، وہ اس کے استاد تھے، اور اس نوجوان کو اپنے استاد اور اپنے استاد کے استاد کے انداز پیش نظر تھے، اور اکثر ان کے اشعار یاد تھے، ہنوز بڑا درود مصروف بہت کچھ کہنے نہ پایا تھا، بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ اس کے دل میں تھا بھی اس کی زبان پر نہ آیا تھا، لگاہ وقت ناگزیر آہنچا، اور اس سعادتمند نزل کو یہ پیام اجل کا آہنچا، چونکہ سرکار اوردین عہدہ کپتانی پر مامور تھا، دنیا سے سفر کرتے وقت میری نظر سے دور تھا، ایسا لائق ہونہا رہائی جس نے کل دوا پر تیس برس کی عمر پائی، ساتویں جولائی ۱۸۵۷ء کو کام تمام ہوا، اس غم کا جقد ریاں کیجئے اس سے سوا ہے جو اپنا حال بنا ہے، اور جقد غم کیا جائے، بجایو اسع این الممخت است کہ گویند جو ان مرد، افسوس نہ فرما دین فائدہ دیکھا نہ رونے میں تاثیر پائی، بہت روئے پیٹے، آہو صبر کرتے نہ آئی، اشعار اس مرحوم کے جو پریشان جا بجا پڑے پاس گویا سونے میں زمرود اور یاقوت کے گنیے جڑے پاسے، خیال آیا کہ جو امر کو بکھرا پڑا نہ رہنے دیجئے، اور ان سب اشعار کو ردیف و ارجع کر کے

دیوان مرتب کیجئے، تاکہ جو کوئی دیکھے وہ کہے کہ اگرچہ اس شخص کی تواریخی زندگی قحی گرداہ اس قلیل مدت میں کیا گہرا فانی قحی، انہیں انہیں یہ بات نہیں ہے، بھکویہ لیتین ہے کہ یہ جو کا غدر برباہی سے کہے گئے ہیں، اس کے اشعار اس کے اتم میں یہ پوش ہوئے ہیں، آہی یہ مجموعہ اشعار مقبول طبع ہر سخن پروردگار لکھنؤ ہمدردی کی روح کو حضرت یسوع کے قدم مبارک میں مغفرت میسر و تمام شدہ (صفحہ ۹-۱۱)

دیوان کی ابتدا "قصیدہ حمد و وحدت" سے ہوتی ہے، اس کے بعد "مدس نعت سبح" ہے، تیس صفحوں میں مختلف اعزہ، احباب و اولیاء ریاست کی شان میں تصانید ہیں، جن میں سے بعض اپنے خاصے طویل ہیں، صفحہ ۴۶ سے صفحہ ۵۶ تک دیوان غزلیات ہے، باقی صفحہ ۵۷ تک متفرق قطعات، غنم، مرثیہ وغیرہ ہیں،

حدیثیں بالکل دہی رنگ ہے جو ایک مسلمان شاعر کا ہوتا ہے، توحید باری کی توصیف ہر شعر میں ہے، اور اس طرح پر طرح طرح کے شاعرانہ استدلالات کئے ہیں،

مدس نعت سبحی اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس کا رنگ بالکل دہی ہے جو مسلمان شعراء کا نعت محمدی میں ہوتا ہے، دہی ذوق و شوق، دہی تضرع و اسحاق، اور دہی وابستگی و اعتماد و شفاعت، ایک بند ملاحظہ ہو:-

تیری رحمت عالمی رزق گدایان یا سبح      تیری بخشش تاج بخش تاجداران یا سبح  
تیری شفقت ہرگز نکس کی خواہان یا سبح      ہو تجھی سے نیک و بد کی شکل آسان یا سبح

ساتی کوین و شاہ و دجہان تو ہی تو ہے

یا سبحا چارہ ساز عاصیان تو ہی تو ہے

(اسید ہے اردو کے زبان دان حضرات زبان کی فامیوں پر گرفت کرنے سے پیشتر یہ یاد کر لیتے کہ

شاعر ایک غیولک اور غیر قوم کا شخص ہو چکی مادری زبان کو اردو سے کوئی مناسبت نہیں)

ایک اور بندہ اسی سس کا :-

خسرو ازبکہ ہیں پیری خطائیں بحساب      عاصیانِ دہر میں اصلا نہیں میرا جواب  
قابلِ دوزخ ہیں اور لائقِ قہر و عتاب      عینِ نصفت ہی جہان تک چھپے ہوں رنج و غدا

اور کچھ پارہ نظر آتا نہیں اپنا مجھے

تیری الفت پر توکلِ جوشِ شفاعت کا مجھے

ایک محسن میں مرزا غالب کی غزل ”تمہیں بتاؤ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے۔“ کی تفسیر کی ہے، پہلا

بندیہ ہے :-

بلا سے میں نہ بھی خاک بھی اعدو کیا ہے      تمہیں اسی کی قسم اسکی آبرو کیا ہے

زبانِ شورش بیان کا یہ جن خو کیا ہے      ہر ایک بات پر کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے

تمہیں بتاؤ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

آخری بندیہ ہے :-

کہا جو میں نے کہ غالب نظر نہیں آتا      نیاز کی خدمت میں اب نہیں آتا

تو بوسے بہید کو آزاد تو نہیں پاتا      ہوا ہے شہ کا مصاحب چرسے ہر اترا

دگر نہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

ایک اور محسن میں ناسخ کی شہر غزل ”مرا سید ہے شرق آفتاب داغِ ہجران کا“ کی تفسیر کی ہے۔

اپنے استادِ نواب زین العابدین خان عارف کا طویل مرثیہ کہا ہے جس میں بعض اشعار خوب

لکھائے ہیں، نمونہ کے لئے چند شعر ملاحظہ ہوں :-

احوالِ دید و کہلو آنکھوں سے کیا ہو آج      میں کیا کہوں کہ دہر میں کیا ہو ہر آج

یاں بعدِ برگِ حشر کار کہتے تھے انتظار      دوسرے جیسے ہی قیامت بپا ہو آج

فردے عجب ہرگز نہ آئیں جی کے قبر سے  
 ہم بانگ صوڑنا لہ اہل عرا ہے آج  
 اتم سے کیوں نہ دہر میں پڑ جائے زلزلہ  
 تنہیر بے ثباتی ارض و سما ہے آج  
 پھر ہوگا شور خلق میں طوفانِ نوح کا  
 اے اہل گریہ اگر یہی جو شجہا ہے آج  
 اے جذبِ اتحاد یہی ہے مدد کا وقت  
 وہ غم میں ہو چھوڑ کے تنہا چلا ہے آج  
 اے جانِ زار جانے میں یہ دیو حیف حیف  
 کچھ ہی سر و فالتھے اے یوفا ہے آج  
 غزین اکثر غالب کی زمینوں میں کہی ہیں  
 لیکن حتی الامکان عدا سے بیان اور سلاست  
 روانی و شستگی زبان کا سر رشته ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے  
 کہیں کہیں مضمون بھی بہت لطیف  
 پیدا کیا ہے بعض اشعار حسنِ لعل کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

غالب کی مشہور غزل ”جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا“ پر آزاد نے بھی غزل کہی ہے  
 مین نہ دشت میں کبھی سوے بیابان نکلا  
 دان سے دھپ مرافانہ ویران نکلا  
 داعظون سے جو نہا کرتے تھے جنت کا بیان  
 جبکہ تحقیق کیا کو چہ جہان ان نکلا  
 اُنکی جا آج دیر یار پہ بیٹا ہے رقیب  
 خاک خوش ہو دین چو کل یا کہ دبان نکلا  
 وہ رخ ہوش رہا دیکھ کے کب ہوش رہا  
 وصل میں بھی تو نہ دل کا کوئی ارمان نکلا  
 اشعار ذیل ایک بہتر شاعر اور اہل زبان کے لئے بھی باعثِ فخر ہو سکتے ہیں،

شکلِ قاصد نظر بہنیں آتی  
 ہنیں آتی خبر بہنیں آتی  
 وہ بلا کونسی ہے صحرا میں  
 جو کجھویر سے گھر بہنیں آتی

ایک طویل غزل کا اقتباس یہ ہے،

خوش ہوں شکل سے کوئی کام جو آسان ہوتا  
 دورِ افلاک کا شہرِ مندہ احسان ہوتا  
 آہوتا حشر نہنیں ہو کوئی مرنے کا سبب  
 ہمارے حق میں جو ہونا شبِ بھران ہوتا

اہل محبت سے مری روزِ نرانی رہتی      خلد بالعرض اگر کو چہ جانان ہوتا  
ہم بھی مجنون کی طرح خاک اڑاتے پھرتے      ہوتے دیران اگر گھر نہ بیابان ہوتا  
دیکھتے وہ کبھی آئینہ کے دھوکے میں گر      مین جو تیار ہوا کا شکے حیران ہوتا  
کس سے بہلاؤں سگ یا رکوع یانی میں      آج کام آتا وہ آزادِ جود بان ہوتا

تیسرا شعر غالباً غالب کے اس شعر کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا ہے،

کیا ہی رضوان سے لڑائی ہوگی      گہر تر اخلد میں گر یاد آیا

ایک اور غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں :-

تقدیر پر شا کر رہے راضی برضا ہم      اب کئی شکایت کریں اور کھا گلا ہم  
مست حُسن پر بھولو کہ کہا دینگے یہ تم کو      کرتا ہے وفا حسن کرتے ہیں وفا ہم  
مشہور ہو سرِ علقہ و اربابِ جفا تم      معروف ہیں بخیلہ اصحابِ وفا ہم  
ہیں شمعِ صفتِ انجمنِ دہر میں آزاد      سرگرم رہو دادیِ تسلیمِ فنا ہم

دوسرا شعر ایک عجیب عاشقانہ تیور کے ساتھ لکھا گیا ہے،

غالب ہی کی زمین میں ذیل کے دو شعر سننے کے قابل ہیں،

نڈے جو لڑنے کیونہ دے جواب تو دے      بلا سے جو تجھے دینا ہو دے شاب تو دے  
حقیقتِ دلِ خون گشتہ سر بسرِ ہعیان      ذرا وہ طرہ پر دم کو بچ و تاب تو دے

ستائت و بنیدگی جو اکثر دلی والوں کا حصہ ہے، آزاد کے ہاں بھی بدرجہ اتم موجود ہے، دھل کے

بے پردہ مضامین، سو فیاضہ محاورہ، ہوس پرستی، اور تبدیل الفاظ و تزکیب سے ایک بڑی حد تک

ان کا کلام بالکل پاک ہے، وہ عاشق ہیں مگر شریف عاشق، وہ مستوق رکھتے ہیں گران کا معشوق

زنِ بازاری نہیں، وہ اپنی شخصیت کے لحاظ سے مغربی ہیں، مگر انکی شاعری میں شرق کی بلند پایہ

ناشقا نہ شاعری کی جہلک پوری طبع موجود ہے، اسکا کچھ اندازہ ان کے منقولہ بالا کلام سے ہوا ہوگا،  
اور مزید ثبوت آئندہ اشعار سے ملے گا :-

ہے، مگر یہ ہنیں ظاہر کہ کہاں زخمِ نہیان ہے کہ یہ سکنِ جان  
دل وہ دل ہو کہ سدا غم سے گداز چشم وہ چشم کہ خوننا بہ فشان  
سیکھو، دین ہے کتنا ستا ایک ساغر ہے ہائے ایان  
ہم نے اس شوخ کو دل میں رکھا جب نہ پایا کوئی خلوت کا مکان  
طبع کو صرف دعا کر آزاد ہو چکا حال و حقیقت کا بیان  
مومن خان کی ایک مشہور غزل ہے، جسکا مطلع ہے،

دلنگی سی ہے کسی زلفِ داما کے ساتھ پالا پڑا ہے ہکو خدا کس بلا کے ساتھ

اس غزل پر دہلی کے متعدد شاعرین نے غزلیں کہی ہیں جن میں سالک داناور کی غزلیں اپنی اپنی جگہ پر  
بہت خوب ہیں، مرزا غالب کی بھی غزل دیوانِ ناظم (نواب یوسف علی خان ناظم دہلی راجپور) میں  
ملیگی، آزاد نے بھی اس زمین میں طبع آزمائی کی ہے، بعض اشعار کی داد نہ دینا ظلم ہوگا،

اُٹھتا ہے جسم زار ہمارا ہوا کے ساتھ چلتے ہیں تیرے کوچہ میں با دِ صبا کے ساتھ  
بے اعتنائیوں میں بھی کیا کیا لگاؤ ہیں ہیں کج ادائیاں تری کس کس اوکے ساتھ  
جو ہیں سولہس پہی ہیں مرے منتِ استخوان ہو جا شریکِ او سگِ جانانِ ہاکے ساتھ  
گو یا مرا نوشتہ تقدیر ہو گیا وہ رابطہ جین کو ترے نقشِ پا کے ساتھ  
ہیں جانتا ہوں جان سے تم کو عزیز تر افست ہوئی جو جب، تو ہوئی ہونکے ساتھ  
عشقِ تباہ میں وہم سے ہوں اپنو بد گمان کیا در نہ دشمنی مجھے خلقِ خدا کے ساتھ

غالب کی اس غزل پر تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظم نے "آزاد نے ایک دو غزل کہہ دی جسکے چند شعر یہ ہیں :-



قال ہوں اسپہ عشق میں جو خشک دزیرے  
کہا نے کو داغ پینے کو خون جگر لے  
بے درد و ہر نصیب مرے مدعی کو دل  
بلے داغ دشمنوں کو ہمارے جگر لے  
مائل زبں خلاف تناسل ہے کام دل  
جب ہر دوسے زہر کی ہین خواہش شکر لے  
آزاد ککشاں دبر میں نہ ان سے پوچھ  
ہے سفت، دین جا کے بھی وہ بت اگر لے

افسوس خاک تک نہ ہین بہر سرے  
وہ لوگ بھی ہین جنکو اڑانے کو زرے  
بس ہو گیا یقین کہ یہی راہ بار ہے  
دل جا بجا پڑے جو سر رہ گذرے  
پھر تار تو خلق کی آنکھوں میں رات دن  
روسے زمین پر کسکو ترا رہ گذرے  
آزاد ہم کو آج گدرا جائیں جان سے  
کوئے صنم میں جا پئے دفن اگر لے

اسین شبہ ہین کہ دیوان آزاد میں الفاظ و ترکیب کی غلطیاں جا بجا ملتی ہین مثلاً "اے ناصحا" "اے سیم" وغیرہ اور اکثر مقامات پر بندش بھی سست نظر آتی ہے، با این ہمہ اس لحاظ سے کہ یہ ایک سغری شخص کا کلام ہے جسکو جوان مرگی کے باعث مشاقی کا بھی موقع حاصل نہ ہو سکا، دیوان آزاد کو بحیثیت مجموعی بہت عنیت بلکہ قابل قدر سمجھنا چاہیئے۔

اردو کے سغری شاعر دن میں ایک اور صاحب "کا دیوان میری نظر سے گزرا ہے، اس کا نام دیوان شور تھا، اصل نام ستر جارج پیس تھا، غالباً میرٹھ میں قیام رہتا تھا، دیوان دو حصوں میں ہے پہلے حصہ کی ضخامت کا خیال نہیں، دوسرا حصہ ۲۲۸ صفحے میں آیا ہے، دوسرا مطالعہ چلیں میرٹھ میں خود مصنف کی حسب فرائض ۱۸۷۶ء میں شائع ہوا ہے، لیکن کلام بہت معمولی ہے۔

## ابن الطفیل اور اسکا فلسفہ

(۱۷)

اور ان کا تعلق ایسے صاحبِ ذکاوت تھی

ابن الطفیل یا طفیل (ابوبکر محمد بن عبد الملک بن الفضل القسری) مضامیناتِ غناطہ کے ایک مقام اور اوی آتش میں پیدا ہوا تا کہ کچھ دنوں ولادت نامعلوم ہے، موصین بارہویں صدی عیسوی کی ابتدا میں ولادت کہتے ہیں اس نے اپنے وطن میں فلسفہ اور طب کی عمدہ تعلیم پائی، وہ اپنے وقت کا مشہور طبیب، ریاضی دان، فلسفی اور شاعر تھا، کہا جاتا ہے کہ ابن باجر کا شاگرد تھا، لیکن یہ بے اصل بات ہے، کی تردید خود اس کے کلام سے ہوتی ہے، ابن خروناطہ کا وہ کاتب ہو گیا تھا بعد ازین سلسلہ سوحیدین کے پہلے دو تاجداروں کے دربار میں آنسو رنوخ حاصل ہوا، اور ابوالعباس یوسف کے چچ نکو ست میں ۳۳۰ھ میں وہ وزارت اور طبابت کے عہدہ تک پہنچا تا آنکہ ۳۸۵ھ میں مراکش میں وفات پائی۔

یوسف اسکی بہت تعظیم و تکریم کرتا تھا، اور اسکی حکم دے رکھا تھا کہ دور دور سے علماء و فضلاء کو جمع کر کے انکو مصلحت اور عہدے عطا کرے، چنانچہ اس سلسلہ میں ابن رشد نے بھی اس کے

سلے انسائیکلو پیڈیا طبع از جلد ۱۴ صفحہ ۲۲۳ ابن الطفیل کا تذکرہ اسلامی تاریخ میں کہیں نہیں ملتا، ابن خلیکان ابن ابی اصیبعہ ابن عربی، الحلی، قسطلی، ابن سعد اندلسی، قح بن خاقان اور قسطلی سب خاموش ہیں، تعجب یہ ہے کہ آثار الہدایہ میں بھی جو مترجمین تصنیف ہے کچھ نہیں ہے، ادبیتات سے قطع نظر کہ کم از کم اس لحاظ سے اسکا تذکرہ ضروری تھا کہ وہ قرطیبہ اور شاعر خاقان ابن ابی ابرار اور عبد اللہ احمد بن ابی کلابون تک میری دسترس نہیں۔

ظُلّ عافیت میں علی تربیت حاصل کی اور اکی دس طاقت سے ابن رشد دربار میں آخری مناصب تک پہنچا، (یہ واقعات ابن رشد کی سوانح عمری میں بالتفصیل بیان ہو چکے ہیں)

یہ شہور ہے کہ ابن الطیفیل ابن باجہ کا شاگرد نہ تھا، لیکن خود ابن الطیفیل کا بیان ہے کہ مجھے ابن باجہ کی ذاتی ملاقات نہ تھی، امان اکی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا، (حوالہ ابن باجہ کی سوانح عمری میں گدچکاوی) وہ فلسفہ میں گو ابن باجہ کے اس اصول کا پابند تھا کہ انسان کا عقلی کمال محض قوت نظری کے نشوونما پر موقوف ہے، اور اس لحاظ سے اسکو بھی اسی فرقہ میں شمار کرنا چاہیئے، جہیں ابن باجہ کا شمار ہے، لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ عقل کی طرح عقلی فیصلوں میں اسکو بھی کچھ نقص نظر آئے نہ تھا، کیونکہ وہ جا بجا اس بات پر زور دیتا ہے کہ عقلی فیصلے بھی گو صحیح ہوتے ہیں اور شاہدہ ذوقی کے فیصلے سے مختلف نہیں ہوتے، تاہم شاہدہ ذوقی سے انسان وہ کچھ دیکھ سکتا ہے جو عقلی کو کر کے دہندہ بن نہیں دیکھائی دیتا، لیکن شکل یہ ہے کہ

شاہدہ ذوقی سے جو کچھ دیکھائی دیتا ہے اسکو الفاظ کے قالب میں نہیں ڈال سکتے کیونکہ یہ پرشکوہ و بلند معانی الفاظ کے جامہ میں آکر اس دنیا کے چلتے پھرتے افلاک و اشباح سے مشابہ ہو جاتے ہیں، حالانکہ نفس حقیقت کے اعتبار سے انکو اس سے کوئی بھی تعلق نہیں ہی وہی وجہ کہ اکثر لوگ اداسے مطلب میں قاصر رہے، اور اکثر ذوں نے اس راہ میں ٹھوکر کھائی ہیں۔

وہ شاہدہ ذوقی کو انسان کا آخری کمال سمجھتا ہے، لیکن باوجود اسکے عقل نظری کے احکام کو بھی غلط نہیں سمجھتا بلکہ عقلی نشوونما کو انسان کی تدریجی ترقی کی ایک ضروری کڑی خیال کرتا ہے، اس بنا پر اسکا فلسفہ خالص مثالی فلسفہ نہیں بلکہ اشتراقییت اور شائستہ سے بل جل کر ایک نئی شکل ہے، یعنی اسکے فلسفہ کی بنیاد شائستہ کی طرح محض عقل نظری پر ہے، اور نہ اشتراقیین اور صوبیہ کی طرح محض شاہدہ ذوقی پر

بلکہ یہ ایک نیا فلسفہ ہے جس میں ابتدا تو عقل نظری سے ہوتی ہے، لیکن آخری کمال کشف اور شاہدہ سے حاصل ہوتا ہے،

فلسفین کی بہترین تصنیف ایک فلسفیانہ قصہ ہے جس میں اس نے انسان کے ذہنی نشوونما کی تدریجی رفتار کو دکھایا ہے، اسکا عربی نام حی بن یقطان ہے، ایڈورڈ پوکاک نے پہلے پہل اسکی تصحیح کر کے خود تربیت یافتہ فلسفی کے نام سے سلسلہ دین پیرسٹ میں شائع کیا تھا، اس کے بعد فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ الجزیرا سے ( ) نے سلسلہ دین شائع کیا، اسکا ترجمہ

فرانسیسی کے علاوہ انگریزی، جرمن، اسپینی، ڈچ اور اردو زبانوں میں بھی ہوا ہے، چنانچہ ( ) نے سلسلہ دین اسکا انگریزی ترجمہ شائع کیا، اور اس کے بعد دوسرا ایڈیشن بھی نکالا، اسپینی زبان میں اسکا ترجمہ سارگوسا سے سلسلہ دین ( ) نے شائع کیا،

اس رسالہ کے علاوہ اسکی دوسری تصنیف "اسرار الحکمۃ الشرقیہ" ہے، جو (دبلاق مصر میں سلسلہ دین چھاپی گئی۔

رسالہ حی بن یقطان کو عرب فلاسفہ کی دیگر تصنیفات میں جو خاص امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ گویا نہ حال کے دور ترقی میں تاریخی حیثیت کے سوا اور کوئی قدر و قیمت ان کتابوں کی باقی نہیں رہی، لیکن یہ رسالہ اپنے طرز نو اور مادہ اجتہادی کی بدولت علمی دنیا میں اتنا قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور گویا رسالہ کے اصل نظریات تعلیم پاریس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، لیکن اسکا یہ حقیقی پہلو کہ انسان کی عقل کس طرح تدریجاً محسوسات سے معقولات کی جانب ترقی کرتی ہے، نہ صرف ذہنی تفریح کا سوا ذرا کچھ نہیں بلکہ اس سے ایک حد تک دماغ کی فطری تربیت اور قوت مشاہدہ و نظر کے طریق نشوونما پر بھی روشنی پڑتی ہے، اور اس بنا پر یہ انسانہ فلسفہ تعلیم اور علم النفس کے نقطہ نظر سے بھی

کافی اہمیت رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ یورپ کے علمی حلقوں میں میسون ہیلوؤن سے یہ رسالہ آتیک قابل مطالعہ خیال کیا جاتا ہے، خود ابن الطفیل رسالہ کا مقصد حسب ذیل پیرایہ میں ظاہر کرتا ہے،

”فلسفہ کی تصنیفات کے مطالعہ سے میں نے تدریجاً عقلی ترقی کے منازل طے کئے، اور اب آخر میں اس حد پر پہنچا کہ کچھ مشاہدہ بھی کرنے لگا، لیکن یہ، براہِ استفادہ پُرخطر ہے کہ اب بھی میں گمراہیوں سے اپنے تئیں مامون نہیں خیال کرتا ہوں، میں اس رسالہ میں ان تمام منازل ترقی کو یکے بعد دیگرے بیان کر رہا تھا، جبکہ طے کرنا انسان کے لئے لازمی ہے، میرے نزدیک یہ قطعاً ممکن ہے کہ عقل نظری کے منازل کو چھوڑ کر انسان ایک دم مشاہدہ کے رتبہ تک پہنچ سکتا ہے، اس بنا پر اگر میں ان کو اُلف کو بیان بھی کروں جو دورانِ مشاہدہ میں خود مجھ پر طاری ہوتی رہیں تو اول تو الفاظ کے ذریعہ سے انکو میں ادا نہیں کر سکتا، دوسرے ہمتی کے لئے ناقابلِ فہم ہونے کے باعث اُن کا بیان کرنا بے سود ہے، ان اگر عقل نظری کے منازل طے کرتا ہو تو کوئی شخص ایک مدت تک صبر کے ساتھ کوشش کرتا رہے تو یقیناً اُس پر مشاہدہ کی کیفیت از خود طاری ہو سکتی ہیں، لیکن اسکے لئے (جیسا کہ ابھی میں نے کہا) طویل جدوجہد و ریاضتِ ذہنی، صفا، النفس، اور ضبط و توقد و خور و عورت ہے جو شاذ و نادر کو گن میں مجتہداً پائی جاتی ہیں۔“

غرض اس لحاظ سے کہ اس رسالہ میں انسان کی عقلی نشوونما کی تصویر بنایت خوبی سے کھینچی گئی ہے یہ اس قابل ہے کہ دنیا کی تمام توہین اس سے سادی حیثیت سے بہرہ اندوز ہو سکتی ہیں، اسکے علاوہ پورا افسانہ چونکہ خود ایک فلسفیانہ نظریہ کی لطیف پیرایہ میں پیش ہے، اسلئے فصاحت و بلاغت کی پاشنی کے ساتھ ہر ہر قدم پر اجتہاد و فکر کی مثالیں بھی بکثرت ملتی ہیں،

دیگر علامہ اسلام کی طرح ابن الطفیل کا بھی بڑا مقصد علم اور مذہب میں تطبیق دینا اور دونوں میں

صفائی کرنا ہے، لہذا جا بجا آیات فرقانی اور احادیث نبوی سے استدلال کیا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں ابن الطفیل بھی ابن سینا وغیرہ کی طرح اس عیب سے پاک نہیں کہ آیات قرآنی کی بیجا تاویلوں سے وہ اپنے مقاصد جمل کر لیتا ہے، اور صحیح و ضعیف حدیثوں میں تیز نہ کرنے کے باعث ہر طرح کے رطب یا بس احادیث سے اپنا مطلب نکال لیتا ہے،

جہاں تک خود اسکی تحریر سے پتہ چلتا ہے، اس افسانہ کے اختراع کا سہرا اسکے سر نہیں بلکہ یہ ابن سینا کی کان فضیلت کا ایک گومرے بہا ہے، چنانچہ لکھتا ہے:-

”اگر تم حقیقت رسی چاہتے ہو تو حمی بن یقطان اور ابسال و سلامان کا افسانہ سنو جو حقائق سے الامال ہے اور جسکے اختراع کا فخر ابن سینا کو حاصل ہے۔“

حاجی خلیفہ نے ابن سینا کی ایک تصنیف حمی بن یقطان نامی کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس نام کی ایک کتاب ابن الطفیل کی بھی یادگار ہے، ابو عبیدہ جوزجانی نے ابن سینا کی تصنیفات میں قصہ ابسال و سلامان کا نام لیا ہے، غالباً یہ دونوں کتابیں ایک ہی ہیں، تاہم قصہ ابسال و سلامان کو ابن الطفیل کے قصہ حمی بن یقطان سے کوئی مناسبت نہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ ابن سینا سے ابن الطفیل نے کتابوں کا نام صرف ستار لیا ہے۔

۱۷ حمی بن یقطان صفحہ ۱۱۱ ابن سینا کا یہ رسالہ لغزست نہیں گذرا، اور غالباً ناپید ہے، لیکن طوسی نے شرح اشارات میں پورا قصہ نقل کر دیا ہے، جو بالاجمال مدیر ناظرین کیا جاتا ہے:-

تویم نازم بن ابسال و سلامان دو بہائی ایک وسیع مملکت کے بادشاہ تھے، سلامان بڑا مہتا اور ابسال نے اسکے آغوش میں تربیت پائی تھی، ابسال جب بڑا ہوا تو حسن و جمال میں چاند کو شرا نے لگا، اور سلامان کی بیوی کا اس پر دل لگ گیا، چنانچہ ایک جیلہ سے اس نے حمل کی کوشش کی، لیکن ابسال کو چونکہ کوئی گھاؤ نہ تھا وہ اس فتنہ سے محفوظ رہنے کے لئے جنگ پر چلا گیا، سلامان کی بیوی تاک میں لگی تھی، اس نے جب دیکھا کہ (بقیہ بر صفحہ دیگر)

قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ بحر ہند کے کسی غیر آباد جزیرے میں جہان شجر و توان سے انسان کی نسل پیدا ہوتی ہے۔ قدرت الہی سے ایک انسان مایحوان جی بن یعقوب کو لد ہوا، سارے جزیرہ میں اسکی تربیت کا بظاہر کوئی سامان نہ تھا، لیکن خدا نے محض اپنے فضل سے ایک ہرنی کو اسکی تربیت پر مامور کیا، یہ ہرنی اسکو دودھ پلاتی، اور یہ بچہ ہرنی کے دوسرے بچوں کے ساتھ دن بھر کیلے کرتا تھا، تاکہ یہ بڑا ہوا، اور پاؤں پاؤں چلنے لگا، اسکے سارے بدن پر بال تھے، یہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے دیکھا دیکھی چار ٹانگوں کے بل چلتا تھا، اور میر و شکار میں مصروف رہتا تھا۔

(بسم اللہ تعالیٰ صغیر گذشتہ) میرا انون کا رگرگنہن ہوتا تو انفران فوج کو درپردہ ملا کر ابدال کی فوج کو غارت کرانے کی کوشش کی، چنانچہ میدان میں زمین ابدال کا ساتھ چھوڑ کر بہاگ کھڑی ہوئیں، اور ابدال خود بھی بری طرح زخمی ہوا، خدا کے کارخانے عجیب ہوتے ہیں، ابدال ایک کف دست میدان میں پڑا کر رہا تھا، بدن زخموں سے چور چور تھا، ایک ہرنی اسکو پیٹھ پر لا کر اٹھا لیگئی، کچھ دنوں کے بعد جب وہ اس قابل ہوا کہ چل بھر سکے اور زخم سہل ہو گئے تو گھر واپس آیا، بیان آکر جو دیکھا تو سارے کارخانے تتر بتر تھے، ملک دشمنوں نے چین لیا تھا، اور بھائی ایک گوشہ تنہائی میں یاس و حرام کی زندگی بسر کر رہا تھا، ابدال نے پہنچ کر مسلمانان کو لٹکین دی، اور ایک لشکر جواریہ کر کے دشمنوں کو پامال کرنے لگا، نعمت یاور تھی دن بھر گئے، اور مملکت واپس ملگئی، مسلمانان کی بیوی نے جو یہ دیکھا تو سخت پیچ و تاب کھائے لگی، اور توحہ خانہ کے کارندہ کو ملا کر ابدال کو زہر دلوادیا، ابدال کے مرنے کے بعد اب مسلمانان پر سب بھڑ بھڑا کر ایک گوشہ میں جا بیٹھا، اور ان واقعات سے سخت متفکر تھا، اور اہمیت اسکی سمجھ میں نہیں آتی تھی، لیکن خدا کے اسکو قلب صاف عطا کیا تھا، چنانچہ اسکو اہام ہوا کہ یہ سب سازشیں تیرے بیوی کی پیدا کردہ بیہن وہ تیرے بھائی کی دشمن تھی، اور سازشوں کا یہ سارا جال اسی کا بچھایا ہوا تھا، یہ معلوم ہوتے ہی مسلمانان نے اپنی بیوی اور اسکے ساتھ کے تمام سازشیں کو قتل کر دیا۔

یہ افسانہ نقل کرنے کے بعد طوسی اسکے رموز و اشارات کے حل کرنے میں مصروف ہو گیا ہے (بقیہ بر صفحہ دیگر)

ایک دفعہ اسکو خیال پیدا ہوا کہ میرے اور ساتھیوں کے جسم کی کہاں نہایت سخت ہے اور ان پر بڑے بڑے بالوں کی روئیدگی ہوتی ہے جس سے وہ سردی اور گرمی کے اثر سے محفوظ رہتے ہیں، لیکن میری کہاں نہ انکی طرح سخت ہے، اور نہ اسپر اتنے گہنے بال ہیں، اسکے علاوہ نامعلوم طریقہ پر اسکو یہ خیال پیدا ہوا کہ مجھے اپنی ستر چھپانا چاہیئے، چنانچہ اب وہ ان فکروں میں متفرق رہنے لگا کہ درختوں کے پتوں سے کسی طرح اپنی ضرورتیں پوری کی جائیں، اس نے یہ بھی دیکھا تھا کہ دوسرے جانوروں کے دانت یا پنچے اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جانوروں کو چیر پھاڑ کر ان سے غذا حاصل کرنے یا درختوں سے پتہ اکھاڑنے وغیرہ میں انکو بڑی مدد ملتی ہے، لیکن میں ان تمام آلات و جراح سے محروم ہوں کہ اگر کوئی دشمن مجھ پر حملہ کر بیٹھے تو میں ایک لمحہ اسکے آگے ٹھہر بھی نہیں سکتا، عقل تیز تھی اور تجارب پر عمل کرنے کا ملکہ راسخ تھا، اور حیوانات اپنی حالت پر قانع رہتے ہیں، لیکن حمی بن یعقوب کے دل میں غلش تھی اس سے اُٹھنا نہ بیٹھا جاتا تھا، اپنی ضرورتوں کو خود پورا کرنے کا شوق دانسیگر تھا، اور جہاں دیگر جاندار سالوں اور برسوں میں بڑھتے ہیں، وہ لمحہ لمحہ اور گھڑی گھڑی میں بڑھتا تھا، اسپر ستر اویہ کہ عقل کا آلہ ایسا اسکے

دبلا، صوفی گذشتہ، لیکن ابن الطغیلا اور شیخ دونوں کے قصوں کو مل کر دیکھنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ایک کے دوسرے سے کوئی اتقن نہیں، شیخ اس قہر کے ذریعہ سے انسان کے قوای نفسانی کے انحطاط اور صفائی باطن کے مابج کو کھانا چاہتا ہے، لیکن ابن الطغیلا اسکے خلاف قوای نظریہ کے درجعات کی تلویح کر رہا ہے، ایک کے پیش نظر انسان کی علمی حالت کے مراتب کی تلویح ہی اور دوسرا انسان کے قوای ادماکیہ سے بحث کر رہا ہے، پھر کہاں شیخ کے اہل اسلام اور کہاں ابن الطغیلا کے اہل اسلام و اسلام ابن الطغیلا کا اسلام شریعت کا پابند اور التزام جماعت کی کوشش میں مصروف قبلائے الام اور اہل اپنے وقت کا مباحثہ شیخ و طریقت ہے ان دونوں کے یک کر کو شیخ کے اہل اسلام ان کے یک کر سے کوئی نسبت ہی نہیں، اس بنا پر یہ پتہ چھانا مشکل ہے کہ ابن الطغیلا نے اپنے قصوں کو سادہ کہاں سے اور کس حد تک ابن سینا سے اخذ کیا ہے، خود طوسی نے بھی غالباً ابن سینا کے مہل افادہ کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ اس نے سب سے سب سے الفاظ میں قہر کو نقل کر دیا ہے،



پاس متا جو کسی کے پاس نہ تھا، چنانچہ اپنی صنعتگری طبع سے اس نے حیوانات کے ان تمام آلات و  
 جوارح کے جواب پیدا کئے، پتھر اور لوسہ سے وہ ہتھیار کا کام لیتا، بدن بھر دھنن اسلحہ سے شکار کرتا، اور  
 کہتا پتیا، درختوں کے پتوں کو نوچ کر ان سے اپنا لباس تیار کرتا، ان آلات و اسلحہ سے مزین ہو کر اب  
 اسکی صورت و شکل ایسی ڈراونی ہو گئی کہ جنگلوں کے بہائم اور خونخوار جانور تک اس سے دہشت کھانے لگے،  
 اسی اثنا میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا جو اسکی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا تھا، یعنی اسکی مان یکایک مگر گئی  
 موت کا یہ پہلا سامان تھا جو اسکی آنکھوں کے سامنے سے گزرا، ورنہ اس سے پہلے وہ قوت آزمائش غل  
 میں مصروف رہتا تھا، اور مظاہر قوت کے سوا اسکے ذہن میں یہ گمان بھی نہ گذر رہا تھا کہ حیوان کے لئے  
 کوئی بزرگ بھی ہے، اس حالت کو دیکھ کر وہ ناچار روئے چلائے لگا، لیکن عقل نے نصیحت کی کہ رونا  
 بیکار ہے، تدبیر سے کام لو اور اذاعت کی کوشش کرو، تو شاید ان کو اس حالت سے نجات ہو،  
 یہاں سے اسکا خیال اس مردہ جسم کی چیر پھاڑ اور تشریح کی جانب رجوع ہوا، وہ جانوروں کو چیرنے  
 پھاڑنے کا عادی تھا، یہ مشاقتی اسوقت کام آئی اور اس نے سارے جسم کو چیر چیر کر ایک ایک کونہ میں  
 تلاش شروع کی کہ کون سا پرزہ بگڑ گیا ہے، سہہ، جگر، آنتیں، پیپٹیر، غرض ہر جانب ٹٹولا کہیں کوئی  
 بابت نظر نہ آئی، تو یکایک قلب پر ہاتھ پڑا اور دیکھا کہ یہ انگلی جس و حرکت ہے، اسکی حرکت کی حالت  
 پہلے دیکھی نہ تھی، خیال گذر کہ شاید اسکی تجویف کے اندر کچھ ہو، تجویفین جو کہولین تو وہ خالی نظر آئیں،  
 البتہ ایک دھواں سا اڑتا ہوا نظر آیا، غرض بچا رس نے ہر طرف سراغ لگایا کہیں سے گوہر مقصود ہاتھ  
 نہ آیا تو تک کر بیٹھ رہا، لیکن اس واقعہ سے اسکی طبیعت کی چالاکی دہشت جاتی رہی اور وہ دن بدن مجہول  
 نظر آنے لگا، سیر و شکار کے مشاغل بھی رفتہ رفتہ کم ہو گئے، دیگر حیوانات پر جو اسکا عیب بیٹھا ہوا تھا وہ بھی  
 دن بدن زایل ہونے لگا، جسمانی کمزوریوں کا یہ سبق روحانیت کا نفع باب تھا، اب دنیا سے اسکی  
 طبیعت ہٹ گئی، وہ زیادہ تر فکر و نظریں محو و متفرق رہنے لگا، باد و آب و دشت اور دیگر مضامین پر

پہلے اسکی نظر پڑی، راز ہستی جب بیان ہو نہ کہا تو فطرت اور ملائکہ اسکی نفخ و ترتیب پر غور شروع کیا اور رفتہ رفتہ مادیات سے گذر کر روحانیت میں اسکی عقل سرگرم گردش رہنے لگی، اسی حالت میں قدمِ علم کے سنا کا اُسپر انکشاف ہوا، خدا کی ذات و صفات کے متعلق اسکے معلومات میں وسعت پیدا ہوئی، لیکن باوجود اسکے اب بھی کسی بات پر سکیں نہ دیتی تھی، اور اسکی عقل سراپا تحریر تھی، اتفاقاً ایک روز جبکہ وہ اپنے غار کی جلالت پر بیٹھا راز ہستی کے کشف و انکشاف میں مہر گردان و حیران تھا، اُسپر ایک حالتِ بین النور و النقط کی طاری ہوئی اسکے ہوش اڑ گئے، بصیرت پر سب بردے اُٹھ گئے اور وہ ملائکہ اعلیٰ کی سیر کرنے لگا، بیان اس نے کچھ دیکھا جو پہلے کبھی نہیں دکھائی دیا تھا، لیکن یہ حالت ایک لمحہ میں زائل ہو گئی، یہ نئی لذت شہود تھی جس سے وہ آشنا ہوا تھا، اب اُسکو ہر دم اسی کیفیت کے طیان کا انتظار رہتا، اُسکو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ کیفیت پھر کیسے طاری ہو سکتی ہے، بہت سوچتے سوچتے یہ پتہ لگا کہ اگر جسمانی شہوت سے یکلقم ہاتھ اُٹھایا جائے تو روحانیت میں ترقی ہو جانے کے باعث یہ کیفیت اکثر طاری ہونے لگی، اور کیا عجب ہے کہ اسی طرح اس میں ثبات و قیام بھی پیدا ہو جائے چنانچہ اُس نے عہد کر لیا کہ ہمیشہ روزے رکھوں گا اور غار کے گوشہ عافیت سے کبھی نہ نکلونگا، یہ عادت کچھ ہی دنوں ڈالی تھی کہ یکایک آسمان کے دروازے اُسپر کھل گئے، اور زمین کے طبقات اُسپر روشن ہو گئے ہر طرف اُجالا ہی اُجالا تھا، ظلمت جہل کا فور ہو گئی، اور ساری کائنات شہود ہو کر اسکی نگاہ کے سامنے پھرنے لگی، جس جزیرہ میں وہ تھا بسر کرتا تھا، اسکے قریب ایک دوسرا آباد جزیرہ اور تھا، جہان کے باشندے تہذیب و تمدن میں فائق اور شریعت الہی کے پابند و متبع تھے، وہاں خدا کے دینیک بندے اِسلام اور مسلمان بھی رہتے تھے، ان میں سے اِسلام کو عزت و گزینی پسند تھی، اور مسلمان باہمی میل و جمل اور نظام معاشرت کا طرہ دار تھا، لیکن دونوں کے مافراہمی کفر و عصیان سے قلمی نفرت تھی، انکی قوم رویہ تھی اور یہ دونوں بہائی سمجھاتے سمجھاتے تنگ آ گئے تھے، جب کوئی تدبیر بن نہ پڑی تو خیال

پیدا ہوا کہ کسی غیر مباد جزیرہ میں چل کر عبادت الہی میں بسر کرنا چاہیے، چنانچہ ایک کشتی میں سوار ہو کر اس جزیرے میں اترے، جہاں حی بن یقظان بودو باش رکھتا تھا، یہاں اُتر کر انھوں نے دیکھا کہ ایک جنگل دور تک چلا گیا ہے، جہاں نہ کوئی آدمی ہے نہ آدم زاد، یہ دیکھ کر یہ لوگ گھبرا گئے، لیکن دور سے حی بن یقظان دوڑتا ہوا انکو نظر آیا، اسکی شکل عجیب و غریب تھی، اعضا آدمیوں کے سے تھے، چاروں ٹانگوں کے بل دوڑ رہا تھا، روئین تن اور بہا لم صفت انسان ناخن بڑے بڑے بال گھنے اور تلکتے ہوئے، یہ دیکھ کر انکو درخوف معلوم ہوا، ناچار بہا گے اور حی بن یقظان انکے پیچھے دوڑا، پہلے تو سمجھتے رہے کہ کوئی بلا ہے، لیکن جب ہر وقت کا آسنا سامنا ہوا تو دہشت کم ہونے لگی، اور ایک دوسرے سے مانوس ہو گئے، اب رفتہ رفتہ انکو پتہ چلا کہ یہ حیوان نما انسان ہے، اور معرفت اور معلومات میں ہم سب سے آگے ہے، مشکل یہ تھی کہ حی بن یقظان کو انسان کی بولی نہ آتی تھی، ان دونوں نے رفتہ رفتہ اُسے آدمی بنایا، اسکی شکل درست کی، بال بوند سے، ہنلایا دہلایا، پہننے کے لئے کپڑے دیئے، غرض تک سک سے درست کر کے انکو تمدن کے ادب سکھائے، جہاں فی دماغی تربیت کے مراحل تو وہ پہلے ہی طے چکا تھا، تیز گامی، شہسواری اور شکار میں اسکا کوئی مہر نہ تھا، غور و فکر اور تدبیر و حکمت میں اپنا آپ ہی نظر تھا، قوت شاہدہ، حضور ذہن استغراق، کشف صبر و تحمل وغیرہ میں پیش تھا، لہذا ان دونوں بہائیوں نے پوری قوت سے اُسکو شروع تمدن سکھائے، اور اپنی زبان کے مشق کرانے کی کوشش کی، جنکو اُس نے بہت جلد سیکھ لیا، اب تینوں یکجا رہنے لگے، ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات تک نسبت پہنچی، ایک دوسرے کے حالات سوز و غمیت ہوئی، پتہ لگا کہ تینوں کے خیالات متحد ہیں، حی بن یقظان فلسفی تھا، ابدال صوفی اور سلمان علوم ظاہر کا ماہر، اب تینوں میں یہ مشورہ قرار پایا کہ ابدال و سلمان کے جزیرہ میں چل کر دعوت الی المعروف دینی عن المنکر کا فرض انجام دینا چاہیے، چنانچہ ان تینوں نے یہ سفر اختیار کیا، اور وہاں جا کر لوگوں کو راہ حق کی دعوت دینا شروع کی، لیکن انجام کار جب ایو سس ہوئے تو اپنی پہلی قیام گاہ پر

پھر واپس آئے، اور بقیہ عمر عبادت الہی میں گزار دی، پھر نہ معلوم ہوا کہ ان تینوں کا کیا حشر ہوا اور کب تک زندہ رہے۔

۱۔ اس افسانہ کی پچ پچ کی کرطیون کو چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ کس دروس فلسفہ ہیں، آخرین نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ فلسفہ و تصوف اور شریعت سب کا منبج ایک ہے، اور ایک مکمل نظام تمدن کے لئے تینوں کی یکساں ضرورت ہے، ابن الطفیل کے اس افسانہ کو ابن بابہ کے گوشہ نشین انسان کی نظری دنیا سے کقدر شا بہت ہے،

## مسئلہ تطبیقات ثلاثہ فی مجلس واحد

(۱)

از مولوی ابوالحسنات ندوی رفیق دارالعرفین

(۱) انسان کے لئے ایسی ازدواجی زندگی میں کبھی ایسے اوقات بھی آتے ہیں جب زن و شو کی قطعی جدائی ضروری ہو جاتی ہے، لیکن یہ ایک سلسلہ حقیقت ہے کہ اس قسم کے مواقع بہت اہم، نازک اور اسلئے سخت قابل احتیاط ہوتے ہیں، مذاہب عالم جنکا اصلی و مشترک مقصد انسان کی دینی و دنیوی زندگی کو خوشگوار بنانا ہے، انھوں نے اس بارہ میں مختلف راہیں اختیار کی ہیں، موجودہ دین سنی میں طلاق ایک معمولی درجہ کی چیز برکراہ گئی ہے، جنکا نتیجہ یہ ہے کہ آج اسکے پیر و امکی کثرت و عموم سے گھرا اٹھے ہیں، دوسری طرف اس دنیا میں ایسے مذاہب بھی موجود ہیں جنہیں طلاق مطلقاً حرام ہے، اس بنا پر ایک مرد جسکی زندگی انکی شریک زندگی یوی کی ناموافقیت مردانہ حالات سے اسکے لئے عذاب الیم ہو گئی ہو اور وہ دل سے چاہتا ہو کہ اس مصیبت سے نجات پائے، لیکن محض اسلئے اسکو تادم مرگ امین مبتلا رہنا پڑتا ہے کہ اسکے مذہب نے کسی حالت میں بھی اس سے چھوٹنے کی اجازت نہیں دی۔ اسلام دین فطرت ہے اسلئے وہ اس افراط و تفریط سے باکل غلط ہے، اس سلسلہ میں اسکی راہ ان دونوں کے بیچ بیچ میں ہے جسکی نسبت یہ علانیہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک ایسی شاہراہ ہے جسپر چل کر انسان اپنے دامن حیات کو نا خوشگوار لیون اور اذیتوں کے غار ناریہ ہر طرح محفوظ و مطمئن رکھ سکتا ہے،

(۲) طلاق کی نسبت اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ان ناگزیر حالات میں جب زن و شو کی تلکام

زندگی تفریق و جدائی کے سوا اور کسی طرح بھی خوشگوار رہن ہی نہیں سکتی ہو، تو اس وقت طلاق کے جواز سے کام لیکر زندگی کی کلفتیں کو دور کیا جاسکتا ہے، لیکن اس نازک حالت کے سوا اور حالات کے لئے اسکی تعلیم یہ ہے کہ الطلاق ایضاً الباحات (طلاق ایک مکروہ ترین امر جائز ہے) اسلام کی اس تعلیم سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بانی اسلام علیہ السّلام کی نظر ایک نہایت دقیق نکتہ تک پہنچی ہے یعنی یہ کہ طلاق کو مطلقاً ناجائز نہ ٹھہرانا جقدر مضرت نائج پیدا کر سکتا ہے، اسی قدر بلاکس سے کچھ زیادہ ہی بُرے نتائج اسکا ایک معمولی درجہ کی چیز قرار دینے سے بھی پیدا ہو سکتے ہیں، یہ وہ لطیف نکتہ ہے جس تک دوسرے ارباب مذاہب کی نظریں جھوننے لگے مطلقاً ناجائز قرار دیا یا اسکو ایک معمولی درجہ کی چیز نہ ٹھہرایا، سیکڑوں اور ہزاروں برس کے بعد پہنچی ہیں بانی اسلام نے اپنی اسی نکتہ رسی کی بنا پر اس مسئلہ میں بہت سی قیود اور شرطیں لگائیں اور اس بارہ میں اپنے پیروؤں پر بہت سی مفید پابندیاں اور اہم ذمہ داریاں عاید کی ہیں،

(۳) بیان پر سائے طلاق کے پوری تفصیل تشریح مقصود نہیں، بلکہ اسکی ایک خاص صورت کی توضیح مقصود ہے، وہ صورت یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی خاص حالت کے زیر اثر ایک ہی مجلس اور ایک ہی وقت میں پے درپے یہ جہد تین مرتبہ اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ میں نے تجھکو طلاق دی تو کیا وہ بیوی اسپر حرام ہو جائیگی، اور یہ طلاق بائن ہوگی؟ اصل اور غیر مختلط احکام شریعت کے لحاظ قویہ سوال نہایت ہل اور صاف تھا، لیکن ائمہ و مجتہدین کے تحالف اقوال اور پھر متاخرین علما کے متشددانہ اختلاف رائے نے اس مسئلہ کو خاص طور پر پیچیدہ کر دیا ہے، اسلئے میں اس موقع پر تقریباً دونوں قسم کی رائیں اور ان کے دلائل لکھ کر دلائل کی قوت کو نمایاں کر دینگا تاکہ جو پیچیدگیاں واقع ہو گئی ہیں دور رخ ہو سکیں اور اصل مسئلہ واضح ہو، اس قسم کے واقعات جو اتفاق سے کبھی کبھی پیش آجاتے ہیں وہ لوگوں کی نادانغیت یا ایک نا صحیح مذہبی تخیل کی بنا پر افسوسناک صورت اختیار کر لیتے ہیں،

یہ ایک نہایت شدید دینی ضرورت ہے کہ اس کا حقیقی الامکان انسداد کیا جائے۔

اسلام میں اصل شے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اسکے بعد اقوال افعال صحابہ کرام اور ان کے بعد ائمہ و علمائے دین کے فتویٰ اور رائے، خوش قسمتی سے یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق ان تمام چیزوں میں تصریحات ملتی ہیں، میں بہ ترتیب درجہ بدرجہ اس موقع پر ان تمام تصریحات کو جمع کر دیتا ہوں، اوما توفیقی الا باللہ علیہ توکلنا والیہ انیکل حولنا لا یالہ الا باللہ العلیٰ العظیم یہ معلوم ہو چکا کہ اسلام کی نظر میں ازدواجی زندگی ایک نہایت نازک آبگینہ ہے، جس کے حوالے فطرت کے فرائض نہایت اہم ہیں، اس لئے ایک معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس آبگینہ کو چورچوکر دینے والی شے طلاق پر عمل پیرا ہونے کے لئے انسان کو بہت کچھ سوچنے سمجھنے اور اسکے تمام نتائج پر غور و فکر کر لینے کا موقع دیا جانا چاہیے، قرآن مجید کا غور و تدبر بھی ہمیں اسی نتیجہ تک پہنچاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں تعہیل اور زرد پندی کی بالکل اجازت نہیں دی، سورہ بقرہ اور سورہ طلاق میں اس مسئلہ کے تمام تفصیلی احکام مندرج ہیں، قرآن مجید میں طلاق کی جو صورت بتائی گئی ہے وہ یہ کہ پوری مدت طلاق زمانہ عدت، یا تین طہریات میں حیض کا زمانہ ہے، اس مدت میں بہ تفریق طلاق دینا چاہیے، و درتہ طلاق دے چکے تک مرد کو رجعت کا حق حاصل رہتا ہے، یعنی اسکے بعد بھی اگر وہ اپنی بیوی کو زوجیت میں رکھنا پسند کرے تو رکھ سکتا ہے، لیکن تیسری مرتبہ طلاق دیدینے کے بعد وہ ابھر اس وقت تک کے لئے حرام ہو جاتی ہے جب تک کہ دوسرا شخص اس مطلقہ عورت سے نکاح کر کے اس کو طلاق نہ دیدے، یا خود وہ شخص مرنے جائے، سورہ طلاق میں ہے،

یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن  
اے نبی، تم مسلمان جب عورتوں کو طلاق دو تو ان کو الگ کر دو  
عدت کے زمانہ میں طلاق دو اور عدت کو گنتے رہو۔

.....

لا تدری علی اللہ یحدث بعدا  
ذلک امر - فاذا بلغن اجلهن  
فامسلوهن بمعروف او فارقوهن  
معروف

تم نہیں جانتے شاید اللہ اس کے بعد کوئی اچھی حالت پیدا  
پیدا کر دے، پس جب عورتیں اپنی عدت کے خاتمہ کو  
پنچ جائیں تو یا تو انہیں منسلوک کے ساتھ رکھو یا  
اچھی طرح رخصت کر دو،

سورہ بقرہ میں ہے،

والا مطلقات یتزلجن بالفسح  
ثلاثة متروعة . . . . .  
و یغو فکھن احق ہر دھن فی ذلک  
ان ارادوا اصلاحا

اور جن عورتوں کو طلاق دیا جائے وہ اپنے آپ کو تین طرح کی  
مدت تک روکے کہیں . . . . .  
دو اس مدت میں ان کے شوہر ان کے واپس لینے کے  
دو سرون سے زیادہ متروعت ہیں اگر وہ اصلاح کی راہ اختیار کریں

یہ آیتیں اس بات کا غیر شبہ ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کے لئے طلاق کی  
میع عمرات یہی تجویز کی ہے کہ وہ تین طرح یا تین حیض کی مدت میں بتدریج ایک ایک طلاق دے  
اور اس اثنا میں تیسری طلاق سے پہلے اگر وہ رجعت کر لینا چاہے تو اپنی پیری کا سب سے زیادہ  
ستحق وہی طلاق دینے والا شوہر ہے، طلاق کی اس طویل مدت میں تقیم و تفریق اسی لئے ہے کہ اس  
مدت میں فریقین کو آئندہ اقبالات و حالات اور طلاق کے نتائج پر غور کر لینے اور انکو اچھی طرح سمجھ  
لیے گا کافی موقع ملے، طلاق کی اسی صورت کو اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی ایک دوسری آیت میں  
اور زیادہ وضاحت سے بیان فرمایا ہے،

الطلاق مرتان فامساک بمعروف  
او تسلیح باحسان . . . . .  
فان طلقها فلا تقل لہا من بعد

طلاق دو مرتبہ ہے، اس کے بعد یا تو منسلوک کے ساتھ  
رکھنا ہے یا خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دینا . . . . .  
پس اگر تیسری مرتبہ طلاق دیدی تو وہ اس کے لئے نوبت



حتی تنکھ زوجا غیرہ،

مک حرام ہے جب تک اس سے دوسرے شخص شادی نہ کرے،

سورہ طلاق والی آیت میں "واحصوا العدة" کے بعد جو نقطے ہیں وہ ان پر کی آئین طوالت کی وجہ سے لکھی نہیں گئیں، ان کے احکام یہ ہیں کہ اس مدت میں عورتوں کو بغیر کسی سخت ضرورت شرعی کے گھر سے نکلنے نہ دو، اور سورہ بقرہ کی اس دوسری آیت میں باحسان کے بعد جو نقطے ہیں ان پر کی آیات کے احکام یہ ہیں کہ جو کچھ تم نے انکو دیا ہے اسکو واپس لے لینا بہتر اسے لئے جائز نہیں، ان احکام کے بعد دونوں سورتوں کی بقیہ آیات محذوفہ ہیں یہ مشترک حکم ہے کہ یہ عدت میں طلاق دینا، عدت کا شمار کرنا، عورتوں کو اس زمانہ میں گھر سے نکلنے نہ دینا، یا دوسری آیت کے مطابق جو کچھ انکو دیا ہے اسکو واپس نہ لینا، اللہ تعالیٰ کی تائیم کی ہوئی حدود ہیں جن سے تجاوز کرنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں، اور جو شخص تجاوز کر گیا وہ اپنے نفس پر ظلم کر گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت میں بتدریج طلاق دینا اللہ تعالیٰ کی تائیم کردہ حد ہے جس سے تجاوز کرنا ظالم ہے۔

انہی آیات قرآنی کی بنا پر ائمہ و علمائے امت میں سے حضرت امام احمد کا قول ہے،

تدبرت القرآن فاذا اكل طلاق فيه

میں نے قرآن مجید میں بہت کچھ غور و فکر کیا ایمین مذکور

فجعل الطلاق الرجعي طلاقاً ملغواً

سے تعلق جتنی ظلماتیں پائیں، ان میں سے بے طلاق جی ہے

بما غير قوله تعالى ( فان طلقا فلا

البتة اس آیت کی طلاق فستثنیٰ ہے وہیں اگر اس نے تیسری

تحل له من بعد حتی تنکھ زوجا غیرہ)

مرتبہ طلاق دیدی تو وہ عورت اس کے لئے اس وقت تک حرام ہے

( فتاویٰ ابن تیمیہ )

جب تک دوسرے شخص اس سے شادی نہ کرے )

آیات قرآنی کی ان تصریحات کے سلسلہ میں حضرت ابن عمرؓ کے واقعہ طلاق کی طرف توجہ دلا نا بھی ضروری ہے جبکہ شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد کتب صحاح، سنن اور مسانید سب میں سند صحیح ہے،

ان ابن عمر مطلق امرأتہ وہی حائض  
ابن عمر نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی، حضرت  
خذا کر عسا ذلک لرسول اللہ صلعم  
عمر نے اس واقعہ کا رسول اللہ صلعم سے تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا  
ان قال مرہ نلیرا جعھا حتی تحیض ثم  
اے کہہ کر جبت کر لیں یہاں تک کہ وہ پھر حائض ہو اور پھر  
تطهر ثم تحیض ثم تطهر ان شاع مسکھا  
پاک ہو اور پھر حائض ہو اور پھر پاک ہو، اسکے بعد کہہ دینا کہ  
وان شاع طلقھا قبل ان یمسھا فتلک  
چاہیں وہ اسکو اپنی زوجیت میں رکھیں یا اسکو چھوڑے پہلے  
العدۃ التی امر اللہ ان یطلق  
اسکو طلاق دیدیں، اسکے کہہ دی وہ عدت ہے عین عورتوں کو

فیھا النساء، طلاق دینے کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے،

حدیث کا شان نزول اگرچہ واقعہ طلاق حائض ہے، لیکن ابہن رسول اللہ صلعم نے طلاق  
دینے کی جو صورت تفصیل سے بیان فرمائی ہے، میرا اصلی مقصود وہی تفصیل ہے، کیونکہ قرآن مجید کی  
آیتوں سے طلاق کی جو صورت ظاہر ہوئی ہے، رسول اللہ صلعم سے اسکی یہ نہایت غیر شبہ تفسیر و تشریح ہو  
اور یہی وہ طلاق ہے جسکو طلاق شنی (یعنی سوزن طریقہ طلاق) کہا جاتا ہے، اسکے علاوہ جتنی صورتیں  
ہیں سب طلاق بدعت میں داخل ہیں، حضرت ابن عمر کا یہی واقعہ ایک اور روایت میں ان الفاظ  
کے ساتھ مذکور ہے،

بلغ ذلک رسول اللہ صلعم فقال  
یا ابن عمر ما مکن اامرک اللہ تعالیٰ  
انک اخطأت السنۃ والسنۃ ان تستقبل  
الطہر فتطلق لکل قرۃ (نیل الاوطار)  
یہ خبر رسول اللہ صلعم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ یا ابن عمر  
تھکو، اللہ تعالیٰ نے اس طرح حکم نہیں دیا، تم نے سنت میں  
غلطی کی، سنت یہ ہے کہ طہر کا انتظار کرو اور ہر طرح میں  
ایک طلاق دو،

اسی طرح حضرت ابن عباس سے بھی منقول ہے کہ

کان ابن عباس یروی فی الطلاق عند کل طہر  
ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ طلاق ہر طہر کے زمانہ میں ہو۔  
(زاد المعاد)

واقعہ یہ ہے کہ زن دشو کی لغو بات کو شریعت اسلامیہ نہایت اہمیت کی نگاہ سے دیکھتی ہے وہ اس رشتہ کا ٹوٹنا بوجہ مخصوص حالات کے بالکل جائز و بہین رکھتی، اسلئے طلاق ایک ایسی جائز شے ہے جس سے عموماً بچنا چاہیئے، البتہ جب کبھی ناقابل برداشت اور زندگی کو تلخ و ناخوشگوار بنا دینے والے حالات پیدا ہو جائیں تو پھر ایسی حالت میں بتدریج آئندہ کے تمام حالات اور اس کے نتائج پر غور و فکر کر لینے کے بعد وہ اپنے پیر کو اس پر عمل پیرا ہونے کی اجازت دیتی ہے، زن دشو کے انقطاع تعلقات کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سحر کی مذمت بیان فرمائی تو اس کا سب سے کردہ ترین افریہ ظاہر کیا کہ

وَيَعْلَمُونَ مِنْهُمْ مَا لِيُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ  
اور ان دونوں سے وہ چیز دیکھتے ہیں جس کے ذریعہ زن و شو

میں لغو پیدا کر دیتے ہیں،

ایک روایت میں حضرت جابر سے مروی ہے،

عن ابْنِ صُلَعم ان ابليس يَنْصِبُ  
خريشه على البحر ويبعث سائر اياها  
فاقربهم اليه منزلة اعظمهم قسمة  
فيا تيهِ الشيطان فيقول ما زلت به  
حتى فعل كذا، حتى ياتيهِ الشيطان  
فيقول ما زلت به حتى قُتِ بینه  
وسين امرأته فيدنيه منه  
ويقول انت انت و يلتزمه،

نبی صلم سے روایت ہو کہ ابلیس پانی برفست بچا کر اپنی ذبیات کو ہر طرف بھینچتا ہے، ان شیاطین میں سے اذر سے قند منزلت ابلیس سے قریب تر وہ شیطان ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ پیدا کرتا ہے، ابلیس کے پاس ایک شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کے پیچھے پڑا اور اس نے فلاں کام کیا اسی طرح ایک اور شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کا بیجا اس وقت تک کیا جب اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی پیدا ہو گئی، پس ابلیس اس کو اپنے قریب کر لیتا ہے اور اس کو اپنے سے چمکا کر کہتا ہے کہ کو تو کہ ہے،

ایک اور حدیث صحیح میں ہے،

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ایما امرأۃ سألت زوجها بخی مصلحت من مری بہ کہ من عورت نے بغیر کسی سبب کے الطلاق من غیر ما باس فحرم علیہا الرجعة الى الجنة (پھر شہر سے طلاق مانگی اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے، پہلی حدیث میں تعزیری زوجین کی فتنہ معظم سے تعبیر اور دوسری روایت میں بغیر کسی سبب کے طلاق خواہ عورت پر جنت کی حرمت، شریعت کی نگاہ میں طلاق کی اہمیت و استکراہ کو اچھی طرح ظاہر کرتی ہے،

### تصریحات احادیث بنوی

اب ان تصریحات کے بعد اصل مسئلہ کے متعلق روایات صحیحہ کی بنیاد پر یہ غور کرنا چاہیے کہ اگر کسی شخص نے اس بارہ میں اپنی جہالت و بیخبری سے جلدی کی اور ایک ہی مجلس میں مسلسل تین طلاقیں دیدیں تو آخر کیا ہو؟ روایات کا نتیجہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ جمع طلاق ثلاثہ کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں جمع کیا جائیں، مثلاً یہ کہ میں نے تلو تین طلاقیں دین، یا یہ کہ تین طلاقیں ایک ہی مجلس اور ایک ہی وقت میں یکے بعد دیگرے دی جائیں، گو یہ دونوں صورتیں قرآن مجید کے اصل منشاء کے بالکل خلاف ہیں، کیونکہ اس سے تین طلاقوں کی تین ٹہریں تقسیم و تعزیر مستفاد ہوتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجماع طلاق ثلاثہ کے واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ غضبناک ہوئے، سنن نسائی وغیرہ کی روایت ہے،

عن محمود بن لبید قال اخبر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً فقام غضبان فقال ايلعب بكتاب الله وانا بين اظهركم محمود بن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کی خبر دی گئی جس نے تین طلاقیں ایک ساتھ ہی پڑھ کر دیں، آپ یہ سن رکھنے میں کھڑے ہو گئے، اور یہ فرمایا کہ میری موجودگی میں خدا کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے

حتی قام رجل فقال يا رسول الله  
 یہاں تک کہ ایک شخص مجلس سے اٹھا اور اس نے کہا کہ یا  
 رسول اللہ کیا میں اس کو قتل نہ کر ڈالوں۔

لیکن ہر حال اگر اسکے خلاف کبھی کسی سے عمل ہو جائے تو ناگزیر طور پر یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ اس  
 صورت میں حکم و فیصلہ کیا ہوگا؟ اس میں تو اکثریوں کا اتفاق ہے کہ تین طلاقوں کا ایک لفظ میں جمع کرنا  
 حرام ہے، لیکن اختلاف اس میں ہے کہ اگر ایسا کیا گیا تو وہ طلاق رجعی ہوگی یا بائن صحابہ کرام کی ایک  
 جماعت کی یہ تصریح ملتی ہے کہ ایسی حالت میں طلاق واقع تو ہوگی لیکن صرف ایک طلاق رجعی ہوگی، ابو جعفر  
 احمد بن محمد سفینہ نے اپنی کتاب (المقنع فی اصول لوائن و بیان مافی ذلک من الدقایق) میں لکھا ہے

وطلاق لبدعتان یطلقہا ثلاثاً فی کلمۃ واحدۃ  
 اور طلاق بدعت ہے جو کہ کلمہ واحد میں تین طلاقیں بیجا ہیں

فان فعل لزوم الطلاق فتم خلتها اهل العلم بعد  
 پس اگر ایسا کسی نے کیا تو طلاق یقیناً واقع ہوگی البتہ برابر اب

اجماعہم علی انہ مطلق کم یلزم من الطلاق  
 علم نے وقوع طلاق پر اجماع کے بعد اس میں اختلاف کیا ہے

فقال علی بن ابیطالب و ابن مسعود رضی اللہ عنہما ینزل  
 کتنی طلاقیں واقع ہوگی؟ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ نے کہا ہر

طلقۃ واحدۃ وکن قال ابن عباس رضی اللہ عنہ  
 کہ ایک طلاق پڑے گی اور ایسا ہی حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی ہے۔  
 (مناوی ابن عباس)

اسی طرح مجلس واحد میں جمع تطلیقات ثلاثہ بھی طلاق رجعی کا حکم رکھتا ہے، اس بارہ میں صحیح

و محفوظ روایتیں حسب ذیل ہیں،

حدثنا سعید بن ابراہیم حدثنا ابی عن ابن  
 سعید بن ابراہیم نے حدیث بیان کی کہ... مکرر مولیٰ ابن عباسؓ

اسحق حدثنی داؤد بن الحصین عن عکرمہ  
 مروی ہے کہ کا بن عبد بنید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں

مولیٰ ابن عباس قال طلق رکنا نہ بن عبد بنید  
 ایک جلدہ دین اور اس واقعہ پر وہ بہت غمگین ہوئے،

آخر المطالب امرآتہ ثلاثاً فی مجلس واحد فحزن  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تم نے کطرح طلاق دی

علیہا حزناً شدیداً قال فسالہ رسول اللہ صلی  
 انہوں نے کہا تین طلاقیں دین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کیف طلقھا قال طلقھا ثلاثا قال فقال فی مجلس  
واحد قال نعم قال فاما تلک واحداً فلیجھا ان  
قال فراجعھا (مسند احمد بن حنبل)

قال ابو داود حدثنا احمد بن صالح ثنا  
عبد الرزاق ابن ابی جریج قال اخبرنی  
ابن عوف بن رافع مولى رسول الله صلعم عن  
عکرمه عن ابن عباس قال طلق عبد یزید  
انور کانتہ واخوته ام رکانه ثلاثاً وکلم امرأه  
من مزینہ فجماعت ابنی صلعم فقالوا تغنی  
عنی الا کما تغنی هذه الشعرة اخذوا من سها  
ففرقوا بینہ وبنیہ فانطلقت ابنی صلعم حمیة  
فدعا ببرکانه واخوته ثم قال لجلسائہ الا  
ترونا ان فلاننا لیشبه منه کذا وکذا من  
عبد یزید فقلنا احسن کذا او کذا قالوا نعم  
قال ابنی صلعم لعبد یزید ظلماً ففعل ثم قال  
راجع امرئک ام رکانه واخوته فقال انی طلقتها  
ثلاثاً یا رسول الله قال قد عدلت فراجعھا ولی  
یا ایها النبی اذا طلقتم النساء  
فطلقوهن لعدتھن،

پوچھا کیا ایک بندہ؟ انہوں نے کہا ہاں اپنے ورنایہ نیک  
طلاق ہے، پس اگر چاہو تو رجعت کرو، راوی کہتا ہوں کہ  
بعد رکاز نے رجعت کر لی،

ابوداؤد نے کہا... عکرمہ حضرت ابن عباس سے روایت  
کرتے ہیں کہ رکانہ اور اسکے بیائین کے باپ عبد یزید نے  
ام رکانہ کو تین طلاقیں دیں اور قبیلہ مزینہ کی ایک عورت سے  
شادی کر لی، وہ عورت رسول اللہ صلعم کے پاس آئی وہ ایک  
بال اپنے سر سے توڑ کر یہ کہا کہ عبد یزید میری اتنی عزت  
بھی پوری نہیں کر سکتے جتنی کہ یہ بال کر سکتا ہو اسلئے  
مجھ میں اور ان میں آپ تو لڑ کر دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ  
صلعم کو بغیر آئی اور آپ نے رکانہ اور اسکے بیائین کو  
بلو اگر حاضرین مجلس سے یہ سوال کیا کہ کیا یہ لوگ عبد یزید  
نلان غلام مجذومین میں شمار نہیں ہیں، گوگن نے کہا ہاں  
یا رسول اللہ صلعم، پھر رسول اللہ صلعم نے عبد یزید سے کہا کہ  
اسکو طلاق دید وادار پانی پیوی ام رکانہ سے رجعت کر لی  
عبد یزید نے کہا میں نے اسکو تین طلاقیں دی ہیں آپ نے فرمایا  
ہاں میں جانتا ہوں رجعت کرو، یہ فرما کر حسب ذیل آیت  
تلاوت فرمائی، ای نبی تم مسلمان جب عورتوں کو طلاق دیا کرو  
تو انکی عدت کے زمانہ میں طلاق دو۔

اس روایت میں اگرچہ فی مجلس واحد کی تصریح نہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آیت یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء (۱) تلامذت فرما کر اس بات کی کافی دلیل ہے کہ وہ طلاق ثلاثہ فی مجلس واحد بھی، در نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز یہ آیت اس موقع پر تلامذت نہ فرماتے، کیونکہ طلاق ثلاثہ فی مجلس واحد کے بغیر یہ آیت بالکل بے جوڑی ہو جاتی ہے،

لیکن ان روایتین سے زیادہ صاف اور واضح صحیح مسلم اور ابوداؤد کی یہ روایتیں ہیں۔۔

عن طاؤس عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکروستین من خلافتہ عمر طلاق الثلاث واحد فقال عمر بن الخطاب لا لناہ قد استعملوا امرا کان لہم فیہ اناۃ فلوا مصیبا لا علیہم فامضوا علیہم

طاؤس حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عمر خلافت صدیق اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک تین طلاقیں ایک طلاق کا حکم کرتی تھیں لیکن کثرت طلاق کی وجہ سے حضرت عمر بن الخطاب کہا کہ لو کہنے اس سلامین جلدی کی حسین انکے لئے نرمی اور آسانی تھی، پس میں اگر اسکو نافذ کر دوں تو بہتر ہو اسکے بعد اسکو نافذ کر دیا۔

وفی روایۃ ان ابا الصہباء قال لابن عباس ہات من هنا تک الم لیکن طلاق الثلاث علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکرو واحد قال قد کان ذلک فلما کان فی عمرہما قتال الناس فی الطلاق فامضوا علیہم واجازہ

ایک روایت میں ہے ابو صہبہ نے حضرت ابن عباس سے کہا جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بیان کیجئے کیا تین طلاقیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے زمانہ میں ایک تھیں، حضرت ابن عباس نے کہا ہاں ایسی تھیں لیکن جب عمر بن الخطاب کے زمانہ میں لوگوں کثرت سے تین طلاقیں دینا شروع کیں تو انھوں نے اسکو نافذ کر دیا

یہ روایتیں نہایت تصریح سے ہیں یہ بتاتی ہیں کہ عمر رسالت، عمر خلافت صدیق اور عمر خلافت عمر کے ابتدائی دو سال تک عام طور پر تین طلاقیں جو ایک جلسہ و یک وقت دیجائی تھیں ایک طلاق کے حکم میں ہوتی تھیں، اور شہر کو حق رجعت حاصل رہتا تھا، ان ہذا العوالحق المبین۔ (باقی)

## مولانا جامی کے خط پر ایک نظر

از مولوی محمد محفوظ الحق صاحب بی اے

سارف کے اکتوبر نمبر میں مولانا جامی علیہ الرحمۃ کے خط کی عکسی تصویر اور اسکے ساتھ پروفیسر شیخ عبدالقادر ایم اے کی دلچسپ تحریر بھی نظر سے گذری، لیکن وہ مضمون چونکہ بہت مختصر ہے اور اس میں بعض فرد گزشتین بھی ہیں، اسلئے یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں کہ ناظرین سارف کی بعض غلط فہمیاں جو اسکے پڑھنے سے پیدا ہو گئی ہیں دور ہو جائیں اور ساتھ ہی وہ باتیں بھی جنکا فہل مضمون نگار نے اختصار کے سبب سے ذکر نہیں کیا سلسلہ بیان میں آجائیں۔

پروفیسر عبدالقادر صاحب نے پروفیسر براؤن کی لٹریچر ہسٹری آف پرتشیا کی تیسری جلد صفحہ ۵۰۹ سے حسب ذیل بیان نقل کیا ہے، کہ ”مولانا جامی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ان کے کلمات کا ایک نسخہ سینٹ پیٹریسبورگ میں موجود ہے، اور جسکا مفصل ذکر جنرل مستشرق پیرن وکٹر دوزن نے اپنی ایک ضخیم تالیف میں کیا ہے، جہاں مولانا کے خط کی عکسی تصویر ۱۸۸۶ء میں شائع کی گئی ہے جسکی یہ نقل ہے۔“ اس اقتباس سے جو ضرورت سے زیادہ مختصر اور بظاہر ترجمہ معلوم ہوتا ہے، بہت کچھ اشتباہ ہو سکتا ہے، اصل یہ ہے کہ سینٹ پیٹریسبورگ (موجودہ پیٹرو گراڈ) پایہ تخت روس) میں مشرقی زبانوں کی کتابوں کا ایک نادر ذخیرہ ہے جس میں قلمی فارسی کتابوں کی بھی ایک کافی تعداد ہے، مشہور مستشرق ڈاکٹر دوزن نے ان قلمی (فارسی) کتابوں کی ایک فہرست تیار کی ہے، جسکا ایک نسخہ کلمتہ کی اپریٹل لائبریری میں ہے، اور وہ اس وقت میرے پیش نظر ہے، افسوس ہے کہ میں اس فہرست کی (جو میں) زبان سے نا بلند ہوں اسلئے اسکا اقتباس پیش کرنے سے مجبور ہوں، بہر کیف! ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مذکورہ بالا کتاب



کسی موضوع خاص پر کوئی "ضعیف تالیف" نہیں بلکہ سینٹ پیٹر برگ کے مشرقی کتب خانہ کی قلمی فارسی کتابوں کی فہرست ہے، اسکے اخیر میں مولانا جامی کے خط کا عکس منقوش چھاپ کر لگایا گیا ہے، اور اسی کا فولڈ پر دوفیس براؤن نے اپنی لٹریچر ہسٹری آف پرشیا کی تیسری جلد میں شائع کیا ہے۔  
 پر دوفیس براؤن کا بیان ہے کہ مولانا جامی کے ہاتھ کا لکھا ہوا اُنکے کلیات کا نسخہ سینٹ پیٹر برگ میں موجود ہے، لیکن یہ غلط ہے، سنٹ پیٹر برگ میں مولانا جامی کے کلیات نہیں، بلکہ ہفت اورنگ (یعنی سلسلۃ الازہب، سلامان و ابسال، تحفۃ الاررار، سجدۃ الاررار، یوسف زلیخا، لیلیٰ مجنون، اور خود نامہ اسکندری) کا قلمی نسخہ خود مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا البتہ موجود ہے، اور اس کا مفصل ذکر ڈاکٹر روزن کی فہرست (صفحہ ۲۱۵ تا ۲۵۹) میں موجود ہے، خبر نہیں کہ پر دوفیس براؤن جیسے چھل مشرق سے ایسی غلطی کس طرح ہوئی، اور ہفت اورنگ کو انھوں نے جامی کا کلیات کیونکر سمجھ لیا۔

خیر! یہ تو ہوئی اس نسخہ کی کیفیت جو ہندوستان سے ہزاروں میل دور ہے، لیکن اب اس غیر موزن نسخہ کی کیفیت سنئے، جسکی شہرت گو یورپ تک پہنچ چکی ہے، اور وہاں کے بعض علمی رسائل میں اسکا ذکر بھی آچکا ہے، لیکن انوس ہے کہ خود اس ملک کے رہنے والوں کو اس کے تعلق بہت کم معلوم ہے، پر دوفیسر عبد القادر صاحب کو اس نسخہ کا پتہ جس قریب سے ملا اسکی کیفیت وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ آج سے چھ سال پیشتر جب خاکسار سید سلیمان صاحب شیخ اللہ السلیمن بھول بھانہ کی خدمت میں باگلی پور حاضر ہوا تھا اور ان کے ہمراہ وہاں کے فخر مشرق خدا بخش خان مرحوم کے کتب خانہ کی سیر کی تو اس میں ایک نسخہ سلسلۃ الازہب کے دفتر اول کا نظر سے گذرا جس میں ایک مقام پر مولانا جامی نے اپنے فرزند ضیاء الدین یوسف کی تاریخ ولادت اپنے ہاتھ سے لکھی ہے۔ "انوس ہے کہ اس جگہ پر دوفیسر صاحب موصوف کو ہوا ہے، باگلی پور والا مذکورہ صدر نسخہ تسلیم نہیں بلکہ نسخہ

مین ہے اور امین سلسلہ الذہب، و فخر اول ہین جو صرف ۷۵۰ اصغفات پر ختم ہو جاتا ہے بلکہ اسکے  
 بقیہ ۳۳۵ اصغفات پر مولانا جامی کی تمام وہ نظمیں ہیں، جو اپنی زندگی کے پچاسویں سال ۸۶۶ھ میں  
 انھوں نے سلطان ابو سعید کے نام معنون کی تھیں، اور ۸۷۲ھ میں جنکو انھوں نے اپنے دیوان  
 اول میں شامل کر لیا تھا، اور اب وہ غزلین قطعات اور (مختصر) شویان انکے مطبوعہ دیوان میں  
 متفرق جگہوں پر مل سکتی ہیں، اسکے علاوہ پردیس صاحب موصوف کے اس بیان سے کہ امین  
 ایک مقام پر مولانا جامی نے اپنے فرزند ضیاء الدین یوسف کی تالیف ولادت اپنے ہاتھ سے لکھی ہے،  
 صاف پتہ چلتا ہے کہ پردیس صاحب موصوف صرف اس تحریر کو جکا فوٹو انھوں نے معارف میں  
 شائع کیا ہے، اور حسین جامی علیہ الرحمہ نے خود اپنا نام لکھا ہے، ان کا خط سمجھتے ہیں اور پورے  
 نسخہ یا اول صفحہ کی دوسری تحریروں کو کسی اور کا خط تصور کرتے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں بلکہ واقعہ  
 یہ ہے کہ نہ صرف اس شائع کردہ فوٹو کی تحریر بلکہ پورے نسخہ کی کتابت خود مولانا جامی کے ہاتھ کی ہے۔  
 لیکن قبل اسکے کہ میں مولانا جامی کے خط کے متعلق کچھ کہوں، بیان اس قدر بتادینا ضروری ہو کہ  
 نسخہ مذکور ۴۲۶ ورق یعنی ۹۲۲ اصغفات پر ختم ہوا ہے، ہر صفحہ میں تقریباً ۲۵ سطریں ہیں اس کا طول  
 ۱۰ انچ اور عرض ۶ انچ ہے، ہر صفحہ میں سب سے آخری سطر پر ۱۰۰ ہے، پہلے صفحہ پر چند سطریں کسی نے لکھی ہیں،  
 اسکے بعد مولانا جامی کے ہاتھ کی وہ تحریر ہے جس میں انھوں نے اپنے فرزند ضیاء الدین یوسف کی تالیف  
 ولادت تحریر کی ہے، اور پانچے اپنا نام لکھا ہے، اسکے بعد مولانا سرتی مولانا نظام الدین بن شمس الدین  
 خوانی اور مولانا عبود کی تالیفیں ہیں جو انھوں نے ضیاء الدین یوسف کی ولادت پر کئی تئیں (دوسرے  
 صفحہ سے سلسلہ الذہب کا دفتر اول شروع ہوتا اور صفحہ ۷۵ پر ختم ہوتا ہے، اسکے بعد دیوان کا دیباچہ  
 اور پھر صفحہ ۱۶۱ سے غزلوں، فتویوں، مرثیوں، رباعیوں اور تاریخوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اور  
 صفحہ ۵۲۲ کے نصف پر ختم ہوتا ہے، نسخہ بحال موجودہ بالکل اچھا ہے، ہر صفحہ کا پچھلا صفحہ



جس کا ذکر ڈاکٹر روزن کی ہرست میں ہے اور جس کے امیرین بولف کے خط کا عکس بھی دیا گیا ہے)

اس کے علاوہ تصوف پر مولانا جامی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک رسالہ دستیاب ہوا ہے جو فد بخش خان مرحوم کے کتب خانہ میں دیکھا جاسکتا ہے، سلسلہ الذہب، اور اس نسخہ کے خط کو ملایا جائے تو دونوں باطل ایک نظر لگتا، اسلئے امین مطلق شک نہیں کر پروفیسر عبدالقادر صاحب نے سلسلہ الذہب اور دیوان جامی کے جس نسخہ سے نوٹ شائع کیا ہے اس کے پہلے صفحہ کی طرف یہ تحریر ”ولادت فرزند ارجمند ....“ لکھی جاتی ہے ہاتھ کی نہیں لکھی ہوئی ہے بلکہ پورا نسخہ اُنکے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے،

یہ امر موجب سرت ہے کہ بالکل پورے کتب خانہ میں جامی کی تصنیفات کا بہترین ذخیرہ موجود ہے، چنانچہ دہان یوسف زلیخا کا بھی ایک نایاب نسخہ ہے جو مشہور خوشنویس مولانا میر علی الکا تب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور جس کے متعلق یقین کیا جاتا ہے کہ یہ وہی قابل قدر نسخہ ہے جسکی قیمت خود جہانگیر کے زمانہ میں ہزار مہر لگائی جاتی تھی، اس نایاب نسخہ کو عبدالرحیم خان خانسان نے (۲- محرم ۱۱۰۰ھ کو) جہانگیری خدمت میں (مقام اکبر آباد) پہنچا، چنانچہ آئندہ جہانگیری کی عبارت ہے،

”در روز دوشنبہ دوم محرم سنہ ہزار و نوزدہ دارا سخا نہ اکبر آباد بسایہ پتر آسمان پایہ آرائش پذیرفت،

.... و درین روز یوسف زلیخائی بخط امیر علی مصور و ذہیب کہ ہزار مہر قیمت داشت، سپہ سالار

خانسان بطریق پیشکش ارسال داشته بود معروض گردید....“

غالباً اس نسخہ کی شہرت کو سن کر مولانا اسلم میر اچوری کو سہو ہوا اور مولانا جامی کے خط کو انھوں نے اس نسخہ کے ساتھ منسوب کر دیا، اور پروفیسر عبدالقادر صاحب نے اس غلطی کا دائمی ازالہ کر دیا ہے۔

مولانا جامی کے خط پر بحث کرتے ہوئے پروفیسر مصوف نے ایک جگہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلق خط جامی کے زمانہ تک علماء اور شعراء کے استعمال میں عام طور پر نہیں آیا تھا، اور اس کے بدل کر انھوں نے تحفۃ الصلوٰۃ کے ایک نسخہ کا ذکر کیا ہے، جو ۹۹ھ کا لکھا ہوا ہے، واقعہ یہ ہے کہ

اگر اس زمانہ کی قلمی کتابوں کو دیکھا جائے جواب کیا کیا نایاب ہو چلی ہیں تو صاف معلوم ہوگا کہ اس زمانہ یا اس سے پہلے کی اکثر فارسی کتابیں نسخ میں لکھی جاتی تھیں، چنانچہ کیا کیا سادات کا جو قدیم نسخہ خدا بخش خان مرحوم کے کتب خانہ میں ہے، اور جس کے متعلق یقین کیا جاتا ہے کہ خود امام غزالی علیہ الرحمہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، وہ بھی نسخ میں ہے، اسی طرح بابر کا جو ترکی دیوان راسخو کے سرکاری کتب خانہ میں ہے اور جس پر بابر کے دستخط ہیں وہ بھی نسخ میں ہے، پھر دیوان حافظ کا وہ نایاب نسخہ جو خدا بخش خان مرحوم کے کتب خانہ میں ہے، اور جس سے ہمایون، جہانگیر اور دیگر شاہان مغلیہ خالین نکالتے تھے، اس میں ہمایون کا حسب ذیل نوٹ خط نسخ میں لکھا ہوا ہے:-

”از خلی صنف کہ برآمد دیوان حافظین فناء بہت آمد و چندین بار ایات مناسب آمد کہ  
مگر شرح آہنا خود کن بے شود، انشاء اللہ چون فتح ولایات شری و مبارزان آن دیار بابر کو گار شود  
نذر خوبی بخوابد لسان الغیب فرشتا وہ شود و جمع کن تفادات نیز کردہ شود بندہ تو فیقر خب دو مشغبہ  
بہم دی الجود در شہر دین پناہ تحریر یافت، والسلام“

اس کے علاوہ تاسیخ گزیدہ مولفہ محمد اللہ مستوفی کے نایاب قلمی نسخہ کا جو اعلیٰ ایڈیشن پروفیسر براؤن نے  
گج یونیورسٹی بریز کے لئے نوٹس چھاپا ہے، وہ بھی نسخ میں ہے، اس کے خاتمہ پر حسب ذیل عبارت درج  
جس سے سند کتاب (مستحکم) معلوم ہوتا ہے،

وقع الاقام علی ید العبد الضعیف المحتاج الی رحمۃ اللہ الغنی زین العابدین بن محمد الکاتب  
اشترائی عفا اللہ عنہما فی الوقت الاستواسا دس شہر رمضان المبارک سنہ سبعین و ثمانیۃ۔  
اسی طرح اگر اس عہد کی قلمی کتابوں کو دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جائیگا کہ مشہور کے قبل اور اس کے  
کچھ بعد تک خط نسخ کا عام طور پر رواج تھا، اور علماء و فضلاء اس کے بہت زمانہ بعد تک نسخ ہی لکھا کرتے تھے،  
لیکن یہ ضرور ہے کہ اس زمانہ کے کاتبوں میں تعلیق رواج پا چکا تھا، چنانچہ مشہور کے قبل کی بعض

تعلیق کتابین بھی آجکل ملتی ہیں، اور ان سے اس رواج کا پتہ چلتا ہے، گو خواجہ میر علی تبریزی  
 ششہ کے قریب خطِ تعلیق کو ابجا کر چکا تھا، لیکن اسکی تردیح میں اُسے خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی،  
 عام طور پر یہی یقین کیا جاتا ہے کہ میر علی تبریزی موجدِ تعلیق ہے، چنانچہ مولف تذکرہ خوشنویسان (علامہ محمد  
 ہفت تلی) نے میر علی کے متعلق حسب ذیل رائے کا اظہار کیا ہے کہ

”از نسخ و تعلیق خطِ شہد ابداع نمود کہ ان مانتعلیق گویند دان تمام درست و بیشتر خطِ تعلیق سے  
 زشتند و لیکن این مرد روزگار قواعد و رخصتعلیق مقرر نموده نزدکے ہم رسانیده“

اسی طرح قاضی نور الدین شستر نے مجالس المؤمنین میں مولانا سلطان علی شہیدی کے رسالہ منظومہ سے  
 حسب ذیل اشارہ نقل کئے ہیں، جن سے میر علی کے داعیہ تعلیق ہونے کا ثبوت ملتا ہے:-

نسخ و تعلیق گرجی و جلی دست	وضع الاصل خواجہ میر علی است
تا کہ بود دست عالم د آدم	ہرگز این خط بنود در عالم
وضع فرمود از ذہن دقیق	از خط نسخ و دوز خطِ تعلیق
نے کلکش از ان شکر ریز دست	کا صلیش از خاک پاک تبریز دست
نکلی نفی او ز نادانی	بلے ولایت بنودہ تا دانی
بد سفر جمع الافضال	شعشع شیرین مقال شیخ کمال
آئکہ شورش چو سیوہ ہائے خمند	ہست شیرین تر از نبات و زقند

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ میر علی معاصر مولانا کمال الدین خندی ہے، اور مولانا کمال الدین کی

وفات بقول مولفین نفحات (صفحہ ۷۷) حبیب السیر (جلد دوم صفحہ ۹۰) مغت اقلیم (صفحہ ۷۷) مفتاح  
 التواریخ (صفحہ ۱۵۹) اور ریاض النور (صفحہ ۷۹۶) وغیرہ (مطابق سلسلہ میں واقع ہوئی،  
 لیکن مولف مجالس العشاق نے انکی وفات ششہ میں بتائی ہے اور تذکرہ دولت شاہ (مطبوعہ یورپ

صفحہ ۳۵۲ میں انکی وفات ۹۲۲ھ میں لکھی ہے،

بہر کیف! مولانا کمال کا سن وفات جو بھی ہو لیکن اس سے یہ بات ضرور یقین ہوتی ہے کہ خواجہ  
 میر علی ششہ کے قریب زندہ تھے، اور مولانا جامی کی ولادت ۹۱۰ھ میں ہوئی، اسلئے اس میں مطلق شک نہیں کہ  
 جامی میر علی اور اس کے خط سے واقف ہو چکے ہونگے، لیکن قریب سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً زمانہ کی روش اور  
 علماء و فضلا کے انداز کے سبب انھوں نے طرز قدیم کو ترک نہ کیا اور ہمیشہ نسخ ہی کو طرہ اختیار سمجھا کئے، یہ  
 روش ان کے کچھ زمانہ بعد تک جاری رہی اور ۹۵۰ھ کے قبل تک نسخ کا رواج عام رہا، البتہ ششہ کے  
 بعد تعلق خطوط عام طور پر ملتے ہیں، لیکن اس سے قبل کی علماء کی تعلق تحریریں کیا اب کیا اب ہیں۔  
 اس سلسلہ میں اس سوال کو بھی حل کرنا چاہیئے کہ سلسلۃ الذہب و دیوان جامی موجودہ کتب خانہ خدابخش حرم کا  
 سن کتابت کیا ہے؟ مولانا ضیاء الدین یوسف کی تاریخ ولادت ۸۵۰ھ کو دیکھ کر عام طور پر یہ خیال ہو گا کہ  
 مذکورہ صدر نسخہ کی کتابت ۸۵۰ھ یا ۸۵۲ھ میں ہوئی ہوگی، لیکن یہ خیال غلط ہے، سلسلۃ الذہب (دفعہ دوم)  
 کے خاتمہ کی تاریخ خود جامی نے اسطرح تحریر کی ہے:-

داشت جہدی و بر چرخ برین	در رقم کردن حروف سین
چون روش بصاد و ضا و رید	خامہ را حکم آیت ادر سید
ہم برین جامی این نخستہ کلام	ختم شد و السلام والا کرام

جب دفعہ دوم کا سال انتقام ۸۵۰ھ ہو تو دفعہ اول بھی یہی سال لکھ لکھا گیا ہو گا، کیونکہ یہ بالکل بیدار قیاس ہے کہ  
 جامی سلسلۃ الذہب کا دفعہ اول ۸۵۰ھ میں لکھیں اور دفعہ ثانی کو ۸۵۲ھ میں تمام کریں، اسلئے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ مذکورہ  
 صدر نسخہ بھی ۸۵۰ھ یا ۸۵۲ھ میں لکھا گیا ہو گا، اسلئے بعض تاریخ ولادت ۸۵۰ھ کو دیکھ کر یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مولانا جامی کی یہ تحریر  
 اسی سن کی ہے، ان حالات کو پیش نظر رکھ کر یہ خیال ہو کہ نسخہ سلسلۃ الذہب و دیوان اول موجودہ کتب خانہ خدابخش حرم کی کتابت  
 ۸۵۰ھ یا ۸۵۲ھ میں ہوئی ہے، اور جب تک اسکی خلاف کوئی کافی ثبوت نہ ملے اس تاریخ کے ماننے میں مطلق تامل نہیں ہو سکتا۔

## افریقہ میں دولت جدیدین کی ابتدا

از

جناب محمد علی الرحمن صاحب ایم اے عثمانیہ یونیورسٹی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد شیخان علی نے متواتر کوششیں کیں کہ کسی طرح سلطنت پر تسلط حاصل کر لیں، چنانچہ جب بنو امیہ کے آخری زمانہ میں اہل بیت کی دعوت کا آغاز ہوا تو بنو علی اور ان کے طرفداروں کو قوی امید تھی کہ سلطنت انکو مل جائیگی، مگر ۳۲ھ کے سیاسی انقلاب اور بنو عباس کے قیام نے انکی امیدوں پر پانی پھیر دیا، اور انکو نئے سرے سے کوشش کرنی پڑی، حضرت علیؑ کی وفات کے بعد ایک کے سوا شیعوں کے تمام ائمہ حضرت امام حسینؑ کی اولاد میں سے ہوئے، اور اگرچہ وقتاً فوقتاً ان اماموں کے متعلق اختلاف رہا، مگر حضرت جعفر صادقؑ تک ان میں کوئی بڑا اور قابل لحاظ اختلاف نہیں ہوا، امام جعفر صادقؑ نے ۶۸ھ میں وفات پائی، اور انکی وفات کے بعد شیعوں کے دو گروہ ہو گئے، ایک حصہ امام اسماعیلؑ کو اپنا امام ماننے لگا، اور دوسرا موسیٰ کاظمؑ کا پیرو ہو گیا۔ ۷۴ھ سے ۷۶ھ تک اس نئے اسماعیلی فرقہ نے کوئی خاص صورت علحدہ اختیار نہیں کی تھی اور ان میں اور دوسرے مخالف فرقہ میں صرف فرق یہ تھا کہ یہ سات اماموں کو مانتے تھے، اور دوسرے اس سلسلہ کو بیان منقطع کرنے کے بجائے آگے جاری رکھنا چاہتے تھے، آخر ۸۰ھ میں عبد اللہ بن یسویں القدری ظاہر ہوا، جس نے انکو ایک گناہ فرقہ کی حیثیت سے نکال کر سیاسی رنگ میں رنگ دیا، اس نے مختلف ممالک میں اپنے داعی بھیجے، اور آخر اسکا پوتا سعید بن حسین بن عبد اللہ بن یسویں ۸۱ھ میں اس قابل ہوا کہ اپنے دادا کے کام سے فائدہ اٹھا کر افریقہ پر قابض ہو جائے، اسی واقعہ کی



تاریخ اس مضمون کا موضوع ہے،

اسماعیلی فرقہ کے لوگوں نے مختلف ممالک میں اپنے داعی روانہ کئے، مگر انکو ناکامی ہوئی، آخر آپس میں مشورہ کے بعد یہ قرار پایا کہ مغرب کے لوگوں کو اہل بیت کی محبت کی دعوت دینے کے لئے ایک داعی اسطرف روانہ کیا جائے، چنانچہ انھوں نے ایک صاحب فہم و فراست، فصیح و بلیغ، اور عالم و جامل شخص یعنی ابو عبد اللہ صنعا لی کو اس کام کے لئے منتخب کیا، اور اتنا مال اسکے پاس جمع کیا کہ وہ اس کا فی زاد و راہ فراہم کر سکے، انتخاب کے بعد ابو عبد اللہ مغرب جانے سے پہلے حج کے موسم میں مکہ گیا تاکہ وہاں اس سال جہاں مغرب حج کے قصد سے آئے ہوں، ان سے ملے، ان کے اخلاق و عادات کا پتہ لگا سکے، مذہبی اعتقادات کے متعلق واقعت حاصل کرے، اور حصول سلطنت کے لئے جیلہ و وسیلہ دریافت کرے، یہ شخص حج کے قصد سے نہیں بلکہ بزم گدرا شنے کے لئے مکہ پہنچا، کیونکہ اسکے مذہب کے مطابق حج فرض نہ تھا، درحقیقت اس سفر اور تکلیف سے اسکا اصلی اور حقیقی مقصد یہ تھا کہ اپنی مراد کے حصول کے لئے اسباب پیدا کرے، چنانچہ وہاں اسکو چند اہل مغرب دکھائی دیئے، وہاں کے ساتھ رہنے لگا، اور آخر ان میں باطل بل جل گیا، یہ لوگ تعداد میں تقریباً دس تھے، اور قبیلہ کنانہ سے تعلق رکھتے تھے، اور ان کا ایک رئیس ان کے ہمراہ تھا، ابو عبد اللہ نے ان سے ان کے وطن کا حال دریافت کیا، اور پھر ان سے مذہب کے متعلق سوالات کئے، اس پر وہ خاموش رہے، اور اس سے الگ رہنے لگے، یہ دیکھ کر ابو عبد اللہ نے مذہب کے متعلق بحث مباحثہ شروع کیا، اور معلوم کر لیا کہ یہی عقاید ہیں ان کا، پس فرقہ بابائینہ کی طرف مائل ہے، یہ کمزور مقام اسکے آئینہ منصوبوں کی تکمیل کے لئے کافی تھا، چنانچہ اس نے اپنے علمی تجر اور علم مناظرہ کی بہترین قابلیت سے ان پر ایسا اثر ڈالا کہ انکی عقل و فکر بالکل سلب ہو گئی، جب انکی وہی کا زمانہ قریب آیا تو انھوں نے ابو عبد اللہ سے اسکا حال دریافت کیا، اس نے جواب دیا کہ میں عراق کا باشندہ ہوں، اسرکاری نوکر تھا مگر بعد میں مجھے احساس ہوا کہ یہ

لازمت نیکی کا کام نہیں، اسلئے میں اس سے دست کش ہو گیا، اور اس تلاش میں رہا کہ کب حلال کی کوئی بہتر صورت میسر آجائے، آخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ بچوں کو قرآن شریف کی تعلیم دینے سے بہتر اور کوئی کب حلال نہیں، اس پر میں نے دریافت کرنا شروع کیا کہ امکا بہترین موقع کہاں مل سکیگا، لوگوں نے اس بارہ میں مجھے ملک تھرکا ذکر کیا، یہ سن کر اہل مغرب نے کہا کہ مصر ہمارے راستہ میں ہے، اسلئے ہم امین سے گذرینگے، وہاں تک تم بھی ہمارے ہم سفر ہو جاؤ، انھوں نے اس پر اصرار کیا، آخر اس نے منظور کر لیا، شماراہ میں وہ ان سے ہمیشہ گھٹکھو کرتا، اور انکو اپنے مذہب کی طرف مائل کرتا اور آہستہ آہستہ انکو رام کرتا رہا، آخر یہ لوگ کچھ ایسے گرویدہ ہو گئے کہ اس سے خواہش ظاہر کی کہ وہ انکے وطن چلے اور ان کے بچوں کو تعلیم دے، مگر اس نے بعد سافت کا عذر کیا اور کہا کہ اگر تمھو کو مصر میں ملازمت مل گئی اور میری حاجت پوری ہو گئی تو فیہا در نہ میں تمہارے ساتھ قیروان تک چلوں گا جب یہ لوگ مصر پہنچے تو وہ ان سے جدا ہو گیا اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ تلاش روزگار میں سرگرداں ہے، لوگ دوبارہ اس سے ملے اور اسکا حال دریافت کیا، اس نے کہا کہ اس ملک میں میری خواہش پوری ہوتی نظر نہیں آتی، ان لوگوں نے پھر اسکو ساتھ چلنے کے لئے کہا اور اس نے منظور کر لیا، چنانچہ قیروان تک وہ برابر انکی صحبت میں رہے، بیان انہوں نے پھر خواہش ظاہر کی کہ وہ انکے ساتھ انکے وطن چلے، اور وہاں انکی آرزو کے مطابق تعلیم اطفال انکے سپرد کر دی جائے، مگر اس نے کہا کہ میرے لئے ضروری ہے کہ پہلے قیروان میں رہ کر اپنی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کروں، اگر ناکامیاب ہوا تو تمہارے پاس چلا آؤں گا، ان اہل مغرب کا رئیس سب سے زیادہ اسکو ہمراہ رکھنے کا خواہشمند تھا، اور وہی سب سے بڑھ چڑھ کر انکی خاطر و مدارت کرتا تھا، چنانچہ اس نے اپنے مقام مکان، اور قبیلہ کتاہ کا پورا پورا پتہ دیدیا۔

ابو عبد اللہ نے چند روز قیروان میں قیام کر کے تمام قبائل کے حالات کا پتہ لگالیا اور اسکو یہ معلوم ہو گیا کہ تمام افریقیہ میں بلحاظ شوکت و قوت اور راسخ کتاہ کا کوئی قبیلہ ہمسر نہیں، یہ سب کچھ

معلوم کر کے وہ کتاب کے مقدمہ ذکر رئیس کی طرف چلا، اور ایک سیاہ خنجر پر سوار ہو کر مع چند ہلہ بونک  
 اوپر کارا رہا، جب اس رئیس کے مقام تک پہنچا تو راستہ سے ذرا ہٹ گیا، اور ایک کہیت میں  
 پہنچا جہاں کتاب کا ایک ادیب آدمی اپنے بیٹے کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اُس نے پاس آ کر ان کو سلام کیا وہ  
 فوراً کھڑے ہو گئے، اور وہاں ٹھہرنا چاہا، ابو عبد اللہ نے ان کی درخواست منظور کر لی چنانچہ انھوں نے  
 اُسے اپنے گہرین آثار اور بڑی خاطر داری کی، ابو عبد اللہ نے اس شخص سے پوچھا کہ تمہارے  
 بیٹے کا نام کیا ہے، اس نے کہا تمام، پھر پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے، اس نے جواب دیا کہ معمار کا  
 اس سے ابو عبد اللہ نے معلوم کیا کہ فال نیک ہے، ہمارا کام ضرور انجام کو پہنچے گا مگر سو کروں کہ بعد  
 پھر ابو عبد اللہ نے وہاں سے رخصت ہو نا چاہا، وہ روانہ ہو کر کتاب پہنچا، اور ایک مسجد میں اُتر آیا،  
 یہاں ایک بڑا بچہ کو پڑھا رہا تھا، وہ فوراً کھڑا ہوا اور داعی کو سلام کیا، ابو عبد اللہ نے اپنے  
 سیاہ خنجر پر ہی سوار ہوتا، معلم نے اس کو بڑے غور سے دیکھا، جس سے ابو عبد اللہ کو شک گذرا وہ  
 مسجد میں آیا اور معلم سے دریافت کیا کہ تم مجھ کو اور میرے خنجر کو بڑے غور سے کیوں دیکھ رہے تھے،  
 معلم نے کہا کہ ہاں اس کا ایک سبب ہے، زمانہ قدیم میں کتاب میں فلیق نام ایک کاہن تھا جس نے  
 ان لوگوں کے فتنہ و فساد کو دیکھ کر کہا تھا کہ جب مشرق سے ایک شخص سیاہی مائل گھوڑے پر سوار  
 ہو گا تو ہم جنگ کو دیکھو گے، میں نے جب تم کو دیکھا تو مجھے وہ قول یاد آ گیا، اس سے بھی ابو عبد اللہ نے  
 نیک فال لی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو وثوق اور اطمینان حاصل ہو گیا۔

ابو عبد اللہ داعی وہاں سے چل کر کئی رئیس کے پاس گیا اور مسجد میں مقیم ہوا، یہاں بھی ایک  
 معلم بچہ کو تعلیم دے رہا تھا اور اسکے پاس رئیس قبیلہ کے بچے بھی تھے جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا  
 تو رئیس مسجد میں آیا اور ابو عبد اللہ سے ملا، چنانچہ اسی نے ظہر کی نماز پڑھائی، یہی عصر کے وقت ہوا،  
 یہ حال دیکھ کر معلم اپنی ذلت گوارا نہ کر سکا، اور مسجد کو چھوڑ کر چلا گیا، چنانچہ اب ابو عبد اللہ مسجد کا

امام اور بچوں کا معلم ہو گیا، تعلیمی جدوجہد کی وجہ سے بچوں کے مان بانی اس سے خوش ہوئے اور چالیس دینار آپس میں جمع کئے اور شیخ نے ان میں کچھ اضافہ کر کے ابو عبد اللہ کو دینے چاہا ہے ابو عبد اللہ نے ایک اہلی میں سے پانچ سو دینار نکال کر شیخ کے سامنے ڈال دیئے اور کہا دراصل میں بچوں کا معلم نہیں ہوں، اصل معاملہ سے میں تم کو اب آگاہ کرتا ہوں اسے غور سے سنو ملوک اہلبیت کے انصار میں سے ہیں اور اسے اہل کتاب سے تم میں ایک روایت چلی آتی ہے کہ تم ہمارے انصار اور قیام سلطنت میں ہمارے مددگار رہو گے، اور یہ کہ اللہ تمہارے سبب سے دین کو غالب کرے گا، اور اہل بیت کو عزت دیگا، ان میں ابھی ایک امام ظاہر ہوگا جسکے تم مددگار رہو گے، اور اسکے لئے اپنی جانیں تک قربان کر دو گے، تمہارے مدد سے ہی وہ تمام دنیا کو فتح کرے گا، اور اس طرح تمہارا اجر کئی گنا ہوگا، اور دنیا اور آخرت کی بہترین چیزیں تم کو میری آئیگی، یہ سن کر شیخ نے کہا کہ جو کچھ تم نے کہا میں اسکو منظور کرتا ہوں، اور اسکے لئے اپنا مال و جان خرچ کرنے کے لئے تیار ہوں، نہ صرف اپنا بلکہ اپنی تمام قوم کا بھی، میں تمہارا مطیع ہوں اور جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو اسکا حکم دو، ابو عبد اللہ نے کہا کہ اپنے نزدیک کے رشتہ داروں کو دعوت دو، اسی اثنا میں رمضان کا مہینہ آگیا، ابو عبد اللہ نے کہا کہ رمضان آگیا ہے، اور ہمارے مذہب میں تراویح جائز نہیں، کیونکہ یہ عمر کی بدعت ہے نہ کہ سنت رسول اللہ، میں یہ کر دنگا کہ نماز عشا میں کوئی لمبی سورت پڑھو گے، اور اس طرح یہ نماز تراویح کے بجائے ہو جائیگی، شیخ نے کہا کہ میں اس معاملہ میں تمہارا مطیع و فرمان بردار ہوں جو کچھ چاہو کرو۔ جب اس نئی نماز اور بدلے ہوئے حالات کی اطلاع شیخ کے پڑوسیوں اور اسکے بانی کو ہوئی تو موخر الذکر اسکے پاس آیا اور کہا کہ تم کو آخر کیا ہو گیا ہے، اس مشرقی شخص نے تمہارا مذہب کو فساد اور دین کو تبدیل کر دیا ہے مگر شیخ نے کہا کہ میں تم کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ تم بھی اس کام میں میرے شریک ہو جاؤ، یا اس شخص کی برائی میرے سامنے نہ کرو، جسکی نیکی علم و فضل و ہنداری

اور پرہیزگاری کو مین نے ہر طرح آزمایا ہے، یہ سن کر انکا بہائی ناراض ہو کر چلا گیا اور شیخ تمام جماعت کو یکسر غلط ہو گیا، اور ابو عبد اللہ نے اپنی فضیلت کا ایسا سکہ بٹایا کہ لوگ اس کے گردیدہ ہو گئے، اور حد سے زیادہ اسکی تعظیم و تکریم کرنے لگے، شیخ نے استدعا کی کہ وہ ان میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرے، چنانچہ ابو عبد اللہ نے کہا کہ تم سب اہل بیت کے انصار ہو، اسکی تقریر کی علادت کی وجہ سے انکی عقلیں بالکل سلب ہو گئیں، اور آخر کار وہ سب کے سب اس تحریک میں شامل ہو گئے، اسکے بعد موقع پاکر شیخ نے اپنے بہائی کو قتل کرادیا، اور جب لوگ تعزیت کے لئے آئے تو ان سے عہد لیا کہ وہ داعی کے مطیع و فرمان بردار رہیں گے، اسطرح اس نے بتدریج ایک بڑی جماعت کو اکٹھا کر لیا اور یہ شیخ آئندہ سات سال تک برابر اپنی قوم کے ہمراہ انکی جنگوں میں فخر یک رہا، جب اسکی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے نبی عم کو جمع کیا اور انہیں وصیت کی کہ وہ ابو عبد اللہ کا ساتھ نہ چھوڑیں، اور اس بارہ میں کسی قسم کا اختلاف نہ کریں، اسی طرح اس نے ابو عبد اللہ کو اپنے بیٹوں کے بارہ میں وصیت کی،

اسطرح آہستہ آہستہ تمام اہل کتابہ داعی کے مطیع ہو گئے، اور اس قبیلہ کے علاوہ دوسرے قبائل بھی اس تحریک میں شامل ہو گئے، اس پر اس نے ان کا ایک دیوان قائم کیا اور چادری کی بنا ڈالی، اس نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ تمکو اپنے لئے دعوت نہیں دیتا بلکہ اہل بیت کے امام مہموم کی اطاعت و فرمان برداری کے لئے بلاتا ہوں، اس امام مہموم کی صفات بیان کرنے میں ایسی ایسی کرامات بیان کیں جو خلاف عقل ہتین، مگر لوگ انکو صحیح مانتے تھے، وہ ان سے کہا کرتا تھا کہ وہی امام در حقیقت اس امر کا اصلی مالک ہے، اور جب وہ ظاہر ہو جائیگا تو میں ہٹ جاؤنگا، اور لطف یہ ہے کہ ابو عبد اللہ نے امام کو اتنا تک خود نہیں دیکھا تھا بلکہ شیعوں سے صرف اسکے حالات سننے تھے، اس لئے اسکا اعتقاد امام کے دیکھنے پر مبنی نہ تھا، جب تک بربر یوں کا کام بالکل پتہ نہیں

ہوا، اور وہ امیر افریقیہ کو شکست دیکر ملک پر قابض ہنیں ہو گیا، ابو عبد اللہ نے امام کو مہینہ دیکھا تھا۔ اس وقت خاندان بنو اغلب کا ایک فرمان ردا ابراہیم بن اغلب حکمران تھا، اس سے قبل ہی سلطنت بنو اغلب میں مختلف انقلابات ظہور پذیر ہو چکے تھے، اور حکومت میں ضعف آگیا تھا، ابراہیم نے بادشاہ ہو کر کم و بیش چھ سات سال تک اپنے پیشروؤں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی، مگر اسکے بعد اس نے ظلم و ستم آغا کر لیا، اور اس ظلم و ستم کی وجہ سے سلطنت کی رہی ہی طاقت کبھی زایل کر دیا، ایک دوسرا غضب یہ کیا کہ جب ۲۸۵ھ میں اس نے اہل بلزمہ پر فوج پائی تو ان کے کم و بیش ایک ہزار آدمیوں کو پکڑ کر قادی لے آیا، اور بیان اس کے انکوائٹیان دلانے اور راحت پہنچانے کے بعد قتل کر دیا، یہی قتل عام دولت اعلیٰ کے زوال کا باعث ہوا، کیونکہ ان لوگوں میں عربوں اور ان لوگوں کی اولاد شامل تھی جنھوں نے افریقیہ کو فتح کیا تھا، اور بونگتاہ کے حریف تھے، اب توازن قائم نہ رہ سکا، اور جب کتابہ ابو عبد اللہ سے مل گئے تو بنو اغلب کے افریقیہ میں قیام و بقا کی کوئی سبیل نہ رہی، اور ابو عبد اللہ کے ہاتھ ایسا حربہ آگیا کہ جس سے بچنا بنو اغلب کے لئے بالکل نامکن تھا، آخر اس طرح سلطنت کے جزوؤں کو کھوکھلا کرنے کے بعد ۲۸۹ھ میں ابراہیم نے وفات پائی، اور ابوالعباس ابن ابراہیم باپ کی جگہ بادشاہ ہوا، مگر بادوں روز کی حکومت کے بعد اپنے غلاموں کے ہاتھ سے قتل ہوا، اور بنو اغلب کا آخری تاجدار زیادۃ اللہ تخت پر بیٹھا، مگر یہ تخت نشینی بھی بغیر خون ریزی اور قتل کے عمل میں نہ آسکی، جس سے سلطنت اور بھی کمزور ہو گئی، ابو عبد اللہ کتابہ پر پورا قبضہ حاصل کر چکا تھا اور زیادۃ اللہ بالکل بے دست و پا تھا۔

آخر ۲۹۰ھ میں افریقی اور ابو عبد اللہ کی فوج میں سب سے پہلے مدعیہ کبوز کے مقام پر ہوئی، اسکی تفصیل یہ ہے کہ زیادۃ اللہ کے پہ سالار ابراہیم بن حبشی بن عمر تھیں نے لشکر کے ساتھ اسکی طرف کوچ کیا، ابو عبد اللہ کو جب اس بات کی اطلاع ملی کہ ابراہیم بن حبشی کے ہمراہ اکابر قوم،

شرفا سے عرب اور رومالی ہن اور اسکے علاوہ بہت سا مان حرب سے سلج ہے، تو اس خوف پیدا ہوا، اور اُس نے کتاہ کو جمع کرنا شروع کیا، یہ تمام جمعیت بے قاعدہ اور بے ضابطہ تھی اور اسکی صورت یہ ہوتی تھی کہ ابو عبد اللہ قبائل کے مختلف رؤسا کی طرف خط لکھا کرتا تھا اور وہ لوگ اپنے مسلح اور اسکی طرف راغب لوگوں کو جمع کر لیا کرتے تھے، ان غفلتوں میں صرف یہ ہوتا تھا کہ فلان بن اور فلان موقع مقرر ہوا ہے، اُسکے سامنے ایک شخص پکارا کرتا تھا کہ پیچھے رہنا اور جنگ میں شرکت نہ کرنا حرام ہے، نتیجہ یہ تھا کہ کتاہ میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں رہا جو اسکے ساتھ نہ لگ گیا ہو، اس طریقہ سے اس نے ایک لاکھ پانچ سو اور لاکھ جماعت پیدا کر لی، اور وہ سب ابراہیم کے مقابلہ اور مقابلہ کے لئے جمع ہو گئے، آخر کار کتبہ کے مقام پر مقابلہ ہوا جو صبح سے شام تک برابر جاری رہا، آخر ابراہیم کو شکست ہوئی، منہزم فوج کے خیال کو ترک کر کے کتاہ لوٹنے میں مشغول ہو گئے، اور بہت سے ہتھیار، زین، گھما، اور طرح طرح کا مال داسباب اُن کے ہاتھ آیا، یہ سب سے پہلے مال غنیمت تھا جو ابو عبد اللہ شیعی اور اُسکے اصحاب کو چل ہوا، چنانچہ اب انکو ریشمی کپڑے میسر آئے، صبح تلواریں گردنوں میں حاصل کیں، اور سنہری اور زرد پہلی کام کے زین اور رگام لگا کر گھوڑوں پر سوار ہوئے، اسکے علاوہ ان کے پاس ہتھیاروں کی افراط ہو گئی اور وہ لوگ شریف اور بزرگ بن گئے، اب انکی مرادیں پوری ہوئیں اور ساتھ ہی انکو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ابو عبد اللہ داعی نے فتح و ظفر کے جو کچھ وعدے ان سے کئے تھے، وہ سب برحق ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے دل بڑھ گئے اور اوہراہل افریقیہ زیادہ کمزور اور بے ہمت ہوتے گئے، اُن کے دلوں میں بیچارگی اور بے مالگی کا خیال پیدا ہوا، ابو عبد اللہ داعی نے فوراً عبید اللہ شیعی کو جو اسوقت سلجاسہ میں تھا اس فتح کی

۱۱۶۱ھ عبید اللہ شیعی سلجاسہ میں پیدا ہوا، ۱۱۶۲ھ میں سودا کر کے ہیں میں بھر آیا، اذی ۱۱۶۳ھ میں سلجاسہ پہنچا، ۱۱۶۴ھ میں ۱۱۶۵ھ میں کادو میں اسکی وراثت کا اعلان ہوا، اور نصف رجب الاول ۱۱۶۵ھ میں ۱۱۶۶ھ میں کادو میں اسکی وراثت کے بعد وفات پائی

اطلاع دی اور خفیہ طور پر کتاہ کی ایک جماعت کے ہاتھ اسکے پاس بہت سا مال بچھدیا۔

۲۹۳ھ میں زیادۃ اللہ بن عبد اللہ بن اغلب نے ابو عبد اللہ داعی سے لڑنے کے لئے مدینہ منورہ گیا، اور حامد بن سرور خال کی سرکردگی میں اربس کی جانب ایک لشکر روانہ کیا مگر

۱۔ جاوی الاخر کو یہ دونوں زیادۃ اللہ کے مخالف ہو گئے، اور ۱۳۰ کو قیردان پہنچے، ایک جم غفیر نے شہر سے نکل کر اسکا مقابلہ کیا، اور ان دونوں کو قتل کر ڈالا، اسی اثناء میں ابو عبد اللہ کی چالوں کی اطلاع خلیفہ عباسی مکتفی کو بھی مل چکی تھی، چنانچہ اس نے اہل افریقیہ کو زیادۃ اللہ کی مدد اور شیعی داعی کے خلاف جنگ کے لئے براغیختہ کیا، زیادۃ اللہ خود اربس گیا اور بکثرت فوج جمع کی اور

دور بہت سال و ستاع ان میں تقسیم کیا، باغایہ کی طرف فوجیں روانہ کیں طبنہ کی حالت بھی مخدوش تھی، اسلئے وہاں بھی فوج متعین کی، اور حکم دیا کہ کتاہ پر گھات مار چھاپے مارے جائیں، خلیفہ اور

زیادۃ اللہ کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا، آخر بارگاہ خلافت کا اہلچلی زیادۃ اللہ اور اسکے ندیموں کی حالت دیکھ کر ناامید واپس چلا گیا، ابو عبد اللہ داعی نے بلزمہ اور طبنہ پر غلبہ حاصل کر لیا، اور لوگوں کی تالیف قلوب کے لئے تمام زیادہ وصول کیا ہوا محصول اربس کر دیا، اس سے اسکو اور تقویت حاصل ہوئی کیونکہ عوام کو اب یہ امید ہوئی کہ ابو عبد اللہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو پھر زندہ کرے گا، نتیجہ یہ ہوا کہ گرد و فواح کا علاقہ امن و امان ہی سے اسکا مطیع ہو گیا، جب زیادۃ اللہ کو یہ معلوم ہوا تو اسے سخت رنج ہوا، اور اس نے حکم دیا کہ مسجدوں کے منابر سے ابو عبد اللہ پر لعنت بھیجی جائے کہ مریدوں، اب عبد اللہ کی طاقت کا ٹوڑنا ناممکن تھا۔

۲۹۴ھ میں ابراہیم بن حبشی بن عمر اپنی فوج کو لیکر اربس سے ابو عبد اللہ کی جنگ کیلئے طبنہ کی جانب روانہ ہوا، زیادۃ اللہ اسوقت تک اربس میں مقیم تھا، اب وہ رخاہ چلا گیا اور وہاں خواہشات نفسانی میں مہمک ہو گیا، رات دن بدھن، اور بد معاش لوگوں اور گویوں کی



کی صحبت میں زندگی بسر کرنے لگا اور جب کبھی اسکو سلطنت کی تباہی و بربادی کا خیال آ بھی جاتا تھا تو اُسکے یہ ندیم اُسکو دوسری طرف متوجہ کر دیتے تھے، آخر شعبان میں ابو عبد اللہ شعی شہر باغایہ میں داخل ہوا، اور حالت ایسی نازک ہو گئی کہ زیادۃ اللہ کا رقادہ میں قیام نامکن ہو گیا، آخر اپنے وزیر کے مشورہ سے اس نے رقادہ کو خیر باد کہہ کر سہراگ جانے کا ارادہ کیا، مگر ابراہیم بن حبشی نے مخالفت کی اور اُسے بزرگوں کے کارنامے یاد دلائے کہ کس طرح اس سے بھی بدتر حالت کو انھوں نے رقادہ ہی میں مقیم رہ کر سنبھال لیا تھا، زیادۃ اللہ نے اسکی صلاح مان لی اور ٹہر گیا، مگر اس قیام سے بگڑی حالت کو نہ سنوار سکا، آخر ۲۹۶ھ میں ابو عبد اللہ شعی کا لشکر قطیف تک پہنچ گیا، اور زیادۃ اللہ کے سردار لشکر اپنی فوج کو لیکر تدار کی طرف پسا ہوئے، شیعی فوج نے اگر دونوں کے علاقے میں پہل کر سب کچھ جلا دیا، ابو عبد اللہ نے پہلے سے اپنی فوج کو حکم دے رکھا تھا کہ قتل و غارت نہ کریں، اور مکانوں میں مقیم رہیں، اس حکم کی بدولت دوماۃ تک باطل سکون رہا اور لوگوں کو خیال ہوا کہ فتنہ دور ہو گیا ہے، مگر اس حملہ نے سب کو چونکا دیا، اور زیادۃ اللہ مرعوب اور شہر کی طرف سے ناامید ہو گیا، یہ حالت ہوئی کہ لوگوں کی زبانیں خوف و اضطراب سے بند ہو گئیں، اور زیادۃ اللہ کے وزراء نے نہ حکم حلال لوگوں کی طرف سے اسے بدظن کرنا شروع کر دیا۔ اسی سال ابو عبد اللہ شعی نے اربس پر حملہ کیا، اور ابراہیم بن ابوالغلبہ کی فوجوں سے اسکا مقابلہ ہوا، ابراہیم نے شکست کھائی، اور ۲۹۷ھ جمادی الآخر کو ابو عبد اللہ بزدل شمشیر شہر میں داخل ہو گیا، اور وہاں خون کی ندیاں بہا دیں،

جب اس واقعہ کی اطلاع زیادۃ اللہ کو ہوئی تو وہ سمجھ گیا کہ اب سلطنت اور حکومت دونوں خفست ہیں، چنانچہ ۲۹۷ھ جمادی الثانی کو اس نے رخت سفر تیار کرنا شروع کیا اور طرابلس چلا گیا، صبح کو قصر امارت لوگوں نے لوٹ کر تہ و بالا کر ڈالا، ادھر ابراہیم بن ابوالغلبہ اربس سے

پہا ہو کر قیردان آیا، اور بیان اپنا سک بٹھانا چاہا، مگر لوگوں نے کہا کہ بچاؤ کی صورت ممکن نہیں، جب تنہا رہے پاس مال دوزخ و شکر تھے اور تم کچھ نہ کر سکتے تو اب کیا کر سکتے ہو۔

ابو عبد اللہ نے جب زیادۃ اللہ کے خزانہ کی خبر سنی تو وہ قیردان کی طرف چلا، اور اپنی ایک

انصر کو کچھ رسالے دیکر رقادہ روانہ کیا تاکہ اس پر قبضہ کرے، اسی سال یعنی ۲۹۶ھ میں ابو عبد اللہ

قیردان میں داخل ہوا، اور وہاں کا انتظام درست کر کے اپنے لشکر کو سجلاسہ کی جنگ کے لئے تیار

کیا، بیان عبید اللہ شعی اور اسکا بیٹا ابوالقاسم قید تھے، سجلاسہ کے راستہ میں تباہت کو فتح

کیا، اور ابو حمید و اس بن صولات لہبضی اور براہیم بن محمد یانی کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور خود

سجلاسہ کی طرف چلا، ۶ ذی الحجہ ۲۹۶ھ کو وہاں پہنچا، اور محاصرہ شروع کیا، سات تا بیچ کو جنگ

ہوئی اور اسی دن اس نے شہر پر قبضہ کر لیا، عبید اللہ شعی اور اسکا بیٹا ابوالقاسم مریم بنت

مدرار کے پاس قید تھے، انکو وہاں سے نکال لیا، جب ابو عبد اللہ نے انکو دیکھا تو پایادہ ہو گیا،

اور فرط سرت سے اس کے آنکھیں ٹپکنے لگیں، اسے فائزہ بین لایا گیا اور بیان اس نے امور سلطنت

اس کے سپرد کر دیئے، اور اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ یہ ہے میرا اور تنہا را آقا، اللہ تعالیٰ نے اس کے

بارہ میں اپنا وعدہ پورا کیا، اسکو اسکا حق عطا کیا، اور اسے غالب کیا، اب عبید اللہ اقلیہ کا

تنہا مالک تھا۔

# مختصر صحافت

## فن صحافت

لندن یونیورسٹی میں طلبہ کے لئے جو اختیاری مضامین ہیں، ان میں ایک مضمون فن صحافت (جو نلزم) بھی ہے، کچھ روز پورے ٹائٹس کے ایڈیٹر اسٹرنڈ نے اس فن کے اصول و شرائط پر یونیورسٹی مذکور کے سامنے لکچر دیا، جس کے اقتباسات ذیل غالباً دلچسپی سے پڑھے جائیں :-

پریس کی قوت، جس کا اس قدر شہرہ ہے، اس کا دار و مدار تئسراس امر پر ہے کہ فلاں پرچہ فلاں درجہ کا ہے، تجربہ کار اخبار نویس خود اپنے پرچہ کی قوت اور بعض اوقات اس کی کمزوری کا اندازہ رکھتے ہیں، لیکن یہ کوئی اخبار نویس قبل سے نہیں بتا سکتا کہ اس کی تحریر کا پبلک پر کیا اثر ہوگا، صرف اتنا یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کسی اخبار نویس نے کافی غور کے بعد اور اپنی ضمیر و دیانت کے مطابق کوئی تحریر شائع کی ہے تو اس کا اثر یقیناً ہوگا۔

اخبار کی ترتیب و تہذیب اور اس کی طبع و اشاعت کی جزئیات سے واقفیت بھی ایک فوٹو صحافی کو اگے چل کر بہت مدد دیگی، اکثر فوجوان اخبار نویسین کو اس کی عجلت ہوتی ہے کہ کسی پرچہ کی باگ ان کے ہاتھ میں آتے ہی وہ اسے عامہ کو اپنے قابو میں لے آئیں، یہ خواہش بجائے خود ناجائز نہیں، لیکن اس میں عجلت کرنے کی مثال بالکل ایسی ہی ہوگی کہ جیسے کسی سمار کو بغیر بنیاد قائم کئے اور دیواریں اٹھائے چہت تیار کرنے کی عجلت ہو جائے، سماروں کی طبع اخبار نویسین کا بھی اصل کام بنیادوں سے شروع ہوتا ہے، بیرون کی مشق دریا صفت کے بعد کہیں جا کر کامیابی ممکن ہوتی ہے

اور پھر ضرورت اسکی بھی ہے کہ تعلیم جقدر گہری اور جقدر وسیع حاصل کیجاسکے، کی جائے،  
 شارت ہیڈ، ٹائپ رائٹنگ (مختصر نویسی و ٹائپ نویسی) اور دوسری زبانوں سے واقفیت  
 بغیر اسکے کہ اپنی مادری زبان کو فروغ دیا جائے، تحریر میں طول و اطناب کا ہونا، مغرب کی  
 پہنچ جانا، حوالوں کی بڑی بڑی کتابوں سے تیزی کے ساتھ کام نکال لینا، قوت استدلال رکھنا  
 یہ سب اوصاف مفید اور معین ہونگے، لیکن محض ان خصوصیات کی جامعیت سے کوئی شخص اول  
 درجہ کا صحافی نہیں ہو سکتا، بہترین جرنلسٹ ہونے کے لئے ایک اور بھی شے لازمی ہے، اور وہ لازمی  
 شے کیریکٹر (اخلاقی قوت) ہے، یعنی وہ قوت جو حق و باطل میں امتیاز اور یحیٰی کے ساتھ اظہار حق  
 کر سکتی ہے، موجودہ تمدن میں یہ فن ایک پیشہ کی حیثیت ضرور رکھنے لگا ہے، اور لوگ اسے محض فریوہ  
 سماش و آلہ تجارت سمجھنے لگے ہیں، تاہم یہ ایک شریف فن ہے، جبکہ مقصد اصلی خدمت خلق کرنا ہے  
 جو لوگ اپنے اندر خدمت خلق کا کوئی دلولہ نہیں پاتے انہیں اس کو چھین قدم ہی نہ رکھنا چاہیئے۔

اخبار نویسی کی زندگی بعض حیثیات سے کتے کی زندگی کے مشابہ ہوتی ہے، جو وقت انسان کا  
 آرام کے ساتھ سولے کا ہوتا ہے، اس وقت وہ جاگتا ہوتا ہے، اور اپنے کام میں مشغول ہوتا ہے، اسکے  
 نہ کہالے کا کوئی وقت مقرر ہوتا ہے نہ سولے کا۔ بیشمار لوگوں سے جو ہر روز آج اور ہر طبیعت کے  
 ہوتے ہیں، سالفہ پڑتا رہتا ہے، اور طرح طرح کی تکالیف جھیلنا پڑتی ہیں، جن اشخاص کو راحت و  
 آرام عریز ہو، ان کے لئے یہ صیغہ موزون نہیں۔

اخبار ایسا ضرور ہونا چاہیئے جو اپنے مصارف اپنی ہی آمدنی سے چلا سکتا ہو، اگر فارمی مدد لگتی  
 تو اخبار آزاد نہ رہ سکیگا، اور جو اخبار اپنی پالیسی میں آزاد ہوں، وہ ملک و قوم کے لئے ایک خطہ ہے۔  
 اخبار کو سب سے زیادہ عزیز اپنی آزادی ہونا چاہیئے، ایک آزاد اخبار سب کی نظروں میں  
 اٹھتا ہے، حکام کی جانب سے بدگمان رہتے ہیں، امراء اس سے بیزار رہتے ہیں، مصائب و

دو خاندان دوست حلقہ اس سے ضد رکھتے ہیں، انتہا پسند و انقلاب پسند گردہ اپنی طرف سے اسکا مخالف رہتا ہے، لیکن باہرین ہمہ امن عامہ اور ملک کے نظم و نظام کی برقراری میں جس قدر ہاتھ ایک آزاد پریس کا ہوتا ہے اس قدر نہ پارلیمنٹ کا ہوتا ہے نہ کلیسا کا، اور نہ جلوس اور تقریر دن کا۔

لارڈ نار تھ کلف (مالک اخبار ٹائمز) کا جو دور حاضر میں بہترین جرنلسٹ (صحافی) ہیں، بقولہ ہے کہ ایجاز و اختصار جانِ صحافت ہے، ایک اچھا اخبار نویس، قلم ہاتھ میں لینے کے قبل ہی ذہن میں طے کر لیتا ہے کہ فلاں مضمون کو فلاں تعداد سے زائد الفاظ میں نہ ادا کیا جائیگا، ایک ایڈیٹر کیلئے سب سے زیادہ تکلیف دہ وقت وہ ہوتا ہے جب اسکے ماتحت بڑے بڑے طویل و عریض مضامین اسکے پاس لاتے ہیں، اور اسے اُن میں کاٹ چھانٹ کر نا پڑتی ہے، جو نوجوان فنِ صحافت کو اختیار کرنا چاہتے ہیں، لازم ہے کہ شروع ہی سے اپنی عادت ایجاز و اختصار کی ڈالیں، اور طویل نویسی سے بچتے رہیں۔

”خبرین“ اور ”رائس“ دو بالکل مختلف چیزیں ہیں، اخبار کا مقصد اصلی ناظرین تک خبروں کا پہنچانا ہوتا ہے، اچھے اخبار نویس کو اس سے زیادہ بحث نہ ہونا چاہیئے کہ واقعات کی رفتار کہاں تک اسکی رائے کی پابند ہے، اسے دیانت کے ساتھ خبریں اپنے خریداروں تک پہنچا دینا چاہیئے، البتہ خبروں کی اشاعت میں یہ احتیاط رہے کہ ان سے محض جلب منفعت مقصود نہ ہو، بلکہ خدمتِ ممالک مقصود ہو، یعنی ایسی خبریں جن سے بعض رکیک جذبات کی لکیں ہو سکتی ہے، اور ان کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا، انکی اشاعت سے احتراز چاہیئے۔

(ٹائمز ایجوکیشنل سپلیمنٹ)

# تَلْخِصُ تَبْكَرُ

## خودکشی پر اخلاقی نظر

شہور ماہر سائنس سر اکیور لاج نے رسالہ فارٹ ناسلی ریویو کی ایک تازہ اشاعت میں ایک مضمون ”خودکشی پر ایک اخلاقی نظر“ کے عنوان سے تحریر کیا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں کہ خودکشی کرنے والوں کی برائت میں عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے عارضی جوش جنون میں خودکشی کی ہے، لیکن اکثر صورتوں میں خود جوش جنون بعض خاص جذبات کی پرورش کرتے رہنے کا نتیجہ ہوتا ہے، اور اسلئے اچھی طرح اخلاقی گرفت میں آجاتا ہے، اکثر صورتوں میں بعض بہت ہی معمولی جھکی یا ریاں یا اور تکالیف انسان سے خودکشی کر لیتی ہیں، اور ان صورتوں میں اسکی ادنیٰ شکل جواز بھی نہیں پیدا ہو سکتی، اپنی جان بیکار زندگی سے نجات پا جانے کا خیال ایسا ہی بے معنی ہے، جیسا کہ نقل مکانی ہے،

اپنی ہستی کو ناکار دینے کا خیال گودکش معلوم ہو، لیکن یہ دکنشی جھٹی ہے، اسلئے کہ ہستی کو ناکار دینا ممکن ہی نہیں، یہ عقیدہ اگر بچکی کے ساتھ ذہن نشین ہو جائے کہ ہستی ایک مرتبہ وجود میں آجائے کے بعد ہمیشہ قائم رہتی ہے، تو معمولی تکالیف سے نجات پانے کے لئے کوئی شخص بھی ہرگز نامعلوم دروازہ میں نہ کودے۔“

سر اکیور لاج، باخبر ناظرین کو یقیناً معلوم ہوگا کہ ماہر سائنس کے ساتھ ہی ایک عامل بھی ہیں اور مردوں کے ساتھ نامہ و پیام کے اعمال میں مشغول رہتے ہیں، آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ میں نے بعض ایسی روجوں سے بھی ملاقات کی ہے جنہوں نے خودکشی کے ذریعہ سے اپنے جسم خاکی کو چھوڑا تھا،

## اس سلسلہ میں

” سب نے پہلی مثال پر سے تجربہ میں ایک ہونہار زمین فوجان کی کئی بڑے جو سائنس کا عالم تھا اور شب و روز سائنس تک تجربات میں مشغول رہتا تھا، اسکا حوصلہ یہ تھا کہ کوئی بڑی ایجاد یا انکشاف کر کے وہ سائنس کے متنازعہ سا تذہ میں شمار ہونے لگے، اور اسکے لئے راتوں کو بڑی دیر و بیک اپنے دارالقرہ کے اندر اختبارات میں مصروف رہا کرتا تھا، لیکن یہ آرزو کسی طرح بر نہ آئی، اور اس سے وہ خواہ مخواہ طول و ایس رہا کرتا تھا، حیات بعد الموت کا وہ قائل نہ تھا، اور نہ میرے علم میں وہ کچھ بھی مذہبی آدمی تھا، تاہم دل کا بہت ہی نیک تھا، اور مال و دولت کی طرف سے بالکل متنفی، یاس و حزن نے رفتہ رفتہ اس پر اتنا غلبہ پایا کہ اس نے کئی بار خودکشی کا اقدام کیا، اور بالآخر اس میں کامیاب ہو گیا، لیکن مرنے کے بعد اس پر کیا گزری؟ اس نے اپنے تین اسیری میں پایا جس سے مقصود اسی کی طبیعت کی اصلاح تھی، مجھے ملنے کے لئے اور اپنی سب عادت خلوں و محبت کے ساتھ ملنے کے لئے اُسے چند لمحوں کے لئے رہائی حاصل ہوئی، لیکن معاذہ پھر قید کر دیا گیا، اور اس وقت سے مجھے اسکا حال نہ معلوم ہو سکا، مجھے یقین ہے کہ اب اسکی اصلاح ہو گئی ہوگی، اور اسے اپنی پہلی خطیوں کا احساس ہو گیا ہوگا، اس پر رحمت و سلامتی ہو۔“

اسکے بعد سر آئیور لکھتے ہیں کہ ان سے بعض اور بھی ایسے مردوں سے ملاقات ہوئی ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنی جان لی تھی، ان میں جنگوگوں نے مصائب و بیوی سے بالکل تنگ و عاجز آکر خودکشی کی تھی، ان کے ساتھ نسبتاً ترحم آئیرسلوک کیا گیا، لیکن جن لوگوں نے بلا کسی خاص وجہ کے خودکشی کر لی تھی، انہیں عذاب شدید سے دوچار ہونا پڑا ہے، لیکن عذاب شدید ہو یا خفیف، ہر صورت میں اسکا مدعا اصلاح و تزکیہ نفس ہی ہوتا ہے، اور جب یہ غرض پوری ہو جاتی ہے نجات حاصل ہو جاتی ہے کسی کو عذاب و دمام و خلود حاصل نہیں، اس لئے (بقول سر آئیور) بڑے سے بڑے بدکار کو بھی

”یاس کامل و قحط کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی“

## نوبل پرائز

جو وقت سے ٹیکر کو نوبل پرائز ملا ہے، ہندوستان کے لوگ بھی اس اجنبی اصطلاح سے کچھ کچھ واقف ہو چکے ہیں، تاہم بالعموم ابھی اس لفظ کی اجنبیت دفع نہیں ہوئی ہے، اور بہت سے لوگ اسکے صحیح مفہوم سے بالکل ناواقف ہیں، ۳۰۔ نومبر کو ڈاکٹر نیل رنن سرکار ڈی، ایس سی (پروفیسر الم آباد یونیورسٹی) نے اس عنوان پر ایک لکچر دیا، جسکے ضروری مطالب سے ناظرین سارف کو روشناس کیا جاتا ہے، انیسویں صدی کے ربع آخر میں ملک سویڈن میں ایک نامور سائنس دان ڈاکٹر الفرڈ نوبل تھا، اسکا اصلی موضوع فن کیا تھا، اس میں وہ مجتہدانہ کمال رکھتا تھا، اور متعدد اہم اکتشافات اسی کی قابلیت ذہنی کا نتیجہ ہیں، اسے غیر معمولی کمال بارود وغیرہ کی قسم کے انشیکر مادوں کے اکتشاف میں تھا، چنانچہ پکڑک ایٹم، مونیم دی کر بیٹ، نائٹروجن آف ڈائیڈ، نائٹرو گلیسرین وغیرہ سب اسی کی دریافت کی ہوئی چیزیں ہیں، اسکے کیا دی اختراعات میں سب سے زیادہ مقبولیت ڈائنامائٹ کو ہوئی، جس سے بڑی بڑی عمارات سنگم و قلعہ جات چشم زدن میں بہک سے اڑا دیے جاسکتے ہیں، اور ہوائیوں کو کاٹ کر جو راستہ بنائے جاتے ہیں، وہ اسی شے کے ذریعہ سے، یورپ کے نظامات حربی نے اس ایجاد کی سید قدر کی، خصیصہ جنگ روس و جاپان کے زمانہ میں تو ڈائنامائٹ سید قدر میں خرید گئی، اس تجارت سے ڈاکٹر نوبل لکھ پتی نہیں بلکہ ارب پتی ہو گیا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد اسے احساس ہوا کہ اسکی ایجاد میں بنی آدم کی ہلاکت و بربادی کا کف نہ بہرست آئے ثابت ہو رہی ہیں، اس احساس کے بعد اسنے افعال پیدا ہوا، اور اس نے اپنے گناہوں کا کفارہ کرنا چاہا، لاکھوں کروڑوں روپیہ صرف کر کے اس نے نائرو



دسویں بین شفا خانے، مدرسے وغیرہ قائم کرائے، اور اسکے بعد ایک عظیم الشان سرائے سے ایک فخر قائم کروا، جسکے سروسے ہر سال پانچ وظیفے ملے رہیں گے، انہیں وظائف کو نوبل پر آرہے تھے۔

اس نام کے پانچ وظیفہ میں ہر وظیفہ کی تعداد ۸۰۰۰۰ پونڈ موجودہ شرح تبادلہ کے لحاظ سے آہٹہ لاکھ اور سابق شرح کے لحاظ سے بارہ لاکھ روپیہ ہے، جو اس شخص کو ملتا ہے جس نے دورانی سال میں طبعیات، کیمیائیات، ادبیات، حیاتیات و علم طب، یا صلیح دامن پر بہترین تصنیف شائع کی ہو، انعام پانے کے لئے کسی ملک و قوم کی تخصیص نہیں، ہر شخص اسکا مستحق ہو سکتا ہے، تقسیم وظائف کا کام ایک کمیٹی کے سپرد ہے، جسکا صدر مقام سویڈن میں ہے، مگر جسکے نامیدے دنیا کے ہر گوشہ میں ہیں۔

اب تک جتنے لوگوں کو وظائف ملے ہیں، ان میں سلاطین اعظم سے لیکر عام افراد تک ہر طبقہ کے لوگ شامل رہے ہیں، مقاصد اسن و صلیح والا وظیفہ اس شخص کو ملتا ہے جسکی کوشش کسی بڑی جگہ کے روکنے کا باعث ہوئی ہے، مثلاً بین یہ وظیفہ قیصر جرمنی (دویم ثانی) کو ملتا تھا اور اسکے بعد پریسٹنٹ روزولٹ کو، سائنس کا وظیفہ مکر ایک فرینچ خاتون میڈیم کری کو ملا ہے، جو ریڈیم کی دریافت کرنیوالی ہیں، اور اسوقت شاید سب سے بڑی سائنٹسٹ ہیں، خاتون موصوفہ کو ایک بار یہ وظیفہ طبعیات میں ملا ہے اور دوسری بار کیمیائیات میں، ایک مرتبہ ۱۹۱۲ء میں، یہ وظیفہ ایک فرزند ہند (ٹیگور) کی قسمت میں بھی اسکے کمالات ادبی کے اعتراف میں آچکا ہے۔

### ایوان مذاہب

بعض مہاجران ملک کی عرصہ سے تجویز تھی کہ بطرح ہندوستان مختلف مذاہب و ملل کی آبادیوں کا مجموعہ ہے، چاہیے کہ اسکے کسی مقام پر ان تمام ادیان رکھنے والوں کا ایک سنگم بنایا جائے، یہ تجویز عالم تخیل میں عرصہ سے تھی حال میں سری بھارت دھرم مہا منڈل (بنارس) نے جو ہندوؤں کی ایک

اسلم مذہبی انجمن ہے، اس جانب ایک عملی قدم اٹھایا ہے۔

ہمانڈل مذکور کی طرف سے ایک دستہ رائل شایع ہوا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ کام کرنے والوں کی ایک مختصر جماعت اسکے لئے تیار ہو گئی ہے، اور ایک مختصر ہندو رئیس نے چہ لاکھ روپیہ کا عطیہ اس مقصد کے لئے دیدیا ہے، ایک باضابطہ وقف نامہ تیار ہو چکا ہے، جسکی رو سے عمارتوں کے لئے وسیع رقبہ زمین حاصل ہو گیا ہے، وقف نامہ میں مقصد وقف یہ بتایا گیا ہے کہ مختلف ادیان مذاہب بین باہم صلح و اتحاد پیدا کرنے، ان کے متعلق سببوات فراہم کرنے اور سلسلہ مطالعہ جاری رکھنے کی غرض سے ایک عظیم الشان ایوان مذاہب و کتب خانہ قائم کیا جائے، نیز روحانیت، اخلاق و انسانیت کی عام تبلیغ اس ایوان کے مقاصد میں داخل ہوگی۔

اس ایوان کے مختلف حصے مسلمان، ہندو، عیسائی، یہودی، پارسی، بودھ، جین، سکھ، غرض جملہ مذاہب آبادی ہند کے لئے مخصوص ہونگے، ہر مذہب کے متعلق اسکے عبادت خانے ہونگے، اور ہمان خانے ہونگے، جنہیں اس مذہب کے علماء و فقہاء اگر قیام کر سکیں گے، ایک عظیم الشان کتب خانہ ہوگا جس میں جملہ مذاہب کی کتب مقدسہ، انکی تفسیر و تفاسیر، اور ان کا علم کام محفوظ ہوگا، ایک دارالاشاعت بھی ہوگا، جسکے ذریعہ سے ایسے لٹریچر کی اشاعت ہوتی رہیگی جو مقاصد بالا میں سے ہوں۔

اسکے علاوہ ایوان مذکور کے اور بھی بعض دلچسپ خصوصیات ہونگے، جن ناظرین کو مزید تفصیل کا شوق ہووے سکریٹری بھارت دہرم ہمانڈل (بنارس) سے "ہال آف ریلیجنز" (Hall of religion) کا پراسپیکٹس (دستور العمل) طلب کر سکتے ہیں

## تدن چین کی قدامت

عنوان بالا سے ایک مبسوط مضمون فلپائن کے انگریزی رسالہ دی لٹل پیر *The Letter*

*Papers* میں شائع ہوا ہے، انکی تخلص ناظرین سارف کے لئے آئید ہی کہ دھچپ ہوگی :-

حال میں بعض علمی جماعتوں نے چین کی قدیم کتب وغیرہ کے تفص سے یہ امر پانچ تحقیق کیسینا ہوا ہے کہ چینی تدن دنیا میں قدیم ترین تدن ہے، اور حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار آٹھ سو برس قبل ہی وہ اپنے زمانہ کے لحاظ سے اکتشافات و اختراعات میں انتہا سے عروج تک پہنچ چکا تھا، جن ایجادات و اکتشافات کا پتہ اس تفص سے لگا ہے انوس کہ ان کے ایجاد و اکتشاف کی ٹھیک اور تقریباً تاریخین نہ مل سکیں، کیونکہ بہت سی کتب میں صرف مخترع و مکشف کا نام تو ملتا ہے، لیکن انکی ایجاد و اختراع کے کوئی خاص سنہ و تاریخ کا پتہ نہیں لگتا، البتہ ان اختراعات و اکتشافات کی تاریخ تقریباً معلوم ہو جاتی ہے، چنانچہ ذیل میں وہ مدین جنکے اندر یہ مختلف ایجادات و اختراعات طور پر ہوئی ہیں، مع انکے موجدین و مخترعین کے ناموں کے درج کیا جاتا ہیں، نیز واضح رہے کہ یہاں پر ہم صرف ان ہی اشیاء کا حال درج کر رہے ہیں جو موجودہ تدن سے گہرا تعلق رکھتی ہیں،

از سنہ ۲۶۹ ق م تا سنہ ۲۲۱ ق م | گھانس کی رسیان اور مٹی کے برتن سوکھنے نے ایجاد کئے، چمپیان پکڑنے کے جال، سن کے پکڑے، اور علم موسیقی کے متعلق باجے مثل بانسری وغیرہ کے پادہی نے ایجاد کئے، گھانس کی چٹائی، کڑی کے ہل، بانس کی گنگلیان، لوہے کی کلہاڑیاں، اور مٹی کے برے برے برتن شبنم نگ نے ایجاد کئے۔

از سنہ ۲۶۹ ق م تا سنہ ۲۲۱ ق م | غیر کل طور سے مختلف برتن، چادل کی شبنم، چرخہ، آئینہ، قیچیان، کھانا

پکانے کے برتن، چھتریان، رنگ اور تقاطیسی سویان، ہونگ کی نے ایجا دکن، کستی کو ہوا دے  
ایجا دکی، لکڑی کی پچکاری کا کام لکڑی نے، اور علم نجوم کے متعلق نامکمل آلات رنگ چنگ نے  
ایجا دکے،

بزائہ حکومت خاندان ٹانگ ۲۳۵۶ء تا ۲۳۵۷ء ق م | کارچی کام، شراب اور سنگ تراشی کی ایجا د ہوئی۔

بزائہ حکومت خاندان رنگ ۲۳۵۷ء تا ۲۳۵۸ء ق م | مصوری کا کام اور مردوں کو کفن کی ایجا د رنگ نے کی۔

بزائہ حکومت خاندان شیا ۲۳۵۸ء تا ۲۳۵۹ء ق م | مسد نیات کو پگھلانے اور انکو صاف کرنے کا کام، کریسان، میزین،

۲۳۵۹ء ق م | وغیرہ، پتوار اور باوبان یونے ایجا د کئے،

بزائہ حکومت خاندان نیگ ۲۳۵۹ء تا ۲۳۶۰ء ق م | سوم بیان، تابنے کے کہنا پکانے کے برتن، سونے کے کڑے، سونے

کی بالیان، اور خوشبودار پودے ایجا د ہوئے،

بزائہ حکومت خاندان چاؤ ۲۳۶۰ء تا ۲۳۶۱ء ق م | چلنیں چاؤ کنگ نے ایجا د کیں، سورج گھڑی، تابنے کے گول سکے جن میں

۲۳۶۱ء تا ۲۳۶۲ء ق م | بیچ میں ایک مربع سوراخ ہوتا تھا، ڈالین، نیزے، زادیہ وغیرہ تابنے کے

ابتدائی آلات، اور بخاری کے متعلق زندہ اور بولا لوہین نے ایجا د کیا، چینی روشنائی نیگ کی نے

ایجا د کی، چینی کی ودات چنگ یونے ایجا د کی،

اسی زمانہ میں مشین کے ابتدائی اودات مثل ڈیرک (Derrick) یا آٹو میٹک لیڈر

(Automatic Ladder) کے استعمال ہونے لگے تھے، اور موخر الذکر کوٹھرنے

سنگ کی دار حکومت کے محاصرہ کے وقت استعمال کیا تھا، اور ان دونوں کا موجد کنگ تھون تھا۔

بزائہ حکومت خاندان چنگ عجیب کمائن اس زمانہ میں ایجا د کی گئیں تھیں، انکو ذرا چھو دینے سے تیر فوراً

۲۳۶۲ء تا ۲۳۶۳ء ق م | نکل جاتا تھا، اور جو کوئی انکو چھتا تو فوراً مارا جاتا تھا۔

بزائہ حکومت خاندان ہن ۲۳۶۳ء تا ۲۳۶۴ء ق م | کاغذ نسائی لون نے ایجا د کیا، جو باب کہ اس وقت میں

جیسے کاغذ کے استعمال کیا جاتا تھا، وہ کپڑا، سن، اور درخت ہوتے تھے، اس زمانہ سے کچھ قبل الفاظ کپڑے اور بانس کے ٹکڑوں پر لکھے جاتے تھے، شکر اور کوئلہ بھی اسی زمانہ میں دریافت کیا گیا،

یہ خاندانوں کی حکومت کا زمانہ  
از ۲۵۰۰ تا ۲۰۰۰ ق م

رہتا تھا، گاریوں کو چلانے کے لئے لکڑی کے جانور جو کو لیا، لگ نے ایجاد کئے، تاسخ میں یہ بھی درج ہے، چنگ ایسے لکڑی کے پتے بنا لیتا تھا کہ جو تقارہ کو بجاتے اور وہ ٹکنیوں کو دھونکتے تھے،

برازہ حکومت خاندان ٹین از ۲۰۰۰ تا ۱۵۰۰ ق م | پودا و چوہ ہوائی دن نے ایجاد کیا،

برازہ حکومت خاندان بی از ۱۵۰۰ تا ۱۲۰۰ ق م | کانچ ایجاد کیا گیا، اور پانی کی گھریاں ایجاد کی گئیں،

برازہ حکومت خاندان ننگ از ۱۲۰۰ تا ۹۰۰ ق م | بارود ایجاد کی گئی،

پانچ خاندانوں کی حکومتوں کے زمانہ میں از ۹۰۰ تا ۵۰۰ ق م | چھاپا ناگ ٹاؤ نے ایجاد کیا،

چونکہ یہ تحقیقات صرف انہیں امور پر مبنی تھی جو سنہ ۱۸۰۰ سے قبل ایجاد و دریافت ہوئے، اسلئے اس کے بعد کی ایجادات و اکتشافات کو نظر انداز کر دیا گیا،

ابو النصر سید احمد بہوپالی

## اخترِ عالم علیہ السلام

سردی کی شدت سے بعض اوقات جو دانت بچنے لگتے ہیں، عام طور پر انہیں دانتوں ہی کی  
 کوڑا کڑھٹ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس میں دانتوں کی حیثیت محض فرعی ہوتی ہے، دراصل سردی کا اثر  
 جبرٹے کے عضلات پر ہوتا ہے، یہ عضلہ وہی ہونے ہیں جنکی مدد سے ہم چباتے اور بات کرنے میں  
 سہلہ کھولتے ہیں، انہی عضلات کی لرزش دانتوں پر پڑھوتی ہے، اور دانت کوڑا کڑھٹنے لگتے ہیں۔  
 (پاپور سائنس)

امریکہ کے ایک مشہور کتب فروش سٹرانڈ ٹونوف کا بیان ہے کہ ٹیگور کو جرمنی میں جو حیرت انگیز  
 مقبولیت حاصل ہے، اس کے مقابلہ میں امریکہ کی مقبول عام مطبوعات کو پیش کرنا جتنی تعداد و اشاعت  
 لاکھ دو لاکھ تک رہتی ہے، حاققت ہے، سٹرانوف اس امر کی شہادت عینی دیتے ہیں کہ جو وقت وہ  
 برلن میں تھے، وہاں کے ایک پبلشر (صاحب مطبع) نے ٹیگور کی تصانیف کے لئے ۱۰ لاکھ کیلوگرام  
 کاغذ منگایا تھا جو ۳۰ لاکھ کتابوں کے لئے کافی تھا! (لمیری وائچسٹ)

یہی تاجر کتب کہتا ہے کہ جرمنی کے کتاب خوان پبلک کی توجہ کا اصلی مرکز فلسفہ، مذہب وغیرہ کی  
 سنجیدہ تصانیف ہیں، اور افسانہ قصص سے کہیں زائد تعداد میں یہ چیزیں نکلتی رہتی ہیں، اس  
 شوق مطالعہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کیرنگ کی کتاب موسومہ "ایک فلسفی کا روزنامہ چھیست"  
 جسکی ضخامت ایک ہزار صفحہ سے زائد ہے اور جو بڑی قطع کی دو جلدوں میں ہے، اس کے ۵۰ ہزار سے

(ایضاً)

زائد نسخے اب تک نکل چکے ہیں،

جرمنی کا سک، مارک، جنگ سے قبل تقریباً بارہ مہس کے سادی ہوتا تھا، گویا ایک پونڈ کے  
میس مارک ملتے تھے، جنگ کے بعد مارک کی قیمت جو گھٹنا شروع ہوئی تو اکتوبر ۱۹۲۳ء کے چوتھے  
ہفتے میں ایک پونڈ ۵۰ مارک کے برابر ہو گیا، اور نومبر میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ ایک پونڈ کے  
۱۲۵۰ مارک ملنے لگے،

مارک کی اس ارزانی سے جہاں جرمنی کو شدید مالی نقصانات ہو رہے ہیں، وہاں ہندوستانی  
طلبہ کو اسی مناسبت سے منافع چل رہے ہیں، موجودہ شرح تبادلہ کے لحاظ سے چھ ہزار روپیہ  
سادھی چین ایک لاکھ مارک کے، اور اتنے سرمایہ کے ساتھ ایک ہندوستانی طالب علم جرمنی کے جس  
شہر میں چاہے کم از کم تین برس کی مدت پر آرام تمام گزار سکتا ہے، جرمنی کے سوادینا سے مہندس کا  
کوئی دوسرا ملک ایسا نہیں، جہاں اس وقت دو ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی میں کوئی ہندوستانی طالب علم  
بہ فراغت گذر کر سکے، ہمارے ملک کے جو طلبہ مغربی تعلیم کے شائق ہوں، ان کے لئے جرمن زندگی کی  
یہ ارزانی ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

کنگ ایڈرڈ ہسپتال ڈنبر میں کچھ روز ہوئے ایک ضعیفہ سبز پورٹ فیلڈ اغل ہوئیں، جن کا  
علاج ایک سخت قسم کا اپریشن تھا، لیکن اُنکے جسم میں خون کی مقدار اس قدر کم تھی کہ ڈاکٹروں نے فیصلہ  
کیا کہ اپریشن کے بعد وہ قطعاً جانبر نہ ہو سکیں گی، تاہم تھیکہ تازہ انسانی خون ایک پیٹ کی مقدار میں اُسکے  
جسم میں باہر سے نہ داخل کیا جائے، ضعیفہ کا ایک لڑکا ۲ سال کی عمر کا تھا، اس نے یہ سسٹے ہی

اپنے تین پیش کیا کہ میرے جسم سے اتنا خون نکال کر مان کے جسم میں داخل کر دیا جائے، چنانچہ پانچ ڈاکٹروں نے مل کر یہ عمل کیا اور ان کو صحت ہو رہی ہے، (ڈبلی میل)

برطانوی سپاہ کی کل تعداد، سرکاری اعداد کے بموجب حسب ذیل ہے :-

۲۰۱۱۲۷

برطانیہ میں

۸۲۲۰۰

نوابا دیون میں

۷۶۸۹۶

ہندوستان میں

۳۶۱۲۲۳

میان سپاہ برطانوی

(ایضاً)

یہ جرنل بریکرنے زمانہ انجینئرنگ سوسائٹی کے سامنے ایک تازہ لکچر میں بیان کیا کہ سروسٹ طیاروں کی زیادہ سے زیادہ قوت ۸۰ گھوڑوں کی ہو سکتی ہے، لیکن وہ زمانہ قریب آ رہا ہے جب انکی قوت ۳۰ ہزار فٹ کی بلندی پر ۱۰۰ گھوڑوں کی ہوگی، اسوقت یہ آسانی ممکن ہوگا کہ ایک طیارہ لندن سے نیویارک تک ۳۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کر سکے، اور مسافر بھی آپرہوار رہیں، اور آکسیجن سے غذا اور برقی سے حرارت حاصل کرتے رہیں۔ (ایضاً)

لارڈ نار تہہ کلف (مالک اخبار ٹائمز ڈبلی میل) جو اسوقت ممبرین انگلستان کی صنف اول

میں ہیں، اور آج کل سیاسی اغراض سے سیاحت عالم میں مصروف ہیں، جب دار السلطنت چین میں پہنچے تو شاہی مہمان ہوئے، اور "نغفور" چین نے خود ان کے ساتھ کہا نا کہا یا، کہا نا چالیس اقسام کھانا اور اہل چین کے حسب دستور بجائے چھری کانٹے کے بانس کی پتلی تیلیوں سے کہا یا گیا۔ (ایضاً)



ڈاکٹر (انگلستان) میں ایک خاندان ہے جو اپنی طویل عمری کے لئے ضرب المثل ہوتا جاتا ہے۔  
اس خاندان میں چھ بہائے اور دو بہنیں تھیں جو اب تک سب زندہ ہیں، اور ان کی عمریں علی الترتیب  
۸۱، ۷۸، ۷۶، ۷۴، ۷۲، ۷۰، ۶۸، ۶۷، ۶۴، ۶۲ ہیں، ان لوگوں کے والد کی عمر ۹۲ اور والدہ کی ۸۱  
سال کی ہوئی تھی، اور دادا دادی دونوں کی عمریں ۸۱ سال کی ہوئی تھیں، (ایضاً)

لندن کے ایک ڈاکٹر لکھتے ہیں کہ میری بی بی اس حالت میں ایک روز میرے پاس آئی کہ  
علامات سے میں سمجھا کہ اسے دردِ معدہ ہے، میں نے ہر امکانی تدبیر کی لیکن ۴ گھنٹے کے اندر وہ  
ترپ ترپ کر مری گئی، اسکے مرنے کے بعد اس کی لاش پر جب عملِ جراحی کیا گیا تو معدہ سے ایک سگرٹ کا  
ٹکڑا نکلا، اس کی جسامت کا برابر ہوا، معلوم ہوتا ہے کہ تباک کو کانسر جلی کے لئے ہلک ہے۔ (ایضاً)

برطانیہ کی سرزمین پر جنوری سے ستمبر ۲۱ تک جتنے بیرونی اشخاص نے قدم رکھا ان کی تعداد  
حسب ذیل تھی:-

۹۰۸۰۷

سیاحت و تفریح کی غرض سے آنے والے

۵۰۸۸۹

مختلف ضروریات و مقاصد سے آنے والے،

۵۱۷۰

اہل سیاست

۱۱۹۴

وہ اشخاص جنہیں آنے کی اجازت نہیں ملی،

(ایضاً)

یونیورسٹی آف پیرس نے حال میں انگلستان کے دو شاہیر کو اپنے ہان کی ٹاکٹر آف لٹریچر کی انجیری  
ڈگری عطا کی ہے، ان میں سے ایک روڈیار ڈیکلنگ شاعر وادیب ہیں، اور دوسرے سر جیمز فریزر،

محقق علم اساطیر و ازانہ قبل تاریخ چین، یورپ میں یونیورسٹی آف پیرس کی اعزازی ڈگری خاص وقت کی چیز سمجھی جاتی ہے۔ (ایضاً)

دسمبر کی ابتدائی تاریخوں میں شہر مشرق پر وینس مارگو لیتھ نے رائل سوسائٹی کے سامنے متعدد کچھ اس عنوان پر دیئے: ”اسلام سے قبل اہل عرب بنو اسرائیل کے باہمی تعلقات“ (ٹائمز ایجوکیشنل سپلیمنٹ)

آغا دسمبر میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے دو جلدوں میں المفصلیات کو شائع کیا ہے جو عرب جاہلیت کے بہترین کلام کا مجموعہ ہے، اصل عربی کے ساتھ نامور جنرل سر چارلس لائل کے قلم سے انگریزی ترجمہ مع مفصل مقدمہ و حواشی کے بھی شائع ہوا ہے۔ (ٹائمز لٹریچر سپلیمنٹ)

۴۔ دسمبر کو سب سے پہلی بار لندن وِسٹنی (اسٹریلیا) کے درمیان لاسکی تاریخی کا سلسلہ قائم ہوا، اور سب سے پہلا پریس ٹیلیگرام (اخباری تاریخ) لندن کے روزنامہ ڈیلی میل نے اپنے نامہ نگار تھینے رڈ کی کو اسی روز روانہ کیا، لندن وِسٹنی کی درمیانی مسافت بارہ ہزار میل سے زیادہ ہے، لاسکی پیام ۱/۱۶ سکنڈین ہینچلیا، اس حساب سے اسکی شرح رفتار ۸۶۰۰۰ میل فی سکنڈ کی ہوتی ہے۔

سلسلہ میں لندن اور مصنافات لندن میں آلات دفانی کے ذریعہ سے سفر کرنے والوں کی تعداد سے متعلق حسب ذیل سرکاری اعداد و شائع ہوئے ہیں،

ٹراموے کے ذریعہ سے

۱۰۶۵،۷۸۸،۶۳۱

۹۳۵, ۹۴۶, ۰۰۲	کرایہ کے نوٹوں کے ذریعہ سے
۲۶۵, ۵۸۷, ۹۴۱	زمین دوزریوں سے
۴۲۴, ۰۰۰, ۰۰۰	لوکل ٹریڈوں سے
۳۶۸, ۰۰۰, ۰۰۰	برٹنی ریلوں سے

سہ ماہی مہینہ ۳۰ ستمبر ۱۹۵۰ء میں انگلستان و ویلز میں جدید دلا دیتین ۲۱۴۸۵۰ پونڈ، یہ تعداد  
بتقابلہ سہ ماہی ماقبل کی دلاؤتوں کے بقدر ۴۶۶۰ کے اور بتقابلہ ۱۹ ستمبر کی تیسری سہ ماہی کی دلاؤتوں  
کے بقدر ۵۰۱۷ کے کم ہے،

سہ ماہی مہینہ ۳۰ جون ۱۹۵۰ء میں انگلستان و ویلز میں شادیان ۸۲۲۵۰ پونڈ، یہ تعداد  
سہ ماہی ماقبل کی شادیوں سے بقدر ۹۳۹۲ کے اور سال گذشتہ کی دوسری سہ ماہی سے بقدر  
۴۷۵۲ کے کم رہی،

امریکہ کے ایک سائنسٹ نے ساہا سال کی محنت شاقہ کے بعد اور میں اشخاص کی اعانت سے  
ایک گھڑی کی تیاری حال میں ختم کی ہے جسکی قیمت ایک ہزار گنی (دس ہزار روپیہ سے زائد) ہے، یہ  
گھڑی جیپی ہے، لیکن کھاک کی طرح گھٹنے جاتی ہے، الارم دیتی ہے، طلوع و غروب شمس کو بتاتی ہے،  
ماہتاب کی گردش کا پتہ دیتی ہے، اور سیاروں کی نقل و حرکت، نیز دیگر معلومات ہمیت اس سے  
دریافت ہو سکتے ہیں۔

مضافات لندن میں حال میں ایک رائڈ عورت اور رائڈ دوسے مرد کی عجیب و غریب شادی ہوئی ہے، نو شہ کی عمر اس کی ہے، اور وہ ۱۸ سال کا سن غیر سے ان سے دو سال زائد ہے، یعنی ۳۸ سال، وہ ۱۸ سال کا ہے اور ہر تیس سال سے بیوگی کی زندگی بسر کر رہی ہیں، ان کے ماشاء اللہ ۱۹ اولاد ہیں پچھلے شہر سے موجود ہیں، جن میں سب سے بڑی اولاد کا سن شریف ۶۰ سال کا ہے، نو شہ صاحب کی دو بیویاں اس سے پیشتر وفات پا چکی ہیں، یہ تیسری شادی ہے۔ (ڈیلی میل)

دہلی کے ڈاکٹر عبد الستار لاجپوری نے جو شام کے بیروت کالج میں پروفیسر ہیں، حال میں عہد اسلامی میں صنایع ہند کے نام سے ایک جرمن زبان میں ضخیم و مصدور کتاب تالیف کی ہے، جسے برلن کی ایک کمپنی نے شائع کیا ہے۔ (کالینین)

گذشتہ ستمبر میں امریکن میکیکل سوسائٹی کا سالانہ جلسہ شہر نیویارک میں منعقد ہوا، اور کیا بیات کے بہترین علماء و اساتذہ نے مختلف عنوانات پر مضامین و مقالات پڑھے، سوسائٹی کا اجلاس پندرہ مختلف شعبوں میں منعقد ہوا، مثلاً حرفتی کیسٹری، انجینئرنگ کیسٹری، طبی کیسٹری، زرعی کیسٹری، دقت علی ہذا۔ بیانیہ میکیکل کیسٹری (کیا بیات حیاتی) کے اجلاس میں دو فرزند ہند کے بھی مقالات کے لئے وقت نکالا گیا، ان میں سے ایک بنگال کے سٹریٹی، داس تھے، اور دوسرے بمبئی کے سٹریٹی، آر، کوکرشتر۔

(ایضاً)

# ایچتیسام

## یادِ شوکت

اسے دکھ بنا دیا ہے تو نے      زندان کو بھی غیرتِ گلستان  
 ہے تیرے جلالِ معنوی سے      تو میں فضا سے یوسفِ گشتان  
 آزادیِ روح کا یہ عالم      زنجیر بھی تیری تجھے لڑان  
 تیرے زندان کی بندشوں میں      نیزنگی و سعتِ بیابان  
 تیری لائقِ طوا کی آواز      برہم زینِ بزمِ یاسِ حیران  
 امید کی لرزشوں سے سمور      تیرا ہر لہرہ پریشان  
 تیری آنکھوں کی جنبشوں میں      ہنگامہ سوج و جوشِ طوفان  
 باطل تری حق پرستیوں سے      افروزِ حریفِ فقہِ سامان  
 عاجز تری بے گناہیوں سے      آبِ شمشیر و نوکِ پیکان  
 تیرے صبر و سکوت میں ہے      صدرِ رازِ شکستِ جو رہنما  
 تیری مجبوریاں کر سینگے      شہِ ازلہ جبر کو پریشان  
 ایشاں تر، ترا معاف      اخلاص تر، ترا نگہبان  
 کی تو نے نثارِ راہ و ملت      روحِ مست و حیاتِ جولان  
 نیزنگِ جلالِ مصطفیٰ ہے      تیری محبتوں پہ نازان

اے ایہ افتخارِ ملت

تو ہے روحِ بہارِ ملت

نہج و انصاری کی اس

## کلام شاقب (دکھنوی)

نہ فکرِ اینسا طر کر کہ دورِ عیش ہو چکا  
 غشی کی فکر کئے وہ دل کہاں جو ہو چکا  
 طلوع صبح ہے نہ روج کچھ ہوا وہ ہو چکا  
 اب اور کیا خیال ہی سوا و شب تو ہو چکا  
 یہ خندہ طرب نامبارک اہل دہر کو  
 بہت زمانہ ہو گیا کہ میں ہنسی کو ہو چکا  
 نہ دہلے ای سرشک غم تجھے قسم ہی عشق کی  
 فلک کو چھوڑتا ہی کیوں اگر مجھے ڈبو چکا  
 رہے وہ دل میں مدون مگر سنبھل گناہ میں  
 مزاجِ حسن و عشق کو بہت دنوں سو چکا  
 خبر نہیں یہ جاگتا ہی نہ لیت تک کہ لبہ بھی  
 جو ساتھ دل رہا ہی تو قبر میں بھی سو چکا  
 نکل کے راہِ عشق سے کسی طرف چلون تو کیا  
 کہاں سے لاؤں جانِ دل دیکھا کہ ہو چکا  
 چمن ہے زیرِ آسمان نہ بھول اس بہار پر  
 بنائے آشیان مگر سمجھ کہ قید ہو چکا  
 نہ ڈھونڈا اہلِ دل کہ اب کہ جو شقِ قلمِ فنا  
 متاعِ وعدہ جہنم مٹی وہ کشتیاں ہو چکا  
 تھمیدِ غم کی لاش پر نہ سر جھکا کے روئے  
 وہ آئندہ دن کو کیا کرے جو نہ ہو سے ہو چکا  
 کہاں سے لاؤں ڈھونڈ کر میں انکسے تیرا زکو  
 جہان میں کیا لیگا وہ جو دل کے پار ہو چکا  
 یہ فہم ہا کو کی دوست راہزن میں ہنر کے  
 ابی ابی میں کہیں دل حرمین کو ہو چکا

فدا کی لہن ہوئی وہی ہے حال ہوزِ دل

ہزار شاقب استین و جیب کو بگچو چکا

## مطبوعات جدید

سیرۃ صدیق، حضرت ابو بکر صدیق کی حقد رسواغ عمر بیان شائع ہوئی ہیں، یہ کتاب اس سب سے زیادہ جامع، مستند، صحیح اور دلچسپ ہے، یہ جناب مولانا حبیب الرحمن خالص صاحب شروانی صدر الصدور محکمہ مذہبی حیدرآباد کی تصنیف ہے، جو ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب کی زائنش سے مرتب لیگئی ہے، مولانا کا تاریخی تصانیف میں ایک مخصوص درجہ اور ایک خاص طرز تحریر ہے، اسلئے ہم اس کے تعلق کوئی تفصیلی رائے ظاہر کرنا فضول سمجھتے ہیں، کتاب کا حجم ۵۸ صفحات کا ہے، مولوی مقتدی خان صاحب شروانی کے زیر اہتمام مطبع مسلم یونیورسٹی انشٹیٹیوٹ علی گڑھ میں تیسری مرتبہ بعض ضروری اضافوں کے ساتھ طبع ہوئی ہے، قیمت،

روح سیاست، یہ ایک ڈراما ہے جس میں جناب نور اہبی اور محمد عمر صاحبان نے امریکن سیاست کا مرقع اپنایا ہے، ڈراموں میں یہ بڑی کمی تھی کہ ایک عموماً مسخرے ہوتے تھے، اور سیرمی میں رنگینی اور بدسلوکی نظر آتی تھی، یہ ڈراما پہلا ڈراما ہے جس میں ایک تون کو متانت کی تعلیم دی گئی ہے اور سیرمی کو سادہ رکھا گیا ہے، اسلئے اسکی بدولت موجودہ ایکٹنگ اور سیرمی میں تغیر و تبدل کی ضرورت پڑ گئی جو لازمی چیز ہے، یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے، یہ اسکا پہلا حصہ ہے جس میں امریکہ کے مشہور پریسیڈنٹ ابراہام لنکن کی سبقت آموز زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور اسکا جو حصہ ڈراما کے لئے موزون بنائے لیا گیا ہے، ڈرامے میں امریکہ کے سیاسی حالات دلچسپ انداز میں بیان کئے گئے ہیں، قیمت ایک روپیہ، پتہ: محمد عمر صاحب ترجمہ ہائیکورٹ جمن،

کلمات طیبات، یہ جناب امیر علیہ السلام کے اہل بیت مقدسوں کا ایک مختصر مجموعہ ہے جسکو

اردو اور انگریزی تراجم کے ساتھ منشی شرف الدین احمد خان صاحب نے شائع کیا ہے، اگرچہ ان کے مکمل نام  
مقولوں کا اخذ کتاب میں نہیں بیان کیا گیا، جس سے ان کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا تھا، ہم  
ان میں جو اخلاقی تعلیمات، جو ہندو معنویت اور جو دانش و حکمت موجود ہے وہ ہر شخص کی توجہ کو اپنی طرف  
مائل کر سکتی ہے، اور ہم اس سے اچھی طرح مستفید ہو سکتے ہیں، اردو ترجمہ سلیس ہے، انگریزی ترجمہ پہلے  
اچانہ تھا، لیکن اب اس کی بھی اصلاح ہو گئی ہے، قیمت ۷ روپے، منشی شرف الدین احمد خان صاحب  
ہندو لکھنؤ ہوم دپارٹمنٹ رام پور،

**نغماتِ سلم**، قومی نظموں کے نشر و اشاعت میں پنجاب کا خاص حصہ ہے، نشر صاحب جنگلی  
یہ نظم ہمارے سامنے ہے، پنجاب ہی کے رہنے والے ہیں، اس میں انھوں نے خفہ بخت مسلمانوں کو  
بیدار کیا ہے، اور ان کو فرائض کی ادائیگی پر توجہ دلائی ہے، اگرچہ شاعرانہ حیثیت سے اس میں بعض غامیان  
بھی موجود ہیں، تاہم جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ نشر صاحب ایک نوجوان شاعر ہیں تو غامیوں کو نظر انداز  
کر کے بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے، کیونکہ ان کی نظم کے محاسن، معائب پر غالب ہیں، قیمت ۱۰ روپے،  
دختر اخبار وکیل امرتسر،

**وصالِ بلال**، حضرت بلالؓ کے واقعہ وفات کو جناب حکیم محمد صادق صاحب حدیثی  
منشی چٹل نے موثر انداز سے اس رسالہ میں نظم کیا ہے، اگرچہ شاعرانہ حیثیت سے اس میں بعض جگہ  
تعمید پائی جاتی ہے، تاہم مسلمانوں کو جو اس وقت مرنا بہل گئے ہیں، اس واقعہ سے مرنے کا طریقہ معلوم  
ہو سکتا ہے، قیمت ۱ روپے،

**بانگِ جرس**، مولوی مسعود علی صاحب ریلوی نے علامہ شبلی نعمانی، حضرت اکبر الہ آبادی، مولانا  
محمد علی جوہر، ڈاکٹر اقبال، مولوی مظہر طیفان وغیرہ کی نظموں کا ایک مختصر مجموعہ شائع کیا ہے، قیمت ۲ روپے،  
دونوں رسالے مشرقی کتب خانہ لاہور سے ملین گے۔



عدد دوم

ماہ جمادی الاول ۱۳۸۰ھ مطابق فروردی ۱۳۷۹ھ

مجلد پنجم

### مضامین

۸۶ - ۸۲	سخنرات
۱۰۵ - ۸۸	مسئلہ خلافت مولوی ابوالحسنات ندوی
۱۱۳ - ۱۰۶	ہندوستان کے بحری کارنامے جناب محمد یوسف صدیقی ایم، بی اے اور ایلنس
۱۲۶ - ۱۱۴	مسئلہ نذر منشی مقبول احمد صاحب رئیس سندیلہ
۱۳۲ - ۱۲۸	ایران مولوی محمد سعید صاحب انصاری
۱۴۱ - ۱۳۳	فلسفہ امن
۱۴۴ - ۱۴۲	مسیحی دنیا کا ایک عجیب عقیدہ
۱۴۶ - ۱۴۴	اعلیٰ تعلیم اور طریق اعلیٰ
۱۵۴ - ۱۴۶	اخبار علیہ
۱۵۵ -	نامہ سرسید
۱۵۶ - ۱۵۴	ادبیات
۱۶۰ - ۱۵۸	مطبوعات جدیدہ

### جدید مطبوعات

سیرۃ عمر بن عبد العزیز، غنیۃ حضرت عمر بن عبد العزیز کی سوانح عمری، ان کے مجددانہ کارنامے، ہوامیہ کی تاریخ و طریقات کی تفصیل اور ان کے عجائب و محاسن کا موازنہ، از مولانا عبد السلام ندوی، قیمت پچھرا، پنجپ

## شکشا

سرمایش بہاری گوش کلکتہ کے مشہور مقنن، عالم و فیاض بزرگ ہیں، چند سال ہوئے انہوں نے دس لاکھ کی گرانہار رقم کلکتہ یونیورسٹی کو اس غرض سے عطا کی تھی کہ اس سرمایہ سے سائنس کالج قائم ہو، حال میں اس یونیورسٹی کو دوسرا عطیہ ساڑھے گیارہ لاکھ کا اسی حاتم وقت کے ہاتھ سے موصول ہوا ہے، بمبئی، بانکلی پور، لاہور، لکھنؤ، حیدرآباد، اور غور کلکتہ کے کامیاب و مشہور مسلمان دکاندار بیرسٹرون کے قانون تک یہ خبر پہنچی ہے ؟

یورپ کے ماہوار رسائل کی کثرت اشاعت کا ذکر ان صفحات میں بیشتر آچکا ہے، لیکن خود ہندوستان میں جو انگریزی یا دوسری کئی زبانوں میں رسالے نکل رہے ہیں، ان کا کیا حال ہے ؟ ماڈرن ریویو (کلکتہ)، انڈین ریویو (مدراں)، ہندوستان ریویو (الہ آباد)، ان میں سے ہر پرچہ کی اشاعت ہزار ہا کی ہے، اور ماڈرن ریویو کی تعداد اشاعت پانچ اور چھ ہزار کے درمیان ہے ! ہندی کے مصور رسالہ سرسوتی (الہ آباد) کی اشاعت چار ہزار سے کم نہیں، گجراتی اور بنگالی زبان کے بعض رسالوں کی اشاعت دس دس ہزار ہے، یہ حال مختصر الجماعت و مختصر الصدور زبانوں کے رسائل کا تھا، اسکے مقابلہ میں ملک کی عام و مشترک زبان اردو اپنے کتنے رسالوں کے خسریدار دس ہزار نہیں، پانچ ہزار نہیں، ایک ہزار بھی پیش کر سکتی ہے ؟

سال گذشتہ جو قوت مصارف میں جدید تیز رفتاری کے گئے، حجم ڈیور ہا کر دیا گیا، مضامین میں تعداد و تنوع کے لحاظ سے نمایاں اضافہ کیا گیا، انگلستان، امریکہ، و ہندوستان سے انگریزی سائل بیسیوں کی تعداد میں منگائے گئے، اسٹاف میں اضافہ کرنا پڑا، قلمی معاونین کی خدمت میں مالی معاونہ پیش کیا گیا، غرض مصارف کی مختلف مدین بڑھ گئیں، اسوقت مالی مشکلات کا حل آدھ اور دو کن کے بعض بامبت رو سا کی فیاضیوں نے کروایا تھا، ابکی سال پھر وہی تمام ضروریات ایک ایک کر کے پیش آ رہی ہیں، لیکن اب ہماری غیرت مزید اعانت طلبی کو گوارا نہیں کر سکتی،

مسٹر ہنری فرک، امریکہ کے ایک مشہور دولتمند تھے، جنھوں نے حال ہی میں وفات پائی ہے۔ اپنے بعد وہ ۲۹۰۰۰۰۰۰ پونڈ کی جائیداد چھوڑ گئے ہیں، وصیت نامہ کے بموجب اس دولت قارون میں سے ۵۰ لاکھ پونڈ کی رقم انکے احباب، اعرہ و ملازمین کو ملیگی، اور باقی ۲۴۰۰۰۰۰۰ پونڈ (یا ۳ کروڑ پونڈ) امریکہ کی مختلف یونیورسٹیوں اور تعلیم گاہوں میں تقسیم ہونگے!! اسی کے ساتھ امریکہ سے دوسری بفریہ آئی ہے کہ مشہور کروڑ پتی راک فیلر نے اپنے قائم کردہ سائنس انسٹیٹیوٹ کو ۲۰ لاکھ پونڈ (۳ کروڑ روپیہ) کا تازہ عطیہ دیا ہے، یہ انسٹیٹیوٹ اس نے سائنس میں قائم کرایا تھا، اور اسکے لئے ۵۰ لاکھ پونڈ (۷۵ لاکھ روپیہ) کی منتقل جائیداد وقف ہے، اور متفرق عطایا کی میزان یہ تازہ عطیہ ملا کر اسوقت تک ۷۵ لاکھ پونڈ (۱۰ کروڑ روپیہ) تک پہنچ چکی ہے، انسٹیٹیوٹ مذکور کی غرض یہ ہے کہ طب و تعلقات طب سے متعلق تحقیقات و اکتشافات کا سلسلہ قائم رہے، اسوقت اسکے اسٹاف میں ۶۵ اساتذہ اور ۳۱۰ ماتحت ملازمین کام کر رہے ہیں، ہندوستان میں یہ واقعات ”طلسم جو شمر“ کی داستانیں معلوم ہوتے ہیں!

ایک عرصہ سے یہ دیکھنے میں آ رہا ہے کہ بعض مہنت دار معاصروں نے معارف کے خدشات کو کثرت کے ساتھ اپنے مڈ میٹرل کالموں میں برابر بے تکلف جگہ دیتے رہتے ہیں، لیکن اس میں کیا حرج ہے، اگر وہ اذراہ کرم معارف کا حوالہ بھی دیتے رہیں، صحائف سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ قوم کو اخلاق و دیانت کا سبق دینگے، اسکا عملی نمونہ انہیں پہلے خود اپنے صفات میں پیش کرنا چاہیے۔

اس نمبر کے اخبار علیہ کے زیر عنوان مسئلہ کے مطبوعات کی فہرست بہ لحاظ السنہ و درج کی گئی ہے، جو حکومت ہند کے شائع کردہ مجموعہ اعداد و شمار سے ماخوذ اور اسلئے قابل استناد ہے، ممکن ہے کہ مملکت ہند کی وسیع آبادی میں چند درو مند قلوب ایسے نکل آئیں جو اس مزعہ عبرت کو دیکھ کر کچھ متاثر ہوں، عربی و فارسی کا ذکر نہیں جو اپنی قلت تعداد مطبوعات کے لحاظ سے معروفہ زبانوں سے بھی بدرجہا پست و فروتر ہیں، البتہ ”قوم“ کا ارشاد اردو سے مشتق کیا ہے، جسکی تعداد مطبوعات بمقابلہ ہندی و بنگالی کے بقدر ایک ثلث کے کم ہے، اور انگریزی مطبوعات کی توصیف بھی نہیں؟ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کا غفلہ آج ملک کے گوشہ گوشہ میں بلند ہے لیکن اگر اس میں خلوص کا کچھ بھی حصہ شامل ہے تو کیا اس زبان کا جو دونوں قوموں کے گذشتہ اتحاد کی حقیقی یادگار، اور آئندہ اتحاد کی قطعی ضمانت ہے، یہی حشر ہونا چاہیے تھا؟ دیکھتے دیکھتے یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ محدود رقموں میں بولی جانے والی بنگالی، ہندی، زبانیں اردو سے کہیں آگے نکل چکی ہیں، اور تامل جسے عام طور پر مدراس کے ایک گوشہ کی محدود زبان سمجھا جاتا ہے وہ بھی اردو کو لگ بھگ پہنچ چکی ہے، مدعیان حمایت و ترقی اردو کے اطمینان کے لئے شاید یہ کافی ہے کہ اجماع پنجابی، سندھی، برہمی، و آسامی زبانیں اردو سے بہت پیچھے ہیں، لیکن یاد رہے کہ اطمینان و جود کا یہ آخری سہار بھی چند سال سے زاید قائم نہیں رہ سکتا۔

مشرائیں اسے خان، جنوں نے کچھ ہی عرصہ ہوا آکسفورڈ یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف لیٹریز کی ڈگری حاصل کی ہے جو ایک مسلمان کے لئے غیر معمولی امتیاز ہے، حال میں انھوں نے لندن کی رائل سائیکل سوسائٹی کے سامنے ایک تاریخی موضوع پر لکھ دیا، نامہ تحریر کے تعلیمی فہم سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر موصوف سب سے پہلے ہندوستانی اور سب سے پہلے مسلمان جن جنمیں سوسائٹی مذکور نے اس اعزاز کیلئے منتخب کیا، لکچر کا عنوان یہ تھا کہ ہندوستان سے تجارتی تعلقات پیدا کرنے سے انگلستان کے خارجی و اندرونی حکمت عملی پر کیا کیا اثرات پڑے۔ ڈاکٹر موصوف نے ڈی لٹ کی ڈگری کیلئے جو رسالہ تیار کیا تھا اسکی طبع و اشاعت کے لئے حکومت ہند نے انہیں اہمارہ سودھیہ کا عطیہ دیا ہے۔ کیا یہ باور کر لینا چاہیئے کہ مسلمانوں کی علمی زندگی میں ابھی کچھ روح باقی ہے؟

سر جے، اسی بوس کے سائنٹفک کارناموں نے یہی نہیں کہ اس دورِ تنزل و انحطاط میں اہل ہند کی آبرورکھ لی، بلکہ انکے کمالات نے یورپ کے اعلیٰ ترین علمی حلقوں میں اپنی غیر معمولی عظمت کا سکہ بٹا دیا ہے، اور سائنس کے علماء کبار اس کے خرمین سے خوشہ چینی اور اس کے فیوض سے استفادہ کرنا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھنے لگے ہیں، چنانچہ انگلستان کے ایک نامور و طویل القدر سائنسٹ (حکیم) پروفیسر گینڈیس نے کلکتہ میں انکے ہمراہ مدت تک قیام کرنے کے بعد وطن جا کر انکی زندگی اور انکے کارناموں پر ایک مبسوط کتاب تیار کی ہے جو عنقریب شائع ہوگی، جو لوگ پروفیسر گینڈیس کے مرتبہ شناس ہیں، وہ بوس کے اس حیرت انگیز اعزاز پر جھدر بھی احساسِ مسرت کریں، بھلے ہے، ہندوستان کی حقیقی عظمت جھدر بنر جی و تنگ کی ذات سے وابستہ ہے اس سے کہیں زیادہ بوس و ٹیگور کے دم سے قائم ہے، جسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی، دیلم و سلوک آج کہاں ہیں؟ غزنوی و غوری کے نام و نشان تک باقی نہیں، لہذا انکی خلافت

ایک بولا ہوا خواب ہے، لیکن فارابی و ابن سینا، شیخ الاشراق و ابن رشد سعدی و حافظ آج بھی زندہ ہیں اور کل بھی زندہ رہیں گے، وہی اغیار جو ایران کے مٹا دینے کے ور پے ہیں، غیام کے آستانہ پر انکی چینیں ہلکی ہوئی نظر آتی ہیں،

آج سے ۷۰-۷۵ سال پیش ایک نامور انگریز ادیب نے کہا تھا کہ اگر اہل انگلستان سے سوال کیا جائے کہ تم ملک ہندوستان اور اپنے مشہور ڈراما نویس شکسپیرین کسکے چوڑنے کو ترجیح دو گے تو انکے پاس صرف ایک ہی جواب ہوگا یعنی ہندوستان، انگلستان کیلئے ہندوستان جیسی پرسفقت و وسیع مملکت سے دست بردار ہو جانا ہزار درجہ زیادہ قابل قبول ہوگا بمقابلہ اسکے کہ وہ اپنے تین شکسپیر کی معقوی کے غر سے محروم کریں۔ قومی زندگی کی اصلی روح بھی چیر رہے اباتی مادی جاہ و اقتدار سے بڑھکر بے ثبات شے اس بے ثبات دنیا میں اور کوئی نہیں، گوانفسوس ہو کہ خود یورپ بھی اس نکتہ کو روز بروز فراموش کرتا جاتا ہے، اور اسکے جو لازمی نتائج و عواقب ہیں وہ ہر شخص پر ظاہر ہو رہے ہیں،

اسال ایسٹر کی تعطیل میں ندوۃ العلماء کا جلسہ صوبہ بہار کے مشہور شہر گیا میں ہوگا، اس جلسہ کے ساتھ طلباء کے قدیم ندوہ کا جلسہ بھی اسی شہر میں منعقد ہوگا، طلباء کے ندوہ کی ایک کثیر تعداد خود اس صوبہ میں موجود ہے، اسلئے توقع ہے کہ یہ جلسہ غیر معمولی طور پر کامیاب ہوگا، اور طلباء ندوہ دونوں کے متعلق اس جلسہ میں مفید تجاویز پیش ہونگی، یقین ہے کہ ندوہ کے جو قدیم طلباء اس صوبہ سے باہر مقیم ہیں وہ بھی شریک ہو کر جلسہ کی عظمت و شان میں اضافہ کریں گے،

اجاب کو اخبارات سے معلوم ہوا جو گا کہ وفد خلافت کے ساتھ مجھے انگلستان کا سفر درپیش ہے، چند ماہ تک امید ہے کہ وہ میری غیر حاضری معاف فرمائیں گے، اس اثناء میں معارف سیرۃ اور دارالمنین کے کام بدستور انجام پاتے رہیں گے، سیرۃ کی تحریر سفرین بھی انشاء اللہ جاری رہیگی، متوقع ہوں کہ اجاب میرے لئے اور مقصد سفر کے لئے دعا فرمائیں گے۔

۱۵ اودھ کی فوالبی کے بعد غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ ہندوستان کے طبقہ علماء میں سے مولانا ممدوح انگلستان شریف لجا رہے ہیں، اس وقت علماء، سفیر بنا کر وہاں بھیجے جاتے تھے، چنانچہ تاریخوں میں ان کے نام کے ساتھ لندنی کا لفظ خاص طور پر لکھا جاتا ہے،

اسلام کی سیز دہ صد سالہ عظیم الشان تاریخ میں یہ وفد اپنی نوعیت مقاصد و اغراض (نبوی و غیرہ) کے لحاظ سے غالباً اپنی آپ مثال ہے، اس موقع پر یہ خیال کس درجہ عبرت انگیز ہے کہ اللہ اللہ آج سے کم و بیش سو برس پیشتر جس قوم کی مجلس میں ہم برابر کی حیثیت رکھتے تھے شومی اعمال سے اب اس وقت اسی کے سامنے اسلئے عاجز و ناتوان ہو رہے ہیں کہ اپنے رحم طلب مروضات کو پیش کریں،

یہ انقلاب گردش میل و نہار ہے

مثل هذا یذوب القلب من کمد (ان کان فی القلب اسلام و ایمان)

یا لیتنی مت قبل هذا و لکنتم نسیا منیا

(نائب)

## مقالہ

مسئلہ خلافت

قرآن مجید اور احادیث نبوی کی تصریحات

وَعَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَشْرَ تَعَالَى نَ ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل صالح پر  
 لیتے تھے ان کی الارض کما استخلف الذین کار بند رہے وعدہ کیا ہے کہ انکو انکوئی طرح زمین کی  
 من قبلہم ولیکن لہم دینیم الذی یعنی حکومت دیگا اور وہ اسکے اس دین کو جسے اس نے پسند  
 لہم ولیلہم من بعد خوفہم امان کیا ہے قائم و مستحکم کر دیا اور اسکے خون کو اس سے بدل دیا  
 یسجد ونفی ایشیر کون بی شینا ومن کفر بعد وہ مرنے کی عبادت کرے گی اور کسی اسکا شرک نہ بنا سکے گا  
 ذلک فاو لئلاک ہما نفاستون۔ اسکے بعد انکار و اعراض کیا وہ بے شہدہ فاسق ہے۔

”اِنَّ آیاتِ یٰحٰی عَبدِہٖ کَرِیْمِ نے اسلام کے ایک نہایت اہم عقیدہ (خلافت) کی طرف اشارہ کیا ہے

ہم انکی مزید تشریح کے سلسلہ میں آگے چلکر ان تمام احادیث نبوی اور اقوال علماء اہل سنت کو بھی بیان کریں گے

جن سے اس مسئلہ کی حقیقت و اہمیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ آغاز مضمون سے یہ متبادر ہوتا ہے

کہ آئندہ تفصیل ان آیتوں کی تفسیر ہوگی۔ ایسے بہتادینا ضروری ہے کہ ہم بیان ان آیات کی تفسیر فرمادیں

بہت کم اکتان کرینگے۔ جان ہل مسئلہ کے تمام ضروری پہلو انشاء اللہ تعالیٰ تفصیل کے ساتھ پیش

کرنیکی کوشش کرینگے، بامشور التوفیق وعلیہ التکلان داسالہ تعالیٰ العصمتہ من الخطأ والزلزل“

سُخ ارضی کی سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ وہ مالِ خلافت الہی کے لیے آغوشِ حیات ہے انسانِ جو

”عبداللہ“، جو نیکے علاوہ اس حیثیت سے ”نقیضۃ اللہ“ بھی ہے کہ اس ظلمت آباد کھن میں ہدایت و عبودیت کی



شیعہ اسکے ہاتھوں میں دینی تار کو وہ اس دنیا پر ضلالت و گمراہی کی ہلاکت آفرین تاریکی کو مسلط نہ ہونے دے  
قرآن مجید کی اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَاذْ قَالِ رَبِّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہٗ ۚ وَاذْ جَبَّتْ رُبُّہٗ فَرَشَفَتْ لَہٗ مَا ہُمۡ بِمِیۡرِیۡنَ لَکِیۡمٌ غَلِیۡفٌ یَّہِیۡجُہٗ وَلَہٗ ہِیۡنٌ  
(۱) یہ عالم انسانیت کا آغاز تھا اس لیے اس آیت میں خلافت کے متعلق بھی بالکل ایک ابتدائی تمخیل  
بیان کیا گیا اور وہ یہ کہ انسان اپنی اس حیثیت کو یاد رکھے کہ وہ اس دنیا میں خدا کا خلیفہ ہے لیکن چون کہ  
عالم انسانیت اپنے مدارج تکمیل سے قریب تر ہوتا گیا اسی طرح خلافت کے فرائض اور اسکی ذمہ داریاں بھی  
یہ نفاذ و مابہر ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ شارع اسلام محمد مصطفیٰ صلعم کا زمانہ آیا جو انسانیت کی تکمیل کا زمانہ تھا۔ انسان  
کی ہدایت و تعلیم کے لیے ادیان و شرائع کا جو سلسلہ خدا نے قائم کیا تھا اب اسکی بھی تکمیل کا وقت آ گیا تھا اور دنیا  
میں آئندہ کوئی نئی شریعت اور کوئی نیا دین آنے والا نہ تھا اس لیے ضرورت تھی کہ انسان کی تخلیق کے مقصود حقیقی  
یعنی خلافت فی الارض کی بھی تکمیل کر دیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کی ذات سے اس کی بھی  
تکمیل کر دی۔

(۲) آیت مذکورہ کے ابتدائی الفاظ دو وعدہ اللہ الدین آمنوا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف  
فی الارض کا وعدہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے تمام انسانوں کے لیے نہیں جیسا کہ بعد کی  
آیت سے سمجھا جاتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں نیابت اکہی کے اجمالی  
استحقاق میں تمام انسان شریک ہیں اور خلافت کا مستحق ہر فرد انسان ہو سکتا ہے لیکن علا اس منصب  
کے لیے کچھ ضروری شرطیں ہیں جنکی بنا پر ایک انسان کو دوسرے انسان پر ترجیح دی جاسکے اور دنیا میں  
سعادت و شقاوت کے درمیان ایک مابہ الامتیاز قائم ہو۔ غور کرو جیسے دنیا کی آبادی بڑھتی گئی نہایت  
اپنے خیالات، جذبات، قواسم عقل اور دوسرے حالات میں ترقی کرتا گیا، اسی قدر متنوع، گونا گونا و  
مختلف الخیال جامعین پیدا ہوتی گئیں، تا آنکہ اسلام کا زمانہ آیا، دعوت محمدی کا ظہور ہوا اور قرآن مجید نے

ملائکے ان محمد ابا احل من دجا لکم وکن رسول اللہ محمد معلم تمہارے مردوں میں سے کسی ایک کے باپ ہی دتے  
و خاتم النبیین۔ وہ خدا کے رسول اور نبیوں کے خاتم تھے۔

کا اعلان کیا۔ دنیا نے خدا کے اس فیصلہ کو منسا کہ

اليوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم دینکم و رضیت لکم دینکم و رضیت لکم دینکم و رضیت لکم دینکم  
لکم الاسلام دینا۔ کرو اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔

لیکن باوجود ان تمام تصریحات و تنبیہات کے بہت تھوڑے تھے جنہوں نے اسکو قبول کیا اور  
اکثروں نے انکار کر دیا اور اسطرح، اسلام سے، رسول سے اور قرآن مجید سے نہیں بلکہ انہوں نے اپنے خدا  
منہ موڑا پھر کیا ایسی حالت میں نہنہم شقی و رعید کا فیصلہ بیجا ہے؟ اور کیا دونوں خدا کی ہر نعمت میں  
برابر کے شریک و ہمیم ہو سکتے ہیں؟

(۳) آگے چل کر خداوند کریم نے ان آیات میں مستحقین خلافت کے عمل و اعتقاد کو بھی صاف طور پر  
بتا دیا ہے جس کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام انسانوں میں سے مستحق خلافت گردہ کے لیے ایک نشانی ہے  
وہ یہ کہ

یعبدا و نئی لا یشترکون بی شیا۔ وہ صرف میری عبادت کو ٹینگے اور کسی کو میرا شریک نہ بنائینگے۔

گو یا اس تصریح سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ خلافت فی الارض صرف مومنوں  
اور مسلمان ہی کا حصہ ہے۔

## نبوت و خلافت

نظرۃ انسان میں جس قدر رہایت کو قبول کر نیکا مادہ ہے اسی قدر گمراہی میں پڑ جائیگا بھی ہے  
ابتداءے افریش سے زمانہ محمد رسول اللہ صلعم تک انبیاء و رسل کا جو وسیع سلسلہ نظر آتا ہے وہ اسی ضرورت  
کی بنا پر تھا کہ انسان جب کبھی اپنے مقصد حیات کو فراموش کرے یا حقیقی شاہراہ سے دور ہٹ جائے تو

تھیک وقت پر اسکو جمع راہ بتائی جائے۔ لیکن ابتدا کی کوئی حد کوئی انتہا ہوتی ہے اس سلسلہ شراعی کی آخری کڑی شریعت محمدی مسمیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سلسلے ایسا مکمل مذہب پیش کر دیا جسکے بعد اب کسی دوسرے مذہب کی ضرورت نہ رہی۔ اس بنا پر نبوت کا سلسلہ تو ختم ہو گیا۔ لیکن صحت اتنی ضرورت باقی رہ گئی تھی کہ ان اصول و قوانین پر جو آپ نے امت کو سکھائے اور دنیا کے آگے پیش کیے ہیں امت کو عمل پر آمادہ کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ کیا جاسکے اور غیر امتیوں کے آگے پیش کرنے کا سلسلہ برابر قائم رہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔

عن ابی حازم عن ابی ہریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابو حازم حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی بنوا اسرائیل قسوس صہلا نبیاء کلما اهلک نے بنی اسرائیل کے سردار انبیا دہوتے تھے جب کوئی نبی فوت ہوتا تو خلفہ بنی وانیہ لاینبی بعدی مستکون خلفاء ان تو دوسرائی اسکا قائم مقام ہوتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ خلفا ہوں گے۔ (مسلم شریف)

اب بیان پر اس خاص امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں امت کی کن کن چیزیں باقی رہ گئیں جس سے یہ معلوم ہو کہ خلافت کے دائرہ اقتدار میں کون کون سی چیزیں آتی ہیں۔ جو لوگ اسلام سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ قومیت مسلم کی تعمیر کسی نسلی و ملی اصول سے نہیں بلکہ اسلام کے یعنی کردہ اصول سے ہے ایک مسلمان کی زندگی کا کوئی شعبہ مذہب کے علاوہ اس سے باہر نہیں، تمدن، تہذیب، اخلاق، معاشرت، ہر چیز اسکی مذہبی۔ روح کے تابع ہے۔ پیغمبر اسلام (علیہ السلام) ایک طرف مسلمانوں کو مبدء و معاد و عبادات اکی اور اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے تھے تو دوسری طرف انکے باہمی حقوق و معاملات پر بھی اپنی نگرانی رکھتے تھے انکے اخلاقیات کو رفع کرتے تھے اس بنا پر رسول کا خلیفہ بھی انہی چیزوں کا ذمہ دار ہوگا جو رسول کی ذات سے متعلق تھیں، اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جانشینوں نے ہیشہ بڑی مستعدی و سرگرمی سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ خلافت راشدہ کے زمانہ سے لیکر آج تک یہ منصب برابر قائم رہا اور

حتی الامکان تمام خلفاء اسلام نے اپنے اپنے متعلقہ فرائض کے انجام دینے میں پوری کوشش کی۔ لیکن بات یہ کہ شخصی طور پر کسی خلیفہ کے ذاتی حالات اس کے منصب کے لحاظ سے ناموزون تھے اور اس پر مختلف اسلامی فرقوں میں اس کے متعلق اختلافات رہے ہوں لیکن بحیثیت مولد و عقیدہ مذہبی تمام اسلامی دنیا پر سختی سے قائم رہی اور آج تک قائم ہے۔ خلافت کی اہمیت و ضرورت کے متعلق ان جزئیات کے معلوم کر لینے کے بعد اس بارہ میں مزید تجلید احادیث نبویؐ اور علماء سلف کے اقوال کو بھی معلوم کرنا چاہیے تاکہ اس عقیدہ کی اصلی حیثیت واضح ہو عنوان میں جو آیات قرآنی نقل کی گئی ہیں وہ اور اس کے علاوہ یہ اہمیت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ إِنَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسِهِ وَرَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ  
یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اے مسلمانو خدا کی رسول کی اور اپنے ارباب امارت کی و اطیعوا الامم و اطیعوا

اس مذہبی عقیدہ کی اصل ہے۔ امام بخاری نے کتاب الاحکام رحمہ اللہ احکام امارۃ و قضا کی حدیث میں درج ہیں کہے آغاز میں بھی وجوب امامت پر اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

احادیث نبویؐ اس بارہ میں بکثرت مروی ہیں اور ان میں اس مسئلہ کے بعض جزئیات کی بھی تشریح و توضیح کی گئی ہے ہم موقع موقع سے آگے چلکر انکو نقل کر سکیں گے۔ یہاں پہلے وہ حدیثیں نقل جاتی ہیں جن میں نصب خلافت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

عن نافع قال جاء عبد الله بن عمر إلى عبد الله بن مسعود حين كان من امر الحرة ما كان من يزيد بن معاوية فقال اطرحوا ابني عبد الله وسأوت فقال اني لم آتاك لاجلس، اتيتك لحد ثك حد، يا سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من خلع يدين

نافع سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ کو عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس آئے اور کہا میں اس وقت مرث ایک حدیث شائع کے لیے آیا ہوں جو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے، آپ نے فرمایا جو امام کی اطاعت و تکلش چھو گیا وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں الگ کر کے پاس کوئی محبت نہ ہوگی۔ اور جو شخص اس حالت میں

طاعة لقي الله يوم القيامة (رحمة له ومن مات  
وليس في عنقه بيعة مات ميتة جاهلية (مسلم)

عن ابن عباس عن رسول الله صلعم قال من  
كفر من امير شيئا فليصبر عليه فانه ليس  
احدا يخرج من السلطان شيئا فمات الاما  
ميتة جاهلية (مسلم)

عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ صلعم من  
خروج من الطاعة وفارق الجماعة ثم مات  
مات ميتة جاهلية (مسلم)

عن ابی رجا عن ابن عباس يرويه قال قال  
النبي صلعم من اوى من امير شيئا فمات  
فليصبر فانه ليس احدا يفارق الجماعة  
شيئا فموت الاما ميتة جاهلية

صحیح بخاری

کی موت ہے

مرا کہ اہل گردن میں کسی بیعت کا طوق نہیں ترودہ  
جاہلیت کی موت مرا۔

ابن عباس سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے  
جو شخص اپنے امیر کی کسی بات کو ناپسند کرے وہ صبر  
و ضبط سے کام لے یعنی اسے ناپسند کی بات کو  
اسی طرح کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو اطاعت سے یک  
بھی الگ ہو اور مر گیا مگر یہ کہ وہ جاہلیت کی موت مرا۔

ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے جو شخص نے  
اطاعت کو چھوڑا جماعت الگ ہو اور اسی حالت میں مر  
پائی۔ اس کی موت جاہلیت کی موت ہے

ابو رجا اور ابن عباس سے روایت کرتے ہیں فرمایا رسول  
خدا صلعم نے جس نے اپنے امیر کے کسی نکتہ کو ناپسند کیا  
کہ ضبط کرے، کیونکہ ایسا کوئی نہیں جو جماعت سے ایک  
بلاشت بھی الگ ہو اور مر گیا مگر یہ کہ اس کی موت جاہلیت

کی موت ہے

ان احادیث کی بنا پر علماء اسلام کے سب وجوب نصب امام کے قائل ہیں علامہ ابن حزم  
علی و نقل میں لکھتے ہیں۔

نصب امام کا وجوب اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہے  
اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر من بعد

قد ورد بايجاب الامام من ذلك قال الله  
تعالى "اطيعوا الله واطيعوا الرسول

اولی الامر منکم مع احادیث کثیرہ صحاح  
مجھ بھی طاعت ائمہ واجب اما تین مردی  
فی طاعة الائمة واجبا لامامة..... ہیں۔

اتفق جميع اهل السنة والمرحبة بجميع الشيعة  
تمام اہل السنہ ارحمہ فی شیعہ و خوارج و وجوب  
و جميع المخارج على وجوب الامامة وان  
امامت پر متفق ہیں اور اس پر بھی کرامت کے لیے  
الامة واجب علیہا لانفاذ الامام عادل الخ  
امام عادل کا مطیع و فرمانبردار رہنا واجب ہے

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ الباقیہ کے آغاز باب سیاست المدین میں لکھتے ہیں  
واعلم انه يجب ان يكون في جماعة المسلمين  
یہ وجبات میں سے ہے کہ اہل اسلام کا ایک خلیفہ ہو اس لیے کہ  
خليفة لمصالح لا تتم الا بوجوده وحی  
بہت مصلحت قوی دلی اسکے وجود سے وابستہ ہیں اور اسکے  
کثیرہ جہاں  
بغیر تمام کونین پر ہو سکتیں اور بعضین یقیناً بہت زیادہ

کتب احادیث کا مزید مطالعہ خلافت کی ضرورت اور اسکی اہمیت کو اور زیادہ کر دیتا ہے۔ جب ہم  
انہیں یہ دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے عثمان پہلو و ملو نہایت تشریح سے بیان فرمایا ہے مثلاً اسکا  
ایک پہلو یہ ہے کہ شرائع و احکام کے نفاذ و اجرا کیلئے ہمیشہ قوت کی ضرورت ہوتی ہے خواہ وہ قوت  
اخلاق کی ہو یا تلوار کی۔ انبیاء کرام کی قوت کا دار زیادہ تر پہلی صورت پر ہوتا ہے یعنی وہ اپنے احکام  
و ادا کر کے تسلیم کرانے میں جس قوت سے کام لیتے ہیں وہ خود اسکے وجود سے باہر نہیں ہوتی۔ یہ الگ  
بات ہے کہ انھوں نے کبھی کبھی اپنے ہاتھوں میں تلواریں بھی لی ہیں گریہ مسلم ہے کہ انکی کامیابی کا راز  
صرف انکی اخلاقی طاقت میں مخفی ہوتا ہے۔ خلفاء کے لیے ممکن ہے کہ تلوار کی طاقت وہ رسول سے زیادہ  
پیدا کر سکیں لیکن اخلاقی طاقت میں وہ رسول کے برابر نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ معاملات و دنیا میں بہت سے  
مواقع ایسے پیش آتے ہیں جہاں صرف اخلاق کی طاقت کا ذکر ہو سکتی ہے تلوار کی نہیں اور اگر وہ کامیاب  
ہو بھی سکتی ہے تو ایک بڑی سفاکی و غوریزی کے بعد جسکا وضع و انسداد مقصد خلافت میں داخل ہے یہاں

بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ کے اس ضعیف پہلو کو پیش نظر رکھ کر امت کو اطاعت امام کا حکم دیا۔ اس باب میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں جن کے نقل کی یہاں گنجی پیش نہیں مثلاً لا د جارتیش کجانی ہیں خلافت و اطاعت خلافت کا جو عقیدہ اسلام نے پیش کیا ہے اسکی شدت ازوم دو جو ب کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن یعصی اللہ ومن یعصی الامیر فقد اطاعنی ومن یعصی الامیر فقد عصانی (مسلم)

ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا فرمانبردار وہ ہے جو میری اطاعت کرے اور جو میری اطاعت کرے وہ میری اطاعت کرے اور جو میری اطاعت کرے وہ میری اطاعت کرے۔

عن ابی ذر قال ان خلیلی اوصانی ان اسمع واطیع وان کان عبدا لعبد لاطاعت روفی بعض الاسناد عبد حبشیہ لعبد لاطاعت

حضرت ابو ذر نے کہا مجھ میرے دوست نصیحت کی ہے کہ میری اطاعت کروں اگرچہ وہ مقلع الاطراف (جنگ کے باؤں) ناک کان کٹے ہوں (غلام ہو) بعض روایات میں غلام حبشی کا لفظ زاید ہے۔

عن یحییٰ بن حصین عن جلد تہ رام الحصین قال سمعتہ لقول یحییٰ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجة الوداع قالت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قولا کثیرا ثم سمعتہ ليقول ان امر علیکم عبد مصلح حبشیہ قالت اسود یقودکم

یحییٰ بن حصین اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا میں حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ تھی اپنے بہت سی باتیں فرمائیں پھر میں نے یہ کہنے سنا کہ اگر تمہارا ایک میوب غلام دیکھیں تو شکم کہ شاید اسکی پیٹ میں اسوریاہ کا لفظ لکھا ہو اسکی پیٹ میں اسوریاہ کا لفظ لکھا ہو اور وہ قرآن مجید کے مطابق تیرے حکومت کرے تو تم اسکی اطاعت و فرمانبرداری کرو۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

عليك السمع والطاعة في غيرك وسيوك  
ومنشطك ومكرك واشتر لا عليش  
تبرطاعت لازم ہے خواہ آرام میں ہو یا تکلیف  
میں خوشی کی حالت میں ہو یا غم کی

یہ تو ظاہر ہے کہ کسی قوم کی حالت ہمیشہ کیساں نہیں رہ سکتی۔ اس لیے رسول خدا صلعم کو یہ صاف  
نظر آتا تھا کہ آپ کے بعد وہ زمانہ بھی آئیگا جس میں فتنے اٹھیں گے، لوگ مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے اور انسان کا  
آئینہ اخلاق برائیوں اور بد اعمالیوں کی گرد و غبار سے آلودہ ہو جائیگا۔ امت تو امت خود خلفا کا  
دامن بھی اس غبارِ فتن سے محفوظ نہ رہ سکیگا۔ مگر اس وقت بھی خلفاء اور امت کے تعلقات کس قسم کے  
ہونے چاہئیں اس کے متعلق ارشادِ نبوی ہے۔

عن ام سلمہ ان رسول اللہ صلعم نے عنقریب  
تم میں ایسے خلفاء ہونگے جنکو تم چاہو گے اور برا سمجھو گے تو  
جسے چاہا سمجھا دینا اپنی ذمہ داری سے بری ہوا دینے بڑا سچا اور محفوظ  
ہا ہونے جو خوش ہوا دینے انکے افعال اعمال کی پیروی کی کو کرنا  
پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم اہل دنیا میں خلیفہ بنیں جبکہ ہم میں ہر ایک کا ایک  
قالوا افلا نقاتلهم قال لا ما صلوا

عن عزی بن ابی سلمیٰ عن رسول اللہ صلعم قال خیرکم  
الذین تبعوہم وحبوہم وعلوہم وعلوہم  
وتصلو علیہم وشنواہم ثم الذین تبغضوہم

وینبغضوہم وتلعنوہم ویلعنوہم فقیل  
یا رسول اللہ افلا نأبذہم بالیث فقل  
لا نأقاموا فیکم الصلوۃ وادایم من

والکلم شیئاً تکرہونہ فاکرہوا عملہ ولا تنزعوا  
من طاعتہ  
اور جب تم اپنے دلیوں کی کسی امر کو ناپسند کر دو اس کے عمل کو برباد  
کچھ، محض اس وجہ سے انکی اطاعت نہ چھوڑ دو۔



عن جلدۃ بن ابی امیہ قال دخلنا علی عبادۃ  
بن الصامت وهو مریض فقلنا حدثنا  
اصحابك الله جل یث ینفع الله به سمعته من  
مرسول الله فقال دعانا رسول الله صلعم  
قالینا فکان فیما اخلد علینا ان یبایعنا  
علی السمع والطاعة فی متشطنا ومکرهنا  
وعسرنا ویسرنا واثروا علینا ولا ننازع الامر  
اهله قال الا ان تردوا کفرا بواجبنا کم  
من الله فیہ برهان۔

جناد کہتے ہیں ہم حضرت عبادہ سے ملنے گئے وہ بیمار تھے۔ کہا  
اللہ کو صحت کی کوئی حدیث جبکہ آپ نے رسول اللہ سے  
سنا ہو تو کہہ کر اللہ تعالیٰ میں اس سے فائدہ پہنچے حضرت  
عبادہ نے فرمایا رسول اللہ صلعم نے ہم کو دعوت دی ہم نے  
قبول کیا پھر بعد اوردہ کہے رسول اللہ صلعم نے ہم سے طاعت کا  
بھی عہد لیا خواہ ہم خوشی میں ہوں یا غم میں، آرام کی حالت میں  
ہوں یا تکلیف کی۔ اور یہ کہ ہم خلافت کیلئے خلیفہ مقرر نہ  
کرے ان اس وقت جب کہ اس سے حکم نہ کرے اور ہوتے دیکھیں  
جس میں ہمارے لیے خدا کے نزدیک برہان ہو۔

مسئلہ خلافت کا ایک اہم پہلو یہ بھی کہ اس سے دفعہ خلیفہ کی شخصیت بہت بلند ہو جاتی ہے کہ نکلا سکے  
اہل تہذیب پوری قوم کی باگ آجاتی ہے اور وہ سیاسی حیثیت سے حکومت، اقتدار اور سطوت و جبروت کا مالک  
ہوتا ہے جسے بڑھ کر یہ کہ مذہبی حیثیت سے اس کے احکام واجب العمل ہو جاتے ہیں اور یہ حالات یقیناً ایسے  
ہوتے ہیں جنکی بنا پر اس منصب کے حصول کا جذبہ ہر شخص میں پیدا ہونا چاہیے۔ اسلئے بہت ممکن ہے کہ ایک  
وقت میں دو دو خلیفہ منتخب ہوں کچھ لوگ ایک کا ساتھ دیں اور کچھ لوگ دوسرے کا۔ ایسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
عن ابی سعید قال قال رسول الله صلعم  
اذا بویع خلیفتین فاقتلوا الا اخر منهما۔  
بیعت کیجئے تو دوسرے (یعنی بعد والے) کو قتل کر ڈالو۔

کیونکہ یہ اختلاف و انشقاق کی صورت ہے حالانکہ ”خلافت“ کا اصلی مقصد جمع کل اسلام ہے۔

### شرائط خلافت

مذکورہ بالا مطالب کے سمجھنے کے بعد یہ معلوم کرنا چاہیے کہ خلافت کے لیے کیا کیا شرطیں ہیں

شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں جو فن اسرار شریعت پر ایک بے نظیر کتاب ہے تحریر فرماتے ہیں  
 و اعلم انہ یشتراط فی الخلیفۃ ان یکون عاقلاً غلیفہ کے لیے ضروری ہے کہ مرد عاقل، بالغ، آزاد، نجس  
 بالغاً حراً ذکراً شجاعاً عاذاً سراۓ و سمیعاً و بصیراً صاحب عقل و ہوش طاقتور و ارادان و گوشتین سے ہو  
 و نطقاً و ممن سلم اناس شرفہ و شرف و نطق و ممن سلم اناس شرفہ و شرف  
 قومہ و لا یتکلفون من طاعتہ اقتدار و اثر عام ہو۔

یہ شرائط تو متفق علیہ ہیں ان میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اس لیے ہم ان پر کچھ زیادہ گفتگو کرنا نہیں چاہتے  
 البتہ بعض جماعتوں کے نزدیک ایک اور شرط ہے جس کے متعلق بہت کچھ اختلافات ہیں ہم چاہتے ہیں کہ قریشی کا  
 اس مسئلہ کو صاف کر دیں وہ یہ کہ۔

### کیا خلافت کیلئے قریشیت لازم ہے؟

بات یہ ہے کہ بعض کتب احادیث میں ایسی حدیثیں مروی ہیں جن سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ  
 خلافت کے لیے قریشی ہونا ایک ضروری شرط ہے مثلاً

الامۃ من قریش، الملک فی قریش و غیر ذلک (۱) امام قریشی سے (۲) حکومت قریش کیلئے

لیکن اس بارہ میں تمام احادیث کے جمع و ہتقصاص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے قریش کے  
 فضائل و مناقب سے انکار نہیں، وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نسب ہیں، انکی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا  
 انکے گھروں میں وحی آئی۔ لیکن ان فضائل کا یہ نشانیں کہ وہ اسلامی حقوق عامہ میں سے کسی حق کے  
 تنہا مستحق ہیں۔ اب رہیں وہ حدیثیں جو اس استحقاق کے لیے مخصوص بھی جاتی ہیں انکی یہ حقیقت ہے  
 کہ وہ محض بیان واقعہ کی حیثیت رکھتی ہیں نہ کہ امر و حکم کی۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حدیثوں میں اس  
 زمانہ کے حالات کے لحاظ سے محض صورت حال کو بیان فرمایا ہے۔

غور کرو سیکڑوں برس سے عرب میں قریش کی شرافت مسلم تھی۔ وہ تمام عرب کے سب سے بڑے

سید رکعبہ کے متولی تھے، سارے عرب میں انہی شرافت و ریاست کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اسکے بعد اسلام آیا تو اسکا رسول بھی انہی میں سے اٹھا۔ اور رفتہ رفتہ تمام عرب نے اسکے آگے مقتدا گردن جھکا دی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلام اسوقت تک پوری طرح عرب میں نہ پھیل سکا جب تک قریش کے سردار اسکو قبول نہ کر چکے۔ تاریخ اسلام سے واقف اصحاب جانتے ہیں کہ بہت سے قبائل اور شخص اس ایسے تھے جو دل سے اسلام کو پسند کرتے تھے لیکن علانیہ اسکے اظہار کے لیے قریش کے قبول اسلام کے منتظر تھے۔ صحیح بخاری باب فتح مکہ میں ہے

كانت العرب تلوّم بالسلام مصداً لغتهم  
فيقولون اتكروا وقومنا فانهم  
عليهم ففؤوني صادق فلما كانت وقعة  
اهل النقرة ما دخل قوم باسلام مصداً  
عرب کو قریش کے قبول اسلام کا انتظار تھا وہ کہتے تھے  
محمد مصلم، اور انکی قوم کو چھوڑ دو۔ اگر وہ محمد مصلم،  
غالب آئے تو بے شبہہ پیچھے بنی ہیں۔ پس جب کہ فتح ہوا  
تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش قدمی کی

اسی واقعہ کو ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرۃ ذکر واقعات شریفہ میں زیادہ تفصیل سے لکھا ہے  
انما كانت العرب توبع بالاسلام امر  
هذه الحجة من قریش وامر رسول الله صلعم  
وفلكن قریشا كانوا امام الناس ما ديم  
واهل البيت والحرم وصلى على اهل  
بن ابداهيم عليم الاسلام وقادة العرب  
فلما دانت له قریش .... فدخلوا في  
ادعاب اسلام کے بارہ میں مرن قریش کا انتظار  
کر رہے تھے۔ کیونکہ قریش تمام ملک کے سردار و مشیر  
کعبہ و حرم کے متولی، حضرت اسمیل علیہ السلام کی چاکر  
اولاد اور تمام عرب کے قائد تھے۔ پس جب  
قریش نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی اطاعت کرنی... تو  
سارے عرب دفعۃً مسلمان ہو گیا۔

دين الله كما قال الله عز وجل

پھر اسوقت کے ان حالات کو دیکھ کر کون ہے جو لائے من قریش کی حقیقت کو تسلیم نہ کر گیا۔ اسی

باب کی درد و سری حدیثیں بھی اس مفہوم کو زیادہ واضح کرتی ہیں

عن ہمام بن منبہ قال ہذا ما حدثنا  
ابو ہریرۃ عن رسول اللہ صلعم قال کما حدیث  
منھا وقال رسول اللہ صلعم اناس تبع  
لقریش فی ہذا الشان مسلحہ مسلحہ  
وکا فرہم تبع لکا فرہم (مسلم)

جابر بن عبد اللہ یقول قال النبی صلعم  
الناس تبع لقریش فی الخیر والشر (مسلم)

رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد جب خلافت کا سوال پیدا ہوا۔ اور صفیہ بنتی ساعدہ میں انصار  
کو مہاجرین کے اختلافات پیش آئے انصار سعد بن عبادہ کی خلافت چاہتے تھے۔ اور مہاجرین حضرت  
ابوبکر کی۔ اس واقعہ کے متعلق حنفی روایتیں موجود ہیں۔ ان میں صحیح ترین وہ روایت ہے جسکو امام بخاری نے  
صحیح دوم باب رجم ابی بن الزنا میں نقل کیا ہے۔ اور صاحب طبری وغیرہ ارباب تاریخ کے یہاں بھی  
یہی سند روایت ہے۔ اس نام روایت میں حضرت ابوبکر کی اہم تقریر کا وہ حصہ قابل ذکر ہے۔ جس میں  
آپ نے قریش کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے۔

ولن یعرف ہذا الا امرای الامامہ الا لہذا  
الحی من قریش ہم اوسط العرب نسباً وادلاً

یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ یہاں حضرت ابوبکر نے ”الا ائمہ من قریش“ سے استدلال نہیں  
کیا بلکہ قریش کی قدیم شرافت و ریاست اور سطوت و عزت کو پیش کیا اور یہ بالکل صحیح ہے کہ اس وقت جب  
قریش میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح جیسی مقدس بااثر

اور ماہر سیاست و حکومت بہتیاں موجود تھیں تو ان کے سوا خلافت کا مستحق اور کون ہو سکتا تھا۔

ان کے علاوہ امامت قریش کے تعلق اور روایتیں بھی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ خلافت

قریش کی پیشین گوئی کی ہے مثلاً

ابو ہریرہ سے روایت ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت قریش

عن ابی بردۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یموت من

میں ہوگی جب تک وہ فیصلہ میں انصاف کرے قریش کو

قریش ما حکموا فعدلوا و وعدوا فوفوا

پورا کریں اور طالب رحم کے ساتھ رحم سے پیش

واسترحموا فرحموا (اخرجہ الامام احمد

آئین۔

وابو یعلیٰ فی سند یحییٰ والظہری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امامت قریش میں ہوگی اور

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان هذا الامر فی قریش

جو کوئی اسکے لیے ان سے جھگڑے اللہ تعالیٰ اس کو نازل

اربعادھیم احد الکتاب اللہ علی جہ ما قاموا

کر چکا جب تک وہ دین کو قائم رکھیں۔

الحدیث۔ بخاری

یا مثلاً اسی سلسلہ میں یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔

جابر کہتے ہیں میں ایک مرتبہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر

عن جابر بن سمیرۃ قال انطلقت مع رسول اللہ

ہوا میرے ساتھ میرے والد بھی تھے میں نے آپ کو فرماتے ہوئے

صلعم ومعی ابی سمیرۃ یقول لا یزال هذا

سنا کہ یہ دین اسلام برابر غالب و موثر رہے گا بارہ غلیفوں تک

الدین عزیزا منیعاً الی اثنی عشر خلیفۃ

اس کے بعد کچھ اور فرمایا جبکو میں سن سکا آخر اپنے والد کو دیکھتا

فقال کلمۃ حمینا الناس فقلت لابی ما قال

کیا تو معلوم ہوا کہ آپ نے فرمایا وہ سب قریشی ہو گئے۔

قال کلہم من قریش

لیکن ان حدیثوں میں اسکا کوئی اشارہ نہیں کہ قریش کے سوا کوئی دوسرا خلافت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

بعض حدیثوں میں آپ نے قریش کی سطوت و شان اور اہل عرب کے اتباع قریش کو بیان فرمایا ہے،

سلف تاریخ اہل السیوطی۔

بعض حدیثوں میں قریش کی خلافت اور ان کے عہد میں اسلام کی ترقی و شوکت و وقار کی پیشین گوئی فرمائی ہے اور بعض حدیثوں میں اسکا ذکر ہے کہ قریش میں خلافت اسوقت تک باقی رہے گی جب تک وہ دین کو حاکم نہ کیسکے، ان میں خلافت کی اہلیت و صلاحیت باقی رہے گی۔ ان سب میں وہ کون سی حدیث ہے؟ جو قریش کے دوام و استمرار خلافت کی دلیل میں پیش کی جاسکتی ہے۔ یا اسکی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ قریش کے سوا خلافت اسلامیہ کا کوئی مستحق نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں جتنی حدیثیں بھی مروی ہیں۔ وہ سب اس زمانہ کے حالات اور قریش کی اہلیت خلافت کے لحاظ سے ہیں۔ یہ ہرگز مقصود نہیں کہ حق خلافت کبھی قریش کے سوا کسی اور کو نہیں پہونچ سکتا۔ ورنہ اس قسم کی ردائیوں کی بنا پر اگر خلافت کو قریش کا مخصوص حق قرار دیا جائے تو کیوں قضا انصار کے لیے اور تاذین اہل مش کے لیے مخصوص نہ ہو۔ کیونکہ ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں مثلاً

صلی اللہ علیہ وسلم قال قال رسول اللہ صلعم حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا

الملک فی قریش والقضاء فی الانصار حکومت قریش میں، قضا انصار میں اور اذان

والآذان فی الحبشہ (ترمذی) حبشہ میں۔

عن عتبہ بن عبد اللہ ان النبی صلعم قال ففۃ عن عتبہ بن عبد اللہ سے مروی ہے نبی صلعم نے فرمایا

فی قریش والحکم فی الانصار والدعوة خلافت قریش میں، فیصلہ انصار میں اور دعوت

فی الحبشہ (مسند احمد بن حنبل) اہل مش میں

کیا یہ حدیثیں الائمۃ من قریش سے کسی طرح بھی کم رتبہ ہیں؟

اگرچہ علماء کی جماعت کثیر کا یہی خیال ہے کہ خلافت صرف قریش کا حق ہے اور اسکو، جامع مکہ کی حیثیت دیجاتی ہے۔ لیکن ہمیں اس واقعہ سے بہت تسکین و تسلی ہو جاتی ہے۔ جب یہ دیکھتے ہیں کہ یہ جامع حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر بن الخطاب کے مبارک و مقدس عہد کے بعد کا واقعہ ہے۔

اس وقت تک اس قسم کا کوئی تحلیل موجود نہ تھا۔ احمد نبوی سے قریب تر زمانہ کا تحلیل و طرز عمل یقیناً اس تحلیل و طرز عمل سے زیادہ اقرب الی العنواب ہے جو اس سے بہت بعد کے زمانہ میں پیدا ہوا ہو۔

صاحب فتح الباری باب "الامراء من قریش" کی ایک حدیث کی شرح میں قاضی عیاض کا یہ قول

وقال عیاض اشتراط کون الامام قرشیاً  
مذہب العلماء كافة وقد علواها  
فی مسائل الاجماع  
قاضی عیاض نے کہا امامت کے لیے قرشی ہونا  
تمام علماء کا مسلک ہے امدودہ اس کو اجماع کے  
مسائل میں سے شمار کرتے ہیں۔

نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

قلت، ویحتاج من نقل الاجماع الی تاذیل  
ما جاء من عمر من ذلك فقد اخرج احمد  
عن عمر بسند رجاله ثقات وقال ان ادکنی  
اجلی وابوعبیدہ قحی استخلفته، فذلک لحدیث  
وفیه فان ادکنی اجلی وقد مات ابو عبیدہ  
استخلف معاذ بن جبل امکنه ومعاذ بن جبل  
انصاری لا نسب له فی قریش۔  
یہ اجماع تاویل کا محتاج ہے کیونکہ حضرت عمر سے روایت  
ہے جس کو احمد نے لیا ہے اور اس کی سند کے تمام اشخاص  
تقریباً فرمایا حضرت عمر نے اگر مجھے موت آئی اور ابوعبیدہ  
زندہ رہے تو میں انہیں غلیفہ بنادنگا اور اسی روایت میں ہے  
کہ اگر میں مر گیا اور ابوعبیدہ بھی زندہ نہ رہے تو معاذ بن  
جبل کو غلیفہ بنادنگا۔ معاذ بن جبل انصاری ہیں ان کا  
قریش سے کوئی تعلق نہیں۔

ظاہر ہے کہ اگر اس زمانہ میں بھی امامت قریش کے سوا کسی اور کا حق نہیں سمجھی جاتی تو حضرت عمر بن  
الخطاب حضرت معاذ بن جبل کا نام خلافت کے لیے ہرگز نہ لیتے۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک اور روایت ہے  
جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر سے انکی وفات کے وقت آیندہ خلافت کی نسبت سوال کیا گیا کہ آپ  
فرمایا میں اپنے زمانہ کے لوگوں میں بری حرص پاتا ہوں۔ اگر میں اس وقت سالم مولیٰ غلام، ابی حذیفہ یا  
ابو عبیدہ بن الجراح کو پاتا تو یہ خلافت ان دونوں میں سے کسی ایک کے سپرد کر دیتا۔

ہم اس سے بے خبر نہیں کہ اگر باب فقہ کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ "مولیٰ القوم منہم" قوم کے غلام اسی میں داخل ہیں لیکن یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حسن علما کا اجماع اس بات پر ہے کہ خلافت صرف قریش کا حق ہے انہیں کا اجماع مسئلہ خلافت میں "مولیٰ القوم منہم" کو خلافت بھی ہے۔  
 علامہ ابن حزم لکھتے ہیں:-

فان قال قائل ان قول رسول الله صلعم  
 الائمة من قریش يدخل في ذلك الحليف  
 والمولى وابن الاخت لقول رسول الله  
 صلعم "مولی القوم منہم" ومن النفسهم  
 وابن الاخت منهم، فالجواب وبالله  
 التوفيق ان الزماعة قد تیقن وصحیح علی  
 ان الحلیف والمولی وابن الاخت الحکم  
 من یس له حلیف ولا مولی، ولا ابن اخت  
 فمن اجاز الامامة فی غیر ہوا، وجوزھا  
 فی ہوا، ومن منعھا من غیر قریش  
 منعھا من الحلیف المولی وابن الاخت۔

اگر کوئی یہ کہے کہ الائمہ من قریش میں رسول اللہ صلعم  
 کے قول مولی القوم منہم کے دو سے مولی، حلیف اور  
 ابن اخت بھی داخل ہیں تو یہ جواب ہے کہ اجماع سے  
 یہ بات متیقن ثابت ہو چکی ہے کہ قریش کے مولی وغیرہ  
 کا حکم مثل اس شخص کے ہے جو انکا حلیف یا مولی نہیں ہے  
 پس جن لوگوں نے امامت کو مولی وغیرہ کے علاوہ عام  
 لوگوں میں جائز رکھا ہے وہ ان لوگوں میں بھی جائز  
 رکھتے ہیں اور جو لوگ سرسے سے غیر قریش ہیں اسکو  
 جائز نہیں رکھتے۔ وہ مولی، حلیف وغیرہ میں بھی جائز  
 نہیں رکھتے۔

اگرچہ یہ موقع تھا کہ تفصیل سے ہم یہی احادیث پرمازور سے روایت و درایت بحث کرتے لیکن افسوس  
 یہ ہے کہ یہاں اسکی گنجائش نہیں۔ نیز دوسری روایات کی مدد سے جب مستند احادیث کے صحیح مفہوم پر روشنی  
 پڑ چکی تو پھر اب اس بحث بہت زیادہ پھیلا نا بھی مناسب نہیں تاہم چند سرسری باتیں قابل لحاظ ہیں:-

(۱) امامت و قریشیت کی مادیکی راوی کبھرت قریشی ہیں، ابتدا میں وضع و خلط احادیث کا جو فتنہ اٹھا اور سیکڑا



میشین بنواسیہ و بنو عباسیہ کے فضائل و مناقب میں گھر کر روایت کر دی گئیں انکو دیکھتے ہوئے کتنا ہی حقاقت پسند ہو گیا کہ سید

ان پر سے نہیں بچ سکتا خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ بعض رواد کی شہادت و صحت کے خلاف شہادتیں بھی مل جائیں۔

اسلم کی قریب قریب اکثر دیتو نکایہ حال ہے کہ انہیں سماک کا نام آتا ہے جسکے متعلق امام ابو شیبہ و ابن المبارک کی یہ روایت ہے

عن احمد بن اسحاق بن مضر بن الحارث، عن ابن المبارک  
مضر بن الحارث، ضعيف الحديث - شعبه اکثر

ضعیف فی الحدیث وکان شغبۃ یضعفه۔  
 ضعیف کہتے تھے۔

خود علامہ ابن حجر (قلت) کے تحت میں لکھتے ہیں۔

الذی حکاۃ المولف عن عبد الرزق عن الثوری مولف نے ثوری کا قول جو نقل کیا ہے وہ انھوں نے ساکب بن

انما قال الثوري في سلك بن الفضل السبائي - واما الفضل کے برہ من کہا ہے کہ بن سہاک بن حرب ان کے متعلق ثوری کا

سہاب بن حرب قال: عن الثوري انه ضعفا  
 قول شوہب کہ وہ ضعیف ہیں، ابن حبان نے ثقات میں کہا کہ

وقال ابن جریر فی التتقان بخلفی کثیرا۔  
 ساک اکثر غلیمان کرتے ہیں۔

عبدالملک بن عمیر کا نام آتا ہے جن کا یہ حال ہے کہ۔

عن احمد بن عبد الملك مضمون الحديث جلد اربع قلته روايتوا  
احمد بن محمد بن عبد الملك باوجود قلت روايت يقيناً مضطرب الحديث

ذیٰ له خسانۃ حدیث و قد غلط فی کثیر منها

با نحو مشین بمی مری نہیں ہیں تاہم اکثرین علیان ہیں۔

قال اسحق بن منصور ضعف احمد (قلت) کے تحت

مین علامہ ابن حجر مکتبہ مین وکان مدلسا۔ وہ درس تھے۔

جریر کا نام آتا ہے جسکے متعلق امام احمد بن حنبل اور حقیقی کا قول ہے۔

قال احمد بن حنبل ليس بلال في اخلاط عليه حديث شعث وعاصم  
 احمد بن حنبل نے کہا کہ بلالؓ کی عین شعث اور عاصمؓ اطفال کی روایت نہیں کرتے۔

الاحول قال البيهقي في السنن نسب في آخر عمر الى السوء المفظلة (شذیبت) کرتے ہیں یہ بیعت نے سنن میں کہا، اکی طرف ان کے سوء حفظ کی نسبت کی گئی ہے

صاحب تہذیب و تہذیب (قلت) کے تحت میں لکھتے ہیں۔

ان صحت حکایۃ الشاد کو فی فجر برکان میلاس  
اگر شاد کو فی حکایت صحیحہ تو بر تریس ہی کرتے تھے۔  
(ابو الحسنہ ترمذی)

## عہد اسلام میں ہندوستان کی

## جہاز رانی اور بحری کارنامے

(۲)

انجناب محمد یوسف صاحب صدیقی ایم، اور آراء ایس

تجارتی بیڑے کے علاوہ جنگی بیڑے بھی تھے، سلسلہ امین مرزا جانی بیگ نے چٹٹا میں اپنی آزادی کا  
اعلان کیا تو شہنشاہ اکبر نے خانخان کو ۳۰ مسلح جہاز اور دو سو کشتیوں کے ساتھ روانہ کیا، جانی بیگ کو  
اس مہم میں شکست ہوئی اور وہ صلیح کرنے پر مجبور ہوا، شرائط صلیح کی رو سے ۳۰ جہاز دوسرے اشیاء کے  
علاوہ اسے دینے پڑے،

سلسلہ امین داؤد خان بہار کا شہزادہ بن چٹھا، شہنشاہ اکبر بذات خاص بہت بڑے بیڑے کے  
ساتھ روانہ ہوا، اور کل سامان ادنیٰ سے اعلیٰ تک اپنے ساتھ لے، جب شہنشاہ حاجی پور پہنچا تو اس نے  
حاجی پور کے قلعہ کو سہارا کرنے کا حکم دیا، اور خان عالم کو تین ہزار فوج اور کل سامان کے ساتھ محاصرہ  
کے لئے کشتی پر روانہ کیا، حاجی پور کے سقوط کے بعد داؤد خان ایک کشتی پر سوار ہو کر ہباگ گیا، خانخان  
بنگال کا گورنر مقرر کیا گیا اور کل آدمیوں اور کشتیوں کو جو اگر وہ سے ساتھ لایا ہوا تھا دے دیدیا۔

اس زمانہ کی جہاز رانی و جہاز سازی کے مفصل حالات ابو الفضل نے آئین اکبری میں  
مخبر کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ بیڑہ بحری کے کام چار حصوں میں منقسم تھے، ہم ان چار حصوں کا بیان اسی کے  
زبان میں لکھتے ہیں :-

مخت آماده ساختن استوار کشتیها چنانچه قبل بر فرازان گذرد، و نیز جهان بر سازند که بر  
 دژها سرکوب آید و سرایه کشتایش و خوار قلعه گردد، کار آنگمان دیده در منزل در اطلال اندک گوین  
 اسباب جهانگیری شناسند، خاصه بروستان دژنگار و ترس بوم، اگر چه در قلعه و شاهنشاهی فراوان  
 جابجا رود، لیکن در جنگاله و کشیر و تنه (مطها) مار برو - افسر خدیو سرکشی بسان شکوفه جانوران  
 بر ساخت و محاببت و نشاط مایم و دشمن گردانید - و الا کاخها و دلکشها و گویان چاره سوبا  
 و لطفی بچین زار با بر دس و دیباچه برافروخت و بر ساحل دریای شور خاور و باختر و جنوب و شرق  
 جهان را سرانجام یافت و سرایه آساکش دریا نوروان شد، بنادر را رونق آفرود و دلاگی با نش یافت  
 و در الماباس (الآباد) دلاور نیز آماده کرده بدریای شور رسانید و در کشیر و نونان بر ساخت و جهان را  
 دوم گماشتن دریا در زان دیده در شناساسه مدو جزر داناسه اندازه ژرفا و زمان  
 دزدین گوناگون باد و سود و زیان آن و آگاه از کسار هاسه فرو رفته - و بدین مایه میش  
 تومند و دشنا در سه و مهربان دله و جد کاسه دزدی کشتی و بار برداری و دیگر کسوت و خوا  
 چهره آرا سه حال اینان، چنین فرد همیده مردم را با افراد ان پشه و ش فراهم آورد و خاصه از طلیبار  
 در رود بار با بشاشگی و آهنگی آدم و کالار با به ساحل رسانند و اندازه کشتی در شماره اینان  
 تفاوت رود، در جهان با ده از ده که مردم خدمتگذار باشند - تا خدا - خداوند کشتی - همانا  
 تا خدا بوده، بخدا شکری و کشتی بهر کو را بد - معل - شناساسه نشیب و فراز دریا و نیز نگرانی  
 برهنه و بی کشتی بمنزل شاد و چاره خطر را بر سگلد، تنذیل، بزرگ خلاصیان - طاح را بر زبان  
 و در زان خلاصی و خاوره گویند تا خدا شنب - کشتی نشینان راهمه و کاه آماده دارد و در بر آموختن  
 و تکی کردن یاد - سرنگ - کشتی در آب انگندن و بیرون آوردن بکار روانی او و بسا هنگام  
 کار معل از و آید - بختناستی - پاس دار ناگزیران کشتی - کز آنه تبلی - خراج کشتی و آب هم بمردم

رساند۔ سگان گیر۔ برہنہ بی کشتی را سوسہ وار دھڑکا لٹکا باشند و گاہ از سمیت دگر گذرند و پیوستہ  
بر فراز تیر کشتی دید بانے کند و از پیدای ساحل و کشتی و شوریدن باد و خبر آن آگاہی بخشد گشتی۔  
از غلصیان است آب کشتی بیرون آورد۔ توپ انداز۔ در آویزہ بکار آید۔ کمی و افزونی اینا  
بتفاوت باشد۔ خاروہ۔ فرادان باشند با و بان کشیدن و بستن ازین گروہ آید۔ بر رخ  
بقدر دیافزود شدہ رخندہ در بند و لنگ فرودماندہ را بر کشانند و در ہر سفرے کہ بزبان این طائفہ  
کو مشش کویند علونہ و گرگون بود۔“

سوم۔ فرہیدہ مردے تمام قاصت ہیبت سیما بلند آواز رنج کش چاکدست کا گذار  
مگر گزین سفرے دوست شنار کہ باز یک فشتے دکم در سے پیرائہ حال او بدید بانے دریا  
باز گذاشت، از کار آگاہی او اشکلمائے کہ برگزیدہ را و دہر کشاید۔ و گذر گاہ را از انہو ہے  
دنگی و نامواری دلائے نگاہ دارد۔ در برآمدن کشتی ہا اندازہ بکار برد و در نوروان رنج  
انتظار کشند۔ و تہیدستان باسانی برگزیدہ و بشاد و سے گذشتن نگذار و دکا لا جو گذر گاہ  
فرود نیار و بے ضرورت بہ شب را ہی نسا زد۔“

چہارم۔ بخشودن باج۔ جہان خدیو از افزونی عاطفت این وجہ را کہ بخراب کشور ہا  
برابر بخشیش فرمود۔ جز دست مزد و شتابان خواہش نفرد۔ نخے در بنا و در رستانند و از چہل  
یک زیادہ نباشد، بازار گان نظر بہ پیشین خواہشما بخشودہ انگاروہ۔  
دریا کے ٹکس کے متعلق مصنف آئین الہری یون رقم طراز ہے :-

”دست رنج در رو بہار ہا اگر کشتی و لوازم ازو باشند در ہزار من بہر کرد ہے یک مدپیہ  
و اگر تنہا کشتی از دست و دیگر نہ سیم خدا در دو نیم کردہ۔ و گذر ہا از فیمل وہ وام۔ از گردن

لے آئین الہری باب آئین یزہری۔

بار آمو د چہار، از تھی دو، از شتر باریک، از خالی واسطہ دگاؤ۔ با کالائیم، از خالی چار یک  
 از مرکب بار دواز سر باری شش بکدام، و از نسبت آدم یکدم دبلا شتر باشد کہ فتانند<sup>۱</sup>۔  
 دفتر میر بجری کے افسران و ملازمین کی تنخواہ معقول تھی، مصنف آئین الکبری اس کی نسبت  
 اس طرح بیان کرتا ہے :-

در بندر ساٹگانون ناخدا چہار صدر روپیہ یا بد چہار طبع - معلوم دوست روپیہ دو دوطح،  
 ٹیڈیل صد بست، کرنی پنجہ روپیہ دیک طبع - ناخدا خب سی، سرنگ بست دینج،  
 سکان گیر دینجرے و بندٹاری پانزہ پانزہ، گنتی دہ، خاروہ چہل و خوراک ہر روزہ،  
 سر باری دیک انداز دوازہ، دور کہنباٹ ناخدا ہشت صدر روپیہ و بد میان در دیگر  
 مردم تغادت رود، دور لاہری ناخدا سی صدر روپیہ، و دیگران نیز بدین نسبت و در خوبی  
 بنادرہ بست و پنج و دم چنین نظر بہادر راہ تغادت ہا دو دگذاش آن بس و خوار و کشتی  
 بانان برد بار بار با از پانصد دام افزون داز صد کم با ہوار گیرند<sup>۲</sup>۔  
 علاوہ جنگی کشتیوں کے بادشاہ اور خاصان دربار کے لئے صرف سری نگرین ایک ہزار سے  
 زائد کشتیاں بہتین جو سیر کے لئے مخصوص بہتین وہ کشتیاں نہایت آراستہ ہوتی بہتین، اور لوگوں کے  
 کشتیوں کا نو شمار ہی بہتین، ابو الفضل لکھتا ہے :-

درین ملک از سی ہزار کشتی افزون است، لیکن سزاوار نشین کشور خداے بنود، کار  
 آگہان خدمت گذار و کمتر فرستے گزین کا خماسے دریائے سرہجام نمودند و گوارے بر سطح  
 دریا اساس نہا دند، و نام آوران و نزدیکان نیز بہتین روئے آمادہ گردانیدند، افزون  
 از ہزار کشتی آراستہ شد و شہر تانے بر فراز دریا آبادی گرفت ۔

لے آئین الکبری باب آئین بر بجری ۷۷ ایضاً -

اکبر کی وفات کے بعد ۱۶۰۵ء میں اسلام خان گورنر بنگال نے دارالسلطنت راج محل سے ڈاکہ تبدیل کر دیا اور بیڑہ کی تعداد بڑا دی، شہاب الدین طلپش لکھتا ہے کہ جہانگیر کے زمانہ سلطنت میں لوٹروں نے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا، وہ ڈاکہ تک لوٹ مار کے لئے آتے اور سارے بنگال کو اپنی جاگیر سمجھتے تھے، تھوڑے عرصہ کے بعد اسلام خان نے راجہ اراکان اور پورنگیز لوٹروں کی متحدہ فوج کو جو اس وقت سینڈ واٹ پڑنا بعض تھے اور جنکے فوج کی تعداد ۱۰۰۰ پورنگیز، ۲۰۰۰ سپاہی، ۲۰۰ سوار اور ۸۰ مسلح جہاز پر ایک بیانیہ کے تھے اور جو دونوں متحدہ قوت کے ساتھ شرقی ساحل کو تباہ و برباد کئے ہوئے تھے شکست دی۔

شاہجہان کے عہد میں ۱۶۳۳ء میں ایک نئی تکلیف کی ابتدا ہوئی اور وہ اس طرح پورے اکبر غلام کے اخیر حصہ سلطنت میں کوچ بہار اور آسام کی وہ قویم جو بنگال کے شرقی سرحد پر رہتی تھیں تکلیف دینا شروع کئے، ۱۶۵۶ء میں ایک ہم نگی نارائن راجہ کوچ بہار کے خلاف بھیجی گئی، اس میں ۴۰ ہزار گھوڑے، دو لاکھ پیدل سوار، ۷۰۰ ہاتھی اور ایک بیڑہ جہاز کا تھا، ستہ زمین ایک بیڑہ ۷۰۰ جہاز کا ہجو پڑچٹ راجہ کچہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا، راجہ شکست کھا کر فرید ہو گیا لیکن اسکا بہائی بلدیہ پور پڑچٹ آسام ہاگ گیا اور آسامی اور کوچی کی ایک جماعت طیارہ کر کے شاہی لشکر پر حملہ کر بیٹھا، اسکے پاس بہت بڑی جماعت کے علاوہ پانچ سو جہاز کا ایک بیڑہ تھا، اس نے شاہی لشکر کو شکست دی، ۱۶۳۳ء میں آسامی جب اپنی کشتیوں پر دریا سے برہمپور سے ہو کر ڈاکہ کے قریب پہنچے تو انہیں گورنر بنگال اسلام خان سے ملاقات ہو گئی اور ایک دریائی جنگ ہوئی جس میں آسامیوں کے چار ہزار آدمی قتل کئے گئے اور پندرہ کشتیاں سلطنت مغلیہ کے ہاتھ لگیں، اس وقت آسامیوں کی لوٹ مار اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ کل زخم مالگذاری انکے دفع کرنے میں صرف ہجائی تھی

۱۷ جز اولیٰ ایک سب سبائی بنگال جلد سوم صفحہ ۲۴ ۲۵ ایضا بابت ۱۷۱۷ء حصہ اول نمبر ۱۷ صفحہ ۶۷

اور ایک روپیہ بھی دہلی نہیں بھیجا جاتا تھا،

اورنگ زیب کے عہد میں جب میر جملہ و افسرانے ہو کر متحدہ عین جنگال آیا تو پھر ولسطنت  
 ڈھاکہ کو تبدیل کر دیا گیا اس نے اخراجات بیڑہ اور تنخواہ افسران کے لئے ایک اسکیم بنائی جسکی تعداد  
 چودہ لاکھ تک پہنچ گئی۔ ارکان کے حملہ سے بچنے کے لئے متعدد قلعہ جات اور فوجی نقل و حرکت کیلئے  
 متعدد مسٹرکین اور یلین تعمیر کرائے، ۱۷۱۷ء میں میر جملہ نے کوچ بہار کے خلاف چڑھائی لی اور آسانی سے  
 اسکی سلطنت کو ملا لیا۔ راجہ بھیم نرائن بہاگ گیا، ۱۷۱۷ء میں آسام کے فتح کے لئے ایک بہت بڑی  
 قوت کے ساتھ جھین پیدل، سوار اور بیڑے تھے روانہ ہوا، دشمنوں کے ۷۰۰۰ قریب جہازوں نے  
 شاہی بیڑے پر حملہ کیا، تمام رات گولہ باری ہوتی رہی، نواب نے منعم بیگ کو بیڑہ کی مدد کے لئے  
 بھیجا اور اس نے جنگ کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنوں کے تین چار سو جہاز گر فتنار  
 ہوئے، ہر ایک جہاز میں ایک ایک بندوق تھی، اس جنگ میں شاہی بیڑے میں ۳۲۳ جہاز تھے،  
 اسکے بعد میر جملہ کی فوج بن دبا پیل گئی، اور متعدد افسران جنگی مع فوج اور میر جملہ کے ہلاک ہو گئے  
 میر جملہ کے مرجانے پر جنگال کا بیڑہ تباہ ہو گیا اور لوہیڑے اس سے نفع اٹھا کر ڈھاکہ پہنچ گئے۔

۱۶۴۷ء میں شائستہ خان والہرہے مقرر ہوا، اس نے لوٹیروں کے لوٹ مار روکنے کے لئے اپنی توجہ جہاز سازی کی طرف مبذول کی، اس نے ان ان مقاموں سے جہان جہان شہتیرین پیدا ہوئی تین شہتیرین منگو این، اور دوسرے مقامات سے ہوشیار بڑھیوں کو بلایا اور جہاز سازی کا مرکز ہنگلی، بالاسور، مودنگ، اور جیسر مقرر کیا، مستقر پر بھی شائستہ خان جہازوں کی تیاری میں مستعد اور سرگرم رہا، حکیم محمد حسین منصبدار جو قدیم لائق، ایماندار اور قابل اعتبار ملازم تھا، حکمہ جہاز سازی کا افسر مقرر کیا گیا، ہر ایک بندر گاہ پر ایک ماہر انجینیر کا تقرر ہوا، اس سرگرمی اور کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ

۱۰ جزل اشیا تک سو سائی بنگال بابتہ ماہ جون ۱۹۷۷ء تو یوگرانی آف ڈاک سو فف ٹیلر صفحہ ۷۷ ،

توڑے ہی عرصہ میں ۳۰۰ جہاز طیار ہو گئے اور ضروری سامان بھی ہتیا ہو گئے۔

اورنگ زیب کے عہد میں بنگال کے علاوہ دیگر حصص ملک بھی بہت ترقی پرتے، اور جہاز سازی اور جہاز رانی خوب ترقی کر رہی تھی تھامس بادری (Thommas Badry) ایک انگریز سیاح جو ہندوستان میں ۱۷۶۹ء سے ۱۷۷۱ء تک سیاحی کرتا رہا، طبع بنگال کے شہر دن کے حالات تفصیل سے لکھتا ہے وہ جہازوں اور تجارت کی نسبت لکھتا ہے کہ اس وقت متحدہ واکم جہاز اور کشتیاں بنائی جاتی تھیں، ایک قسم کی کشتی تھی جو بہت ہلکی بنی ہوئی تھی، اس میں صرف دونوں کا ذریعہ شہتیر ہوتے تھے، اسکے تختے بہت پتلے ہوتے تھے، اور آپس میں سوت سے سملے ہوتے تھے، ساحل کا رمنڈل پر نہایت مضبوط اور عمدہ جہاز تھے جو چار، پانچ، یا چھ بڑی بڑی شہتیروں سے بنے ہوتے تھے اور ان میں پانچ چھ بڑے بڑے بوجھ لادے جاتے تھے، ایک قسم کی شہتیر دھیر کے لئے ہوتی تھی، جس میں ایک چوٹا مکڑہ بنا ہوتا تھا، ساحل کا رمنڈل پر سب سے بڑا تجارتی مرکز مولی پم تھا، اور وہاں کے باشندے فن تجارت میں ماہر تھے، وہ سیاح یہ بھی لکھتا ہے کہ نواب شائستہ خان نے تاجرون پر بحری حفاظت اور ملک کی قوت بڑانے کے لئے ایک قسم کا کس لکھا یا تھا، نواب ہر سال سو داگروں کی ہنگی، جیسیر پیللی اور بالا سور بھیجتا تھا تاکہ ان مقاموں میں ایک یا دو جہاز ۴۰۰، ۵۰۰ یا ۶۰۰ ٹن کے مضبوط اور عمدہ بنائے جائیں، اسی کا یہ بھی بیان ہے کہ ۲۰ پال دالے جہاز ہر سال دریائی تجارت کی غرض سے بالا سور، پیللی وغیرہ بھیجے جاتے تھے، کچھ ان میں سے لٹکا ہاتھی لانے کے لئے بھیجے جاتے، اور چھ یا سات جہاز ہر سال جزائر مالدیپ کوڑیان لانے کے لئے روانہ کئے جاتے تھے، غرض کہ عام طور پر منافع بخش تجارت ہوتی تھی۔

اسٹرنٹ ماسٹر (Sturynham master) کے دائری کے

لے طبع بنگال کے کلون کے جزائیہ حالات مصنفہ تھامس بادری۔



آخر صفحہ میں لکھا ہوا ہے کہ سب سے پہلے ۱۵۷۵ء میں پہنچے، اس وقت ملک کو نہایت ترقی کی حالت میں پایا، میں جہاز مال سے لدے ہوئے ہمیشہ موجود رہتے، اور اماکان، یگیو، ملاکا اور جزائر مالدیپ وغیرہ بھیجے جاتے تھے۔

اورنگ زیب کے عہد میں مغربی ساحل بھی جہاز سازی کا شہور مرکز تھا، ڈاکٹر فرائر (Dr. Ferrier) جو بغرض سیاحت سٹائلڈ اور بین ہندوستان میں آیا وہ جہازوں اور کشتیوں کی نسبت نہایت تفصیل سے لکھتا ہے، وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ اورنگ زیب کے چار جہاز ہمیشہ سورت میں طیار رہتے تھے اور حجاج کو حج کے لئے بلا کر ایہ مکہ لیجاتے تھے۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد اسلامی سلطنت کا زوال شروع ہوا اور اسکے ساتھ ساتھ جہاز سازی اور جہاز رانی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

## مسئلہ زر

(۴)

از جناب مقبول احمد صاحب سندیلہ

ہم نے زر کاغذی کے فوائد و نقصان عام لکھ دیے اب ہم اسکی تفصیل کرتے ہیں،

نیابتی زر کاغذی اور زر فلزانی میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے، اس کا استعمال بوجہ ہلکا ہونے کے آسان ضرور ہوتا ہے، مگر نیابتی زر کاغذی سے اضافہ دولت نہیں ہوتا ہے، کیونکہ زر فلزانی کی تعداد بقدر مندرجہ نوٹ ہر وقت خزانہ میں بیکار پڑی رہتی ہے، اس صفت میں یہ اعتباری زر کاغذی سے کم ہے،

اعتباری زر کاغذی میں بیشتر خوبان ہیں اور کمتر نقصان ہیں، اسلئے اعتباری زر کاغذی کا استعمال نہایت موزوں ہے، اور آج کل ہر ملک میں بکثرت مستعمل ہے، ہم اس بات کو صاف کرتے کیلئے رسمی زر کاغذی سے بھی بہت فوائد عام حاصل ہو سکتے ہیں، جیسا کہ ہم زر کاغذی کی بحث میں لکھ چکے ہیں، اگر اسکے اجرا میں کافی احتیاط برتی جائے تو بہت مشکل ہے اور جسکا ذکر بعد میں کیا جائے گا، فی الحال ہم اسکے نقصان لکھتے ہیں۔

۱۔ رسمی زر کاغذی کی ادائیگی کے لئے، چونکہ کوئی رقم محفوظ نہیں ہوتی ہے اسلئے اگر ضرورت

سے زائد اجرا ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے اسکی قیمت بھی بہت گھٹ جاتی ہے،

۲۔ قانون گریٹیم کے عمل کی وجہ سے جب رسمی زر کاغذی کا زائد از ضرورت اجرا ہوتا ہے

تو زر فلزانی چلن سے نکل جاتا ہے اور بقدر زر فلزانی چلن سے نکلتا ہے، وہ یا تو جمع کیا جاتا ہے

یا گلا ڈالا جاتا ہے یا ممالک خارجہ میں چلا جاتا ہے چلن میں زیادہ تر زائد ناقص رہ جاتا ہے۔

۳۔ چونکہ رسمی زر کا غذی کی زائد ضرورت اجراء سے قیمت بہت گھٹ جاتی ہے۔ اسلئے  
 مٹن اشیاء بہت بڑھ جاتی ہے جسکی وجہ سے کاروبار میں ہر وقت خطرہ رہتا ہے اور اکثر ان وجوہ  
 سے خراب قسم کا ( ) کاروبار میں شروع ہو جاتا ہے جو ملک کی مالی تباہی  
 کا باعث ہوتا ہے۔

۴۔۔۔۔۔ اس سے چونکہ کاروبار میں جوئے کی حالت پیدا ہو جاتی ہے اسلئے کاروباری طبقہ  
 بہت ہست ہو جاتا ہے، جو ملک کی مالی تنزل کا باعث ہوتا ہے،

۵۔ مثل دیگر اشیاء کے جائیداد کی قیمت بھی فرضی طور پر بڑھ جاتی ہے اور لوگ اپنے کو  
 امیر خیال کر کے فصول خرچہ میں اور غیر مفید مصارف میں مبتلا ہو کر تباہ ہو جاتے ہیں۔

۶۔ مزدور و نکو بہت نقصانات ہوتے ہیں، قیمت اشیاء تو رسمی زر کا غذی کی زائد ضرورت  
 اجراء سے زیادہ بڑھ جاتی ہے مگر مزدوری اسی تناسب سے نہیں بڑھتی ہے اسلئے مزدور  
 زیادہ تکلیف اٹھاتے ہیں جو اکثر خلفشار کا باعث ہوتا ہے۔

۷۔ خرچہ اہوں کو رسمی زر کا غذی کی قیمت گھٹ جائیگی وجہ سے نقصان ہوتا ہے، یعنی انکو  
 اسی قدر رقم رسمی زر کا غذی میں ملے گی جسقدر انھوں نے دی تھی، مگر قیمت اشیاء بڑھ جانے کی  
 وجہ سے وہ اس قدر اشیاء نہیں خرید سکیں گے۔

مذکورہ بالا نقائص زائد از ضرورت اجراء ہونے کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں مگر اسناد  
 ہو جائے تو بہت کچھ ان نقائص میں تخفیف ہو سکتی ہے، ماہرین اقتصادیات نے ان علامات  
 سے ہم نے زائد از ضرورت اجراء کا لفظ بہت استعمال کیا ہے اسکی تشریح بھی ہم مضمون کو واضح کرنے کے  
 لئے کئے دیتے ہیں، جب اجراء شدہ زر کا غذی کی مقدار سے جو پلن سے نکل گیا ہے زائد ہو جائے۔  
 تب اجراء زائد از ضرورت کہلائے گا۔

کی کافی نقیض کی ہے جن سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ رسمی زر کا غذی کا دائم از ضرورت اجرا ہو گیا ہے، ہم ان تدابیر کے کھینے سے پہلے جن سے دائم از ضرورت اجرا کا اسناد ہوتا ہے ان علامات کو کہتے ہیں، جسے دائم از ضرورت اجرا کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ پہلی علامت یہ ہے کہ سونے پر بڑھتی لیجائے، جب رسمی زر کا غذی کا دائم از ضرورت اجرا ہو گا تو اس کی قدر بہت گھٹ جائے گی اور زلفزاتی کی قیمت باقی رہے گی، ہوشخص رسمی زر کا غذی کے بدلے میں زلفزاتی لینا چاہے گا اسکو نوٹ کی مندرجہ تعداد کے مساوی زلفزاتی لینے میں کچھ زائد دینا پڑے گا، یعنی ایک پونڈ کے نوٹ کے مساوی مین اگر وہ ایک ساورن لینا چاہیگا تو اسکو علاوہ ایک پونڈ کے نوٹ کے کچھ زائد دینا پڑیگا۔

۲۔ دوسری علامت نرخ مبادلہ کا بڑھ جانا ہے جس نرخ پر ممالک خارجیہ کی ہنڈیان کمیتی مین وہ شرح مبادلہ ہوتی ہے چونکہ ہنڈیوں کی ادائیگی زلفزاتی مین ہوتی ہے جو اکثر سونا ہوتا ہے اسلئے سونے پر بڑھتی دینے سے شرح مبادلہ بڑھ جائے گی۔

۳۔ تیسری علامت زلفزاتی کا چلن سے نکل جانا ہے، جب درناقص بعورت زر کا غذی اور زر کا مل بعورت زلفزاتی ایک ساتھ چلن مین ہونگے تو قانون گریشیم کی رو سے زر کا مل چلن سے نکل جائے گا اور زرناقص رجائے گا۔

۴۔ چوتھی علامت فنن کا بڑھ جانا ہے جب بہت زیادہ اجرا رسمی زر کا غذی کا ہوتا ہے تو قیمتیں بڑھ جاتی ہیں، اور اسکے اثرات بہت خراب ہوتے ہیں اگر اجرا مین ثقیف زیادتی ہوتی ہے تو یہ صورت پیدا نہیں ہوتی ہے، ان ممالک مین جہاں رسمی زر کا غذی کا زیادہ اجرا ہوتا ہے، قیمتیں دیگر ممالک کے مقابلہ مین بہت مختلف ہوتی ہیں، حیثیت یہ علامتیں ظاہر ہوں تو فوراً ایسے تدابیر اختیار کئے جائیں کہ رسمی زر کا غذی کا اجرا بند ہو جائے اور جب قدر دائم از ضرورت اجرا ہو چکا ہو وہ

چلن سے واپس لے لینا چاہئے ان تدابیر کے متعلق باہم ماہرین میں بہت اختلاف ہو ایک کثیر تعداد کی تو یہ رائے ہے کہ رسمی زر کاغذی کا اجرا ہونا بھی نہ چاہئے بعضوں کی رائے ہے کہ شن کی کسی بیشی کے ساتھ رسمی زر کاغذی کے اجرا میں بھی کسی بیشی کی جائے، اس طریقہ کا عمل میں آنا غیر ممکن ہے سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ رسمی زر کاغذی کا اجرا اس وقت تک ہونا چاہئے جب تک کہ سونے پر بڑھتی نہ لیجائے اور جب وقت سونے پر بڑھتی لی جانے لگے اور نرخ مبادلہ بڑھ جائے تو گورنمنٹ کو چاہئے کہ رسمی زر کاغذی کا اجرا فوراً بند کر دے اور جب قدر اجرا ہو چکا ہے اسکی تعداد میں اس طرح کمی کرے کہ جو رسمی زر کاغذی خزانہ سرکار میں داخل ہوں وہ فوراً ضائع کر دے جائیں اور جب تک کہ سونے پر بڑھتی لینا بند نہ ہو جائے اور نرخ مبادلہ برابر نہ ہو جائے ایک ہی ملک میں دو مختلف قیمتوں کا ہونا ایک زر فلزانی میں اور دوسرے رسمی زر کاغذی میں نہایت خطرناک ہے، یہ بحث بھی بہت طویل ہے ہم نے مختصر طور پر لکھ دیا ہے۔

جس طرح رسمی زر کاغذی ہوتا ہے اس طرح رسمی زر فلزانی بھی ہوتا ہے اسکی مثال ہندوستان کا روپیہ ہے، رسمی زر کاغذی کاغذ پر چھپتا ہے روپیہ چاندی پر چھپتا ہے رسمی زر کاغذی کے بدلے میں زر فلزانی نہیں ملتا ہے، اس طرح روپیہ کے بدلے میں گورنمنٹ ہند سادرن دینے پر قانوناً مجبور نہیں رہتا رسمی زر کاغذی کی قیمت کا انحصار اسکی مقدار اجرا پر ہوتا ہے، روپیہ کی قیمت کا انحصار بھی معمولی حالتوں میں اسکی تعداد اجرا پر ہوتا ہے جو بذریعہ سکہ سازی محدود گورنمنٹ ہند کو حاصل ہے، آج کل چاندی کی قیمت زیادہ ہو گئی ہے پیشتر ایک روپیہ دس گنے کا ہوتا تھا، اور سولہ گنے کو چلتا تھا دہی روپیہ اب سولہ گنے کا ہوئے لگا ہے، ہم نے لکھا ہے کہ اعتباری زر کاغذی میں غویان زیادہ ہوتی ہیں اور نقص کم ہوتے ہیں، اب ہم اسکی تفصیل کرتے ہیں، اس میں بھی مثل دیگر اقسام زر کاغذی کے فوائد عام حاصل ہو سکتے ہیں جنکو ہم پہلے لکھ چکے ہیں جو بہت ذیل یہ اور سب اقسام سے بہتر ہے۔

اعتباری زر کاغذی دولت میں اضافہ ہوتا ہے، جو نیا ہی زر کاغذی میں نہیں ہوتا، نیا ہی زر کاغذی کی ادائیگی کے لئے ہر وقت رقم محفوظ بقدر مندرجہ نوٹ خرچ کرنے میں بیکار پڑ رہتی ہے اعتباری زر کاغذ کے بابت چونکہ بوقت مطالبہ فوراً ادائیگی کا وعدہ ہوتا ہے اسلئے لوگوں کو اجرا کنندہ پر اعتماد ہوتا ہے اور داد و ستد میں بغیر زر فلزاتی میں تبدیل کئے ہوئے برابر چلنا رہتا ہے، اس وجہ سے عرصہ کے بعد خرانہ یا بینک میں بغرض ادائیگی پیش کیا جاتا ہے اور اسکی ادائیگی کے لئے پوری رقم خرانے یا بینک میں نہیں رکھی جاتی ہے، بلکہ تیس چالیس فیصدی کافی سمجھی جاتی ہے۔

رسمی زر کاغذی کی اجرا سے بھی دولت میں اضافہ ہوتا ہے مگر دیر پا نہیں ہوتا، اسکی ادائیگی کے واسطے نہ تو رقم محفوظ کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ اجرا میں کوئی رکاوٹ، اسلئے اسکی قیمت بہت جلد اور زیادہ گہٹتی ہے اور جس وقت قیمت گہٹتی ہے تو اضافہ بالکل غائب ہو جاتا ہے اور ملک میں پریشانی اور تباہی نظر آتی ہے اعتباری زر کاغذی زر فلزاتی میں ادائیگی کا وعدہ بھی ہوتا ہے اور مناسب مقدار میں اسکی ادائیگی کے واسطے رقم محفوظ بھی رکھی جاتی ہے اسلئے اسکی قیمت زیادہ نہیں گہٹتی اور اضافہ دولت دیر پا ہوتا ہے، اعتباری زر کاغذی جسکی ادائیگی بنائیت یعنی ہوتی ہے (جیسے بینک آف انگلینڈ کے نوٹ) دیگر ممالک میں چند دنوں کے لئے قبول کر لئے جاتے ہیں مگر جلد واپس کر دئے جاتے ہیں، رسمی زر کاغذی کی وقت روڈی کاغذ سے زیادہ نہیں ہوتی ہے، اعتباری زر کاغذی کا اجرا یا تو سلطنت کرتی ہے یا بینک اسلئے ایک بحث یہ پیدا ہو گئی کہ کون اس خدمت کو اچھی طرح انجام دے سکتا ہے، گورنمنٹ کے اجرا کرنے پر حسب ذیل اعتراض کئے جاتے ہیں۔

اول تو یہ کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ کے فرائض میں نوٹ کا اجرا داخل نہیں ہے یہ بحث دینے سے، ہر شخص گورنمنٹ کے فرائض اپنے نقطہ نظر سے قرار دیتا ہے، اسلئے اس مسئلہ

مین کوئی تھتم دے نہیں قائم ہو سکتی ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ گورنمنٹ نے دمانہ ماضی مین زر کاغذی بدل پذیر کو اپنی ضرورتوں سے غیر بدل پذیر کر دیا، اسلئے اسکو اجر اتہین کرنا چاہئے اس اعتراض کی وقت ضرور ہے تیسرا اعتراض یہ ہے کہ گورنمنٹ کے اجرا کرنے مین کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اور وہ ذمہ از ضرورت اجرا کر دے گی، جس سے بہت نقصانات اٹھانا پڑینگے بینک البانہین کر سکتا ہے بینک کی نگرانی ہر وقت سرکار کر سکتی ہو گورنمنٹ پر بوقت ضرورت ایسا اثر نہیں ہو سکتا ہے کہ دوسلے کے اجرا سے باز رہے۔

۴۔ سب سے قوی اعتراض یہ ہے کہ گورنمنٹ کے اجرا کرنے مین کاروبار کے لحاظ سے کمی بیشی اس عہدگی سے نہیں ہو سکتی ہے جیسے بینک کے اجرا کرنے سے ہو سکتی ہے، بینک کو چونکہ ہر وقت کاروباری دتیا سے سابقہ رہتا ہے اسلئے وہ آسانی سے اندازہ کر سکتا ہے کہ اعتباری زر کاغذی کے حجم مین کس وقت کمی ہو نا چاہئے اور کس وقت بیشی، اعمال سرکار کو اسقدر تجربہ نہیں ہو سکتا ہے بینک کے اجرا کرنے پر بھی یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ بینک کو اپنا فائدہ زیادہ مد نظر ہوگا اسلئے وہ رعایا کے حقوق کا لحاظ کرے گا اسکی اس طرح ہو سکتی ہے کہ نوٹ اجرا کرنے کا حق بینک کو دیا جائے اور رعایا کے حقوق کی نگرانی سرکار کرے یہی طریقہ سب سے اچھا خیال کیا جاتا ہے۔

چک، ہنڈی، اور چھٹی کے متعلق ہم اس مضمون مین کچھ نہیں لکھتے ہیں۔ بحث بینک کے مینا لین ہونا چاہئے۔

### قیمت زر

قیمت کا لفظ اس سے پہلے بہت استعمال کیا جا چکا ہے، اب ہم اسکی تشریح کرتے ہیں قیمت زر کا مسئلہ بھی مثل دیگر شیا کی قیمت کی تشریح سے مراد ہے کہ کس قدر ادنیٰ شمار سے اسکا مبادلہ ہوگا

قیمت زر سے بھی یہ مراد ہے کہ (اسکاروپہ) مبادلہ کس نقد ادائیگی اشیاء سے ہوگا یعنی زر کی قیمت خرید کیا ہوگی، ہم پہلے اس غلط فہمی کو رفع کر دینا چاہتے ہیں جو قیمت زر کی بابت پہلی ہوئی ہے تا جوں کے الفاظ میں قیمت زر سے وہ سود مراد ہے جو روپیہ پر ملتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے جو شخص نقد قرض دیتا ہے وہ صرف یہی نہیں کرتا ہے کہ روپیہ اپنے پاس سے منتقل کر دے بلکہ وہ اپنا حق بھی جو اسکو ملکی پیداوار کی قیمت پر سرمایہ لگانے کی وجہ سے حاصل تھا، منتقل کر دیتا ہے و حقیقت وہ سرمایہ منتقل کرتا ہے روپیہ صرف آلہ مبادلہ ہے سرمایہ کی مقدار روپیہ میں گنی جاتی ہے سو یہ سے سرمایہ کا قرض لینا روپیہ کے قرض لینے کے مترادف ہے ہمارا مفہوم قیمت زر سے اسکی قیمت مبادلہ اور روپیہ سے آلہ مبادلہ ہے۔

اب ہم اُن اسباب پر غور کرنے ہیں جن پر قیمت زر کا انحصار ہے، ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قیمت زر بھی مثل دیگر اشیاء کی قیمت کے ہے اسلئے روپیہ کی قیمت کی کمی بیشی بھی مثل دیگر اشیاء کی قیمت کی کمی بیشی کے اسکے رسد و طلب پر ہے، ہم روپیہ کی رسد و طلب کے مفہوم کو بھی صاف کر دینا چاہتے ہیں کسی چیز کی رسد سے وہ مقدار مراد ہے جو فروخت کے لئے پیش کی جاتی ہے روپیہ کی رسد سے بھی وہ مقدار مراد ہے جو فروخت کے لئے پیش کی جاتی ہے روپیہ کا فروخت ہونا غیر مانوس لفظ ہے، یہ خیال ہوگا کہ روپیہ خود ہر چیز خرید سکتا ہے اسکی فروخت ہونے کے کیا معنی واقعہ یہ ہے کہ جو شخص غلہ، روٹی وغیرہ فروخت کرتا ہے وہ روپیہ خرید کرتا ہے اور جو لوگ روپیہ کو غلہ یا روٹی کی خریداری میں صرف کرتے ہیں وہ روپیہ فروخت کرتے ہیں اسلئے رسد سے وہ رقم زر مراد ہے جسکو لوگ کاروبار میں لگاتے ہیں اس میں دو طرح سے کمی بیشی ہوتی جو اول مقدار سے یعنی روپیہ کی تعداد میں اہتاف کرنے سے بڑھ جاتی ہے اور کم کرنے سے کم ہو جاتی ہے۔ دوسرے سرعت گردش زر، اسکو یوں سمجھنا چاہئے کہ اگر ایک سگہ ہفتہ میں دس بار



کاروبار میں لگے اور دوسرا سکے میں بار کاروبار میں منتقل ہو تو دوسرے سکے کی سرعت گردش  
ادل سے دوگنی ہوگی اور اسلئے اسکی رسد زیادہ ہوگی۔

**طلب یا مانگ** | ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ہر شخص جو اشیا فروخت کرتا ہے وہ روپیہ خرید کرتا ہے  
اسلئے روپیہ کی طلب یا مانگ اُن تمام اشیا پر مبنی ہوتی ہے جو فروخت کے واسطے بازار میں  
آئیں، طلب کا انحصار ہر وقت اور ہر ملک میں اُن تمام چیزوں کی مقدار پر ہوتا ہے جو کتابہ  
روپیہ سے ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے کیونکہ کسی ملک کی پیداوار کا کچھ حصہ تو بذریعہ تبادلہ غنیمت  
ایک دوسرے کے پاس منتقل ہوتا ہے اور کچھ حصہ خود پیدا کرنے والے براہ راست صرف کر ڈالتے  
ہیں، بقیہ ملک کی دولت کی پیدائش کا حصہ روپیہ کے ذریعہ سے منتقل ہوتا ہے اور روپیہ کی  
مانگ ایسے حصہ کی کمی و بیشی پر مبنی ہوتی ہے، اس مختصر بیان کے بعد اب ہم یہ لکھتے ہیں کہ کن  
اسباب سے قیمت زمین کمی اور بیشی ہوتی ہے نظریہ مقدار زر.....

(Quantitative Theory) کی سادہ صورت یہ ہے کہ قیمت زر روپیہ کی مقدار

کی کمی بیشی کے مطابق گہلٹی بڑھتی رہتی ہے یہ صورت اس زمانہ میں صادق ہو سکتی ہے جب تمدن  
ابتدائی حالت میں ہو، یعنی نہ تو روپیہ جمع کرنے کا شوق ہو، نہ تبادلہ جنس بالجنس بلکہ صرف ذرغلزاتی  
کے ذریعہ سے مبادلہ ہوتا ہو، اور پیمانہ تجارت میں کیس طرح کمی بیشی نہ ہوتی ہو اور دیگھلا کوئی  
اور صرف یا استعمال علاوہ آلہ مبادلہ ہو سیکے نہ ہو، اسوقت بیشک یہ نظریہ ٹھیک ہوگا، لیکن موجودہ  
زمانہ میں جب یہ سب صورتیں بدل گئیں ہیں یعنی روپیہ جمع کر نیکا شوق ہے تبادلہ جنس بالجنس بھی  
ہے پیمانہ تجارت روز افزون ترقی پر ہے، ذرغلزاتی کا استعمال علاوہ آلہ مبادلہ ہونے کے اور بھی  
بہت صورتوں میں ہوتا ہے (مثلاً گھلا کر دیور بنانا وغیرہ) اور سیسے بڑا انقلاب یہ کہ بڑا حصہ داد و ستد  
کا سا کہ اظہار اعتبار پر ہوتا ہے اور روپیہ کے بجائے چمک، نوٹ، ہنڈی وغیرہ کا استعمال ہوتا ہو

یہ سادہ نظریہ موجودہ تمدن پر کسب طرح منطبق نہیں ہو سکتا ہے، اس نظریہ کے ترقی شدہ صورت جو زمانہ حال کے تمدن پر چسپان ہو سکتی ہے اور ماہرین اقتصادیات نے بھی اسکو صحیح خیال کیا ہو یہ ہے کہ اگر اور اسباب یکساں ہوں تو قیمت زر میں کمی واقع ہوگی اگر مقدار زر میں بیشی ہوگی اور قیمت زر میں بیشی ہوگی اگر مقدار زر میں کمی ہوگی، دیگر اسباب کا یکساں ہونا نہایت اہم شرط ہے ہم ان اسباب کو بھی تفصیل سے لکھتے ہیں جبکہ اس نظریہ کو کام میں لاتے ہوئے ملحوظ رکھنا چاہئے۔

(۱) تجارت کے حجم میں کوئی کمی بیشی نہ ہو، تجارت کے حجم میں زیادتی سے روپیہ کی مانگ زیادہ

ہوگی اگر ایسی صورت میں روپیہ کی مقدار اس امید پر بڑھ جائیگی کہ قیمت اشیا بڑھ جائے تو یہ نظریہ صادق نہ ہوگا بصورت دیگر اگر تجارت کے حجم میں کمی ہوگی تو روپیہ کی مانگ کم ہو جائے گی اور ایسی صورت میں اگر کچھ روپیہ چلن سے الگ کر لیا جائے گا تو بھی قیمت زر پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

(۲) متبادل جنس یا جنس کی تعداد بھی بجنسہ رہنا چاہئے، اگر زیادہ اشیا کا متبادل اس صورت میں ہوگا تو روپیہ کی مانگ کم ہو جائے گی اور جب مانگ کم ہوگی تو مقدار زر کم ہو جانے سے قیمت زر پر کوئی اثر نہ پڑے گا، بصورت دیگر اگر متبادل جنس یا جنس میں کمی ہوگی تو روپیہ کی مانگ زیادہ ہوگی اور اس زر کے چلن میں اضافہ کر دینے سے بھی کوئی اثر قیمت زر پر نہ پڑیگا۔

(۳) ساکھ یا اعتبار پر جو کاروبار ہو رہا ہو اس میں کمی بیشی نہ ہونا چاہئے، اگر ساکھ کے کاروبار میں زیادتی ہو جائے گی تو کچھ روپیہ بیکار ہو جائے گا، اور اسوجہ سے روپیہ کی مانگ بھی کم ہو جائے گی ایسی صورت میں اگر کچھ روپیہ چلن سے الگ کر لیا جائے گا تو قیمت زر میں کوئی فرق نہ ہوگا اور یہ نظریہ منطبق نہ ہوگا دوسری صورت میں اگر ساکھ یا اعتبار کے کاروبار میں کمی واقع ہو جائے تو زیادہ روپیہ کی مانگ ہوگی اور ایسی صورت میں اگر روپیہ کی مقدار میں اضافہ کر دیا جائے گا تو بھی قیمت زر پر کوئی اثر نہ پڑے گا اسلئے ضروری ہے کہ ساکھ اور اعتباری کاروبار کی مقدار

مین کی بیشی نہ ہو بلکہ بدستور رہے۔

(۴) سرعت گردش زر بھی یکسان رہے اگر زر کے چلن کی سرعت زیادہ ہوگی تو روپیہ کی مانگ کم ہو جائیگی اس صورت میں روپیہ کی مقدار کم کر دینے سے قیمت زر پر کوئی اثر نہ پڑے گا اگر زر کے چلن کی سرعت مین کمی ہو جائے گی تو روپیہ کی مانگ زیادہ ہو جائے گی، اس صورت میں اگر روپیہ کی مقدار مین اضافہ ہو تو بھی کوئی اثر قیمت زر پر نہ پڑے گا۔

اسکے علاوہ روپیہ کی اس تعداد میں بھی جو جمع کی جاتی ہے یا زیور وغیرہ بنانے کی واسطے گلائی جاتی ہے کمی بیشی نہ ہو تب نظریہ مقدار زر منطبق ہوگا۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قیمت زر مثل دیگر اشیا کی قیمت کے ہے، اشیا کی قیمت ماہرین اقتصادیات کے نزدیک مصارف پیدائش پر منحصر ہوتی ہے اور اگر کسی شے کے مصارف پیدائش مختلف ہوں تو اسکی قیمت کا انحصار اس حصہ پر ہوگا جسکی پیدائش مین سب سے زیادہ صرف ہوا ہے دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ نظریہ بھی زر کے خاص حالت پر صادق آیا ہے۔

چاندی سونا ساخت زر مین علی العموم صرف ہوتا ہے جو کانوں سے برآمد ہوتا ہے، مختلف کانوں کے مصارف بھی مختلف ہوتے ہیں، اسلئے جس کان کے مصارف سب سے زیادہ ہوں اسکے نکلے ہوئے سونے چاندی کی قیمت پر قیمت زر کا انحصار ہونا چاہئے یہ حالت پیدا ہوگی اگر بدیر اگر مقابلہ آزاد ہو اور مصارف کی ٹھیک تعداد معلوم ہو سکے مصارف پیدائش کا اثر سد پر پڑے گا اور زر سد کا قیمت پر، جیسا کہ جان اسٹورٹل نے اپنی کتاب جلد اول صفحہ ۴۵ میں لکھا ہے کہ ”مخفی اثر جسکی وجہ سے قیمت اشیا اعرصہ کے بعد مصارف پیدائش سے مطابقت کرے گی وہ فرق ہے جو جو ہر بات دیگر اُس شے کی رسد مین واقع ہوتا ہے“ زر کی رسد کانوں کی سالانہ پیداوار کے مقابلہ مین اس قدر زیادہ ہے کہ پیدائش کی کمی بیشی کا

اثر بہت عرصہ کے بعد محسوس ہوگا، اگر کانوں سے سونے چاندی کی پیدائش روک دی جائے تو چند سال تک کوئی اثر بصورت افزائش قیمت نہ رہوگا، اور اگر کانوں سے سونا چاندی بکثرت نکلے تو بھی اسکا اثر بہت دیرین ہوگا، اسلئے پیدائش کی کمی بیشی ابتداء اور چند سال بعد تک محض قیمت زر کا مسئلہ رہتی ہے۔ قیمتی دھاتوں کی (چاندی-سونا) دیرپائی کانوں سے چاندی سونا نکلانے میں جو اور نئے کانوں کی دریافت ہونکی امید ایسے عناصر ہیں جن سے مصارف پیدائش کا اثر قیمت زر کا عرصہ دراز کے بعد متیقن نہیں ہو سکتا ہے، اسکے علاوہ ایک بات اور قابل لحاظ ہے کہ دیگر اشیاء کے مصارف پیدائش کی کمی اسکی قیمت کم کر دیتی ہے، خواہ اسکی رسد کتنی ہی ہو، مگر قدر زر کی کمی بیشی بغیر مقدار زر کی کمی بیشی کے غیر ممکن ہے، بوجوہات بالا جیسا ہم نے پہلے لکھا ہے، قیمت زر کا انحصار رسد و طلب پر ہوتا ہے، مصارف پیدائش کا اثر چونکہ بدیر متیقن نہیں ہو سکتا ہے، اور ابتداء تو بڑے عرصہ تک ہوتا نہیں ہے، اسلئے خارج از بحث ہے،

### قیمت زر کی کمی بیشی کے نتائج

قیمت زر کی تنزیج کے بعد ہم مختصر طور پر ان نتائج کو بھی لکھتے ہیں جو قیمت زر کی کمی بیشی کے باعث پیدا ہوتے ہیں، قیمت زر کی کمی بیشی کے مفہوم کو ہم نے پہلے واضح کر دیا ہے کہ اگر دھیر کی قوت خرید زیادہ ہوتی ہے تو قیمت زر بڑھتی ہے، اور اگر قوت خرید کم ہوتی ہے تو قیمت گھٹتی ہوتی ہے، جب کسی ملک میں رسد زر اسقدر زیادہ ہوتی ہے کہ قیمت اشیاء بڑھ جاتی ہے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تعداد زر چلن کے لئے زیادہ ہے، اگر رسد زر بمقابلہ طلب زر اسقدر کم ہو کہ قیمت اشیاء گھٹ جائے، تو سمجھا جاتا ہے کہ تعداد زر چلن کے لئے کم ہے، اگر یہ کمی بیشی فلزات کی رسد پر مبنی ہوتی ہے، تو قدرتی کہلاتی ہے، اگر یہ بیشی سلطنت کے رسمی زر کا غدی کی اجراء یا کم قیمت فلزات کے ساتھ جاری کوپنکی وجہ سے ہوتی ہے تو مصنوعی کہلاتی ہے۔

قیمتی فلزات کی رسد میں کمی کا فون کی خالی ہوجانے یا جنگ کی وجہ سے کان کنی رک جانے یا کان کنی میں بوجہ خاص حالت اقتصاد کی نقصان ہونے یا دیگر ممالک میں ضروریات زیر صنعت و تجارت میں سونے کے زیادہ صرف ہونے کی وجہ سے ہوجاتی ہے،

قیمت زر میں بیشی علاوہ فلزات کی رسد کے دیگر جوہ سے بھی ہوتی ہے، مقدار زر بجنہ رہنے اور رسد اشیا، بڑھنے، مقدار زر کم ہونے اور رسد اشیا بجنہ رہنے، مقدار زر و رسد اشیا بجنہ رہنے اور اعتباری داد و دستہ و مبادلہ جنس بالجنس کم ہوجانے سے قیمت زر بڑھ جاتی قیمت زر میں کمی بھی دیگر جوہ سے ہوتی ہے، مقدار زر بجنہ رہنے اور رسد اشیا میں کمی ہونے (ایسا بہت کم ہوتا ہے) مقدار زر میں زیادتی ہونے اور رسد اشیا بجنہ رہنے (ایسا اکثر ہوتا ہے) مقدار زر و رسد اشیا بجنہ رہنے اور اعتباری داد و دستہ و مبادلہ جنس بالجنس کے زیادہ ہوجانے سے قیمت زر گھٹ جاتی ہے،

مصنوعی زیادتی کے نقائص ہم نے رسمی زر کا غذی کی بحث میں مفصل لکھ دیئے ہیں، اسلئے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، سب سے بڑا اس کا نقص یہ ہے کہ ممالک خارجہ کے تاجروں کو چونکہ رسمی زر کا غذی پر اعتماد نہیں ہوتا ہے، اسلئے تجارت خارجہ پر بہت خراب اثر پڑتا ہے جو ہر ملک کی ترقی کی روح ہوتی ہے،

جب قیمت زر بڑھتی ہے اور قیمت اشیا گھٹتی ہے تو قرضداروں کو نقصان ہوتا ہے اور قرضخواہوں کو فائدہ، اگرچہ قرضخواہوں کو وہی تعداد زر جو انہوں نے قرض دی تھی واپس ملتی ہے مگر قیمت بڑھ جانے سے وہ زیادہ تعداد اشیا روپیہ سے خرید سکتے ہیں اسلئے ان کو فائدہ ہوتا ہے، قرضداروں کو اسلئے نقصان ہوتا ہے کہ ان کو زیادہ پیداوار اپنے قرض ادا کرنے کے لئے فروخت کرنا پڑتی ہے، لیکن قرضداروں کو کیس قدر تلافی شرح سود کم ہوجانے سے ہوجاتی ہے، محدود آمدنی والا

اور مزدور دن کو بھی قیمت زر بڑھانے سے فائدہ ہوتا ہے، کیونکہ وہ بھی اپنی آمدنی سے زیادہ تولید میں اشیاء خرید سکتے ہیں، ترقی یافتہ ملک میں جبکی آبادی بڑھتی ہو اور مصارف پیدائش میں بوجہ نئی ایجاد دن دو دیگر اصلاحت کی کمی ہو جائے تو آجر *Entrepreneur* سرمایہ دار *Capitalist* استعمال کرنیوالے *Consumers* اور مزدور سب فائدہ میں رہیں گے، مصارف پیدائش کم ہو جانے سے نفع زیادہ ہوگا اسلئے فائدہ آجر کو فائدہ ہوگا، جب فائدہ ہوگا تو لوگوں کو سنے کارخانہ قائم کرنے کی ترغیب ہوگی، اسوجہ سے سرمایہ کی زیادہ مانگ ہوگی، اور شرح سود بڑھائیگی، اس طرح سرمایہ واردن کو فائدہ ہوگا، پیدا کرنیوالوں میں باہم مقابلہ ہوگا، اسلئے قیمت اشیاء کم کریں گے، اس طرح استعمال کرنے والوں کو فائدہ ہوگا، جب کارخانے زیادہ ہونگے تو مزدور دن کی طلب زیادہ ہوگی اسلئے انکی مزدوری بڑھائیگی،

قیمت زر بڑھنے یعنی روپیہ کی قوت خرید زیادہ ہونے سے بہت خراب نتائج پیدا ہونگے اگر اس سے پیدائش میں کمی ہو اور بیکاری بڑھ جائے تو اس حالت میں آجر، سرمایہ دار اور مزدور دن کو نقصان ہوگا،

جب قیمت زر گھٹتی ہے اور شرح اشیاء بڑھتی ہے تو قرضدار دن کو فائدہ ہوتا ہے اور قرضہ اہون کو نقصان ہوتا ہے، اس حالت میں بھی قرضہ اہون کو وہی تعداد زر واپس ملتی ہے جو وہ قرض دیتے ہیں، مگر روپیہ کی قوت خرید کم ہو جائیگی وجہ سے وہ اسقدر اشیاء نہیں خرید سکتے ہیں جقدر کہ پہلے خرید سکتے تھے، قرضدار دن کو ادائیگی قرض کے لئے کم اشیاء فروخت کرنا پڑتی ہیں اسلئے انکو فائدہ ہوتا ہے، قرضہ اہون کی بھی کس قدر تلافی شرح سود بڑھانے سے ہو جاتی ہے، قیمت اشیاء بڑھانے سے کاروبار کرنے والوں کو نفع ہوتا ہے، اسلئے دوسروں کو بھی ترغیب ہوتی ہے،

مصارف پیدائش اسقدر بہین بڑھتے ہیں جسقدر ثمن اشیاء بڑھتی ہے، اسلئے پیدا کرنے والوں کو بھی نفع ہوتا ہے، پروفیسر ایلی (Prof. Eli) کے نزدیک ثمن اشیاء بڑھانی سے لوگوں کو پیدائش کے نئے طریقہ آزمانے کا موقع ملتا ہے، اور نظام صنعت و حرفت و روایات درسم و رواج کی پابندی سے اس حالت میں آزاد ہو جاتا ہے، ثمن اشیاء بڑھنے کا بہت بڑا نقص یہ ہے کہ جب قیمت اشیاء بڑھتی ہے تو پیدا کرنے والوں کو نفع ہوتا ہے جسکی وجہ سے جو اشروع ہو جاتا ہے، نا تجربہ کار اشخاص کو بھی کارخانہ جاری کر نیکسا سودا ہو جاتا ہے اور اکثر وہ فرض لیکر جو باسانی ملتا ہے، کارخانہ جاری کر دیتے ہیں، یہ کارخانہ اکثر اچھے کاریگرین کے (مزدوری) کے نہ ملنے اور کثرت پیدائش ہو جانکی وجہ سے ٹوٹ جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کاروبار میں نازک حالت پیدا ہو جاتی ہے جس سے ملک پر نہایت خراب اثرات پڑتے ہیں، محدود آمدنی والوں کو بھی نقصان ہوتا ہے، قیمت زرچونکہ گھٹ جاتی ہے، اسلئے وہ اسقدر اشیاء بہین خرید سکتے ہیں جسقدر کہ پہلے خرید سکتے تھے، اشیاء استعمال کرنے والوں کو بھی قیمت بڑھانے سے نقصان ہوتا ہے، مزدوری پیشہ لوگ بہت خسارہ میں رہتے ہیں چونکہ مزدوری ثمن اشیاء کی بڑھنے کے تناسب سے بہین بڑھتی ہے، وہ ضروریات زندگی بہین خرید سکتے ہیں اسلئے ان میں شورش پیدا ہو جاتی ہے جسکے نتائج بہت خراب ہوتے ہیں، قیمت زر کی کمی بیشی کے نتائج جو ہم نے لکھے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں خوبیاں بھی ہیں اور نقائص بھی ہیں، بعض اصحاب کمی کو اچھا سمجھتے ہیں اور بعض بیشی کو، لیکن اعتدال کی صورت سب سے زیادہ اچھی ہے، یعنی قیمت زر نہ بہت زیادہ نہ بہت کم بلکہ یکساں حالت میں رہے،

## ایرانی تمدن

(از مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق دارالصفین)

ایران نہایت قدیم ملک ہے لیکن اسکے حالات بہت کم معلوم ہیں،

آبیت | قدما ایران، دوسرے آریوں کی طرح قواسے فطرت اور متیرا (آفتاب) کی پرستش کرتے تھے، لیکن حکیم زرتشت (زردشت) نے ایک جدید مذہب نکالا، جو مجوسیت کے نام سے تمام عالم میں مشہور ہے، اس نے کائنات کی اصل دو چیزوں کو قرار دیا، اہرمز و جسکو نور اور چہاں کہہ دیتا کہتے ہیں، اور اہرمز جسکو انکراما نیو، دیو اور برائی کا دیوتا کہتے ہیں، مجوسی اہرمز کو خیر، خالق، سنور، عظیم، رحیم، کامل، ذکی، جمیل، اور طاہر مانتے ہیں، اور اسکی طرف اچھی چیزوں کو منسوب کرتے ہیں، مثلاً آفتاب، نور، تارے، زندگی، طہارت، عمل، حقیقت، اخلاق، شراب، پانی، رواج، سایہ دار درخت، پالو جانور، مرغ، گٹا اور روشنی میں رہنے والے پروردے نے پیدا کی ہیں، اسکا ایک لشکر ہے جبین ملائکہ طیبین (یا زائستا) داخل ہیں،

اہرمز یا انکراما نیو (روح عذاب) کو رب الشر کہتے ہیں اور اسکی طرف تمام بری چیزوں کی خلقت کو منسوب کرتے ہیں، مثلاً رات، سروی، میدان، زہریلی نباتات، موت، کسل، جھوٹ، گندگی، سانپ، بچھو، مینڈک، چوہے، چوہنتی، دزدے، چچر، کھی، پشتو وغیرہ اسکے لشکر میں شیاطین (دیو کو مانتے ہیں)،

اہرمز اور اہرمز میں ہمیشہ جنگ رہتی ہے، اور آخری زمانہ تک جسکی میعاد ۱۲۰۰۰ برس ہے، یہی حالت رہیگی، پھر اہرمز غالب آجائیگا، یہ زرد و پازند و اوستا کی روایت ہے، اور کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مجوسی آفتاب و مانتاب کی پرستش کرتے ہیں، اور ہ چیزوں کو



قدیم مانتے ہیں جو حسب ذیل ہیں، خدا، شیطان، ہیولی، زمان، مکان، اور وہ انبیاء کے بھی قائل ہیں۔

رب انجیر کی پرستش کرتے ہیں، لیکن ہیکل، عبادت گاہ یا مذبح نہیں بتاتے اور اسکو کھران نعمت سمجھتے ہیں، کیونکہ انکا یونانیوں کی طرح یہ عقیدہ نہیں ہے کہ خدا انسانوں کی طرح کوئی صورت رکھتا ہے، میرا دوس کے قول کے مطابق جو سی جھوٹ کو باعث ننگ سمجھتے ہیں، قرض کو اسلئے برا سمجھتے ہیں کہ قرضدار کو ضرورتاً جھوٹ بولنا پڑتا ہے، شادی کرنے کا مقصد افزائش نسل سمجھتے ہیں، جسکی بدولت انسان موت سے جہاد کر نیکی قابل ہوتا ہے، چنانچہ زندہ انسان میں ہے کہ ”وہ گھر سب سے برا ہے جو نسل اور اولاد سے محروم ہے“

مرنے کے بعد انسان کا جسم رب الشر کے پاس جاتا ہے اسلئے وہ اپنے مکان سے میت بہت جلد خالی کر دیتے ہیں، وہ مردوں کو نہ بھلاتے ہیں نہ دفن کرتے ہیں اور نہ ڈبوتے ہیں، کیونکہ اس سے مکان، زمین، اور دریا ناپاک ہو جاتا ہے، بلکہ اسکو ایک بلند مقام پر رکھ کر علیتے ہیں، جان کٹے اور شکاری پرندے اگر اسکو نوچ ڈالتے ہیں اور وہ بالکل پاک ہو جاتا ہے،

میت کی روح تیسرے دن شیوا (صراط) پر جاتی ہے جو جہنم سے گذرنا ہوا جنت کو گیا ہے، یہاں اہر مزداسکی زندگی کے حالات پوچھتا ہے، اگر اچھی روح ہوتی ہے تو کتون کی روحیں اور پاک روحیں اسکا ہاتھ پکڑ کر صراط کو عبور کرا دیتی ہیں، اور وہ پردوس (فردوس) کو چلا جاتا ہے، اور اگر بُری روح ہوتی ہے تو شیطان اسکو ڈھکیل دیتے ہیں، اور وہ جہنم میں گر جاتا ہے جہاں روح شر اسکو قہر ظلمات میں مقید کر دیتی ہے،

جو سیت کے ایک فرقہ کے نزدیک جسکا نام سیسائبر ہے، آگ کی پوجا منج ہی، شراب

حرام ہے، مان، بیٹی، بہائی، محرمات میں ہیں، مردہ حرام ہے، اور آفتاب کو ایک گھنٹانیک کر سجدہ مستحسن ہے۔

فقہیہ کے نزدیک نور و ظلمت قدیم ہیں، مانوید کے نزدیک مال پر عشر ہے، چار وقت کی نماز فرض ہے، کذب، قتل، سرقہ، زنا، بخل، سحر، بت پرستی ممنوع ہے، انبیاء بنی اسرائیل (حضرت موسیٰ کے سوا) زردشت، پولس اور ہندوستان کے تمام رشی پیغمبر ہیں، مرد کیون کے نزدیک ارکان عالم تین ہیں، پانی، آگ، زمین، انہیں کی آمیزش سے مدبر خیر و شر پیدا ہوئے ہیں، مخالفت، نفص، اور لڑائی منع ہے، عورتیں سب کے لئے حلال ہیں، اور مال میں سب کا حق ہے، دھیمانیہ کے نزدیک نور و ظلمت کی علحدہ علحدہ جنسین ہیں، نور کی سمج، بصر، اور حواس ایک ہیں، اسکی سمج ہی بصر ہے، بصر ہی سمج ہے، اور بصر ہی حواس ہے، کینویہ، اور صیامیہ کے نزدیک آگ کی عبادت ضروری ہے، نکاح اور ذبیحہ حرام ہے، تجر و شرط ہے، اور عمدہ کھانے مکروہ ہیں۔

فلکیات قدیم دستور کے مطابق مسلمانوں نے علم الفلک میں اہل فارس کے بہت سے کارنامے بیان کئے ہیں اور کہا ہے کہ انکے حرکات کو اکب میں بہت سے مذہب تھے، جنہیں سے ایک قدما کا مذہب ہے، جبکہ مطابق ابو عشر نے زچ کبیر تیار کی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اہل فارس کا کوئی مستقل مذہب نہیں ہے، ایران کی سب سے قدیم زچ، زیگ شتریار (زچ شہریار) ہے، لیکن اسکے اکثر اصول و قواعد سورۃ سدہات سے ماخوذ ہیں جو مسیح سے ۵۰۰ برس پہلے ہندوستان میں تصنیف ہوئی تھی، مثال کے طور پر ادوار ہزارات کو لیجیے، اس میں عالم کی مدت ۳۰ لاکھ ۶۰ ہزار سال بتلائی جاتی ہے، اس مدت کے بعد اوساط کو اکب، راس حل میں جمع

لہ شہرستانی صفحہ ۸۰، ایضاً صفحہ ۸۶، ایضاً صفحہ ۹۱ جلد ۳ لکھ طبقات الامم صفحہ ۲۲،

ہوجاتے ہیں، لیکن انکے ادجات اور جوہرات نہیں جمع ہوتے، ۳ لاکھ ۶۰ ہزار سال ہم ارب ۳۲ کروڑ کا ۱۲۰۰۰ دان حصہ ہے جسکو براہم پھلہ ہانت میں اصل حساب قرار دیا گیا ہے، جس طرح آریہ بہٹ نے آسانی کے لئے کلپ کی معیاد کو چند گیون میں تقسیم کر لیا ہے، اسی طرح ایلونیون نے بھی اسکو ہزرات میں بانٹ لیا ہے، البتہ ادجات اور جوہرات کے اجتماع میں انہوں نے اختلاف کیا ہے لیکن اسکی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اہل بابل کی تقلید کی ہے، چنانچہ بروکس بابل (Berosus) نے جو سچ سے ۲،۵ برس پہلے موجود تھا، اس قسم کے بڑے ترانوں کے متعلق اپنے بزرگوں کا ایک مذہب نقل کیا ہے جو سیکالاطینی (Sikalyan) کی کتاب "سوالات فطری" (Natural Questions) میں درج ہے، اسکا اہل یہ ہے کہ جب آفتاب، ماہتاب، اور کوکب خمسہ متحرک، برج جدی میں جمع ہوجاتے ہیں تو طوفان آجاتا ہے اور جب برج سرطان میں جمع ہوتے ہیں تو انتشار و گی ہوتی ہے، اس میں ادجات اور جوہرات کا کوئی ذکر نہیں ہے،

اسی طرح زینج حاکمی میں ابن یونس مصری المتوفی ۳۹۹ھ نے جو یہ نقل کیا ہے کہ مسئلہ میں فارسیوں نے رصد سے معلوم کیا تھا کہ اول حل میں اور چ شمس کا طول ۸۰ درجہ ہے۔ وہ کوئی نیا خیال نہیں بلکہ زینج شہریار سے مطابقت رکھتا ہے، جو تقریباً انہیں سنوں میں لکھی گئی تھی اور یہ وہ خیال ہے جو خود سور یہ سد ہانت میں موجود ہے، اس قسم کی موافقت اور ادوار ہزرات کے اشتمال کو دیکھ کر پروفیسر الینو کرکولٹینو لکھتے ہیں،

ان دھک الزینج الفارسی بنی علی قواعد یہ فارسی زینج ایسے اصول و قواعد پر مبنی ہے جو زیادہ تر  
واصول اغلبا ہندویت ..... ہندوستان کے ہیں،

ہم اس سے بیخبر نہیں ہیں کہ تعدیل کو اکب میں ایران کا ایک جدا طریفہ تھا جو ہندوستان اور بابل سے بالکل مختلف تھا، تاہم یہ فروعات ہیں اور ہکوا اصول سے بحث ہے،

زیر بحث شریار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایران کے علمائے فلک دن کی ابتداء اور رات کرتے تھے، حالانکہ عموماً فلکی علماء دوپہر سے کرتے ہیں، (الانوار الباقیہ للبیر و فی صفحہ ۶)

طبیعیات کیو مرثیہ کے نزدیک کائنات ایک انسان (کیو مرث) اور ایک حیوان پویل ہے پیدا ہوئی ہے، اور قدیم آبادی جو ایران و اہرمین کی صلح سے پہلے تھی فنا ہو گئی ہے، زروانیہ کے نزدیک آسمان ایک ٹھوس چیز ہے، جسکو چیر کر اہرمین اور گیرگیا تھا۔ (شہرستانی صفحہ ۷۰) عریانیاں | ڈاکٹر مرزا محمدی خان ایرانی کے تحقیق کے مطابق دارا نے ڈاک کا ٹکڑا ایجاد کیا، شکر کے ٹکڑے کئے، ہر صوبہ میں دو حاکم مقرر کئے، ایک کے متعلق شہر کا انتظام اور دوسرے کے متعلق فوج کا اہتمام تھا، یہ دونوں ایک دوسرے کے جاسوس ہوتے تھے اور ہر ہفتہ دارا کے پاس ایک رپورٹ بھیجا کرتے تھے،

سوس اور بربر سوبولیس (اصطلاح) میں دارا کے شاہی عمارت کے کچھ آثار باقی ہیں، جن سے اس زمانہ کی صنعتی ترقیوں کا پتہ چلتا ہے، فارسیوں کا طرز عمارت اشوریوں سے بہت شاہہ ہے، وہ محل پر پتھر کے شیر بناتے تھے، انھوں نے سب سے پہلے رخام کو اینٹوں کی جگہ استعمال کیا، نقش لکڑی کی جتین بنائیں اور پتیلے ستون ایجاد کئے،

علوم و فنون | طب اور نجوم پر فارسیوں نے خاص توجہ کی تھی اور زور شیردان نے جندیسابور (شاہ آباد) میں بہت سے طبی مدارس قائم کئے تھے، نجوم کی تحقیقات کیلئے زمانہ تعلیم سے مدد خانے قائم تھے، تاہم ایرانیوں نے نہ صرف نجوم بلکہ تمام علوم میں کوئی خاص ترقی نہیں کی بلکہ وہ قدامد ایران، بابل، یونان، روم، سریان اور ہندوستان کے علوم کے صرف منقلد اور محافظ رہے،

# مترجم

## فلسفہ امن

موسید پال رچرڈ ایک فرینچ فلسفی ہیں جو تمام دنیا کی سیاحت کر چکے ہیں اور تعلیم ہندو فلسفہ سے خاص شغف رکھتے ہیں، وہ ایک مدت سے ہندوستان کے نامور صوفی و فلسفی اور ہندو گروش کی صحبت میں رہتے ہیں، مسئلہ میں جبکہ جنگ یورپ اپنے شباب پر تھی انہوں نے فرینچ زبان میں ایک کتاب شائع کی، جسکا انگریزی ایڈیشن حال میں (the nation) کے عنوان سے راجندر ناتھ گیگر کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے، کتاب اردو کے قالب میں ہی مولوی جلیل اللہ صاحب کی وساطت سے ایک بسط و مفصل مقدمہ مترجم کے اضافہ کے آ رہی ہے ذیل میں اس کے مباحث کا خلاصہ جو مسٹر گاندھی نے تیار کیا ہے درج کیا جاتا ہے،

وہ زمانہ آ رہا ہے جبکہ انسان، بہیڑ بکری کی طرح بہ آسانی ذبح ہو جانے سے تنگ آ کر اپنے تئیں ارباب حق کی رہنمائی میں دیدینگے کہ عدل حقیقی کا یہ فرمان صادر ہو چکا ہے، کائنات کی شکل ایک حلقہ کی ہے، جزا و معاضدہ کا قانون ہر جگہ جاری ہے، ہر فعل اپنے فاعل کے لئے ایک ثمرہ رکھتا ہے، کوئی شے ضائع نہیں ہوتی، ہر شے محفوظ و جمیع ہوتی رہتی ہے، قوت اپنی جانب قوت کی کشش کرتی ہے، جیسے رخ کو رخ سے میل جوتا ہے، یہی سبب ہے کہ آج یورپ اس آفت میں مبتلا ہے جو خود وہ بار بار دوسروں پر نازل کر چکا ہے، یہاں تک کہ آج جو بالکل بیگناہ مظلوم پورے میں وہ بھی حقیقتاً ایسے نہیں ہیں، ہر فریق یہ چاہتا ہے کہ دوسروں کے پنجے سے مظلوموں کو آزاد کرے، لیکن درحقیقت تمام فریق ایک دوسرے کو ہاک کر کے کل مظلوموں کو آزادی دلا رہے ہیں۔

بڑی بڑی قوموں کی بربادی ضروری تھی، نہ اسلئے کہ دنیا کو فلان فلان ظالم حکومت سے آزادی حاصل ہو، بلکہ اسلئے کہ جو لقیئت دنیا پر غالب تھی، اس سے اُسے نجات دلائے، آج دنیا اس ظلم میں گرفتار ہے کہ ہر فریق اپنے تئیں ”فاتح“ سمجھتا ہے، ورنہ خالیکہ اس جنگ میں جو ہر فریق کی تباہی و بربادی کے مراد ہے، ”فتح و کامیابی“ کے کوئی معنی ہی نہیں، ابھی معلوم نہیں کتنی فتوحات ہر فریق کو حاصل ہو چکی ہیں، جب جا کر ہر فریق کی شکست تکمیل کو پہنچ سیلگی، چنانچہ یہ جو فتوحات کامیابیاں ہوتی کمالی دے رہی ہیں، یہ وہ نہیں جنگی فریق کامیاب کو آرزو تھی بلکہ یہ فریقین کی تباہی و بربادی کے وہ مداح ہیں جنکے بغیر انسانی ترقی ممکن نہ تھی،

خود فریبیوں کا ظلم ٹوٹ چکا، صلح جو ہو نیوالی ہے، وہ خود غرضاً نہ توقعات کو پورا نہیں کرنے کی، اسلئے کہ وہ یورپ کی باہمی جنگ وہ جنگ ہے، جو سب سے بڑی طاقت ان سب کے خلاف کر رہی ہے، ہاں اسلئے کہ یہ جنگ کسی نہ کسی صورت میں برابر جاری رہیگی، تا آنکہ جو ہر انسانیت کو پامال کرنے والا دیوتا جو اس وقت نظام عالم کو درہم و برہم کرنے میں مشغول ہے، رحم کی التجا کرنے لگے، تا آنکہ آئندہ نظام عالم کی عمارت بجائے باہمی منافرت و عناد کے باہمی معاونت و اتحاد پر قائم ہو، خانہ جنگی کا بازار ابھی تو یورپ ہی میں گرم ہے، لیکن اگر ضرورت باقی رہی تو کوئی دن جاتا ہے کہ یورپ کے ہر ملک میں بھی آگ شعلہ زن ہوگی،

بہترین کا وجود ہمیشہ بدترین سے ہوتا ہے، لیکن بدترین مرتبہ تک ابھی ہم پہنچے کب ہیں؟ اس قدر تو ہر حال یقینی ہے کہ اس جنگ کا خاتمہ دوسرے محاربات کی طرح نہیں ہوگا، اس جنگ کے خاتمہ کی صرف یہی صورت ہے کہ موجودہ نظامات کی زندگی ختم ہو جائے،

یہ کہنا تو دشوار ہے کہ چھوٹی قومیں خود یورپ میں غلامی کی حالت میں ہیں، انہیں یہ جنگ اتنی جلد آزادی دلا دیگی، تاہم یہ یقینی ہے کہ افریقہ و ایشیا کی بڑی بڑی قوموں کی رانی و مخلصی کا

وقت روز بروز قریب آ رہا ہے، یہ تو قیمن خواہ باہم کتنی ہی مختلف ہوں، تاہم اشتراک مظلومیت کے سب کو یکدل بنا دیا ہے، اب صرف ایک ہی روح ہے جو ان سب کے قابو میں ہے، یعنی اپنے باطن کی عظمت اور مستقبل کی حریت کا احساس، جو ان قوموں کو اب معلوم ہو جائیگا کہ ضعیف و ملحقہ قوموں کے ساتھ ظلم و تحقیر اور شیرخوار قوموں کے ساتھ بیدردی و شقاوت کا برتاؤ آئندہ نہیں چلیکتا۔ کانگوین، بلجیم کے مظالم کا اعادہ اب نہ ہوگا، ہلایہ کسی طرح ممکن تھا کہ یورپ کے غلام ساری دنیا میں تو پھیلے ہوئے تھے اور یورپ میں نہوئے! قدیم غلام تو تھے ہی، جدید غلام خود اسکے وطن میں پیدا ہو گئے، زمانہ کی نیرنگیان دیکھو کہ اس جنگ حریت نے خود یورپ میں ان قوموں کو طوق غلامی پہنا دیا جو کل تک آزاد تھیں، کل اس صبح سعادت کا طلوع یقینی ہے، جب یہ قدیم و جدید غلام سب آزاد ہوں گے، اور یورپ کی کل تو قیمن عام اس سے کہ حاکم ہوں یا محکوم، اس بڑے موذی دشمن کو زیر کر چکی ہونگی جس نے اُنکے باطن کو غلام بنا رکھا ہے،

یورپ کے اکثر ممالک میں انقلابات ہونگے، یہ قول ہر زبان پر، اور یہ توقع ہر دماغ میں۔ یورپ کی تلوار کو خود یورپ پر برابر چلتی رہنا چاہیئے، یہاں تک کہ وہ ہر قوم کے قلب کے آر پار ہو جائے، اور جو عجزیت اسکے اندر سکونت رکھتا ہے وہ ہلاک ہو جائے،

حکومتیں بجائے خود وہ امراضِ بین جنین اقوام مبتلا ہیں، تاہم ان امراض کا ظہور اور انکی تشکیل حکومتوں ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے، حکومتیں گویا انکا مجسمہ ہوتی ہیں، اور قوم کی آواز مکرران ہی کے اعمال کی وساطت سے ظاہر ہوتی ہے، لیکن جب قوم کو تنبہ ہوتا ہے اور وہ تلافی نامات کرنا چاہتی ہے تو عہد سابق کی ہر یادگار کو پامال کر ڈالتی ہے، اس انقلاب کے وقت وہ ان بون کو توڑنے لگتی ہے، جن پیا روں کا کوئی قصور نہیں ہوتا، تاہم یہ بت توڑے ضرور جاتے ہیں،

اس انتقام کی زد سے حکومتوں کے محفوظ رہنے کا طریقہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی پیش قدمی

رعایا کی ہم آہنگ ہو جائیں، لیکن کیا یورپ کی کوئی حکومت اسکے لئے آمادہ و مستعد ہے؟ ہر حکومت دوسری حکومتوں سے جو ساز و باز اور تعلقات رکھتی ہے، وہ خود ہی اس راہ میں سب سے زیادہ مانع ہو سکتی، اسلئے اس باب میں اقوام یورپ ہی کو اقدام کرنا چاہیئے، ورنہ تو قومن جہنیں یورپ اس وقت جانوروں کی طرح ہانکتا چلا جا رہا ہے، ایک دن یقیناً پلٹ کر خود اسی پر حملہ کر دینگے، اور یورپین حکومتوں کو پھاڑ کھا بیگی، ایک روز ان سب مفتوحہ قوموں کا قومی خود غرضی کے اس مردار خوار عقاب کے ہلاک کرنے پر متحد و متفق ہو جانا یقینی ہے جو اس وقت انکو اپنا طمع بنائے ہوئے ہے، یہ جنگ دراصل ہجوم مادیات کے عقب میں، غیر مادیات کی جنگ ہے، یہ نظارہ بھی قابلِ دید ہے کہ یورپ کی صدیوں کی عظمت و کامرانی کے بعد آج وہ ان کی قوموں کو اپنی نا انصافیوں کی قیمت ادا کرنی پڑی ہے، قتل و ہلاکت کی لعنت ان پر برا برسلا رہیگی، تا آنکہ انکے نفوس میں حیات انسانی کا شرف و احترام پیدا ہو، تا آنکہ وہ ایک جدید فلسفہ زندگی کو قبول کریں، جب تک اشیاء میں تغیر نہ ہوگا اشخاص میں تغیر پیدا کرنا بے نتیجہ ہے، اور جب تک اشخاص میں تغیر نہ ہو محض اشیاء کی اصلاح لاجل ہے، اصل نکتہ یہ ہے کہ اشیاء و اشخاص دونوں کی رُوح (اسپرٹ) میں اصلاح ہو، مقصود یہ ہے کہ ہر قوم اپنی رُوح کے اندر انقلاب پیدا کرے، مدعا یہ ہے کہ کائنات جدید کا احساس ہر نفس میں پیدا ہو،

ہر قوم میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہوتے ہیں جنکا تعلق کسی مخصوص قوم سے نہیں ہوتا بلکہ وہ خدمتِ ظالقی کے لئے پیدا ہوتے ہیں، وہ ملک کی خدمت سے بڑھ کر انسانیت کی خدمت کو اپنا فرض جانتے ہیں، یہی وہ افراد ہیں جنکی جانب نفع انسان کی انکسلی وقت لگی ہوئی ہیں، یہی وہ افراد ہیں جن سے عالم انسانیت کو اپنی مظلومیت کی وادہ رسی کی توقع ہے، ان اشخاص کا فرض ہے کہ اب انٹیلین اور دنیا میں عدل و انصاف کی سدا دی کر دیں،



اخلاق کا قانون، افراد و اقوام دونوں کے لئے ایک ہی ہے، ہر قوم کو اپنے تئیں اسی ضابطہ اخلاق کا پابند سمجھنا چاہیئے، جسکی پابندی وہ افراد پر عاید کرتی ہے، جس فعل کا ارتکاب ایک فرد کیلئے جرم ہے، اسکا ارتکاب قوم کے لئے بھی جرم قرار پانا چاہیئے، اگر فرد کے لئے ضعیف و کمزور پر ہاتھ اٹھانا، اور اسکی تذلیل کرنا جرم ہے تو ملک و قوم کے لئے بھی یہ افعال جرائم ہیں،

سچا محب وطن وہ ہے جو ان افعال کے سایہ سے بھی بھاگتا ہے جو دوسروں میں فحاری و تعلق کے جذبات پیدا کر دیتے ہیں، سچا وطن پرست وہ ہے جو وطن کے لئے ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت پر ماتم کرتا ہے، اسلئے ان طریقوں سے ایک حقیقی محب وطن کے دل میں وطن کی دولت و عظمت کا ہین بلکہ افلاس و ناداری کا نقش چھٹا جاتا ہے، اور اسکی نظریں وطن کی یہ صورت پھرنے لگتی ہے کہ وہ حقیقتہً حسن و لباس سے بالکل معریٰ ہے، اور اسکے بجائے بد اخلاقی و بد کرداری کے ملبوسات زیب تن کئے ہوئے ہے،

فرد و قوم کی حقیقی عظمت کا معیار یہ امر ہے کہ اسکا نصب العین کتنا بلند ہے، اور اسکے مطابق اسکا عمل کس حد تک ہے، عمل کی مشہط لازمی ہے، اسلئے کہ نصب العین عموماً عملی زندگی کے بالکل مخالف رکھا جاتا ہے، خود وہ دنیا جو اسوقت فنا ہو رہی ہے، اسکا نصب العین کیا ہوتا؟ جہان تک زبان و الفاظ کا تعلق ہے، اس سے بہتر و بلند تر نصب العین شاید کسی کو نہ نصیب ہوا ہو، یعنی حریت، عدل، سائنس، ترقی، تمدن، و قس علیٰ ہذا۔ لیکن اگر علیٰ حیثیت سے نظر کیجئے تو اس سے عین تر قمر مذلت کی نظیر بھی نہ ملیگی۔

ایک قوموں کا نصب العین ”اقتدار“ رہا ہے، اور وہ بھی مادی، ہر شے جب تک شمار و عدد میں نہ آسکتی جو کسی شمار و قطار میں نہ تھی، تلقین و تعلیم کا حاصل یہ تھا کہ ”جھل کرو اور تسخیر کرو۔“ چنانچہ اس نظام عمل پر پوری طرح عمل بھی ہوتا رہا، یہاں تک کہ روس زمین کو انہوں نے باہم

تقسیم کر لیا، اس سے زیادہ اور کیا چاہیے تھا،

وہ دنیا جو اس وقت فنا ہو رہی ہے، اس نے کائنات مادی پر پورا تسلط و تصرف کر لیا تھا یہاں تک مضائقہ نہ تھا، لیکن چونکہ اس نے اپنی زندگی تمام تر مادیات میں محدود رکھی، بالآخر مادہ سے نکل کر پارہ پارہ ہو رہی ہے،

قومی عظمت کا صحیح معیار رقبہ نہیں ہے، حقیقی عظمت قابلِ پیمائش شے نہیں، ہر قوم کا نصب العین بیشک نو اور پھیلاؤ ہونا چاہیے، مگر وہ پھیلاؤ سطحِ ارض کے طول و عرض کا نہیں، بلکہ اپنی قد و قامت کی بلندی کا، سب سے زیادہ معزز ملک وہ ہے جس میں انسانیت اپنے منتہاے بالیدگی پر پہنچ چکی ہوتی ہے،

قوم متول وہ ہے جس نے کوئی جدید شاہراہ ترقی دریافت کی ہے، جس نے کوئی اعلیٰ اصول حیات پیش کیا ہے، قوم کی شوکت و اقتدار کا اصلی معیار صرف یہ ہے کہ اُس نے دنیا میں روشنی کما تک پھیلائی، قوم صرف اسی وقت زندہ رہ سکتی ہے، جب تک وہ نوعِ انسان کی خدمت کرتی رہتی ہے، اور جو نہی وہ اپنی خدمتگداری سے دستکش ہونے لگتی ہے، وہ قوت جبکہ بل پر اسکی زندگی قائم تھی اس سے منفک ہو جاتی ہے، اسی وقت سے قوم بھی گرنے لگتی ہے، تاکہ اسکا نام و نشان تک مٹ جاتا ہے، اسلئے کہ اب اسکا وجود، انسانیت کے حق میں غیر مفید رہ جاتا ہے،

روے ارض جو تلوامگون میں تقسیم ہے، حقیقتہً یہ تلو مختلف ممالک نہیں، بلکہ ایک ملک ارض کے سوا صوبے ہیں، اور تلو تو میں جو ان میں آباد ہیں وہ نسلِ انسانی کے سوا خاندان ہیں، لیکن کوئی قوم اس رشتہ کو نہیں تسلیم کرتی، ہر قوم اپنا مستقل بالذات وجود سمجھتی ہے، اور اکثر ایک دوسرے کے وجود سے بالکل بے اتفاقات رہتی ہیں، اور انکو کبھی آپس میں مل جل کر رہنے کا

خیال تک نہیں آتا۔

لیکن چند قومیں ایسی ہی ہیں جو دوسروں کے وجود سے بیخبر نہیں، بلکہ جو دوسروں کی کافی خبر رکھتی ہیں، ان قوموں کی خود غرضی جامد وساکن نہیں، انکو تمام دنیا کی خبر رہتی ہے، اسلئے کہ انکے اغراض سب سے وابستہ ہیں، یہ قومیں بیشک جماعت بنا کر رہتی ہیں، مگر ایسی جماعت جو صرف ”دل غلی“ سے مرکب ہوتی ہے، انکے نزدیک ”ترقی“ کا مفہوم یہ ہے کہ انہیں اپنے اعمال حرص و ہوس میں کامیابی ہوتی رہے،

انکی اصطلاح میں سربریت و وحشت کا اطلاق اس حالت میں ہوتا ہے، جبکہ اسلم جدیدترین طرز کے ہون، اور تمدن کی اصلی شناخت یہ ہے کہ اسلم کی طاقت سے امن قائم ہے، لیکن اگر کمزور و روں پر جنگ ہوتی ہے تو کچھ مضائقہ نہیں، اور سب سے بڑھکر یہ کہ روز بروز زیادہ ہلک و برباد کن آلات تیار ہونے رہتے ہیں،

دنیا کے ہر میدان جنگ میں غالب یا مغلوب کی حیثیت سے انہوں نے اپنی مشترک زندگی اور مشترک موت کا ثبوت دیا ہے، اور اپنا خون بہا بہا کر ایک ناخوشگوار حلقہ اخوت قائم کیا ہے، لیکن بالآخر ایک روز یہ خود باہمی منافرت سے نفرت کرنے لگیں گے،

جو درجہ قوم میں فرو کا ہوتا ہے وہی قوم کا نوع انسانی میں ہونا چاہیے، فرد کی طرح ہر قوم کے جیسے فرائض ہیں ویسے ہی حقوق بھی ہیں، وقت آگیا ہے کہ افراد کے لئے جن فطری حقوق کے منادی کرنے کا شرف اولیت فرانس کو حاصل ہے، یعنی حریت، مساوات و اخوت، انہیں حقوق کی اشاعت باشندگان ارض کے لئے بھی کجائے، ہر قوم کو خواہ بڑی ہو یا چوٹی، اپنی زندگی اور اپنی بالیدگی کے لئے پوری آزادی ملنا چاہیے، کہ ہر قوم اپنے مذاق و مزاج کے مطابق اپنا نشو و نما کر سکے، حق کے سامنے تمام اقوام مساوی ہیں، پس نوع انسان کے پارلیمنٹ میں چند منتخب اقوام کی مخصوص

مدخلت کا کوئی حق نہیں، بلکہ اسپر تمام اقوام کا یکساں حق ہے، تمام اقوام ایک دوسرے کے بہائی بہن ہیں، اور سب کے سب مادہ گیتی کی اولاد ہیں، وہ دن دور نہیں جب ہر شخص روئے زمین کے تمام ممالک کو اپنا وطن سمجھنے لگیگا، اور جس ملک میں قدم رکھیگا اسے خاندان انسانی کا مسکن پائیگا۔

کیا یہ نصب العین ضرورت سے زاید بلند ہے؟ کیا اسپر علمدہ آدمی کی توقع موعوم ہے؟ کیا اقوام سے یہ توقع رکھنا موعوم ہے کہ وہ متدن اقوام بن کر رہیں، متدن افراد کے اصول اخلاق پر عامل رہیں، اور اس طرح شقاوت و بربریت کا جواجوان سب کے لئے بارگرون ہو رہا ہو اس سے ایک دوسرے کو نجات دلائیں،

اگر حریت، مساوات و اخوت کا سررشتہ اصول قابل قبول نہیں، تو اقوام موجودہ کے لئے مستقبل میں بجز جنگ، بربادی اور غلامی کے کوئی حصہ نہیں، انکا اختیار ہے کہ وہ خواہ جنگ اور قتل کی آہنی زنجیروں میں بند ہوا اتحاد قبول کریں یا امن و آشتی کے آزادانہ برکات اتحاد سے فائدہ اٹھائیں،

امن و صلح، امن و سلامتی کی طرح آسمان سے اترنے والی چیز نہیں، یہ انسانیت کا معلول ثمر ہے لیکن خود انسانیت سے ابھی تک قلب انسانی نا آشنا تھا، امن کبھی قوت اور زبردستی کی بنا پر نہیں پیدا ہو سکتا، جس طرح لینت و ملاطفت کی تخلیق کبھی ظلم و جبر سے نہیں ہو سکتی، پس جنگ کی قوت ہی قیام امن ناممکن ہے، لیکن ساتھ ہی دوسری طرف فرقہ و مخالفین جنگ کی کمزوریان ہی قیام امن میں بے بس ہیں، اس فرقہ کی کوششیں باوجود اس قدر امید افزا و عادی کے جتنی ابکی ناکام رہی ہیں شاید پہلے کبھی نہیں رہیں، امن کا مندر تعمیر کیا گیا، لیکن اسی وقت سے دنیا کی ہونناک ترین جنگ شروع ہو گئی، لیکن آخر اس یو رہیں کوششیں انداد جنگ کی ناکامی کا

سبب؟ سبب صرف یہ ہے کہ اسکا دائرہ صرف یورپ تک محدود رکھا گیا، اس کوشش کا مقصد یہ نہ تھا کہ ساری دنیا، ساری دنیا کے ساتھ مصالحت رکھے بلکہ محض یہ خود غرضانہ خیال کہ ہم خود صلح و امن سے بسر کر سکیں، اس دہم باطل کے لئے ناکامی یقینی تھی، قیام امن کی کوشش خارجی ذرائع سے کی گئی، حالانکہ صلح و امن کسی خارجی علت کے معلول نہیں ہو سکتے، اسکی بنیاد بین خود نفس انسانی کے اندر ہیں، جنگ کی آفرینش نفس انسانی کے اندر ہوتی ہے، جب وہ انسانیت کی تحقیر کرنے لگتا ہے، امن کی آفرینش بھی نفس انسانی کے اندر ہی ہو سکتی ہے، قتل و خون ریزی کو ہر حالت میں اور ہر موقع پر حرام قرار دیدینا چاہیئے، یہی ایک صورت دنیا سے خاتمہ جنگ کی ہو سکتی ہے . . . . .

کوئی شخص اسوقت تک انسان نہیں کہا جاسکتا جب تک اس میں انسانیت کی روح نہ موجود ہو، یہ انسانیت محض ایک مجرد تصور نہیں بلکہ ایک زندہ ہستی ہے، جسکا ایک زندہ جسم اور جسکے اعضاء و جوارح اقوام عالم ہیں،

وقت آگیا ہے کہ اس زندہ جسم کے لئے سوچنے والے دماغ کی آفرینش کی جائے، اور اسکے لئے ضرورت ہے کہ ہر قوم کے ارباب فکر یکجا ہوں . . . . .



## تَلْخِصْ دُعا، تَلْخِصْ دُعا، تَلْخِصْ دُعا تَلْخِصْ دُعا، تَلْخِصْ دُعا، تَلْخِصْ دُعا

### مسیحی دنیا کا ایک عجیب عقیدہ

افسانہ و اساطیر ہر قوم کے خیر میں داخل ہوتے ہیں اور قصص الانبیاء و عجائب القصاص کا وجود مشرق کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ "رشدین خیال" مغربی اقوام میں بھی عوام کا سرمایہ ذوق اسی قسم کے مذہبی افسانے ہیں،

اس نوعیت کی ایک روایت جیسے صدیوں تک یورپ کے اعلیٰ طبقوں کا ایمان رہا، اور آج بھی عام مذہبی طبقوں میں شائع ہے، اسے ایک یورپین مضمون نگار مسٹر ہنری ادرم نے رسالہ تھیاسوفسٹ کے دسمبر نمبر میں مختلف طریقوں سے نقل کیا ہے،

سب سے زیادہ مشہور صورت روایت مذکور کی یہ ہے کہ جب حضرت مسیح کو سولی کا حکم سنایا جا چکا تو یہ خبر سن کر ایک یہودی موچی نے جہاں مکان راستہ ہی میں پڑتا تھا، یہ خیال کیا کہ مسیح اسکے مکان کے سامنے سے گزرینگے، اس خیال سے وہ جھٹ پٹ مکان دوڑ آیا اور اپنی بیوی اور بچہ کو لیکر دروازہ پر کھڑا ہو گیا تاکہ اس خادع و مکار کی شکل دیکھے، حضرت مسیح جب دینی صلیب سے گرنا بارگشتان اودہر گزرے تو ذرا دم لینے کے لئے اس موچی کے مکان کے سامنے کھڑے ہو گئے، مگر اس یہودی نے جہاں نام اہسورس تھا، فرط تعصب و بغض سے اور نیز اپنے بھنسون میں ناموری چال کرنے کے خیال سے فوراً لٹکار کر کہا کہ اپنی راہ لو، یہاں کھڑے ہونے کا کام نہیں، اس پر حضرت مسیح نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں کھڑے ہو کر دم لوں گا، لیکن تیرے نصیب میں قیامت تک گردش رہیگی، ان الفاظ کے ادا ہوتے ہی یہودی متحیر و کونجی گواہ

اتار کر حضرت مسیح کے پیچھے ہو لیا اور انکے مصلوب ہونے کا پورا نظارہ دیکھتا رہا، اسکے بعد بجائے اسکے کہ اپنے گھر میں اپنے اہل و عیال کے پاس واپس آتا، اسکو یہ دھن سوار ہوئی کہ بلا وغیرہ کی خاک نوری کرنا چاہیئے، چنانچہ اسوقت سے لیکر آج تک وہ برابر گردش میں مصروف ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی اسے سکون و آرام نصیب نہیں،

دوسری روایت میں یون مذکور ہے کہ اس واقعہ کے وقت اسکی عمر ۳۳ سال کی تھی اسکے بعد سے جب اسکی عمر تین سال تک پہنچ جاتی ہے تو پھر از سر نو اسکی زندگی شروع ہوتی ہے، اور یہ دور و تسلسل برابر قائم رہتا ہے،

اس شخص کا وجود محض مہیوم و مفروض نہیں بلکہ یورپ کے بعض ثقافت نے اس سے اپنی ملاقات کا حال بھی بیان کیا ہے، پہلی بار انکا ظہور شاید سن ۱۸۷۰ء میں ہوا تھا، پھر مشہور اور اسکے بعد اٹھارہویں صدی کے آغاز تک برابر انکا ذکر آتا رہتا ہے، اس شخص کے موسم سرما کا ذکر یہ کہ ایک اتوار کو جو وقت پادری آئیزن گر جابین و غطا کہہ رہے تھے، انھوں نے دیکھا کہ ایک طویل القامت شخص جبکہ بال شانوں تک لٹک رہے تھے، برہنہ پا نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ دوران غطا میں برابر گھبراتا رہا، اور حضرت مسیح کا نام جب کبھی آیا وہ اپنی گردن انتہائی عقیدت و احترام سے برابر خم کرتا رہا، خاتمہ و غطا کے بعد استفسار حال پر اس نے اپنے تئیں یہودی، اپنا نام اہسورکس اپنا پیشہ کفش دوزی، اپنا وطن یروشلم بتایا، اور حضرت مسیح کے مصلوب ہونے کے وقت اپنا موجود ہونا بیان کیا، اور اپنی گفتگو میں اس نے بیسیوں تاریخی واقعات بیان کئے۔

اسی طرح اٹھارہویں صدی کے آغاز میں پھر اس شخص کا ظہور ہوا، اور اکی لندن میں ہوا، علما نے اس مرتبہ اس سے بے اعتنائی کی، لیکن عوام کی گردیدگی برابر بڑھتی رہی اور کیونکر نہ بڑھتی، در آخر ایکہ حضرت مسیح کے مصلوب ہونے کی جذباتی کیفیات، اور حواریوں کے شکل و شمائل

وضع و لباس وغیرہ کے جزئیات چندیدہ بیان کرتا تھا، ساتھ ہی مختلف زبانوں اور غیر محالک سے پوری ذاتی واقفیت رکھتا تھا، چنانچہ اکسفورڈ و کیمبرج کے اساتذہ جب اسکی زبانذاتی و صحبت معلومات کا امتحان لینے آئے تو اسکی ذاتی واقفیت سے خود دنگ رہ گئے،

غرض مسیحی دنیا کے عام عقیدہ کے مطابق یہ شخص دو ہزار سال سے زندہ ہے اور قیامت تک دائمی گردش کے ساتھ زندہ رہیگا، تمام دنیا میں اسی طرح برابر چکر لگاتا رہیگا اور اطمینان و آرام کی ایک گھڑی بھی اسے نصیب نہوگی۔

علم الاساطیر کے محققین کا دعویٰ ہے کہ کوئی افسانہ سرے سے بے بنیاد نہیں ہوتا، معلوم نہیں اس افسانہ میں واقفیت کا حصہ کس حد تک شامل ہے۔

## اعلیٰ تعلیم اور طریق الاملا

طلبہ کو املا یا لکچر دینے کا طریقہ ابتدائے موجود ہے، اور اب تو اعلیٰ تعلیم کا ایک غیر متفک جزو بن گیا ہے، یونیورسٹیوں اور کالجوں میں بجز سائنس کے علمی حصوں کے تقریباً ساری تعلیم اسی طریقہ پر دی جاتی ہے، حال میں ٹائمز ایجوکیشنل سپلیمنٹ "نئے لکچرون کے مقصد" کے زیر عنوان ایک پرغیر مضنون میں اس عام طریقہ پر نظر انتقاد ڈالی ہے،

وہ لکھتا ہے کہ بیشتر لکچر ایسے ہوتے ہیں جو بجز اسکے کہ لکچر دینے والے کے لئے وسیلہ معاش ہیں اور کسی کے لئے مفید نہیں ہوتے، ان غیر مفید و بیود لکچرون کی دو قسمیں ہیں،

پہلی قسم میں وہ لکچر داخل ہیں جبکہ سامعین کو بجائے لکچر سننے کے اسی مسئلہ سے تعلق کتاب دیکھ لینے سے زیادہ معلومات حاصل ہو سکتے ہوں، ایسے لکچر وہ اساتذہ دیتے رہتے ہیں جو ممکن ہے کہ اپنے فن میں کامل ہوں، لیکن لکچر دینے کے فن سے ناواقف ہوتے ہیں اور اس مخصوص فن کے سیکھنے میں



اپنی کسر نشان سمجھتے ہیں، یہ لوگ گہرے مضامین کی صورت میں لکچر لکھ کر لاتے ہیں اور طلبہ کے سامنے کتاب کی طرح انہیں بھی پڑھ دیتے ہیں، اس قسم کے ناقص لکچر دن کی مثالیں موجودہ یونیورسٹی میں بکثرت ملتی ہیں، اور انکے جاری رہنے کا سبب صرف یہ ہے کہ انکا دستور مدت سے چلا آتا ہے اور کبھی انکے حسن وقوع پر غور نہیں کیا گیا،

دوسری قسم میں ان لکچر دینے والوں کے لکچر داخل ہیں جو مسائل فن سے ناواقف ہونے ہیں اور جنکی ساری کائنات اتنی ہوتی ہے کہ وہ سامعین میں دلچسپی پیدا کرنے کے چند گراں جانتے ہوتے ہیں لکچر دن کو دلچسپ بنانے کا سامان یہ لوگ کبھی تصاویر کو بناتے ہیں اور کبھی میچک لینٹرن (فائلوس) طلسمی، کو، لیکن ایسے لکچر دن میں تفریح وقت کرنے سے یہ بدرجہا بہتر بلکہ اور زیادہ پر لطف ہے کہ انسان اپنا وقت بالکھوپ دیکھنے میں صرف کرے،

لکچر دینے والے کے لئے لازمی ہے کہ خصوصیات ذیل کا جامع ہو:-

(۱) مسائل فن پر اسے عبور کامل ہونا چاہیئے، اسکے معلومات کم از کم اتنے تو ہوں کہ جو کچھ وہ لکچر میں بیان کرتا ہے اسکا دوس گنا اسکے دماغ میں محفوظ ہو، جن لوگوں کی کائنات کل اتنی ہوتی ہے کہ جو کچھ وہ لکچر دن میں بیان کر دیتے ہیں اس سے زیادہ خود انکے ذہن میں بھی نہیں ہوتا وہ قطعاً اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتے،

(۲) اسے لکچر دینے کے اصول و طریقہ سے واقف ہونا چاہیئے، ایک کامیاب لکچر کے لئے محض وسعت نظر و کمال فن کافی نہیں بلکہ اسکے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سامعین میں موضوع سے متعلق ذوق بھی پیدا کر سکے، بے شبہ استاد کا یہ فرض نہیں ہوتا کہ وہ لکچر کو سامعین کے لئے سامان تفریح و تفتن طبع بنانے کی کوشش کرے تاہم اسکا یہ فرض ضرور ہے کہ وہ لکچر کو اس خوش اسلوبی سے دے کہ سامعین کے دلوں میں مسائل متعلقہ سے مزید تحقیقات و حصول معلومات کا شوق پیدا ہو جائے۔

آخر میں نامزد لکھتا ہے کہ

”ایک کچر کے مقابلہ میں کچروں کا سلسلہ بدرجہا مفید تر ہوتا ہے اور بہترین صورت یہ ہوتی ہے کہ کچر ختم ہونے کے بعد حاضرین مزید سوالات کریں اور انکے شکوک رفع کئے جائیں اس طریقہ سے استاد تلامذہ دونوں ایک دوسرے سے مانوس اور مزاج شناس ہوتے جا بیٹے نیز اس طریقہ سے تحصیل علم ایک خوشگوار محنت بن جائیگی، سب سے برحکریہ کہ اس ذریعہ سے خود کچر کو اسکا اندازہ ہوتا رہیگا کہ اسکے سلوبات کن حیثیات سے ناقص ہیں اور کہاں کہاں مزید وضاحت خیال کی ضرورت ہے، ادویوں روز بروز وہ اپنے فن میں ترقی کرتا رہیگا، اس میں مستفید و دونوں کی حیثیات جمع رہیں گی اور اسکا کام بھی مشک و پیڑہ ہوگا۔ لیکن مقدم شرط یہی ہے کہ وہ کچر دینے کے اصول اور مسائل فن دونوں پر عبور رکھتا ہو۔“

نامزد نے نا اہل کچر دینے والوں کی مثال میں آکسفورڈ کیمبرج یونیورسٹی کے اساتذہ کو پیش کیا ہے لیکن وہاں سے کہیں زیادہ موزوں اور کثیر التعداد مثالیں ہندوستان کی تعلیم گاہوں میں مل سکتی ہیں،

## الحبیب علیہ السلام

اسوقت شہر لندن کے ابتدائی مدارس میں تقریباً بارہ سوطلبہ ایسے ہیں جنکی زبان میں لکنت ہے اور ظہر ہے کہ امتحانات میں کامیاب ہونے کے بعد بھی ملازمت وغیرہ کے ہر شعبہ میں بمقابلہ ان مریض طلبہ کے ان علیحدہ داروں کو ترجیح دیا جاتی ہے جنکی زبان میں صاف ہوتی ہیں، حال میں لندن کے خداوند تعلیم کی توجہ انکی اس بظہری بد قسمتی کی جانب مبذول ہوئی ہے، اور انھوں نے اس غرض کے لئے ایک دوق شہر لندن کے مختلف حصوں میں مخصوص مدارس (اسپیشل کلاسز) قائم کئے ہیں، ان مدارس میں آمد و رفت کے مصارف ان طلبہ کو سرکار سے عطا ہونگے، اور وہ ان مرض لکنت کا خاص اہتمام سے علاج کیا جائیگا، تاکہ اگر شفا سے کامل نہ حاصل ہو سکے تو کم از کم نمایان افادہ تو یقیناً ہو جائے اور یہ پہنچا طلبہ میدان مقابلہ میں اپنے فوش قیمت رفتار سے زیادہ پیچھے نہ رہ سکیں،

ایک مادی اجسام سے جقدر بھی کام لیا جاتا تھا وہ انکے کمسرات کے ذریعہ سے لیا جاتا تھا مثلاً آگ روشن کرنے کے معنی یہ ہوتے تھے کہ کوئلے کے کمسرات (molecules) سے ایک خاص درجہ کا انتشار پیدا کرویا گیا، کمسرات کے علاوہ سالمات (Atoms) سے ایک نہ کوئی کام لیا گیا اور نہ کسی قسم کے کام کی قابلیت ان میں بھی جاتی تھی، لیکن حال میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ سالمات، جنہیں اب تک ناقابل تجزی سمجھا جاتا تھا اور اسی بنا پر انکا نام سالمات پڑا تھا، بجائے خود بشمار ذرات کہربائی (electrons) کا مجموعہ ہوتے ہیں، اور اس لحاظ سے ہر سالہ گونا گویا غیر محدود برقی قوت کا خزانہ ہوتا ہے، اب علماء سائنس اس فکر میں ہیں کہ سالمات سے دنیا کے

مہات عمل میں کام لینا چاہیے، چنانچہ خیال یہ ہے کہ چند سال کے بعد ریوے انجن، جہاز و طیارہ سب کی حرکت ایک ایک سالہ کے اشارہ پر ہونے لگیگی، قوت سالی کے اہنیں عجائب و غرائب کو پیش نظر رکھ کر مشہور سائنس دان ناول نویس، اپنچ، جی، ویلر نے افسانہ کی صورت میں یہ پیشنگوئی کی ہے کہ ۱۹۴۰ء تک ایسے حیرت انگیز آلات و سامان حرب اسی سالی قوت کے ذریعہ سے طیار ہونے لگیں گے، جنکے سامنے موجودہ ایجادات جنگ بالکل بے حقیقت ہو جائیں گے، اسوقت گزشتہ جنگ سے کہیں زاید ہولناک ایک محشر کشت و خون، قتل و ہلاکت برپا ہوگا، اور انسان سطح ارض کو اپنی ہوس ملک گیری اور جذبات طمع کے لئے ناکافی پاکر اجرام فلکی کی جانب بلند پروازی کرے گا، اور اسی صدی کے خاتمہ تک کیا عجیب سہ کہ کرہ ارض اور باشندگان مرتجع وغیرہ سے وہ ہیبت و ہولناک جنگ چھڑ جائے جسکے شدید اسوقت ہمارے وہم اور تصور سے بھی بالاتر ہیں،

کئی سال ہوئے ایک جرمنی ماہر امراض چشم کون نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ قصر نظر (مایوہسپا) یعنی وہ مرض جس میں انسان کو صرف قریب کی اشیاء نظر آتی ہیں اور فاصلہ کی چیزیں دھندلی معلوم ہوتی ہیں، زیادہ تر اسکولوں کی تعلیم کا نتیجہ ہوتا ہے، جہاں طلبہ کو اکثر اوقات اپنی نظر قریب ہی کی چیزوں پر جمائے رکھنا ہوتی ہے، اور اس طرح بالآخر ضعف لبصر راسخ ہو جاتا ہے، ڈاکٹر کون کا یہ نظریہ تمام یورپ میں مقبول و شائع ہو گیا، چنانچہ لندن میں بھی متعدد مدارس ایسے کہوئے گئے ہیں جن میں اس قسم کے مریض چشم طلبہ کی ضروریات کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا، لیکن تازہ ترین تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ یہ مرض کچھ مدرسہ جانے والے طلبہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بعض ایسی قوموں کے چھوٹے بچوں میں بھی پایا جاتا ہے، جنہیں مدارس کی تعلیم سے کوئی واسطہ ہی

ہینن، مثلاً عرب کے اہل بادیہ ملک جرمنی، اور یہودی قوم میں یہ مرض بہت عام ہے، اب محققین کا خیال یہ ہے کہ بعض نسلوں اور قوموں سے اس مرض کو خاص تعلق ہے، چنانچہ جن قوموں میں تریکے اعزہ میں ازدواج کا زیادہ رواج ہے، ہینن میں یہ مرض بھی زیادہ شائع ہے، اگرچہ اسپین شک ہینن کے عرصہ تک قریب کی چیزوں پر نظر جمائے رکھنا اس مرض میں مبین ضرور ہوتا ہے۔

یورپ کے ایک محقق نے حال میں اسکا اندازہ کیا ہے کہ یورپ میں کس ملک کے باشندی اپنی طویل العمری کے لحاظ سے ممتاز ہیں، تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس باب میں سر دیا کا مرتبہ سب سے بڑا ہے، جہاں سو سو برس کی عمر کے باشندوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، اعداد ذیل سے معلوم ہوگا کہ ہر ملک کی آبادی کی کتنی تعداد میں ایک ایک شخص سو برس کی عمر کا پایا جاتا ہے،

سر دیا	۲۲۶۰	اشخاص میں ایک صد سالہ شخص
آئر لینڈ	۸۱۳۰	" "
اسپین	۴۳۰۰۰	" "
ناروے	۹۶۰۰۰	" "
برطانیہ	۱۷۷۰۰۰	" "
فرانس	۱۸۰۷۵۰	" "
سویڈن	۲۵۰۰۰۰	" "
جرمنی	۷۰۲۰۰۰	" "
ڈنمارک	۱۰۰۰۰۰۰	" "

پروفیسر آسبرن کی تازہ تحقیقات کے موافق ابتداء گھوڑے اور باتھی کی جسامت بہت ہی مختصر ہوتی تھی، مگر بعد کو بہت زیادہ بڑھ گئی، اسکے بعد پھر انحطاط شروع ہوا، اور انکا موجودہ قد و قامت گویا افراط و تفریط کے درمیان نقطۂ اعتدال ہے، پروفیسر موصوف کی یہی تحقیقات جسم انسانی سے متعلق بھی ہے، انکا دعویٰ ہے کہ ابتداء انسان کا قدم فٹ سے زاید نہیں ہوتا تھا اور اسکے کاسہ سر کا حجم ۵ مکعب انچ ہوتا تھا، لیکن آج سے تقریباً ڈیڑھ لاکھ سال گزرے کہ بڑھنے بڑھتے انسان دیو پیکل ہو گیا، اسی دور میں اسکا قد ۹-۱۰ فٹ تک پہنچ گیا، اور اسکے کاسہ سر کا حجم ۱۰۰ مکعب انچ ہو گیا، اسکے بعد تیسرے دور کو شروع ہوتے تقریباً ۵۰ ہزار سال گزرے ہیں، جب سے اسکے قد و قامت میں پھر انحطاط شروع ہوا ہے، چنانچہ آج جن لوگوں کو دراز قد سمجھا جاتا ہے وہ بھی ۶ فٹ سے زاید نہیں ہوتے، اور کاسہ سر کا حجم ۷ مکعب انچ ہے،

پچھلے ۳۸ سال کے اندر برٹش انڈیا میں مطالع و مطبوعات کی رفتار ترقی کا اندازہ

اصول ذیل سے ہوگا :-

سال	مطالع	اخبارات	رسائل	کتب (السنہ مغربی)	کتب (السنہ مشرقی)
۱۸۷۰ء	۷۵۱	۳۲۸	۳۲۲	۵۲۳	۴۳۲۶
۱۸۷۵ء	۱۲۶۵	۵۲۶	۳۰۲	۹۱۷	۸۴۶۱
۱۸۸۰ء	۲۱۵۳	۶۷۵	۴۶۵	۱۱۶۲	۶۷۲۲
۱۸۹۰ء	۲۷۳۶	۷۳۶	۸۲۹	۲۱۱۲	۹۹۳۲
۱۹۰۱ء	۲۷۵۱	۶۵۸	۱۹۰۲	۱۵۷۸	۱۰۰۶۳
۱۹۱۰ء	۲۷۸۰	۶۵۶	۲۲۶۸	۱۵۹۶	۹۹۸۸

۱۶۵۱	۱۶۶۲	۲۳۹۵	۶۷۳	۲۸۲۸	۱۳
۱۰۷۱۲	۱۴۷۷	۲۸۴۸	۸۲۷	۳۰۲۰	۱۴
۱۱۴۷۷	۱۶۰۲	۲۹۸۸	۸۴۷	۳۱۰۲	۱۵
۱۰۶۵۸	۱۵۴۱	۲۹۲۷	۸۵۷	۳۲۳۷	۱۶
۱۱۱۴۹	۱۹۰۹	۱۹۰۰	۸۰۵	۳۱۰۱	۱۷
۱۰۷۷۲	۱۹۱۶	۱۹۹۷	۸۳۸	۳۱۵۵	۱۸

ان اعداد سے معلوم ہوگا کہ سلسلہ رسائل کے حق میں غیر معمولی طور پر منحوس ثابت ہوا ہے اور اس خصوصیت کا اثر کیفیت اخبارات و مطالع پر بھی پڑا۔

—۴—

سلسلہ زمین تعیناتی حیثیت سے مدراس، ہندوستان کے سب صوبوں سے متنازعہ ہا کے  
۲۶۴۱۲ مطبوعات شائع ہوئے، بنگال میں ۲۶۱۲، صوبہ متحدہ میں ۲۱۴۳، بمبئی میں ۱۹۲۱،  
اور پنجاب میں ۱۶۴۶ مطبوعات شائع ہوئے،

—۵—

اخباری حیثیت سے بھی سلسلہ زمین مدراس کا نمبر اول رہا، بمبئی کا دوسرا، بنگال کا تیسرا،  
اور صوبہ متحدہ کا چوتھا، سلسلہ کے مقابلہ میں سلسلہ زمین اکثر صوبوں میں اخبارات کی تعداد کم رہی  
البتہ صوبہ مدراس میں انکی تعداد میں اضافہ ہوا۔ پنجاب میں تین کا، اور صوبہ بجات بہار اور برہما میں  
ایک ایک کا اضافہ ہوا،

—۶—

سلسلہ کے مطبوعات کو اگر مضمون و ادب تقسیم کیا جائے تو ہر عنوان کے تحت میں اعداد ذیل آئیں گے:-

۲۳۳۳	۳۳۱۲ شاعری ڈورانا	مذہب و شریعت
۸۵۸	۱۸۴۷ قصص و افسانہ	ادب و لسانیات
۴۲۰	۷۰۰ طبیات (مغربی و مشرقی)	تاریخ، سیرت، و جغرافیہ
۳۲۰	۳۳۲ ریاضیات و علم الآلات	قانون
۱۷۱	فلسفہ و متعلقات فلسفہ	

ابھین مطبوعات کو اگر زبانوں کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے تو ہر عنوان کے حصہ میں تو او ذیل کی

۵۷۴	۲۶۴۶ آریا (اڑیہ)	انگریزی
۴۲۳	۱۸۳۳ سنسکرت	ہندی
۲۰۶	۱۸۳۱ سندھی	بنگالی
۱۰۸	۱۲۴۶ ملایالم (مدراس)	اردو
۱۰۰	۱۱۸۲ برہمی	تامل (مدراس)
۹۶	۱۰۶۳ کنناڑی (دکن)	گجراتی
۶۶	۷۸۶ عربی	ٹیلیگو (مدراس)
۶۵	۷۴۸ آسامی	مرہٹی
۴۰	۵۵۰ فارسی	پنجابی

کلکتہ یونیورسٹی کو سر راجہ بھاری گہوش کے گرانقدر عطیہ کے علاوہ جبکا ذکر شذرات میں



آچکا ہے، ایک دوسرا عطیہ حال ہی میں ایک دوسرے ہندو بزرگ سے ساڑھے چار لاکھ کا موصول ہوا ہے،

جنوری کے دوسرے ہفتہ میں انڈین ہٹاریکل ریکارڈز کمیشن کا دوسرا اجلاس پنجاب یونیورسٹی کے ہال میں منعقد ہوا، اور دو روز تک جاری رہا، مسٹر شارپ، سکریٹری صیغہ تعلیمات حکومت ہند صدر نشین تھے، اور حاضرین میں لفٹنٹ گورنر پنجاب، اور کلکتہ، الہ آباد و لاہور کے بعض علماء، تاجی بھی موجود تھے، ہزاروں و صدر مجلس کی تقریروں کے بعد مشہور مورخ پروفیسر جادوناتھ سرکار نے اپنا کچر پڑھا، جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ ۱۸۵۷ء سے ۱۸۵۸ء تک سلطنتِ مغلیہ کی تاسیخ کے لئے پورا اور مستند مواد ہمیں ملتا، دوسرا کچر مسٹر ظفر حسن کا ہوا جس میں اورنگ زیب کے خطوط موسومہ شاہ ایران پر جو حال میں دستیاب ہوئے ہیں، بحث تھی، اس کے بعد حاضرین تاریخی خانقاہ میں گئے جہاں بعض نادور فرامین، رکاتیب و تصاویر کا ذخیرہ فراہم تھا جس میں ڈیوک آف ولنگٹن، لارڈ ڈھوزی، راجہ رام موہن رائے، دیشنب چندر سین کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خطوط اور بہادر شاہ کا تلی مجموعہ اشعار خاص طور پر قابل ذکر ہیں، دوسرے روز کمیشن کے اجلاس میں قدیم کاغذات اور مواد تاریخی کے تحفظ پر سرگرم مباحثہ رہا، اور پنڈٹ دیاکرشن کول اور سٹراڈول نے انہیں عزائمات پر کچر دیئے۔

کیمرن یونیورسٹی کی جانب سے تاجی عصر جدید (ماڈرن ہٹری) اور تاجی قرون وسطی (مڈیل ہٹری) کا سلسلہ مدت ہوئی شائع ہو چکا ہے، اب یونیورسٹی مذکور اسی وسیع پیمانہ پر تاجی عصر قدیم شائع کر رہی ہے اس سلسلہ میں بڑی قطع پر آٹھ ضخیم جلدات ہونگے، اور مورخین کی ایک جماعت اس کام کو انجام دے رہی ہیں، جسکی افسری اور عام ترتیب انگریزی کے فرائض تین مشہور ماہرین فن تاجی کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کتاب میں مصر، بابل، اسیریا، ایران، یونان دروہ کی ابتدائی تاریخ سے لیکر ۱۸۴۳ء تک بحث ہوگی۔

————— ۳۰:۳۰:۶۰ —————

کسی پچھلے معارف میں یہ خبر درج ہو چکی ہے کہ سر چارلس لایل، عمر بن قتیہ کے دیوان کی ترتیب و انگریزی ترجمہ میں مصروف ہیں، آخر دسمبر میں دیوان مذکور کی میرج یونیورسٹی پریس کی جانب سے شائع ہو گیا ہے، یہ شاعر قبیلہ بکر بن وائل کی شاخ قیس بن ثعلبہ کا ایک رکن تھا، اور اس کا زمانہ بقول سر چارلس اوائل اسلام کا زمانہ تھا، دیوان کی قیمت ۲۱ شلنگ ہے،

————— ۳۰:۳۰:۶۰ —————

حسب اعلان سابق اندین سائنس کانگریس کا سالانہ اجلاس وسط جنوری میں بمقام ناگپور منعقد ہوا، شرکا کی تعداد معقول تھی، مشہور ماہر کیمیا سر پی ای، رائے کا خطبہ صدارت مبسوط و مدلل تھا مگر علمی و فطری مباحث سے بالکل خالی تھا، البتہ صنعت و حرفت و تعلیمات وغیرہ کے علمی مسائل حاضرہ پر پُر قوت تبصرہ تھا، ابتدائی نشست کے بعد کانگریس متعدد شعبوں میں تقسیم ہو گئی اور ہر شعبہ دار اجلاس میں شعبہ متعلقہ کی کاروائی ہوتی رہی، مضامین جو پڑھے گئے اور جن پر بحث رہی انکی مجموعی تعداد تلوے تہا و تھی، مہمات مضامین کی تقسیم ہر شعبہ میں حسب ذیل رہی،

۱۹ مضامین

شعبہ طب

۱۴ "

شعبہ حیوانیات

۱۳ "

شعبہ طبعیات و ریاضیات

۱۱ "

شعبہ نباتات

۸ "

شعبہ ارضیات

۱۹ "

شعبہ کیمیا

# اَنَا عَلِيٌّ حَبِيبِي

## نامہ سرسید

اس آخری دور میں مولانا عنایت رسول مرحوم چریا کوٹی اپنے فضل و کمال کے لحاظ سے علماء و متقدمین کے ایک نمونہ تھے، سرسید مرحوم آپکا بہت احترام کرتے تھے تو راۃ و انجیل پر جب کچھ لکھتے تھے تو اس کے متعلق ہمیشہ مولانا مرحوم سے مولات حاصل کیا کرتے تھے یہ خط اس واقعہ کا ثبوت ہے،

علی گڑھ

۱۸ جون ۱۸۹۵ء

جناب مولانا مخدوم مکرم من مولوی عنایت رسول صاحب

آپکا عنایت نامہ پہنچا جس میں کتاب بشری کی نقل روح کے بارہ میں ہے اور اس کے اوپر لفظ تتمہ لکھا ہوا ہے، میرے پاس آپکے بھیجے ہوئے صرف دو کاغذ پہنچے، ایک تو وہ ہے کہ جہین آپ نے نسبت اعجاز قرآن کے بہت لمبا مضمون لکھا ہے، اور مولوی محمد علی کی تحریر پر کچھ ترمیم کی ہے، اور دوسرا یہ حال کا عنایت نامہ ہے، روح کے معاملہ میں جس پر لفظ تتمہ درج ہو اس کے سواے کوئی کاغذ آپکا مرسلہ میرے پاس نہیں پہنچا، حال میں جو عنایت نامہ آیا ہو اور جس کے مضمون پر تتمہ لکھا ہوا ہے اس سے لگان ہوتا ہے کہ اس سے پہلے آپ نے اور بھی کوئی کاغذ بھیجا تھا جس کا یہ تتمہ ہے، مگر وہ کاغذ میرے پاس نہیں پہنچا، اگر وہ کاغذ ضائع ہو گیا ہو تو نہایت ہی افسوس ہے امید کہ آپ مطلع فرمائیے کہ سوائے اُن دو کاغذوں کے اور کوئی کاغذ آپ نے بھیجا تھا یا نہیں۔

بارش شروع ہو گئی ہے اس موسم میں آپکا ارادہ بیان تشریف لانیکا ہو یا نہیں اگر ہو تو مجھ کو اطلاع فرمادیں تاکہ میں ایک ملازم آپ پاس بھیج دوں تاکہ وہ آپکو ساتھ لیکر یہاں آجاوے،  
شاہکار  
سید ناصر

# اشیاء

## رہِ زندگی

از جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب

دلِ من روشن از سوزِ دردِ دل است      جهانِ بین چشمِ من از اشکِ خون است  
ز رہِ زندگی بیگانه تر باد      کسے کو عشقِ راگوید جنون است

## یا شبلی

اے وہ کہ صحیفۂ ادب میں      اک آیتِ شانِ دلبری ہے  
تحریر کی کائنات میں تو      شایانِ شکوہ و ادوی ہے  
ہر ہر ورقِ کتابِ تیرا      اک آئیہ سکندری ہے  
تیری ہر نشتر کی کشش میں      ہنگامہِ سحرِ مری ہے  
تیرے ہر شعر کا سہرا پا      اک معجزہِ ہمیبِ مری ہے  
نیرنگیِ حسن کی جہلک سے      حرفِ من فروغِ ساغری ہے  
ہر بستکہ خیالِ تیرا      سرمایہٴ رشکِ آذری ہے  
تیری تخیل کی تجلی      حرفِ رہِ شعلہ گستری ہے

معمور اثر ترا سخن تھا

لبریز مذاقِ انجمن تھا

تہا ملکِ غلط نگار مغرب      حرفِ ذوقِ سیاہ کاری  
ناموسِ شریعتِ ادب تھا      جو لائنگا غلط نگاری

اسلام پہ نکتہ چینان بہتین      سنا سچ کی کائنات ساری  
تیری تحقیق نے کیا ہے      افتائے رموز فتنہ کاری  
ٹوٹی ترے کلک پر وہ در ہے      حرف باطل کی سحر کاری  
خونابہ دولت کی ہے تو نے      کشتِ ملت کی آبیاری  
اخلاص نہا ترے آندون میں      ندوہ ہے مالِ شکباری  
معمورہ علم و فن میں اتناک      اردو تھی رہیں شہر ساری  
لیکن ترے ذوق جستجو نے      کی حسنِ رتم کی شعلہ باری  
تصفیف کے ہر چہن سرا میں      ہے تجھے طراوت بہاری

تو شام سیاہ کی سحر تما

شرع تو کا پیامبر تما

سجاد انصاری نالہ خان لکھنؤ

### غزل فارسی

تہانہ لب زلفہ مستانہ اش پرست      از من ہر نچہ بہت ز افسانہ اش پرست  
ہر جا کہ بنگریم عیانتِ روے دوست      عالم ہمہ ز جلوہ جانانہ اش پرست  
خوش ساتی کہ صدرہ از آئینِ کبر و ناز      جام و سپو شکستہ و میخانہ اش پرست  
نازم بانِ نگاہ کہ از کیفِ مستیش      سرشار گشت محفلِ دہیانہ اش پرست  
یک صوتِ سرمدیت کہ ہر ذرہ وجود      سر تا پا زلفہ مستانہ اش پرست  
واعظِ تولی و کعبہ و صد جلوہ ہای دوست      اما گو کہ دیر ز بیگانہ اش پرست  
نیز دی عشق بین کہ درین دہر بے ثبات      نیز گم است در ہم ز افسانہ اش پرست

ابوالحسن ندوی لکھنؤ

## مطبوعات عالیہ دہلی

مذہب و عقلیات ، مولانا عبد الباقی صاحب ندوی پرنسپل احمد اباد کالج دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مایہ ناز فرزندون میں ہیں ، دارالعلوم کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ یہاں سے ایسے علماء پیدا ہوں جو مشرقی و مغربی علوم و فنون کے جامع ہوں ، مولانا موصوف کی ذات دارالعلوم کی کامیابی کا حجم نمونہ ہے ، آپ نے گزشتہ اجلاس آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس منقہ سورت کے موقع پر ایک فاضلانہ علمی خطبہ دیا تھا ، موضوع بحث یہ تھا کہ مذہب و عقلیات بالکل دو جدا گانہ چیز ہیں ان میں کسی طرح کشمکش و آویزش ہو ہی نہیں سکتی اور آج تک معرکہ مذہب و سائنس پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ انسانی فہم کی غلط کاریوں کا تعجب انگیز نمونہ ہے ، چنانچہ مولانا ایک موقع پر فرماتے ہیں ،

مذہب و سائنس کے بے تعلقی کو پوری طرح سمجھنے کے لئے پہلے اسکے باہمی فرق اور بحقیقت کو چھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے ، ریل کی دو گاڑیاں ٹکرا سکتی ہیں اور عکراتی ہیں ، لیکن ریل گاڑی اور جہاز میں تصادم ناممکن ہے ، اسلئے کہ ریل سمندر میں چل ہی نہیں سکتی ہے اور نہ جہاز خشکی پر ، بعینہ یہی حال سائنس اور مذہب کا ہے ، سائنس کا مذہب کی حد میں داخل ہونا اس سے زیادہ محال ہے جتنا ریل کا پانی یا جہاز کا خشکی پر چلنا ہے ، مذہب جہان سے شروع ہوتا ہے ، سائنس کی رسائی و بان ختم ہو جاتی ہے ، سائنس کا جو مہنتا ہے پرواز ہے مذہب کا وہ نقطہ آغاز ہے ، سائنس کی بحث و تحقیق کا تعلق ماحضرت (نچر) کے واقعات ، مشاہدات اور تجربات سے ہے ، مذہب کی بنیاد کسرفوق الفطرت اور تجربہ و

شاہدہ کی دسترس سے مادرِ امیرِ دون پر ہے، مثلاً خدا، روح، حشر و نشر وغیرہ۔“

پوری تقریر علیحدہ رسالہ کی صورت میں شائع کی گئی ہے، یہ موضوع اپنی جدت اور خطیب کے دعاوی اپنے حکم دلائل کے لحاظ سے حامیانِ مذہب اور اربابِ سائنس دونوں کی توجہ کے مستحق ہیں۔ ایک بات خاص طور سے قابلِ عرض ہے کہ فاضلِ خطیب نے علمِ کلام کو ایک زیانکار ایجاد کے نام سے یاد کیا ہے اور انکی رائے میں اسکا تمام دفتر بے معنی جلادینے جانے کے قابل ہے وہ متکلمین کو مذہب کے ناوان دوست اور انکو کشتی و گردن زدنی قرار دیتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی رائے میں فنِ کلام کی کوئی حقیقت نہیں اور متکلم ایک غلط وصف ہے، اگر یہ صحیح ہے تو وہ اپنی اس رائے کی نسبت کیا فیصلہ کرینگے کہ ”علامہ شبلی رحمہ اللہ ایک متکلم مورخ تھے“ پورا خلیہ ہر طرح مرتب، سلسل اور پرزور ہے، طرزِ بیان نہایت صاف اور سہل ہوا ہے، ہر شخص باسانی متکلم کا مفہوم سمجھ سکتا ہے، البتہ شانِ خطابت جسکا نام ہے وہ کم ہے، صفحہ ۲۴، لکھائی چھپائی عمدہ، صدر و دفتر کا نفرنس علیگڑھ سے طلب کیے۔

سلسلہ منتخباتِ نظم اردو، عمدہ اور منتخب ادبیات کی اشاعت ترقی زبان کا بہترین ذریعہ ہے، اب تک اردو میں کوئی ایسا مرتب سلسلہ موجود نہ تھا جس میں ہر موضوع کی عمدہ اور منتخب نظمیں جمع کی گئی ہوں، یہی خواہانِ اردو کو جناب محمد الیاس برنی کامنوں ہونا چاہیے جنھوں نے سب سے پہلے اس ضرورت کو محسوس کیا، اس سلسلہ کے تین حصے ہیں جس میں تمام اصنافِ سخن کو احاطہ کرینگے کوشش کی گئی ہے، مناظرِ قدرتِ جبین اوقات، مقامات اور واقعات پر مشتمل نظمیں ہیں، معارفِ ملتِ جبین حمد و ثناء، مناجات اور اخلاقی و قومی نظمیں جمع کی گئی ہیں جذباتِ فطرت، جو بقول جناب مرتب مرزا غالب کے اس شعر کی تعبیر ہے،

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا  
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

عام طور پر ترتیب اچھی ہے، انتخاب بھی براہین، یہ ضرور ہے کہ ابھی اس سلسلہ میں مزید کاوش و محنت اور تلاش و جستجو کی ضرورت ہے، ہمارے خیال میں ایک بات کی سخت ضرورت تھی وہ یہ کہ قدما کے کلام میں محبت سے ایسے الفاظ آتے ہیں جو فصحا کے نزدیک متروک ہیں مگر بعض اطراف ہند میں وہ اب تک زبان زد خاص و عام ہیں، ایسے لفظوں پر نوٹ دیکر حاشیہ میں اسکی تشریح کر دینا چاہیے تاکہ زبان آموز غلطی میں نہ پڑیں، زبان کی صفائی اور اس کے معیار و ضوابط کو بلند تر کرنے کے لئے اسکی سخت ضرورت ہے، ایک امر اور بھی ہے وہ یہ کہ بعض نو مشق شعرا کے ہاں بعض الفاظ غلط استعمال ہو گئے ہیں، شاعر سے خط و کتابت کر کے یا نوٹ دیکر اسکی تصحیح کر دینا چاہیے تھی، مثلاً جناب نظم گیلانی کی نظم جام شہادت میں ترس جو برس کا ہوزن ہے، ترس (بکون را) استعمال کیا گیا ہے، لکھا کی چپالی عمدہ، کاغذ سفید، ہر حصہ کے صفحہ ۱۵ تقطیع چوٹی قیمت ہر حصہ کی پھر، جناب مولف یا جناب مقتدی خاں صاحب شردانی، علیگڑھ سے طلب کیجئے۔

موودہ، مصنفہ جناب مولوی راشد الخیری صاحب دہلوی، صفحہ ۵۶ کاغذ سفید، لکھا کی چپالی عمدہ، قیمت ۸ رطلے کا پتہ: بنبر کارخانہ صوفی آبجیات پٹی بہاؤ الدین ضلع گجرات۔

افسانہ نگاری کے لئے مولوی صاحب موصوف کا قلم ممتاز حیثیت رکھتا ہے، آپ کے نام کے بعد مزید تعارف کی ضرورت نہیں، یہ کتاب ایک معاشرتی افسانہ پر مشتمل ہے جس میں اس رسم و رواج کے نتائج دکھائے گئے ہیں کہ بعض ناختم اشخاص دولت و جاہداد کی تقسیم کے خوف سے لڑکیوں کی ہستی کو نفرت انگیز نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انکو محروم الارث کرنیکی تدبیریں اختیار کرتے ہیں، حالانکہ شریعت اسلام نے اس جاہلانہ رسم کی بیچ کنی کر دی تھی اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ عدل و انصاف کی بہترین تعلیم دی تھی، کتاب بہت دلچسپ اور قابلِ دید ہے،



جلد پنجم      ماہِ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ مطابق مارچ ۱۹۶۷ء      عدد سوم

### مضامین

۱۶۷ - ۱۶۲	شذرات
۱۸۵ - ۱۶۸	مسئلہ خلافت
۱۹۳ - ۱۸۶	عیسائی مذہب کی تمدنی ناکامیاں، مولانا عبد السلام ندوی
۲۰۹ - ۱۹۴	کیمبرج یونیورسٹی
۲۱۹ - ۲۱۰	طریقین الدین انصاری
۲۲۴ - ۲۲۰	نفسیات طبیہ
۲۲۹ - ۲۲۵	اخبار علمیہ
۲۳۳ - ۲۳۰	یوسف وزلیہا
۲۳۷ - ۲۳۴	ادبیات
۲۴۰ - ۲۳۸	تقریظ و انتقاد
	مطبوعات جدیدہ

### جدید مطبوعات

روح الاجتماع، یعنی ڈاکٹر لی بان کی کتاب ”جامعۃ انسان کے اصول نفسیہ“ کا

ترجمہ، از مولانا محمد یونس انصاری، فرنگی محل، قیمت ۵۰/-

”مینجر“

## شَدْر

مشرق کے غرور و مفاخرت کا آخری بلاد مادی جاپان ہے، ایشیا کے وسیع براعظم میں جب کبھی کسی قوم کو مغرب کے مقابلہ میں مشرق کی زندگی کا ثبوت دینا ہوتا ہے تو ہمیشہ جاپان کی مثال دیا جاتی ہے، خود ہندوستان میں یورپ کے ادعائے فضیلت و نفوق کے ہر حملہ کو جاپان ہی کے سپرے روکا جاتا ہے اور ہر ایسے موقع پر ہماری زبانوں پر مباحثہ ارض مشرق کی اسی خوش قسمت قوم کا نام آ جاتا ہے، لیکن آخر جاپان بھی اسی مشرق کا ایک ٹکڑا ہے، اور اگر وہ ہم سب سے آگے بڑھ گیا، تو ہر حال اسکے کچھ اسباب بھی ہونگے، اسباب کے استقصاء اور ان پر تفصیلی گفتگو کا یہ محل نہیں، یہاں صرف ایک سبب کی جانب سرسری اشارہ کرنا ہے،

امریکہ کے ایک فاضل ڈاکٹر سنڈر لینڈ ہین، جنھوں نے مدت دراز تک جاپان میں قیام کر کے چند سال ہوئے وہاں کے حالات پر متحدہ لکچر دیئے تھے، اور اب وہ مجموعہ ایک کتابی صورت میں ترقی پذیر جاپان کے عنوان سے انگریزی میں شائع ہوا ہے، اس میں ایک موقع پر وہ جاپانیوں کے خصائل کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

یہاں لوگوں کا شوق مطالعہ اخبارات و رسائل تک محدود نہیں، بلکہ یہ لوگ کتابوں کے بھی بڑے شائق ہوتے ہیں، اور کتابیں بھی کیسی؟ محض ناول و افسانہ نہیں بلکہ سفید

دبا و تخت تصانیف، برسن، فریج، اطالوی، روسی، اور انگریزی، زبانوں کی بہترین تصانیف کے تراجم جس کثرت سے جاپانی زبان میں موجود ہیں، انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے ہر دارالمطالعہ اور ہر پبلک لکچرانہ میں اس قسم کا بہت کافی ذخیرہ موجود رہتا ہے، پھر اسبقہ حیرت انگیز ان مستقل تصانیف کا بھی شمار ہے جو خود جاپانی مصنفین کے قلم سے ہر علم و فن سے متعلق برابر نکلتی رہتی ہیں۔“

سننے ہیں کہ کسی زمانہ میں مسلمانوں میں بھی شوق مطالعہ عام نہ تھا، اور ابن رشد، وابن سینا، رازی و فارابی، اسی قوم میں پیدا ہوئے تھے، جن کا علمی انہماک، جن کا ذوق کتب بینی، اور جن کا شوق مطالعہ آج تک ضرب المثل ہے، لیکن موجودہ مسلمانوں کو اس طرف متوجہ ہونے کی مطلق ضرورت نہیں، ان کے فخر و مباہات اور جذبہ خود پسندی کی تسکین کے لئے یہ کافی ہے کہ ان کے بعض نامور اسلاف اس فرض کفایہ کو ادا کر کے آئندہ نسلوں کو اس بار سے ہمیشہ کے لئے سبکدوش کر گئے ہیں، دنیا میں نالائق اخلاف اپنی بے کمالی کے داعی کو ہمیشہ اپنے بلند پایہ اسلاف کے کمالات کے دامن میں چپاتے رہتے ہیں، مسلمان اس کلیۃ سے کیوں مستثنیٰ ہونے لگے؟

جہالت جب تک محض جہالت ہے، قابل علاج ہے، لیکن جب یہ جہل مرکب کی صورت اختیار کر لیتی ہے، یعنی انسان کو اپنی جہالت کا بھی احساس نہیں رہ جاتا، اس وقت یہ مرض تقریباً لاعلاج ہو جاتا ہے، معارف کے پچھلے نبردن میں قوم کی واقفیت و اطلاع کے لئے زندہ معاصر و ہمسایہ اقوام کے جو کارنامے پیش ہوتے رہے ہیں، انکی بابت بعض بزرگان قوم کا جنگی ہمدردی و خلوص نیت تبرسم کے شک و اشتباہ سے بالاتر ہے، ارشاد ہے کہ ایسی چیز دن کی اشاعت سے قوم کے قواسم حیات میں ضعف و اضمحلال پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے، ممکن ہے کہ قوم کے بیشتر

حصہ کی بھی یہی رائے ہو، لیکن ان بزرگانِ قوم کی خدمت میں بہ ادب و واجب عرض کر کے اسلاف پرستی، نفسی، و خود ستائی کی داستان کو دہراتے ہوئے اب تو ایک قرن سے زائد ہو چکا، اور آج بھی ایوانِ قومیت کے ہر در و دیوار سے اسی کی صداے بازگشت آرہی ہے، لیکن اب تک قوم کے قوائے عمل میں کچھ بھی تحریک پیدا ہوئی ہے؟ علامہ شبلی مرحوم سے بڑھ کر مسلمانوں کی عظمت کمین کا افسانہ گواہ دور میں اور کون ہوا ہے، لیکن سا لہا سال کے تجربہ کے بعد انہیں بھی اپنی رائے میں ترمیم کرنا پڑی، چنانچہ اللہ وہ کی آخری جلدوں میں قدم قدم پر حسرت و یاس کے جلوے نظر آتے ہیں، اصل یہ ہے کہ خوشامد پسندی، افراد کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اقوام کے حق میں مضر بلکہ مملکت ہے، اسی نے آج قوم کو اس قدر ذکی الحس بنا رکھا ہے کہ اپنے متعلق نکتہ چینی کی برداشت تو کیا، اپنے ذکی الحس ہونے کا ذکر بھی نہیں سن سکتی، مرزا نے اسی موقع کے لئے کہا ہے۔

شکوہ کے نام سے ہمیں رنخا ہوتا ہے

یہ بھی مست کہہ کہ جو کہیے تو گلا جوتا ہے

مغرب کی علمی فیاضیوں اور تعلیمی زرباشیوں کا ذکر کرتے کرتے ہم آگے آگے، لیکن خود مغرب ان چیزوں سے نہیں آگے آتا، اس سلسلہ میں تازہ ترین خبر امریکہ سے یہ آئی ہے کہ مشہور ارب پتی راک فیلر نے امریکہ کے ایجوکیشن بورڈ (مجلس تعلیم) کو ڈیڑھ کروڑ پونڈ (۲۲ کروڑ روپیہ) کا عطیہ دیا ہے! اخبارات کا بیان ہے کہ راک فیلر کے عطایا کی مجموعی میزان ۱۰ کروڑ ۳۰ لاکھ پونڈ (ایک ارب ۱۴۴ کروڑ روپیہ) تک پہنچ چکی ہے،

عباسیہ و تیموریہ کے ہم مذہبوں کو اگر استخوانِ فردشی سے فرصت ہو تو کبھی کبھی ان واقعات حاضرہ پر بھی نظر کر لیا کریں،

فرینچ اکاڈمی (پیرس) نے حال میں اعلان کیا ہے کہ جو شخص اس سال میں کسی دوسرے سیارہ کے باشندوں سے نامہ و پیام کا طریقہ دریافت کر دے، اسے ایک لاکھ فرینک (فرانس کا ایک سکہ) انعام ملیگا، اہل فرانس کی ہمت و فکر کی یہ بلند پروازی و آسمان پیمائی بے شبہہ قابلِ داد و تحسین لیکن اگر یہی رقم روسے زمین پر امن و سکون قائم رکھنے کی کوشش میں صرف کیجاتی تو تمام دنیا اور یورپ کے خن میں اس سے کہیں زیادہ مفید ہوتا۔

یورپ کی ہمت و قوت اختراع کے امتحان کا اصلی وقت وہ ہوگا، جب کرہ ارض اور اس نو دریافت سیارہ کے باشندوں کے درمیان سلسلہ جنگ پھڑکیگا، اور آسمان و زمین کی درمیانی فضا، عرش نشین و خاک نشین فریقین کی آتشباریوں اور جہانسونیوں کی تماشگاہ بنی ہوگی! حیرت، اور حیرت سے زیادہ عبرت کا مقام ہے کہ جن دماغوں کی پرواز فکر کے لئے فضا کے ارض ناکافی ہے، اور جنگی بلندہمتی کا جوش متغف فضا سے نکل رہا ہے، وہ اتنی بات پر قادر نہیں کہ روسے زمین پر نہی، یورپ ہی میں، یورپ بھر میں نہ ہی، اسکی کسی ایک سلطنت میں، سلطنت بھر میں نہ ہی، اسکی کسی بڑے صوبہ میں، امن و سکون کی حکومت قائم رکھ سکے، گلستان کا ترجمہ یورپ کی متعدد زبانوں میں ہو چکا ہے۔ کیا اب تک محقق شیراز کا یہ مشہور شعر فرینچ اکاڈمی کے فاضل ارکان کی نظر سے نہیں گزرا؟

تو کا رہ زمین را کو ساختی

کہ با آسمان نیز پرداختی

اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ امریکہ میں نہایت عظیم الشان پیمانہ پر لاکھوں بلکہ

کردار و دن روپیہ کے تخمینہ مصارف کے ساتھ ایک انجنیئر انسداد سے نوشی قائم ہوئی ہے جس نے اپنی عملی زندگی کا یہ نصیب لین رکھا ہے کہ دنیا میں شراب کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہنے پائے، مغرب کی زیر پرستی کو دیکھتے ہوئے یہ باور کرنا تو محال ہے کہ اس سے شراب کی تجارت قطعاً مسدود ہو جائیگی، تاہم اس مقصد میں جس حد تک بھی کامیابی ہو، امریکہ کا یہ عزم و دلولہ بہر صورت قابلِ ادا و مستحقِ تائید ہے لیکن غور کرو کہ امریکہ کا مذہب یہی ہے، جسکے ہاں سے نوشی حرام نہیں، اقتصادِ حیثیت سے دیکھو تو امریکہ کے لاکھوں افراد کا ذریعہ معاش اسی کا رو بار ہے، تمدنی حیثیت سے نظر کرو تو مغربی تہذیب و معاشرت کا آب و رنگ تمام تر یہی بنتِ الخشب ہے، اخلاقی پہلو کو لو، تو مغرب کے نظامِ اخلاق میں بادِ نوشی کوئی معمولی معصیت بھی نہیں، غرض امریکہ کو انسدادِ میکشی پر توجہ ہونے کی نہ ہی، اخلاقی، تمدنی، اقتصادِ کسی وجہ سے کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی، با این ہہ وہ کمالِ اہتمام و حوصلہ مندی اسپر کمر بستہ ہوتا ہے، سوال یہ ہے کہ اسکے مقابلہ میں اس قوم کا طرزِ عمل کیا ہے جسکی الہامی کتاب میں اسے ”عل الشیطان“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور جسکے ائمہ شریعت نے اسے ”ام الخبائث“ کا لقب دیا ہے؟

برٹش انڈیا کے مسلمان ہی نہیں، بلکہ اسلامی ریاستوں، رامپور، بھوپال، وحید آباد، اور اس سے بڑھکر اسلامی ممالک، ترکی، مصر، عراق، ایران، شام، عرب، اور سب سے بڑھکر خاص ارضِ حرم کے مدعیانِ حمایتِ اسلام، صداقت و دیانت کے ساتھ اسکا جواب دیں!

سیلون کے ایک مایہ ناز فرزند، ڈاکٹر اسے، کے، کمار سوامی، جو یورپ میں اعلیٰ ترین تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدتِ بولی کہ وہیں متوطن ہو گئے، کچھ عرصہ سے بوسٹن (امریکہ) کے دارالعباد فنون لطیفہ کے مشبہ متعلق بہ ہندوستان کے مہتمم ہیں، اور یورپ و امریکہ میں مشرقی علوم و فنون کے ایک متجرب و مستند عالم تسلیم کئے جاتے ہیں، حال میں انھوں نے امریکہ کے مشہور ترین دارالعلوم ہارورڈ یونیورسٹی

کے سامنے یونیورسٹی مذکور کی دعوت پر ہندوستانی علوم و فنون سے متعلق متعدد لکچر دیئے، ان لکچروں کا سلسلہ ۱۹-نمبر سے لیکر آخر فروری تک جاری رہا، اور عنوانات ذیل پر انھوں نے لکچر دیئے،

(۱) رگ وید، آپنشد، دیدانت، اور یوگ

(۲) بودھ مذہب اور چین مذہب،

(۳) دشنواور شیو کی مذہبی حیثیت،

(۴) ڈراما، موسیقی، رقاصی، اور منظومات رزمیہ،

(۵) صناعی اور ذات، صناعتوں کا اصل مرتبہ،

(۶) بودھوں کا فن سنگ تراشی،

(۷) برہمنوں کا فن سنگ تراشی،

(۸) بودھوں اور جینیوں کا فن نقاشی،

(۹) راجپوتوں اور منلوں کا فن نقاشی،

(۱۰) فن تعمیر



# مقالات

## مسئلہ خلافت

۲

### قرآن مجید و احادیث نبوی کی تصریحات

(۲)

(۲) صحاح کی صحیح و محفوظ روایتیں اقاموا الدین یا ما حکموا وغیرہ الفاظ کے ساتھ مشروط ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک قریش میں خلافت کی اہلیت و صلاحیت باقی رہے گی وہاں پر قابض رہینگے جیسا کہ علامہ ابن حجر اسکی تائید میں لکھتے ہیں۔

قلت لا یزیم من عدم انکارہم صحۃ انکارہا  
میں تباہوں کو کوئے کوئی حضرت عمارؓ کے بیان کا قول علیہ السلام

لہ اس حدیث کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت عمارؓ یہ قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کسی نے بیان کیا کہ علیہ السلام بن عمروؓ سے بیان کرتے ہیں کہ آئندہ زمانہ میں خلافت قریش سے لڑا کر فتح طائی کے ہاتھ میں چلی جائیگی۔ یہ منکر حضرت عمارؓ یہ غضبناک ہوئے اور کہا۔

فانہ یبغی ان رجلا منکم یحدا ثون احادیث لیست فی  
مجھے معلوم ہوا ہے کہ کوئی ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جو نہ تو

کتاب اللہ ولا تورۃ عن رسول اللہ صلعم واولئک  
قرآن مجید میں ہرگز نہ احادیث نبوی میں یہ لوگ ہل ہیں تم

جھا لکھو یا لکھو لا مافی النبی فضل لھما فانی سمعت  
ان خیالات کے بوجہ لوگ گمراہ ہوتے ہیں میں نے رسول اللہ

رسول اللہ صلعم یقول ان هذا الامر فی قریش لا ینالہم  
صلعم کو فرماتے ہوئے سنا۔ امارت قریش میں ہوگی جو اس بارہ میں گھٹ

حد لا یتسلا علیہم ما قاموا الدین ریح بخاری  
خدا کے ذیل کر لگا جب تک قریش دین کو قائم رکھیں۔

تمام لوگ حضرت عمارؓ کی تقریر کو چپے کر کسی نے اپنا اعتراض نہیں کیا جس سے یہ خیال بڑھ کر شاید تمام لوگ حضرت عمارؓ کی اس روایت متفق تھے علامہ ابن حجر نے اس عبارت میں شیخ شہرکوصاف اور اصل حقیقت کو واضح کیا ہے اور یہ کہ ابن ابی نعین کے قول سے اپنی تائید حاصل کی ہے



معاویہؓ ما ذکر لا عبد اللہ بن عمر وفقد  
قال ابن التین الذی انکر معاویہ  
فی حدیثہ ما یقولہ لقولہ ما اقاموا  
الدین فربما کان فیہم من لا یمیز  
فیسلط القحطانی علیہ وهو کلام مستقیم  
(خلافت غیر قریش) کی صحت میں ثابت ہو سکتی۔ ابن التین نے  
کہا کہ معاویہؓ نے جسکا انکار کیا اسکو اصل حدیث کا آخری  
مکڑہ رہا تاہم الدین ثابت کر رہا ہے کیونکہ اس حدیث سے  
معلوم ہوتا ہے کہ نبی قریش میں ایسے خلفائے نیک و نیکو  
قائم نہیں ہوئے تھے بلکہ یہی تھا کہ قریش اسطرح ہی تھا کہ  
انہی کی نعت (خلافت) چھین چلی اور یہ بالکل صحیح ہے۔

۱۲۳) الامم من قریش کے لفظ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی جو روایت بیان کی جاتی ہے وہ روایت  
مقطع ہے چنانچہ ابن حجر کہتے ہیں۔

سنة حضرت ابو بکرؓ کی یہ روایت صحیحین میں نہیں سند احمد بن حنبل میں ہے، لیکن اگر اسکو صحیح تسلیم کیا جائے تو سخت تعجب ہے کہ  
تقیہ بنی ساعدہؓ نے اس سے کیوں استدلال نہیں کیا۔ وہ ان جس امر پر اختلاف رنغ ہوا وہ قریشیت نہیں بلکہ سوط  
ابو بکرؓ کی فضیلت تھی۔ سند احمد کی مرویات ابی بکر صدیقؓ میں ایک روایت آپؓ کی ہے جسکے الفاظ یہ ہیں۔

قریش ولا تہذا الامر فہذا الناس تبع لہم۔  
وفاجرہم تبع لفاجرہم  
قریش امارت کی والی ہیں آپؓ لوگ انکے اچھوں کے  
مناج ہیں اور برے لوگ انکے بدوں کے۔

اس روایت کا اصل بھی بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ ابن قریش کی قدیم ریاست و سلطنت کا تذکرہ مقصود ہے مگر یہ طبعی امر و حکم کے  
معنی میں نہیں لیا جاسکتا۔ اور حقیقت واقعہ بھی یہی معلوم ہوتا ہے نتیجہ کنز العمال میں اسی طرح لکھا درود ایت ہے جسکو حکم و بقول نے بھی لیا  
عن علیؓ کان هذا الامر فی حمید و فتنہ اللہ  
منہم وجعلہ فی قریش و سيعود الیہم۔  
امارت حمید میں تھی اللہ تعالیٰ نے ان سے چھین کر قریش کو  
دیا اور پھر غریب انہیں لوٹ جایا۔

کیا اس سے محض بیان واقعہ کے سوا اور کچھ بھی قصہ ہو سکتا ہے؟ یہی حال الامم من قریش کا بھی ہے اسناد نہایت زیادہ کچھ نہیں لکھا اعلیٰ اہل  
لہ برضا شیخہ سند احمد بن حنبل جلد دوم طبع مصر

ومن حدیث ابی بکر الصدیق بلفظ الاکثمة  
 من قریش، رجالہ رجال الصیحة ولكن  
 فی سندہ انقطاع  
 الاکثمة من قریش کے لفظ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق  
 جو روایت ہے، اگرچہ اسکے رجال، رجال صحیح نظر کرتے  
 ہیں لیکن اسکی سند میں انقطاع ہے۔

اصل یہ ہے کہ خلافت کے لیے محض قریشی ہونا کوئی چیز نہیں۔ اصلی سوال دوسرے لوازم و ضروریات  
 کا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر قریشی و غیر قریشی دعویٰ اور خلافت دوسرے شرائط کے لحاظ سے بالکل برابر ہیں  
 تو ایسی صورت میں قریشیت بے شبہ سبب ترجیح بن سکتی ہے۔

درحقیقت جیسا کہ اس سے پہلے شاہ ولی اللہ صاحب کا قول نقل کیا جا چکا ہے کہ خلیفہ کے لیے  
 صاحب عقل و بصیرت، مدبر و معاملہ فہم اور آزاد با اختیار ہونا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ نیز اسکی ذاتی  
 وجاہت و خصوصیت کے علاوہ اسکو ایسی قوم و جماعت سے بھی ہونا چاہیے جسکی شرافت و ریاست مسلم ہوا اور  
 عام لوگوں میں اسکا شرف و اقتدار قائم ہو عقل و تقلا ہی شرائط و لوازم صحیح معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کے بغیر وہ  
 حقوق و فرائض خلافت کسی طرح ادا نہیں کر سکتا۔ آغا ز اسلام سے اسوقت تک کی تاریخ کا مطالعہ کر دو،  
 وہ بھی ہمارے خیال کی تائید کرتی ہے خلفاء اربعہ کے بعد بنو امیہ و ان کے بعد بنو عباس سبوں نے انہی شرائط  
 و لوازم کی مدد سے خلافت حاصل کی۔ اور تمام دنیاے اسلام میں انکی خلافت مسلم قرار پائی و دولت عباسیہ  
 انکی کمزوری کے زمانہ میں، فاطمی سلاطین مصر خلافت کے دعویٰ ا رہے اور عالم اسلامی کے ایک بڑے حصہ  
 اور عرب نے انکی خلافت کو تسلیم کیا۔ بنو عباس کے ذریعہ سے جس طرح ترکوں کو خلافت ملی کیا امین اسنے عام  
 اقتدار و اثر و قوت و شوکت اور تدبیر و سیاست کو دخل نہیں ہے؟

بعض سلفی النظر شخص نے ان اتفاقی واقعات سے کہ آج تک غیر قریشی سلاطین اسلام میں سے ترکوں کے سوا  
 کسی نے بھی خلافت کا دعویٰ نہیں کیا یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قریش کے سوا کسی کا دعویٰ خلافت صحیح نہیں اس لیے  
 کسی غیر قریشی نے بھی ایسا کرنے کی جرات نہیں کی اور اس طرح وہ بزم خود الاکثمة من قریش کے دعوے کو تائید

حیثیت سے بھی تقویت پہنچاتے ہیں۔

لیکن یہ سراسر ایک مغالطہ ہے۔ ترک کو خلافت بنو عباس سے ملی ہے۔ گو جس فتح سے ترک کو کو نصیب نصیب ہوا وہ عباسیوں کے مقابلہ میں نہ تھی مصری سلاطین کے مقابلہ میں تھی لیکن اس وقت تک خلافت ہامی کا تعلق عباسیوں ہی سے تھا۔ عباسیوں کی حکومت مٹ گئی تھی لیکن انکی عربیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نسی کا یہ اثر باقی تھا کہ وہ خلیفہ الاسلام کہلاتے تھے۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ پھول مرجھاتے ہی خوش خفا شک نہیں ہو جاتا۔ انکا جو اثر واقعہ ارتقا و رفتہ رفتہ کچھ دنوں کے بعد فنا ہوا۔

ترکوں کے اس عروج کے بعد سے آج تک تمام عالم اسلامی میں کوئی انکا مقابل دہس نہیں اٹھا، انکی قوت و شوکت سبب برحق ہوئی تھی، عالم اسلامی کا اکثر حصہ اور تمام امان مقدسہ اسلامیہ انکے زیر نگین تھے، ان حالات میں کوئی دوسرا حکمران اسلام کس پرستی پر مدعی خلافت ہوتا۔ کیا سلاطین ہند دہلی داگرہ کی شرافت پر خلافت کا دعوے کرتے؟ کیا سلاطین ایران شیراز و اصفہان کی بنیاد پر خلافت اسلامی کا دعوے کرتے کیا الجزائر و تیونس کی محدوہ و دبے اثر ریاستیں خلافت اسلامی کا علم بلند کرتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ترکوں کے سوا کسی اور قوم کے حالات ایسے نہ تھے کہ وہ خلافت کا استحقاق کھتی ہوئے انھوں نے اسلام کی اشاعت و حفاظت کے لیے جو کوششیں کی ہیں ہم انکو بیان کرنا نہیں چاہتے لیکن یہ ضرور کہیں کہ یہ انکے سامعی جلیلہ کا نتیجہ ہے کہ آج تک خلافت اسلامی انہیں باقی ہے۔ گو ایک طویل زمانہ تک شافعی اور مالکی انکی خلافت کو تسلیم نہ کرتے تھے لیکن آخرین وہ سب بھی انکی خلافت کو تسلیم کرنے لگے اور آج بے خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ سلطان اعظم متفق علیہ خلیفہ المسلمین ہیں۔

ہم عرب کی شرافت کے منکر نہیں لیکن انکے فہم و تدبر اور سیاسی اہمیت و عظمت کو بھی کیس طرح تسلیم نہیں کر سکتے۔ عرب جسے گرسے پھر وہ اٹھ نہ سکے۔ وہ عرب سے نکلے۔ ساری دنیا میں انھوں نے تمدن کو پھیلا یا لیکن خود بہت جلد اپنی قدیم غیر تمدن حالت کی طرف لوٹ گئے۔ اور آج غالباً اس خیال میں

تمام دنیا ہمارے ساتھ ہے۔

### انتقاد خلافت

اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ اسلام نے نصب خلیفہ کی کیا صورتیں متعین کی ہیں۔ اس بارہ میں بھانٹک معلوم ہے قرآن مجید میں کوئی صریح حکم نہیں۔ اجمالی طور پر ایک جگہ ہے۔

وامرھم شورى بينهم  
اسکے کام باہمی مشورہ سے ہوتے ہیں

بعض مفسرین بیان امر کو حکومت کے معنی میں لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی آیت اسلامی جمہوریت کا سنگ بنیاد ہے۔ اس تخصیص میں کوئی ہرج منین۔ مگر ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا کہ ہم امر کو خاص حکومت کے بجائے تمام اجتماعی و معاشرتی امور کے معنی میں لیں اور یہ کہیں کہ مسلمانوں کے تمام اجتماعی کام جیسا کہ تعلق ہر فرد و قوم سے ہو باہمی مشورہ و تبادلہ خیالات سے طے ہونا چاہئیں۔ بہر حال یہ تو ضرور ہے کہ خلافت اسلامی اہل اسلام کے باہمی مشورہ یا انکی رضامندی سے بے نیاز نہیں رہ سکتی۔

احادیث نبوی میں بھی اسکا کوئی خاص متعین طریقہ نہیں بتایا گیا البتہ اطاعت حکام و امر الیک احادیث میں فقہاء کی بھی تعلیم دی گئی ہے کہ جماعت کثیر کا جو فیصلہ ہو شہر شخص کو اسکے آگے گردن ڈال دینا چاہیے اور اسکی مخالف صورت میں آخرت کی سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں بعض احادیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعت کے ساتھ ہے۔

ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ لامحالہ ہم صحابہ کرام کے عمل اور علم امت کی رائے سے اسکی صورتیں متعین کرینگے۔ اب دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا سوال اٹھا اور صحابہ کرام میں اختلافات پیدا ہوئے تاریخ اسلام میں سقیفہ بنی ساعدہ کی تاریخی مجلس و امرھم شورى بينهم کا ایک علمی نظریاتی انصار و مہاجرین اپنی شاندار خلافت اسلامی کے باعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کا خیال پیدا کر سکتے تھے چنانچہ

وہاں سخت مباحثہ پیش آیا، طرفین سے اپنے فضائل و مناقب کی بنا پر استحقاق خلافت کی دلیلین پیش کی جانے لگیں۔ بالآخر حضرت ابوبکر صدیق پر تمام لوگوں کا اتفاق ہوا۔ ایک صورت تو انعقاد خلافت کی تمام ارباب حل و عقد، علماء و روسا، قوم نے حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خود خلیفہ اپنی وفات کے وقت کسی کی خلافت کے لیے وصیت کر جائے اس صورت میں وصیت کرنے والے کو یہ دیکھ لینا چاہیے کہ جسکی نسبت وہ وصیت کر رہا ہے ایسا با اثر و اقتدار شخص ہو جس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہو سکے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ خلیفہ چند لوگوں کے نام پیش کر دے کہ وہ لوگ اپنی جماعت میں سے جس کسی کو چاہیں خلیفہ اسلام منتخب کر لیں۔ اس صورت میں نامزد شدہ لوگوں کو اتنا با اثر و اقتدار اور صاحب الراے ہونا چاہیے کہ انکے فیصلہ پر تمام مسلمان متفق ہوں اور عام طور پر انکی راے سے اختلاف نہ کیا جائے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی با اثر، صاحب قوت و اقتدار، مدبر و معاملہ فہم از خود تخت خلافت پر قابض ہو جائے اور پھر ارباب حل و عقد، علماء و روسا، قوم اسکی بیعت کر لیں۔ ایسے شخص کی بھی خلافت صحیح ہوگی شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ الباقیہ میں لکھتے ہیں۔

وینعقد الخلافة بوجوب، بیعة اهل الحل	خلافت چند طریقوں سے منعقد ہوتی ہے۔ ارباب
والعقد من العلماء والروساء وامراء	حل و عقد، علماء و روسا اور سرداران لشکر جو صاحب
الاجناد ومن یكون له دای و نصیحة	راے اور بھی خواہ اسلام ہوں انکی بیعت سے جیسے
للمسلمین كما انعقدت خلافة ابی بکر	حضرت ابوبکر کی خلافت۔ یا یہ کہ خلیفہ سابق وصیت
و بان یوصی الخلیفة الناس بکمال العقدات	کر جائے جیسے حضرت عمر کی خلافت، یا یہ کہ خلافت
خلافة عمر و یجعل شورى بین قوم کما	چند لوگوں کے مشورہ کے سپرد کر دیجائے کہ وہ اپنے

کان عندا انعقاد خلافت عثمانی بل علیؓ  
 ایضاً، واستیلاء رجل جامع للشروط  
 علی الناس وتسلط عیسم کما ذکر الخلفاء  
 بعد خلافة النبوة۔  
 میں سے جسکو چاہیں منتخب کریں جیسے حضرت عثمانؓ اور  
 حضرت علیؓ کی خلافت۔ یا یہ کہ کسی ایسے شخص کا غلبہ  
 تسلط جبین خلافت کی ضروری شرطیں پائی جاتی ہوں جیسے  
 خلافت نبوی کے بعد تمام دوسرے خلفاء کی خلافت۔

خلفاء اربعہ کے بعد جو خلفاء ہوئے انکی خلافت پر صرف یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اسکے  
 انعقاد کی صورت خلفاء راشدین سے مختلف تھی، یعنی اونکو جمہور اہل اسلام نے یہ منصب نہیں دیا بلکہ وہ  
 خود شخصی طور پر خلیفہ بن گئے، جو صحابہ کے طرز عمل کے بالکل مخالف تھی، لیکن شاہ صاحب کی عبارت کے  
 اخیر کڑے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی انعقاد خلافت کی ایک صورت ہے، اور جو شخص اس طریقہ سے  
 خلیفہ ہوا اسکی خلافت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، حضرت عمر بن عبدالعزیز جو ہمہ تن مذہب تھے وہ بھی  
 اسی طریقہ سے خلیفہ مقرر ہوئے تھے، حقیقت یہ ہے کہ جب قرآن و حدیث میں انعقاد خلافت کی کوئی  
 صورت متعین نہیں کی گئی تو مسلمانوں کا طرز عمل ہی اسکا فیصلہ کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خود خلفاء  
 راشدین کے زمانہ میں اسکے مختلف طریقے اختیار کیے گئے اور ان پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ اس  
 بنا پر بنو امیہ، بنو عباس، فاطمی سلاطین مصر اور ترک رب کے سب خلفاء اسلام ہیں، اور ہر حال  
 میں انکی اطاعت کرنا اور انکے ساتھ عقیدت رکھنا، مسلمانوں کا فرض ہے۔

### خلافت کے حقوق و فرائض

آغاز مضمون میں اجمالاً یہ بتایا جا چکا ہے کہ خلافت کے فرائض میں مسلمانوں کے ان تمام شعبہ ہائے  
 زندگی کا انتظام و انصرام داخل ہے جسکی باگ خود رسول اللہ صلوٰۃ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں تھی اگر اس مسئلہ کی پوری  
 تفصیل و تشریح کی جائے تو اسقدر پھیل جائیگی کہ مستقل رسالہ بن جائیگا لیکن یہاں نہ اسقدر تفصیل کی ضرورت ہے  
 اور نہ ہم اسکو مناسب سمجھتے ہیں۔ تاہم کسقدر تشریح ناگزیر ہے ورنہ اصل مسئلہ کا ایک ضروری رخ و عندلا

رہ جائے گا۔

اس بارہ میں قرآن مجید کی حسب ذیل آیت بنیادی حکم ہے۔

الذین ان ملکتھم فی الارض اقا موا  
وہ لوگ جنکو ہم زمین پر شکن کر دیں اوہ ناز کو قائم کریں گے  
الصلوة و آتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف  
زکوٰۃ دین گے، نیکی کا حکم کریں گے بدی سے روکیں گے  
و نهوا عن المنکر و لله عاقبة الامور۔  
اور ہر کام کا انجام صرف خدا کے لیے ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب، اخلاق اور سیاست یہ تمام چیزیں خلافت کے دائرہ اقتدار میں داخل ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ خلافت راشدہ کے مبارک عہد میں جو حقیقت اسلامی خلافت کا ملکہ کا زمانہ تھا یہ تمام چیزیں علما و خلفاء کے زیر اثر رہیں۔ اسکی حاجت نہیں کہ ہم اس موقع پر اس عہد کے واقعات کی تفصیلی داستان پھیڑیں کیونکہ ان واقعات کا بیشتر حصہ قومی و مذہبی روایات کی شریعت آج کچھ کچھ کی زبان پر ہے۔ البتہ اجمالاً یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کی اشاعت، ادوار و احکام کا نفاذ، مساجد کی آبادی، ملک میں امن قائم رکھنا، خراج، عشر، زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرنا اسلامی ممالک کی دشمنوں کے حملہ سے ممانعت اور امان کی مقدسہ کی حفاظت وغیرہ یہ تمام فرائض خلیفۃ الاسلام سے متعلق ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے صرف امان کی مقدسہ کے مسئلہ کو سیدر تفصیل سے بیان کریں گے۔

### مسئلہ امان کی مقدسہ

اسلام میں مذہباً جو مقامات مقدس سمجھے جاتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک تو اسکی عام مسجدیں جہاں مسلمان رات اور دن میں پانچ وقت نماز ادا کرتے ہیں انکا تعلق کسی خاص ملک و مقام سے نہیں بلکہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہیں اور انکی مسجدیں ہیں وہ سب محترم و مقدس ہیں۔ دوسرے وہ قطعات ارض اور مخصوص مقامات جہنکے تقدس کی طرف کلام مجید اور احادیث نبوی میں اشارات موجود ہیں۔

ہم اس موقع پر صرف اسی دوسری قسم کے اماکن و مقامات سے بحث کرتے ہیں۔

### جزیرۃ العرب

اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز تو جزیرۃ العرب ہے جسکے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے چند گھنٹے پہلے یہ وصیت فرمائی تھی کہ مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔ حضرت ابن عباس کی ایک طویل روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فاوصی عند موته بثلاث اخرجوا المشركين  
من جزيرة العرب، واجيزوا الوفدا  
منجزین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو و وفود کی میری طرح طر  
نحو ما كنت اجيزهم و نسیثا ثلثه، ثم اخرجوا  
ابوداؤد میں ایک روایت حضرت جابر سے ہے۔

جابر بن عبد الله يقول اخبرني عمر بن الخطاب  
انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يخرج من  
اليهود والنصارى من جزيرة العرب  
جابر کہتے ہیں عمر بن الخطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہم یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دینگے یا انہیں  
فلما اترك فيضاً الا مسلماناً لا يخرج من جزيرة العرب

مسلم میں بھی یہی روایت کیسے تغیر الفاظ کے ساتھ ہے۔

عمر بن الخطاب انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يخرج من جزيرة العرب  
حتى لا ادع (او مسلماناً) كتاباً لمجادوا (سیر)  
حضرت عمر بن الخطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہم یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دینگے یا انہیں  
کہ امین صرف مسلمان ہی رہیں گے۔

یہ اسی وصیت نبوی کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے زمام خلافت اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی اسکے پوری کرنے کا مقصد کیا۔ اور اسی بنا پر آپ نے نصاریٰ خبیثہ کو جلا وطنی کا حکم دیا۔ یہاں پر



دوسری باتوں سے پہلے اسکی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ جزیرۃ العرب کی تحدید از روئے روایات و جغرافیہ عرب کیجائے۔

صاحب سنن ابی داؤد مذکورہ بالا حدیث کے آخر میں لکھتے ہیں۔

قال سعيد بن جابر عن ابن عبد العزيز بن جزيمة العرب  
ما بين وادي القرى إلى قصى اليمن إلى تخوم العراق  
أما بن جاري ذكره بالحدیث کے آخر میں لکھتے ہیں۔

قال ابو عبد الله قال ابو يعقوب بن محمد  
سألت المغيرة بن عبد الرحمن عن جزيرة العرب  
فقال مكة، والمدینة والیمامة، واليمن  
ابو یعقوب نے کہا میں نے جزیرہ العرب کے متعلق  
مغیرہ سے پوچھا، انھوں نے کہا کہ، مدینہ،

یہ سب اقطار عرب کے مشہور مقام اور مرکزی شہروں کے نام ہیں، اس کا اور پہلے بیان کا حاصل  
ایک ہی ہے، عرب کے موزین و اہل لغت بھی قریب قریب یہی لکھتے ہیں، ابن کلبی لکھتا ہے۔

جزیرۃ العرب من اقصى عدن الى  
دیف العراق في الطول واما في العرض  
فمن جدة وما ولاها من ساحل البحر  
الى طرف الشام وتبوك من الحجاز  
تاموس میں لکھا ہے۔

ما ساحله به بحر الهند والشام حجة  
والفرات او ما بين جدّة الى اطراف  
الشام طولاً ومن جدّة الى ديف العراق عرضاً  
جسکو بحر ہند، شام اور دجلہ و فرات احاطہ کیے ہوئے  
جزیرۃ العرب ہے یا یوں سمجھو کہ جدہ سے اطراف شام  
طولاً اور جدہ عراق تک عرضاً جو زمین ہے وہ جزیرۃ العرب ہے

جزیرۃ العرب کے جو ساحلی مقامات ہیں ان سے اسکی قدرتی تحدید ہو جاتی ہے مثلاً مغرب میں بحر احمر، جنوب میں بحر ہند لیکن جو حد وغیرہ میں وہ مشرق و شمالی ہیں۔ گذشتہ بیان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حدود شام و عراق سے متصل جو حصہ زمین ہے وہ داخل عرب ہے لیکن اس اجمالی بیان سے صحیح طور پر حدود زمین متعین ہو سکتے اور اس زمانہ کے صحیح حدود کا متعین کرنا کی قدر دشوار بھی ہے تاہم چند ایسی چیزیں ہیں جس سے عرب کے آخری حدود کا پتہ چلتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب تک کہ عرب کے جھگڑے کو حضرت ابو بکر چکاپکے تو فتوحات کی طرف توجہ ہوئی اور شام و عراق دونوں جانب لشکر روانہ کرنا شروع کیے گئے۔ ہم پہلے ہی لشکر کے نشان راہ سے عرب کے حدود کو بتانا چاہتے ہیں۔

مختلف اسباب کی بنا پر عراق میں عرب قدیم زمانہ سے آباد ہونے لگے تھے۔ قبیلہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں وہاں آباد تھیں اور رفتہ رفتہ وہاں ایک عربی ریاست کی بنیاد پڑ گئی تھی جس کا دارالسلطنت حیرہ تھا اس ریاست کے وجود نے ان علاقوں کو عرب کا ایک مرکز بنا دیا تھا۔ قبائل عرب جیران آباد تھے انکی آبادی قادیسیہ، حیرہ سے دجلہ و فرات کے کناروں تک بادیہ شام سے متصل پھیلی ہوئی تھی۔ جہاں تک یہ آبادی تھی وہی عرب کی آخری سرحد تھی گویا یہ آبادی عرب اور عراق کا موقع اتصال تھی حضرت عمر بن الخطاب کے ایک فرمان سے اسکا صاف ثبوت ملتا ہے۔ یہ فرمان سعد بن ابی وقاصؓ کے نام تھا۔

شرف سے آگے بڑھ کر قادیسیہ میں مقام کرو اور اس طرح مورچے جاؤ کہ سائے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے چاڑھوں کا کہ نفع ہو تو جہاں تک چاہو بڑھے جاؤ اور خدا نخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو بہت کر بھاڑوں کی پناہ میں آسکو۔

ہم نے ان عربوں کی آبادی دجلہ و فرات کے کناروں تک بتائی ہے اور اس بنا پر عرب کی سرحد کو

۱۔ انصار و ق حصہ اول صفحہ ۱۷۸ یہ کو فرستے پڑھیں میں پر ایک چھوٹا سا شہر تھا۔

اس سلسلہ آبادی کے خاتمہ پر قرار دیتے ہیں عرب جغرافیہ دہشت نویسی کی رائے بھی اسی کی تائید کرتی ہے تنے صاحب قاموس وابن الکلبی کا لفظ ”ریف العراق“ ابھی بڑا ہے۔ ریف عربی زبان میں اس سرزمین کو کہتے ہیں جو بانی سے قریب ہونیکے باعث تروتازہ اور قابل زراعت ہو۔ جلد و فوات ہی کے قریب اس زمین کا یہ وصف بیان کیا جاتا ہے۔

فقہانے بھی جو متحدہ ارض عرب کی کہے وہ یہی ہے چنانچہ ہدایہ باب العشر والخراج میں لکھا ہے  
ارض العرب کلھا ارض عشر وھی مابین ارض عرب سب کی سب ارض عشر ہے اور وہ  
العذیب الی اقصیٰ حجاز الیمن و مہجرۃ عذیب سے انتہائے یمن اور مہرہ (حضرت موت)  
الیٰ حد الشام۔ سے حدود شام تک ہے۔

عذیب قادیسیہ سے متصل ایک وادی ہے جس سے گزرنیکے بعد جو پہلا مقام ملتا ہے وہ  
قادیسیہ ہے چنانچہ ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں (کہتے بغداد) لکھتا ہے

ثم نزلنا موضعا يعرف بالعذیب پھر ہم عذیب پہنچے، یہ ایک سرسبز وادی اور زمین  
وہو واد محض علیہ حارۃ وحوہ فلاۃ کی قدر آبادی بھی ہے جسکے چاروں طرف سرسبز  
خصبۃ فیہا مسوح للبصر ثم نزلنا القادسیۃ جسکو نگاہ کی یہ گاہ کہنی چاہیے، پھر ہم یہاں قادیسیہ پہنچے

فلسطين کی طرف سرحد عرب کی تمکین بھی ہم اسی طرح کر سکتے ہیں۔ حضرت ابو بکر نے عمرو بن  
العامر کو ایہ کی راہ سے فلسطین پر حملہ کرنے کی لیے روانہ کیا موقع پر پہونچکر حضرت عمرو بن العامر نے  
دشمن کی کثرت افواج و طاقت کی اطلاع دی، جبکہ حضرت ابو بکر نے حضرت خالد کو عراق سے شام کی  
طرف متوجہ ہو کر حکم دیا۔ اس سلسلہ میں علامہ بلاذری لکھتے ہیں۔

قالوا واول وقعتہ کانت بین المہلسین وعلوہم لوگوں نے کہا سب پہلی جنگ جو مسلمانوں امدان کے  
(قریۃ من قری غزۃ یقال لہا) من (فتح البلدان) دشمنین واقع ہوئی وہ غزوہ کاہلگان و تاقن نام زمین

اگرچہ اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ دانش عرب اور فلسطین کی یقینی سرحد ہے تاہم یہ ضرور ہے کہ اسی سے متصل سرحد ہوگی کیونکہ ان علاقوں پر عربی باہر مسلمانوں کا یہ پہلا حملہ ہے دوسرے اہل فلسطین نے بھی حتی الامکان اپنے ملک کی آخری سرحد پر اسلامی فوجوں کا مقابلہ کیا ہوگا۔

عرب کی طرف شام کی آخری جگہ کو ابن بطوطہ لکھتا ہے یہ وہ موقع ہے کہ ابن بطوطہ شام کی سیاحت سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوا ہے)

ثم ارحلنا الى معان و هو اخر بلاد الشام  
بہرہم معان کی طرف روانہ ہو جولا و شام کا آخری مقام  
ان سب کے آخرین اب ہم جدیدہ جغرافیہ تحقیقات کو بھی لکھ دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ مصنفین  
انسانی کلو پیڈیا برٹانیکا لکھتے ہیں۔

عرب کی شمالی تحدید شکل ہے، محققین العریض سے شروع کرتے ہیں اشال میں سرحد فلسطین  
درمیان بحر میت (ڈیڈ سی) و خلیج عقبہ ختم ہو کر شمال کی طرف شامی سرحد کے قریب تدمر پھر  
شرقی جانب کنارہ فرات اور پھر شمالی و مشرقی دلمند شط العرب پھر خلیج فارس صولے شام  
عربین داخل ہے، مختصص ۲۵۴ ۲۵۵-۲۵۶

### جزیرۃ العرب کے احکام

چونکہ یہ اسلام کا مولد و نشا و نما اہل اسلام کی مذہبی سرزمین ہے جس کو غیر قوموں کے اثر سے ہر طرح  
محفوظ رہنا چاہیے اسلئے یہاں غیر وکے داخلہ کے لیے چند قیود و شرائط لگا دیے گئے۔ اس میں بعض مقامات  
تو ایسے ہیں جہاں غیر مسلم کا داخلہ قطعی ممنوع ہے مثلاً مکہ مکرمہ، اسکی بنیاد قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔  
انما المشركون نجس فلا یقرؤوا المسجد  
تمام مشرکین نجس و نا پاک ہیں اسلئے وہ اس سال کے  
الحرام بعد عام صحر هذا  
بعد سے مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔

اس آیت میں اگرچہ صرف لفظ مسجد مذکور ہے مگر اس سے مراد تمام مکہ معظمہ ہے جیسا کہ ابن جریر کی روایت ہے۔

قال عطاء المحرم كله مسجد وقبلة قال فلا  
يقربوا المسجد لم يعن المسجد وحده انما  
عنى مكة والمحرم -

عطاء نے کہا حرم تمام مسجد و قبلہ ہے ۲۔ یست  
فلا یقربوا ۱۱۔ ملازمین محض مسجد مراد نہیں بلکہ تمام  
مکہ و حرم مقصود ہے۔

اور یہ باطل جمع ہے ورنہ آگے یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی  
ان خفتم عیلة فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ  
اگر تم غور و فاقہ سے ڈرتے ہو تو خدا اعتقرب اپنے  
فضل سے تم کو غنی کر دیگا۔

مدینہ طیبہ، یہاں داخل تو ہو سکتے ہیں لیکن تین راتوں سے زیادہ قیام نہیں کر سکتے  
عن اسلم ان عمر بن الخطاب ضرب الميخو  
والنصارى والمجوس بالمدینة اقامة  
ثلاث لیلال یتسوّون بها ویقضون حوائجهم  
ولا یقیم احد منهم فوق ثلاث لیلال  
اسلم سے مروی ہے حضرت عمر بن الخطاب نے یہود  
نصاری اور مجوس کو مدینہ میں تین رات تک ٹھہر سکیں  
اجازت دی کہ وہ بازاری کاروبار اور اپنی ضروریات  
پوری کر لیں لیکن انہیں سے کوئی اس سے زیادہ دن  
اقامت نہیں کر سکتا۔  
(رداء عبد الرزاق فی المجامع)

بتیہ عرب میں کھار داخل ہو سکتے ہیں وہ اپنے تجارتی مشاغل جاری رکھ سکتے ہیں لیکن وہاں  
توطن اختیار نہیں کر سکتے۔ اسی بنا پر حضرت عمر نے یہود خیبر کو جلا وطن کیا تھا۔

لہذا اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مشرکین کے لیے جب منع دخول حرم کی آیت نازل ہوئی تو بعض مسلمانوں کو  
خیال ہوا کہ جب مشرکین رجوع بذریعہ تجارت یہاں آتے تھے (داخل نہو سکیں گے تو ہمارا کاروبار کیونکر چلیگا۔ ابن جریر  
۱۵ منتخب کنز العمال بر حاشیاء ابن جریر منہج مطبوعہ مصر

عن ابن شهاب قال قال رسول الله صلعم  
لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب ففحص  
عمر بن الخطاب عن ذلك حتی اتاه النبلج  
والیقین ان رسول الله صلعم قال لا یجتمع  
دینان فی جزیرۃ العرب فاجلی یحود خیبر  
ان شہاب سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے  
جزیرۃ العرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے حضرت  
عمر نے پہلے انکی تصدیق تو ثبوت چاہی کہ ایسا رسول اللہ  
صلعم نے فرمایا یا نہیں جب آپ کو اسکا پورا یقین آگیا  
کہ آپ نے یہ فرمایا تو یہ دخیبہ کو جلا وطن کر دیا۔  
(فتوح البلدان ذکر خیبر)

نصاری بخوان دفع میں ان کو بھی آپ نے اسی بنا پر جلا وطن کیا۔

عن عمر بن عبد العزیز ان رسول الله صلعم  
قال فی مرضه لا یبقین دینان فی ارض  
العرب فلما استخلف عمر بن الخطاب  
اجلی اهل بنجران الی البجریۃ (العراق)  
واشتري عقارا تهمروا مواهلهم فتوح البلدان کبریٰ  
حضرت عمر بن عبد العزیز سے مروی ہے رسول اللہ  
صلعم نے بیماری کی حالت میں فرمایا عرب میں دو دین نہ  
باقی رہیں یہ جب حضرت عمر بن الخطاب خلیفہ ہوئے تو آپ نے  
اہل بنجران کو عراق کی طرف جلا وطن کر دیا اور ان کی  
جاگہ دو مال کو قیمت خرید لیا۔

ارض مینا، فلسطین، شام اور عراق

خاص جزیرۃ العرب کے علاوہ حوالی عرب کے مذکورہ بالا مقامات بھی اماکن مقدسہ میں داخل  
ہیں شام، فلسطین کا جو علاقہ ہے وہ تمام انبیاء سابقین کا مولد و منشا ہے ایسے اسلام نے اسکو مقدس  
مبارک اور معراج نبوی کی پہلی منزل قرار دیا۔

بسمان الذی اسوی بعدہ ببلان المسجل  
الحرام الی المسجل الا قصی الذی بکننا  
حولہ لنریہ من آیاتنا القرآن حکیم  
پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات میں مسجد حرام  
مسجد اقصیٰ شام کی طرف جسکے حوالی کو برکت دی ہے  
لیکنی تاکہ اسکو اپنی نشانیاں دکھائے۔

ایک حدیث بن اس مسجد کی فضیلت آئی ہے اور رسول اللہ معلوم نے اسکو اپنی مسجد (مسجد نبوی مدینہ)

اور مسجد حرام (مکہ) کے برابر رتبہ دیا ہے

عن ابی ہریرۃ ان النبی صلعم قال (تشہدوا لہ)

الا الی ثلثۃ مساجد المسجل الحرام، و مسجد

الرسول و مسجد (اقصی) (بخاری شریف)

نبوی اور مسجد اقصیٰ،

اسکے علاوہ یہ مسجد ایک مدت تک مسلمانوں کا قبلہ رہی ہے اور وہ اسکی طرف متوجہ ہو کر نماز

پڑھتے رہے بن نیر کیا یہ نسبت کم ہے کہ وہ سرزمین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دارالہجۃ اور حضرت

اسماعیل ذبیح علیہ السلام کا مولد و منشا ہے۔

ارض سینا کا تقدس اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو اپنی تجلیات کے لیے

مخصوص کیا اور ایک جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسکے ادب و احترام کا حکم دیا۔

یا موسیٰ انک با لوادى المقدس طوی فاعلغ لیثک اے موسیٰ تم وادی مقدس (طوی) میں ہو جتہ اتار دو

اسی سرزمین میں وہ مقدس کوہ طور بھی واقع ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات

کے احکام عشرہ بصورت الواح ملے تھے اور اسکی اسی خصوصیت کی بنا پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

وہاں گئے اور آپ نے اسپر نماز پڑھی ہے۔

عراق کا تذکرہ اگرچہ قرآن مجید میں نہیں ہے لیکن یہ سرزمین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا

مولد و منشا ہے اور آپکی مقدس زندگی کے متعدد واقعات جنہیں سے بعض کی طرف کلام مجید میں بھی

اشارات موجود ہیں اسی سرزمین میں پیش آئے ہیں۔ اسکے علاوہ اس سرزمین میں صحابہ کرام رضوان اللہ

علیہم اجمعین کے مقدس مزار بھی واقع ہیں نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ بھی یہیں واقع ہے جو مسلمانوں

ایک بڑے فرقہ کی قابل احترام و متبرک زیارت گاہ ہے۔ شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا جسد خاکی بھی بین مدنون ہے۔

ان مذہبی خصوصیات کے علاوہ عراق و شام کو مسلمانوں کی تاریخی و قومی روایات کی حیثیت سے بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ شام میں دمشق عربی تمدن کا گہوارہ ہے اس علاقہ میں اسلام کے سیکڑوں مشاہیر علماء و فضلاء، ائمہ و صلحا نیز صحابہ کرام اور بالخصوص اہلسنت کی قبریں ہیں۔ اسکا چہ چہ اسلامی یادگاروں سے بھرا ہوا ہے۔ عباسی خلافت کا نشو و نما عراق ہی میں ہوا چند صدی تک اسلامی خلافت کا مرکز اسی خطہ کا مشہور شہر بغداد رہا۔ بصرہ اور کوفہ حضرت عمر بن الخطاب خلیفہ دوم کے آباد کیے ہوئے شہر تھے اور ان میں مسلمانوں کی خالص آبادی ہے اس علاقہ میں قدم قدم پر اسلام کے نامور فرزند علماء و صلحا، صحابہ کرام اور بزرگان دین کے آثار و مقابر ملیں گے۔ ان اسباب سے ان علاقوں کے ساتھ مسلمانوں کو ایک خاص وابستگی ہے جسکو مذہبی و قومی و دونوں حیثیتیں حاصل ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان مقامات پر کسی غیر مسلم کا قبضہ اسلام اور مسلمانوں کے زاد بوم پر قبضہ ہے جسکے بعد اسلام کا دنیا میں کوئی وطن نہ ہو گا۔ اور اس حالت کا نتیجہ جو کچھ بھی ہو گا وہ بیوقوفانہ کی تاریخ سے ظاہر ہے۔ جب یہودیوں کا وطن ان کے قبضہ سے نکلا تو ساتھ ہی انکی قومیت کا شیرازہ بھی کھیر گیا اور انکے دفتر قومیت کا ایک ایک درق اس طرح پر آگندہ ہو گیا کہ پھر آج تک منظم نہ ہو سکا۔ شائع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شاید انہی خطرات کو ملحوظ رکھ کر ان مقامات کی حفاظت و صیانت کا حکم دیا۔ اور کسی حال میں بھی انہیں غیر مسلم قبضہ کو جائز نہیں رکھا۔ پھر ایک مسلمان کیونکر گوارا کر سکتا ہے کہ ایک ایسا مقدس مقام جو انکے پیغمبر کے معراج کی پہلی منزل ہے جو فتح ایوبی کے شاندار واقعات کی زندہ یاد گاہ ہے ایک ایسا مقدس مقام جو انکے پیغمبر کی تمام کامیابیوں کا اصل گوارہ اور انکی آخری خواہ گاہ ہے۔ ایک ایسا مقدس



مقام جبکہ آگے وہ دن میں پانچ مرتبہ سر بخا زخم کرتے ہیں اور سال میں ایک بار وہ تمام مسلمانوں کے نمرہ توحید سے گونج اٹھتا ہے، ایک ایسا مقدس مقام جہاں انکے پیغمبر کے نوہمہ کا مقبرہ خاندان رسالت کی یاد کو ہمیشہ کے لیے تازہ کرتا ہے ان قوموں کے ہاتھ میں چلا جاے جو اسکو اپنے دنیوی فوائد کا مرغزار بنالین۔ کیا یہ مذہب کی کیا یہ تاریخ کی کیا یہ قومیت کی حقیقت کا انقلاب نہیں ہے؟ اگر ہے تو جبکہ دنیا ان آدمی انقلابات سے جو اس جنگ نے برپا کر دیے ہیں ٹپٹی ہے۔ مسلمانو کو بھی حق حاصل ہے کہ ان مذہبی مقامات کی حفاظت کے لیے جس قدر ممکن ہو جینین، چلائین اور شور مچائیں۔

ان مذہبی تصریحات کے علاوہ اس سلسلہ میں ابھی اور بہت سی باتیں ہیں جو کہی جاسکتی ہیں لیکن انکو

بردار تو ان گفت بہ منبر نہ تو ان گفت

(ابو الحسنات ندوی)

## عیسائی مذہب کی تمدنی ناکامیاں

(تمدنی ترقی کا راز)

اس زمانہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو وجود و تنزل میں صرف علم اخلاق کی اعانت کا خواستگار ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ مقصد صرف اس طریقہ سے حاصل ہو سکتا ہے کہ انسان کو ناکامیوں میں ضبط و برواشت کی تعلیم دی جائے، اور اس کے دل میں غیروں کی محبت پیدا کی جائے، اسکے نزدیک انسان کی موجودہ حالت اجتماعی اور سیاسی موثرات کا نتیجہ نہیں، بلکہ اسکا اصلی مبداء مذہب اور اخلاق ہے، اس بنا پر اس حالت میں تئیر و انقلاب کا کامیاب ذریعہ صرف یہ ہے کہ ہر شخص اپنے آپکو بدل کر نئے سرے سے پیدا ہو، یہ اُن کا قول ہے اور یوحنا کی انجیل بھی یہی کہتی ہے کہ آدمی اس اصلاحی دروازے میں اسی وقت داخل ہو سکتا ہے، جب وہ اپنی ذات کی محبت چھوڑ دے، اور تعلیمات ماثورہ کے آگے سر بسجود ہو جائے،

بہر حال یہ لوگ اصلاح انسانی کے لئے گذشتہ صلح و التقیاء کے زمانہ کو دوبارہ واپس بلانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب تک ہمارے درمیان اس قسم کے اشخاص موجود ہیں، لیکن اب زلال کی یہ نہرین بجز زمینوں میں بیکار رہ رہی ہیں، اور بہت کم لوگ ان سے سیراب ہوتے ہیں، لیکن ان نہروں کی حفاظت کرنی چاہیے اور ان کی تعداد بڑھانی چاہیے۔

لیکن با این ہمہ وہ کسی جدید مذہب کی ایجاد یا قدیم گروہ کے علاوہ کسی جدید گروہ کی تولید سے برائت ظاہر کرتے ہیں، اور آواز بلند کہتے ہیں کہ کسی جدید روحانی بندرگاہ کی تعمیر مقصود نہیں ہے بلکہ

مقصود یہ ہے کہ موجودہ بندرگاہوں میں بکثرت نہرین نکالی جائیں تاکہ وہ پانی سے لبریز ہو جائیں اور درحقیقت وہ کوئی نیا مذہب ایجاد کرنا نہیں چاہتے، بلکہ مذہبی حیثیت سے مادیوں کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اسلئے وہ اگرچہ مسیحی مذہب کے اعوان و انصار کو بہت زیادہ محبوب رکھتے ہیں تاہم ہر اس شخص کو دعوت دیتے ہیں جسکو موجودہ اخلاقی اور مادی زندگی سے تکلیف محسوس ہوتی ہے تاکہ وہ ان لوگوں کے ذریعہ سے ایک ایسی جماعت قائم کر سکیں جسکی بنیاد ایثار، قربانی، انفس کشی، اور ترک محبت ذات، اور محبت غیر پر مبنی ہو، لیکن کیا ذاتی قربانی اور محبت غیر ہی وہ چیز ہے جسکو وہ ”اخلاقی موثر“ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں؟ اور وہی انسان کی منزلت کو بلند کر سکتا ہے؟ اور اسی کے ذریعہ سے مطلوب نظام اجتماعی قائم کیا جاسکتا ہے؟ مرکز بحث صرف یہی نقطہ ہے، اور میں علانیہ انکی مخالفت کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ”اخلاقی موثر“ کے نتائج کتنے ہی شاندار ہوں، لیکن وہ اجتماعی ضروریات کے نہیں پورا کر سکتے، لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ میں ان لوگوں میں ہوں جو تمام مذاہب سے الگ ہو گئی ہیں بلکہ میں ایک مذہب کا پابند ہوں، میرا ایک خاص گرجا ہے، جسکی طرف میں رجوع کرتا ہوں، اس بنا پر میرا یہ خیال مذہبی بغض و عداوت کا نتیجہ نہیں بلکہ صرف علمی تحقیقات نے مجھکو اس نتیجہ تک پہنچایا ہے،

اس مسئلہ پر بحث کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کچھ یہ لوگ مستقبل میں چاہتے ہیں اسکا قیاس ماضی پر کیا جائے، گزشتہ زمانہ میں بہت سے صلحاء ایسے پیدا ہوئے ہیں جسکی نسبت لوگوں نے بالکل صحیح طور پر یہ اعتقاد قائم کیا تھا کہ وہ تہذیب اخلاق میں حد اعجاز تک پہنچ گئے تھے، اور انھوں نے ذاتی قربانی، اور محبت غیر کی بہترین مثالیں قائم کی تھیں، میرے خیال میں یہی مبارک زمانہ دوبارہ ہمارے آج ہے اور اسی قسم کے برگزیدہ لوگ پیدا ہونے لگیں تو ہمارے مخالفین کے نزدیک نوب انسان کی اصلاح بالکل یقینی ہو جائے، لیکن ہکو یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس زمانہ میں اسکی کیا نتیجہ پیدا ہوا

اس میں شبہ نہیں کہ اس زمانہ سے زیادہ کسی زمانہ میں اولیا بہنیں پیدا ہوئے، اور اس زمانہ سے زیادہ کسی زمانہ میں انسان نے اخلاقی ترقی نہیں کی، لیکن با این ہمد انسان اس زمانہ سے زیادہ گہرے تعزلات میں کبھی نہ گرا ہوگا، یہی زمانہ ہے جس میں قیصرہ کی سلطنت یعنی وہ سلطنت جسکو دنیا کی بدترین سلطنت کہا جاسکتا ہے، جو ظلم و جور کی ایجاد و اختراع میں تمام سلطنتوں سے گوے سبقت لیگی تھی، جس نے انسان کو ایسی ذلت، اہانت اور بدبختی میں مبتلا کر دیا تھا جسکی نظیر بہت کم مل سکتی ہو تاں تھی، جس سلطنت کا کہنا ہے کہ اس سلطنت کے مظالم کی مثال ہو صرف رومانیوں کی سلطنت میں مل سکتی ہے، بلکہ جو رومانی وحشی قوموں میں رہتے ہیں وہ بھی انکو برداشت نہیں کر سکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے بہت سے بہائیوں نے ہجرت کر کے وحشی قوموں میں رہنا پسند کیا، اور جو لوگ کثرت اہل و عیال یا کثرت اثاثہ کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے، انھوں نے امرائے امن میں پناہ لی، لیکن ان امرائے انکوفالوں سے نجات نہیں دلائی بلکہ انکی بدبختی میں اور اضافہ کر دیا۔ یہ بدبختی نہایت قدیم زمانہ سے چلی آتی تھی، چنانچہ لاکٹانس نے اسپر جٹ کی ہے اور لکھا ہے کہ زمین کی پائش اس طرح کی گئی کہ اسکا ایک ایک ذرہ ناپ لیا گیا، انکو روم کی بیلین اور دفین کے تنوں کی فہرست مرتب کی گئی، ہر قسم کے جانور درج رجسٹر کئے گئے، اور کوئی ذی روح حساب کرنے والوں کی نگاہ سے اوجھل نہ رہ سکا، تمام اطراف سے لوگ شہروں میں جمع کئے گئے، اور غلاموں کے قافلے ادھر ادھر گشت نگاہ کئے گئے، اور ہر جگہ اور ہر طرف سے کورون کی آوازیں سنائی دینی لگیں، لوگوں سے مجبوراً اس زمین کی مالگداری لی گئی، جو انکے قبضہ میں نہ تھی، یہاں تک کہ مریض، یہاں تک کہ پانچ، یہاں تک کہ مردے تک درج رجسٹر کئے گئے، اور ان پر جزیہ لگایا گیا، یعنی انکے بدلے زندہ لوگوں سے جزیہ کی رقم وصول کی گئی،

یہ مظالم خاموشی کے ساتھ برداشت بھی نہیں کئے گئے بلکہ ہزاروں پادری، ہزاروں رہبان،

اور ہزاروں اولیاء، مظلوموں کی اعانت کے لئے کھڑے ہوئے، اور ظالموں کے خلاف آوازیں بلند کیں اور لوگوں کو وعظ و پند کے ذریعہ سے ہٹیک راستہ اختیار کرینکی ہدایت کی، لیکن ان خطاط و منزل روز بروز ترستی کرتے گئے، کہنے سننے سے کچھ کام نہیں نکلا، تعلیم و تلقین ناکامیاب رہی، اور طاقت و بربادی نے ایک لمحہ کے لئے بھی دم نہیں دیا،

اب وحشی قومیں انہیں، اور بادبود و حشت کے، بادبود و ترکاب جہلم کے، اور بادبود اسکے کہ انھوں نے اولیاء و صلحا جیسے کام نہیں کئے، ان سے ایسے معجزات صادر ہوئے جن سے اولیاء کا یہ گردہ باطل عاجز ہوتا، انہی وحشیوں کے درمیان سے موجودہ قومیں پیدا ہوئیں جو گذشتہ قوموں سے بالکل مخالف تھیں، اور اخلاق اور اجتماعی حالات کے لحاظ سے انکا پایہ اُنسے بلند تر تھا۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان وحشی قوموں کو اس اجتماعی انقلاب میں اسلئے کامیابی ہوئی کہ انھوں نے روحانی قوم میں اپنی سادگی، پھیلائی تھی اور غربت و افلاس نے اُنکے اخلاق کو خراب ہونے سے بہت کچھ محفوظ رکھا تھا، لیکن یہ اعتراض اسلئے صحیح نہیں ہو سکتا کہ کل وحشی قومیں ان مالک میں نہیں آئی تھیں اور جو آئی تھیں وہ بہت زیادہ مفلس اور بہت زیادہ سادہ زندگی بسر کرنے والی نہ تھیں، اسکے علاوہ میں اُن وحشی قوموں کی کامیابی کو انکی وحشت اور اُنکے جہلم کی طرف منسوب نہیں کیسکتا اس انقلاب کا اصلی سبب قومیں عنقریب بیان کرونگا، اسوقت صرف اسقدر کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ انھوں نے وہ کام کیا جسکو دوسرے لوگ نہیں کر سکے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی قالب میں ایک ایسی روح لیکر آئے تھے جو اخلاقی موثر سے زیادہ طاقتور تھی،

اُخلاقی موثر کے ضعف کی دوسری مثال ہلو آئر لینڈ میں ملتی ہے، یہ جزیرہ چھٹی صدی میں جزیرۃ الادلیا کے نام سے موسوم اور عبادت گاہوں اور گرجوں سے معمور تھا، مسیحی مذہب کی اشاعت کے لئے جرمنی میں یہیں سے مبلغین بھیجے گئے تھے، اور جمعیت اخلاق کو جبقد راعوان و

انصار کی ضرورت ہوتی تھی وہ یہیں سے بآسانی مل سکتے تھے، کیونکہ یہاں کے تمام لوگ اسی قسم کی زندگی بسر کرتے تھے، یہ ملک ان اشخاص سے بھرا ہوا تھا جو تمام محاسن اخلاق سے متصف تھے، انکے اعتقاد کی بنیاد ریگ پر قائم نہ تھی بلکہ ان کے عقاید نہایت مضبوط تھے، ان اسباب کی بنا پر اس اخلاقی زندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ اس قوم کی اجتماعی حالت نہایت بہتر، نہایت مستحکم، اور نہایت دلنوش کن ہوتی، لیکن بد قسمتی سے تنزل و انحطاط کے سوا اسکا کچھ نتیجہ نہیں نکلا، اور یہ تنزل عین اس زمانہ میں شروع ہوا، جب یہ قوم ان محاسن اخلاق کی شدت کے ساتھ پابند تھی، لیکن با این ہمہ یہیں یہ نہیں کہتا کہ اس قوم کا تنزل اسکی اخلاقی اور مذہبی ترقی کا نتیجہ تھا، کیونکہ اگر عین ایسا دعویٰ کر دین تو اسی غلطی میں مبتلا ہو جاؤ گے، جیسا کہ وہ لوگ مبتلا ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ قوم اور اخلاق کی حرکت میں وہی نسبت ہوتی ہے جو علت و معلول میں ہوتی ہے، مگر یہ ایک غلطی ہے اور میں اس سے بچنے کی کوشش کروں گا، اور اس موقع پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کروں گا کیونکہ میرے موضوع کا اصلی عنوان یہی ہے،

تیرہویں اور چودھویں صدی میں اخلاقی اور مذہبی حرکت اٹلی میں حد کمال کو پہنچی، اسی زمانہ میں بہت سے پیشوایان مذہبی پیدا ہوئے، اسی زمانہ میں فرسیکاں اور کلا ریس کے فرتنے پیدا ہوئے جس نے دنیا کو اپنے عجز و فقر سے مبہوت کر دیا، اور یہ دونوں وہ غویان ہیں جنکو ہمارے مخالف اخلاق کا سب سے بڑا درجہ خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان کی اصلاح اسوقت تک نہیں ہو سکتی جب تک وہ تمام غیر ضروری چیزوں سے بے تعلق نہوجائے، وہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی حالت کس قدر تعجب انگیز ہے جو لوگوں کو نصیحت کرتے آتے ہیں، لیکن وہ گارڈیوں میں سوار ہوتے ہیں حالانکہ ان گارڈیوں سے کوئی فائدہ نہیں، وہ لوگ اس سامان تعیش سے لوگوں کے دلوں میں رشک و حسد کا بیج بوٹتے ہیں، اور اس طریقہ سے مختلف المذاہج طبقات کا وجود لازمی قرار دیدیتے ہیں حالانکہ

وہ لوگ خود یہ کہتے ہیں کہ یہ فرقہ بندیان محض دہی و خیالی ہیں، اس بنا پر اگر ہم درحقیقت قوم پرترس کہلاتے ہیں اور اس کے رنج و الم میں اسکی ہمدردی کرتے ہیں تو ہمارے اس پیر سے الگ ہو جانا چاہیئے جو زندگی کو ناز و نعم کی زندگی بناتی ہے۔“

پادری فرسواد اسیسزم بھی پھی چاہتا تھا اور کہتا تھا، ”جاؤ اور سونے چاندی کے زیورات پہنو اپنی جیب میں مال نہ رکھو، اور اپنے ساتھ مشکیزے، چادرین، جوتے اور عصا نہ لو“ اس کے اس مذہب کا جو قبول عام چل رہا وہ ہم سے مخفی نہیں ہے، اس کے مذہب پر نو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ وہ پانچ ہزار مرید اسیسزم کی حیثیت عمومیہ کی طرف بھیج رکھا، اور اس کے اصحاب کی تعداد ایک لاکھ پندرہ ہزار تک پہنچ گئی جو سات ہزار گرجوں میں رہتے تھے، ان کے علاوہ عورتوں اور عام لوگوں کے گرجے تھے جو اس کے مذہب کے پابند تھے، لیکن با این ہمد مذہب اور اخلاق کی اس ترقی کا اثر اس سے زیادہ ہوا جو رومن امپائر اور بد نصیب آئرلینڈ میں ہوا تھا، تنزل کے مونترات نے اٹالین قوم میں اختلافی اور سیاسی طوائف الملوکی کا وہ منظر پیش کیا جسکو دیکھ کر بت پرست رومن قوم کے چہرے پر بھی آشکار مخالفت نمودار ہو جاتے ہیں، آخری نتیجہ یہ ہوا کہ تمام سیاسی اور اجتماعی نظام کا شیرازہ درہم برہم ہو گیا اور پارلیون کی اقتدار آمیز کوششیں بالکل ناکامیاب رہیں۔

میں بہت زیادہ مثالیں پیش کرنا نہیں چاہتا، کیونکہ اس زمانہ کی تاریخین ان سے بھری پڑی ہیں، البتہ ایک مثال پیش کرنے کی (اور اجازت چاہتا ہوں،

اس زمانہ میں لوگ بودھ مذہب کے ارکان و اصول کی بھی نہایت عزت کرتے تھے اور درحقیقت یہ مذہب، مظلوم، مصیبت زدہ اور ضعیف لوگوں پر نہایت ترس کہتا تھا، لیکن اس وقت اسکی اس فضیلت کا بیان مقصود نہیں، صرف یہ دکھانا ہے کہ اس مذہب نے اجتماعی مسائل کو کس طرح سہلایا، اور ہندوستان اور مشرق اقصیٰ کی ان قوموں کو جو اس مذہب کی معتقد تھیں ترقی کے

کس پایہ تک پہنچا دیا؟

واقعہ یہ ہے کہ ان قوموں کے تنزل و انحطاط کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، آدمی کو صرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لینا چاہیئے کہ ان قوموں کی کیا حالت ہے؟

اب بھی بہت سے پادری، رعبان، قیسیں جن میں کیتھولک، پروٹسٹنٹ، یہودی، بلکہ بہت سے اکابر فلسفہ بھی شامل ہیں، اخلاقی موثر کے کامیاب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن با این ہمہ افسوسناک طور پر انکو اپنی ناکامیابی کا اعتراف کرنا پڑا ہے، اور وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ ”لوگ انجیل کی تعلیمات اور حکما کے اقوال پر عمل نہیں کرتے لیکن با این ہمہ وہ مایوس نہیں ہیں، اور اس سب کو کوشش کرنا چاہتے ہیں، اور ایسی کامیابی کے متوقع ہیں جہیں گرجوں اور عبادت گاہوں کا اثر و اقتدار بالکل بیکار ثابت ہوا ہے، شاید ان لوگوں کو اب تک یہ معلوم نہیں ہوا ہے کہ با این ہمہ اخلاص و عمل، با این ہمہ ایشا و قربانی، اور با این ہمہ زہد و تقشف، ان کوششوں کی ناکامی خود اس بات کی دلیل ہے کہ اگر قیامت تک اس سلسلہ کو قائم رکھا جائے تو فورہً برابر بھی کامیابی نہیں ہو سکتی، ہر وہ شخص جسکو اس تجربہ بین ناکامی ہوئی ہے اس بدیہی نتیجہ کا انکار نہیں کر سکتا، لیکن اب تک لوگ یہ نہیں جانتے کہ صرف اخلاقی موثر تو ہون کی سعادت کا کفیل نہیں ہو سکتا بلکہ انکی تمدنی عظمت کے لئے ایک اور چیز کی ضرورت ہے، اور اسی کے نظر انداز کر دینے سے یہ تمام ناکامیاں ہوئی ہیں، میں اسی مخفی چیز کا پتہ بتانا چاہتا ہوں، لیکن میں سب سے پہلے ایک مثال پیش کر دوں گا، جسکو میں نے انجیل مقدس سے اخذ کیا ہے۔

”اخلاقی موثر“ کی تشبیہ ایک بیج سے دی جا سکتی ہے جو صرف عمدہ زمین میں نشوونما حاصل کر سکتا ہے۔ بجز زمین میں نہیں اگ سکتا، اس لئے زمین کی قابلیت و عدم قابلیت کو بیج کی نشوونما میں بہت بڑا دخل ہے، یہ کوئی نئی مثال نہیں ہے، بلکہ اسکو واعظوں نے، علماء اخلاق نے اور شکیں نے انجیل مقدس کے



بعد اس کثرت سے بار بار دہرایا ہے کہ وہ ایک بدیہی چیز ہو گئی ہے، لیکن بدیہی سے انھوں نے اس بدیہی مثال میں یہ غلطی بھی شامل کر دی ہے کہ بیج کی عہدگی زمین کو بھی عمدہ بنالیتی ہے اور یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ کوئی زمین ناقابلِ بہین ہوئی، خرابی صرف بیج میں ہوتی ہے، اب زمین کی قابلیت کا نظر انداز کر دینا بالکل آسان تھا، اور انھوں نے اسکو نہایت آسانی کے ساتھ نظر انداز کر دیا، اور صاف صاف کہہ دیا کہ یہ بحث ہی بہین کرنی چاہیئے کہ موجودہ زمانہ گذشتہ زمانہ سے بڑا ہے کیونکہ اس کے متعلق کوئی تحقیق بہین کی جا سکتی، جسکے معنی یہ ہوئے کہ بس زمانہ میں یہ بیج بوسے جا رہے ہیں اس سے کوئی بحث بہین کرنی چاہیئے، اس غیر مدلل نظریہ کو قائم کر کے انھوں نے اخلاقی بیج سے اپنے ہاتھ بھر لئے، اور اسکو ہر طرف پھینکنا شروع کیا، بیج باطل رانگان گئے تو انکو اسپر سخت تعجب ہوا، لیکن اس تعجب کو انھوں نے یہ کہہ ڈور کر دیا کہ یہ بہت بڑا کام ہے، اس کے نتائج کی اس قدر جلد توقع بہین کرنی چاہیئے، لیکن اس سے ہمارے فرائض میں کوئی تغیر بہین ہو سکتا کیونکہ کامیابی ہمارے بس میں بہین،

لیکن یہ کتنی عجیب بات ہو کہ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ اس طریقہ سے قوم کو اخلاقی اور اجتماعی حیثیت سے ترقی دینا مقصود ہے، لیکن جب اس میں ناکامی ہوتی تو یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ کامیابی ہمارے بس کا کام بہین، جسکے معنی یہ ہوئے کہ اخلاق کو صرف اخلاق کے لئے محبوب بنایا جا رہا ہے، اس سے اجتماع ترقی مقصود بہین، گذشتہ لوگوں کو بھی اسی غلط خیال کی بنا پر ناکامی ہوئی کہ انھوں نے زمین کے اثر کو نظر انداز کر دیا اور اسکی طرف توجہ بہین کی حالانکہ اجتماعی زمین کی قابلیت و عدم قابلیت ہی کو موثر اخلاقی کی کامیابی و ناکامیابی میں حقیقی دخل ہے، اس بنا پر اگر ہم کسی صحیح نتیجہ تک پہنچنا چاہو تو ہم سب سے پہلے خود بہین اجتماعی بہین کو انقلاب پیدا کرنی کو کوشش کرنی چاہیئے اخلاقی موثر کی کامیابی کی راہ میں اصلی رکاوٹ یہی ہے کہ ہماری سوسائٹی اور ہمارے اخلاقی موثر کی اثرات میں سخت تضاد پایا جاتا ہے، اخلاقی موثر کہتا ہے کہ انسان کو تمام تکلیفات برداشت کر لینے تیار رہنا چاہیئے، اور ہمارا اجتماعی اگر دیکھیں تو اسکی مخالفت میں آواز بلند کرتا ہے اسلئے سب سے پہلے اسی ماحول کو بدلنا چاہیئے۔

## کیمبرج یونیورسٹی

(از سر مشین الدین انصاری)

کیمبرج یونیورسٹی نے اپنی موجودہ حیثیت ملک انڈیہ کے عہد حکومت میں بموجب منشور شاہی ۱۸۵۷ء میں اختیار کی، نہ صرف علمت کے لحاظ سے بلکہ بلحاظ قدمت یورپ کی مشہور ترین یونیورسٹیوں میں شمار کی جاتی ہے، اگرچہ کیمبرج یونیورسٹی، اکسفورڈ کے بہت بعد قائم ہوئی تھی، لیکن زمانہ موجودہ میں اکسفورڈ کے ہم پلہ خیال کی جاتی ہے، اور اس کا نظام بھی تقریباً اکسفورڈ ہی کے نمونہ پر قائم ہے، انگلستان کی یہ دونوں سب سے بڑی تعلیم کاہن اکثر ایسی خصوصیات رکھتی ہیں جو دوسرے دارالعلوم کے حالات سے بالکل جدا گانہ ہیں، اسلئے اپنے اردو خوان ہوطنوں کی واقفیت کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بیان کے عام نظام و زندگی پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے۔

یونیورسٹی کی سب سے اعلیٰ مجلس ”سینٹ“ ہے اور اس کا کورم یونیورسٹی کے ان ماسٹر کی ڈگری رکھنے والوں پر مشتمل ہوتا ہے جو باقاعدہ یونیورسٹی میں مقیم ہیں، اس جمعیت کو یونیورسٹی کے تمام قوانین و ضوابط پر اختیار حاصل ہے، نیز طلبہ کو اسناد و دنیا، یونیورسٹی کے شعبوں میں عہدہ داروں کا تقرر، اور یونیورسٹی کی جانب سے دارالعلوم برطانیہ کے لئے دو ممبر منتخب کرنا اسی سے متعلق ہے، تو انہی احکام کا نفاذ گو بالوقتہ ”چانسلر“ کے سپرد ہے، جو یونیورسٹی کا غیر مقیم افسر اعلیٰ ہوتا ہے مگر بالفعل عمل امور کا دار و مدار اس چانسلر پر ہے جو عہدہ داران یونیورسٹی میں سے سال بسال منتخب ہوتا ہے، اس چانسلر کو مشورہ دینے کے لئے ۱۶ ارکان کی ایک کونسل ہے جو کونسل آف دی سینٹ کے نام سے موسوم ہے، اور بذریعہ انتخاب مرتب ہوتی ہے، علاوہ عملی اختیارات کے قانون سازی

میں بھی اس جماعت کی حیثیت بہت اہم ہے، کیونکہ کوئی قانون باقاعدہ جو اس مجلس کا منظور کردہ نو سینٹ میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

مذکورہ بالا دونوں جماعتوں کے احکام حسب ذیل صیغوں کے واسطے نافذ اور عملی بنی ہوئے ہیں:

- (۱) "بادی آف وی سنڈیکٹس"، جو یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کا کام انجام دیتی ہے،
- (۲) "اسپیشل بورڈ آف اسٹڈیز"، جو مختلف مضامین کی تعلیم اور امتحانات کی نگرانی عام طور پر کرتا ہے،
- (۳) "جنرل بورڈ آف اسٹڈیز"، جو عام نظام تعلیم کا نگران ہے اور اس میں تقریباً ہر مضمون تعلیم کے حقوق کے لئے نا یونین شریک رہتے ہیں،
- (۴) "فائنانشل بورڈ"، صیغہ مال ہے جو صرف مصارف سے متعلق ہے نہ کہ محصل سے۔

کیمرج رزیدنشل (اقامتی) یونیورسٹی کی حیثیت سے طلبہ کی دماغی اور جسمانی تربیت کے علاوہ اخلاقی و معاشری تربیت کی بھی ذمہ داری لیتی ہے، اس یونیورسٹی میں کالج کی حیثیت تعلیم گاہ کی نہیں ہے بلکہ کالج طلبہ کی قیام گاہ یا بورڈنگ ہوس کے مرادف ہے، کالج کے افسر (ماسٹر، ٹیوٹر، ڈان وغیرہ) کا تعلق طلبہ سے زیادہ تر انکی بود و باش کی نگرانی کا ہے، کالج اپنی عمارت یا شہرت کی بنا پر چھوٹے یا بڑے بھی کہے جاتے ہیں، لیکن اس شہرت کا اثر طلبہ کی تعلیم پر کسی حیثیت سے نہیں ہے، کیونکہ تعلیم کا مسئلہ تھامس یونیورسٹی سے متعلق ہے نہ کہ متفرق کالجوں سے، یونیورسٹی بھر سے ہر مضمون کے طلبہ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں یعنی ہر مضمون کا درجہ کسی خاص کالج کا نہیں بلکہ پوری یونیورسٹی کا درجہ ہوتا ہے البتہ ہر کالج میں دو تین محکم کسی نہ کسی مضمون کے ضرور ہوتے ہیں جنکے کمرے اسی کالج کی عمارت میں ہوتے ہیں اور بعض اوقات انہیں کمرون میں اس معلم کے تمام شاگرد یونیورسٹی کے مختلف کالجوں سے اکٹروں لیتے ہیں، یا اکثر کسی دوسری مقررہ جگہ مثلاً لیورپول یونیورسٹی، یا کسی لکچر کے کمرہ میں جمع ہوتے ہیں، لیکن بعض اوقات اساتذہ اپنے طلبہ کو اپنے رہنے کے مکان پر بلا کر سبق دیتے ہیں،

بیاناتک تو تقسیم اعمال و اوقات کا تعلق یونیورسٹی سے ہے، کالج کا تعلق تعلیم طلبہ سے صرف اس حد تک کہا جاسکتا ہے کہ طالب علم کی خاندانی نگرانی تعلیم کے لئے ہر کالج اپنی جگہ پر ہر مضمون کا ایک مشیر ڈائریکٹر آف اسٹڈیز، مقرر کر لیتا ہے اور طالب علم کو شرکت امتحان کی اجازت، مطالعہ میں خفیف سی مدد دینا، کتب مطالعہ کی تعیین، مطالعہ کی نگرانی وغیرہ اسی سے متعلق ہوتی ہے، چنانچہ ہر کالج میں جتنے مختلف مضامین کے طلبہ ہوتے ہیں اتنے ہی مشیر کالج کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں، طلبہ کو اگر اس مشیر کی امداد نا کافی معلوم ہوتی ہے تو ایک ”کوچ“ طلبہ بطور خود مقرر کر لیتے ہیں،

ہر کالج اپنی جگہ پر ایک خود مختار انسٹیٹیوشن ہے جو بجز چند یونیورسٹی کے قواعد پر پابند ہو نیکی اپنا کاروبار خود چلاتا ہے، اپنی املاک پر پورا اختیار رکھتا ہے، اپنے عہدہ دار منتخب کرتا ہے اور اپنے خاص قواعد جاری کرتا ہے، یونیورسٹی اور کالجوں کے تعلقات باہمی عجیب و غریب ہیں، یونیورسٹی اور کالجوں کے مابین کوئی عہد نامہ نہیں ہے، تاہم یونیورسٹی کے اخراجات ایک حد تک کالجوں کی پیچھی ہوئی رقوم سے پورے ہوتے ہیں کالجوں کے بعض افسروں کو یونیورسٹی کی طرف سے خاص رعایتیں حاصل ہیں، اور بعض پروفیسر جو صرف یونیورسٹی کی طرف سے مقرر ہیں بعض کالجوں میں خاص مراتب رکھتے ہیں، اور اسی طرح کالج یونیورسٹی کے قواعد مانستے ہیں، اور یونیورسٹی کالجوں کے قواعد کا لحاظ کرتی ہے، اسکے علاوہ ہر کالج کا طالب علم یونیورسٹی کی طرف نسبت دیا جاتا ہے، اور یونیورسٹی ہر طالب علم کسی نہ کسی کالج کا رکن ضرور ہے، اس طرح کی باہمی خوش تعلقی کا نتیجہ یہ ہے کہ بغیر کسی منہج و نزاع کے کالجوں اور یونیورسٹی کا کاروبار بغیر کسی سہمی خاص کے از خود چل رہا ہے، اور اتنا بڑا انسٹیٹیوشن معاونت باہمی کی ایک مجسم مثال ہے۔

سنو کالجوں کے علاوہ ”ڈھال“ بھی ہیں جو حقوق و مشاغل کے لحاظ سے کالجوں کے مساوی ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ ڈھال میں طلبہ کے رہنے کی جگہ نہیں ہوتی، باقی ہر طرح کی نگرانی اور

اختیارات کا لچ کے سے ہیں، جو طلبہ کسی ہال سے تعلق رکھتے ہیں وہ ان کا لیجیٹ "کہلاتے ہیں، "ہال" کے طلبہ لائنس شدہ مکانات (جو عدد و دیونیورسٹی یعنی کیساے سینٹ میری کے مرکزی مقام سے ڈبائی میل کے قطر کے اندر ہوتے ہیں) میں رہتے ہیں۔ ہال کی بھی تخصیص نہیں بلکہ تمام کالجوں کا یہی طریقہ ہے، کہ کالج کی عمارت میں جب گنجائش نہیں رہتی تو اسی طرح ہر کالج اپنے ارکان قیام کے واسطے مکانات کرایہ پر لے لیتا ہے، یہ لائنس شدہ مکانات کالج کے کمرون کے حکم میں سمجھے جاتے ہیں اور ساکنین ان ہی ضوابط کے پابند ہوتے ہیں جو مہمان کالج کے لئے ہیں، طالب علم خواہ کسی ہال سے تعلق رکھتا ہو یا کالج سے بہرہ فقیر اسکو بجز کسی عذر معقول کے کم از کم شام کے کھانے پر اپنی لٹیلیٹوشن کی عمارت میں حاضر ہونا ہوتا ہے۔

مکسفرڈ کی طرح یہ یونیورسٹی بھی اپنی قدامت پسندی اور روایات پرستی کے لئے مشہور ہے، یونیورسٹی کی اس روش کا اصول یہ ہے کہ جب تک کسی قاعدہ کی وجہ سے کوئی خاص مادی نقصان نہ نمایاں ہوتا ہو کسی دفعہ کی ترمیم بمشکل ہوگی خواہ وہ کتنی ہی بے ضرورت اور لائینی کیون نہ ہو، گو ہمیشہ سے اس طرز عمل پر آواز سے سنے جاتے رہے، لیکن کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا، طلبہ کو شب کو نوشی کی عام اجازت ہے، لیکن جب تک کوئی طالب علم یونیورسٹی کے لباس (چوکر ٹوپی اور چنچہ) میں پایا جائے اس وقت سگریٹ وغیرہ پینا جرمانہ کے خطرہ سے خالی نہیں، اسی طرح الزوار کو دن بھر یہ لباس پہن کر نکلنا، روز رات کو پہن رہنا یہ سب اسی طرح ضروری ہے جیسے کہ کسی استاد کے پاس جاتے ہوئے یا کسی جلسہ کی شرکت کے وقت پہنا، یہاں تک کہ اگر اتفاق سے کوئی کمانے کے وقت اس لباس میں نہ ہو تو میز سے ہٹایا جاسکتا ہے خواہ وہ گوبوٹ ہی کیون نہ ہو، ہر کالج کے چنچہ کی قطع میں قدر سے فرق ہوتا ہے لیکن ٹوپی یونیورسٹی بھر میں یکساں ہے، اس لباس کی قید کا تعلق کالجوں اور یونیورسٹی کی تاج سے بہت گہرا ہے، اور اسی قسم کی چند علامتیں باقی ہیں جو پتہ دیتی ہیں کہ کالج قدیم زمانہ میں گرجاؤں اور

پا در یون سے تعلق رکھتے تھے، اسی مذہبیت کا رنگ روایت کی حیثیت سے یونیورسٹی اور کالجوں کے اکثر اصولوں میں نظر آتا ہے، حتیٰ کہ کسی کالج میں بغیر دعائے خیر و برکت کے کھانے پر کوئی نہیں بیٹھ سکتا اور دعا کا تاریخی، لاطینی الفاظ میں ادا ہونا بھی ضروری ہے۔

طلبہ کے اخلاق و کردار کی نگرانی بطرح کالج کے احاطہ میں ہوتی ہے، اس سے زیادہ سخت گیری کے ساتھ شہر کی گلیوں، تعمیراتوں، ہسٹون، ناچ گہروں کے اندر وغیرہ بھی ہوتی ہے، یونیورسٹی کی طرف سے چند جاسوس متعین رہتے ہیں، جو طالب علم کے اخلاق پر نگاہ رکھتے ہیں، دوسرے یہ کہ افسران یونیورسٹی میں سے کم از کم چار ”پراکٹر“ مع اپنے دو سیاہ پوش ملازمین کے (جنکو عرف عام میں ”بلڈاگ“ کہتے ہیں) رات کو گشت لگا کر طلبہ کو قواعد یونیورسٹی اور نیز عام اخلاق کی پابندی پر مجبور کرتے ہیں اور سزا دینا بھی انکے اختیار میں ہے، یونیورسٹی کے دائرہ اقتدار سے باہر بھی، مثلاً ہوٹل میں یا کسی جگہ پر جہاں طلبہ کی رسائی ہو پر اکثر کو وسیع اختیار حاصل ہیں، اس سے یونیورسٹی کی عزت جو حکومت و قوم کی نگاہ میں ہے اسکا تپہ چلتا ہے، حال میں بعض تجارتی کمپنیز کے قریب چند کافٹا کھولنا چاہے تھے، جسکی اجازت یونیورسٹی نے نہیں دی، اسی طرح مثلاً لابی ان ہو سکتا ہے کہ مشکوک چال چلن کے لوگ خواہ یونیورسٹی سے تعلق رکھتے ہوں یا شہر سے پر اکثر کے حکم سے ترک سکونت پر مجبور ہوتے ہیں،

طلبہ کے لئے جہاں اتنی سختیاں ہیں بہت سی آزادیاں بھی ہیں، یونیورسٹی کی روایت پرستی سے الگ طلبہ نے اپنی زندگی میں چند غیر مرقوم روایات رواج دے لئے ہیں جو اکثر مفید بھی ہیں مثلاً یہ کہ طلبہ ان مالک کی مشورہ باقاعدگی کی پروا اپنی طالب علمانہ زندگی میں نہیں کرتے، وہ لباس کی پابندیوں کے چندان مرید نہیں ہیں، ظاہری آرائش و زیبائش کے بہت کم قدردان ہیں اور شہر کے باشندوں سے اپنے کو فائق خیال کرتے ہیں، اگرچہ ان کا عام لباس ایک جھڈے قسم کے

بد رنگ کپڑے کے کوٹ اور فلائین کے سیاہ پتلون پر مشتمل ہوتا ہے، اور اگر یونیورسٹی کی ٹوپی کا بار سر پہنا ضروری نہیں ہے تو شہر کی گلیوں اور معززین سے ملاقات میں بھی برہنہ سر پہنا اسکا فخر ہی خواہ موسم کی جو حالت ہو مگر آگسٹورڈ اور کیمبرج کی یہ روایت برقرار رہیگی، آپس کی ہمدردی اور پیار کی خدمت ان لوگوں کا حصہ ہے، گو بعض اوقات یہ اتحاد امن عامہ کے لئے بھی کسی حد تک مضر ہوتا ہے اور نگرانوں کو پریشانی میں ڈالتا ہے، کسی طرح کی عدالتی چارہ جوئی طلبہ کے خلاف بلا اجازت افسران یونیورسٹی نہیں ہو سکتی اسکے ساتھ یہ ضرور ہے کہ مسامحت زیادہ ناگوار صورت نہیں اختیار کرتے اور کالج ہی میں عدالت کی داد مل جاتی ہے، گذشتہ نمبر میں ایک طالب علم کو یونیورسٹی نے مجبوراً عدالت کے حوالہ کر دیا تھا جسکے خلاف دعویٰ تھا کہ اس نے متعدد بانسکلیں چوری کی ہیں، ملزم نے اقبال کیا یہ واقعہ یونیورسٹی کی تاریخ میں اپنی قسم کا بالکل پہلا تھا، مگر وہ طالب علم ملزم اس بنا پر بری کر دیا گیا کہ اسکے کالج کے افسر نے اسکے گذشتہ نیک روش کی بہت پر زور شہادت دی، نیز ڈاکٹر نے اسکی دماغی حالت کو نا درست بتایا، اور ایک قسم کے مرض کی تشخیص کی اگر وہ طلبہ نے اپنی اس طرح کی ولایت سے نجات پر باقاعدہ اظہار مسرت کیا،

یوں تو ہر تعلیم گاہ میں عموماً ایک نو وارد کی ہستی ہدفِ تمسخر ہوا کرتی ہے، مگر اس یونیورسٹی کی زندگی میں نو گرفتاروں کی حیثیت عجیب الخلقیت حیوان سے شاید ہی کچھ کم سمجھی جاتی ہو، اس طرح کا احساس عام ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ جب تک انسان بالکل اسی رنگ میں نہ رنگ جائے زندگی حرام ہوتی ہے،

کیمبرج میں متعلیم کا بھون کے علاوہ دو کالج (نیو نم اور گرٹن) متعلقات کے لئے ہیں جنہیں یونیورسٹی باقاعدہ اپنا جزو نہیں شمار کرتی مگر وہ عملاً یونیورسٹی کے اجزاء ہیں، تعلیم کے بارے میں رٹ کے اور لٹکین کے حقوق مساوی ہیں، دونوں کی تعلیم بھی ساتھ ہوتی ہے اور لاکھیاں تقریباً ان تمام

لکچرون، مملون اور امتحانوں میں جاسکتی ہیں جو لڑکوں کے لئے ہیں، لڑکیوں کے لئے لڑکوں سے الگ کوئی خاص نصابات نہیں ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ بہت سے قیود مثلاً یونیورسٹی کا لباس وغیرہ لڑکیوں کے لئے نہیں، لڑکیاں یونیورسٹی کی رکن نہیں شمار ہوتیں اور نہ کسی امتحان میں کامیاب ہونے پر وہ باضابطہ ڈگری لینے کی مجاز ہیں، بلکہ ڈگری کے بجائے وائس چانسلر کے دستخط سے انکو کامیابی کی سند دیدی جاتی ہے، متعلقات کی نگرانی کا مسئلہ بھی زیادہ تر یونیورسٹی سے متعلق نہیں، بلکہ خود انکے کالجوں سے انجام پاتا ہے،

یونیورسٹی کا داخلہ کسی خاص امتحان میں کامیاب ہونے پر بشرطہ نہیں، البتہ بعض کالجوں میں دستور ہے کہ اکثر طلبہ کا نام لکھنے سے پیشتر استناد کی جانچ کر لیتے ہیں، داخلہ (admission) محض ایک روایتی عہد نامہ پر دستخط کر دینے کا نام ہے، بیشک داخلہ کے بعد اپنے مضمون تعلیم کے لکچرون کی شرکت کے ساتھ ہی ساتھ ایک سال کے اندر "پریولس" (جسے عرف عام میں "ٹل گو" بھی کہتے ہیں) کے دونوں حصوں میں کامیابی حاصل کر لینا ضروری خیال کیا جاتا ہے، یہ امتحانات ہر سال چار مرتبہ تقریباً تین ماہ کے فاصل سے منعقد ہوتے ہیں اور ضروری نہیں ہوتا کہ دونوں حصوں میں ایک ساتھ شرکت کی جائے، پریولس کے دونوں حصے ملا کر آکسفورڈ کے "سپانٹنس" لندن کے میٹرک اور ہندوستان کے "لوکل کیمبرج سینئر" کے ہپلہ میں، اگر ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں سے کسی میں ایم، اے، یا بی، اے سکند ڈویژن، یا انٹرمیڈیٹ فرسٹ ڈویژن کے ساتھ پاس کیا گیا تو یہاں "پریولس" سے استثناء حاصل ہو سکتا ہے، اسی طرح بعض دوسری یونیورسٹیوں کے اسناد کا بھی سچا کیا جاتا ہے، اور آجکل خدمات جنگ کے صلہ میں بھی یہ امتحانات بعض قواعد کے بموجب معاف ہو رہے ہیں،

"تعلیمی سال اکتوبر میں شروع ہوتا ہے جمین تین ٹرم" (عہدہ تعلیم) ہوتے ہیں،



(۱) "میکس ٹرم" اوائل اکتوبر سے وسط دسمبر تک،

(۲) "لینٹ ٹرم" وسط جنوری سے اواخر مارچ تک،

(۳) "ایسٹر ٹرم" وسط اپریل سے اواخر جون تک،

ان عرصہ کے تعلیم کی تاریخیں بعض قواعد کے رو سے ہر سال مختلف پڑا کرتی ہیں،

کسی ڈگری کے حامل کرنے کے لئے علاوہ امتحانات مہینہ کے کم از کم (عموماً) نو ٹرم کا قیام بھی

ضروری ہے مگر بعض یونیورسٹیوں کے سند یافتگان کے حق میں دربارہ قیام رعایت ہو جاتی ہے،

ارکان یونیورسٹی (طلبہ) کا ٹرم میں قیام جس طرح ضروری ہے اسی طرح تعطیل میں کیمرج

کے حدود سے خارج ہو جانا بھی ضروری ہے، غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ تعطیلات میں طلبہ کی نگرانی کا

ذمہ یونیورسٹی نہیں ملتی،

اس یونیورسٹی میں حسب ذیل ڈگریاں ہیں،

بی۔ اے - B. A. سائنس والوں کے لئے بھی یہی ڈگری ہے،

پگلاؤف ڈونٹی B. D. شعبہ دینیات میں

پگلاؤف مڈلین M. B. " طبیات میں  
پگلاؤف سرجری B. Ch. " جراحی میں

پگلاؤف میوزک Mus. B. " موسیقی میں

ال، ال، بی، L. L. B. " قانون میں (یہ ڈگری ہمیشہ بی، اے کے ساتھ ہے)

ایم، اے - M. A. سائنس، طبیات اور دینیات والوں کے لئے بھی یہی ڈگری ہے،

ماسٹر آف سرجری M. Ch. ماسٹر آف میوزک Mus. ماسٹر آف لا M. L.

ڈاکٹران لٹرس D. Litt ڈیوٹرٹی کے اکثر مضامین کے لئے  
 ڈاکٹران سائنس S.C. ڈی صرف سائنس کے مضامین کے لئے،  
 ڈاکٹر آف میوزک Mus. ڈی  
 ڈاکٹر آف ڈونٹی ڈی ڈی  
 ڈاکٹر آف ٹیڈین M. ڈی  
 ڈاکٹر آف لا ڈی ڈی ڈی صرف قانون کے لئے،  
 پی ایچ ڈی Ph. ڈی صرف ریسرچ اسٹوڈنٹس "ڈاکٹریٹ" کے لئے،  
 بی اے اور اسکی پمپلہ دوسری ڈگریاں تین طرح کی ہیں :-

(۱) آرڈنری (عمولی) جوائنٹل (خاص) امتحان پر دی جاتی ہے، اسے عرف عام میں "پاس" بھی کہتے ہیں،

(۲) "آنرز" یا "ٹرائی پاس"

(۳) "رِسِرچ" جسکے لئے امتحان نہیں ہے بلکہ خاص تحقیقات علمی کے نتائج دیکھ کر دی جاتی ہے،

ان میں سے (۱) سب سے زیادہ اہل ہے، جن مضامین میں اس ڈگری کے لئے امتحانات ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

زرعیات، نباتیات، کیمیادیات، طبیعیات، عضویات، ارضیات، انشیات، دینیات، حیوانیات، السنہ قدیمہ، السنہ جدیدہ، موسیقی، قانون، منطق، ریاضیات، حریات، جغرافیہ، سماج، انجینئرنگ، معاشیات،

ان مضامین سے ہر مضمون دو حصوں پر مشتمل ہے، دونوں حصوں کے امتحانات ۳ سال کے اندر عموماً قیام کے آخری دو سالوں میں دیئے جاتے ہیں، مگر ضروری ہیں کہ اگر کسی مضمون مثلاً سماج کا

پہلا حصہ ایک امتحان میں لیا گیا ہے تو دوسرا حصہ بھی اسی مضمون کا منتخب کیا جائے بلکہ اختیار ہے کہ تیسرے کے بجائے دوسرا حصہ موسیقی یا منطق کا لیا جائے، ڈگری بہر حال دیجاں گی،

نمبر (۲)، یعنی آنرز ڈگری تعلیم اور امتحانات کی ہر حیثیت سے نمبر اول سے بہت ارفع اور دشوار ہے اسکی سب سے اہم قید یہ ہے کہ اگر آنرز کے امتحان میں پہلی مرتبہ ناکامیابی ہو تو پھر اسی مضمون میں آنرز کا امتحان دوبارہ نہیں دیا جاسکتا، البتہ اگر تمہیں مناسب سمجھے تو ناکامیابی پر بھی بعض صورتوں میں ”معمولی ڈگری“ دلا سکتے ہیں، آنرز کے امتحانات میں بھی ہر مضمون کے دو حصے ہیں اور اسی قاعدہ سے ڈگری دیجا سکتی ہے جیسا کہ نمبر اول کے بارہ میں ذکر ہوا، البتہ صرف مضمون قانون کیلئے یہ استثنا صرف اس طرح کی ڈگری میں ہے کہ امتحان کے دونوں حصوں میں سے اگر ایک میں بھی قانون لیا گیا ہے (یاد دونوں میں لیا گیا ہے) تو بی۔ اے کے ساتھ ال، ال، بی کی ڈگری بھی دیدی جاتی ہے، ال، ال، بی کے لئے دوسرے مضامین کے بی۔ اے سے زیادہ کوئی خاص مشقت نہیں درکار ہوتی، یونیورسٹی کی اس فیاضی سے باہر کے لوگ اکثر دہوکہ کھاتے ہیں، البتہ یہی استثنا جراحی اور طبیات کی ڈگریوں کے لئے بھی ہے، ریاضی کے مضمون میں خاص رعایت یہ ہے کہ صرف یہی امتحان ”آنرز“ سمجھا جہیں ایک مرتبہ ناکامی کے بعد دوبارہ شرکت امتحان کی اجازت ملتی ہے، آنرز کی ڈگری کے لئے حسب ذیل مضامین ہیں:-

- (۱) ریاضیات (۲) معاشیات (۳) تاریخ (۴) جغرافیہ (۵) السنہ جدیدہ
- (۶) السنہ قدیمہ (۷) السنہ مشرقیہ (۸) ادبیات (انگریزی) (۹) انسانیات (انتھراپالوجی) (۱۰) سائنس
- (۱۱) فلسفہ اخلاق (۱۲) علم آلات و کیمیا (سائنس) (۱۳) دینیات (۱۴) قانون (۱۵) موسیقی،
- ان میں سے نمبر ۱، ۱۱ و ۱۲ کے لئے استثنا ہے کہ امتحان کے صرف ایک حصہ میں کامیابی پر بھی ڈگری دیدی جاتی ہے، اور اگر دوسرا حصہ بھی لیا جائے تو مزید سند نہیں ملتی،

آنرس کی ڈگری کے لئے دور عایات قابل ذکر ہیں، اول یہ کہ اگر علالت یا دوسرے عذر معقول کی بنا پر طبعاً بعلم شرکت امتحان سے محذور ہو تو معلمین سے سفارش لانے پر بغیر امتحان کے ڈگری مل سکتی ہے اور اسی طرح اگر طبعاً بعلم کی مشقت مسئلہ ہو تو وقت سے پیشتر بھی ڈگری مل سکتی ہے، برخلاف اسکے اگر امتحانی شرائط پورے کرنے پر بھی متمکن کسی وجہ سے ڈگری کا نا اہل ثابت ہو تو ڈگری رد کی جاسکتی ہے، ایلم۔ اسے کی ڈگری کے لئے اس یونیورسٹی میں کسی امتحان کی شرط نہیں ہے بلکہ داخلہ کی تاریخ سے چھ سال کے بعد (بشرطیکہ بچہ کی ڈگری لیلی گئی ہو) ایک فیس ادا کرنے پر ایلم، اسے کی ڈگری دیدی جاتی ہے اور ڈگری کے لئے رکن یونیورسٹی کی حاضری کیے میرج بھی ضروری نہیں،

ڈاکٹر کی ڈگری کے لئے مختلف مضامین میں مختلف قواعد ہیں، عموماً کسی تصنیف پر یہ ڈگری دیدی جاتی ہے، اس میں بھی رکن کی حاضری شرط نہیں، البتہ ماسٹر کی ڈگری رکنا شرط ہے،

(۳) ”رسمی“ کے طلبہ کو بھی مذکورہ بالا اکل ڈگریوں کے رکھنے کا حسب کوشش حق حاصل ہے، ”رسمی“ والے طلبہ امتحانات سے مستثنیٰ ہیں، پی، ایچ ڈی کی ڈگری ایسے طلبہ کو دینا یونیورسٹی نے تجویز کیا ہے، لیکن ابھی تک اسکے لئے قواعد مرتب نہیں ہوئے ہیں،

مذکورہ بالا اکل ڈگریاں بطور اعزاز بھی لوگوں کو دیدی جاتی ہیں،

ڈگریوں کے علاوہ یونیورسٹی چار ایسے مضامین میں ڈپلوما دیتی ہے جنکی تعلیم کو یونیورسٹی کی طرف سے ضرور ہوتی ہے مگر اسکے لئے طلبہ کی رکینٹ یونیورسٹی شرط نہیں، دو مضامین یہ ہیں،

زعمیات، نفسیات طیبہ، صحت عامہ، طبیات وسط الارض،

ان کے علاوہ پانچ ڈپلوما اور مین جو صرف ارکان یونیورسٹی کے لئے ہیں :-

(۱) انسانیات، (۲) صحرائیات (۳) جغرافیہ (۴) معدنیات، (۵) المئہ مشرقیہ،

حریات کے تعلیم کے بعد ہی سارٹیفکیٹ دیا جاتا ہے جسکے لئے خاص قواعد و شرائط ہیں،

سول سردس اور انٹین سول سردس کے لئے بھی طلبہ کی تعلیم ہوتی ہے، اور علی سیکنے والے طلبہ کے لئے بھی مخصوص انتظام ہے، وینیات کا شعبہ اس یونیورسٹی میں بہت ترقی پذیر ہے اور امید کی جاتی ہے کہ ریاضیات عقلیات اور سائنس کی طرح وینیات بھی عنقریب اس یونیورسٹی کا مضمون خاص ہو جائیگا، یونیورسٹی میں غیر مستطیع و نیز نمایان قابلیت کے طلبہ کے لئے تقریباً ۵۰ وظائف شمار کئے جاسکے جو کل پانچ ہزار چھ سو پونڈ سالانہ کی مقدار تک پہنچتے ہیں، ان کے علاوہ کالجوں اور نیز بیرونی اشخاص کی طرف سے انعامات و منہ جات بھی دیئے جاتے ہیں،

متعلقات یونیورسٹی میں ایک اہم شے کتب خانہ بھی ہے، جس میں سات لاکھ پچاس ہزار جلدیں، تقریباً آٹھ ہزار قلمی نسخہ جات اور ایک لاکھ سے زیادہ نقشہ جات وغیرہ جنگ سے پیشتر تھے، جزائر برطانیہ کے قانون کے مطابق ان ممالک میں جو کتاب شائع ہوتی ہے اس کا ایک نسخہ اس کتب خانہ میں ضرور آجاتا ہے، علاوہ اسکے بیرونی ممالک سے بہت سی کتابیں، رسائل و جرائد قیثا یا تحفہ بھیجے جاتے ہیں، برسیل تذکرہ یہ کہنا بھی بجا نہ ہوگا کہ دوسری زبانوں کی طرح اس کتب خانہ میں اردو کی کتابیں بھی کسی نہ کسی تہہ و دین پائی جاتی ہیں، بے ضرورت ہونے کے باعث ایک حد تک اس زبان کی کتابوں کی طرف سے بے توجہی ضرور ہے، مگر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر مصنفین اردو اپنی کتابیں تحفہ بھیجا کریں، اور اس کتب خانہ کے مواد میں واقعی کوئی قیمتی اضافہ کرنے کی کوشش کریں تو عجب بہنیں کہ اس تعلیم گاہ میں اردو کا بھی کوئی رتبہ قائم ہو جائے، عرصہ ہوا کہ اردو اس یونیورسٹی میں دوسری زبانوں کے برابر خیال کی جاتی تھی اور بی، اے وغیرہ کی ڈگریاں دی جاتی تھیں، مگر بعد کو یہ اسکول بے مفاوضات ہو اور از خود اس کا استیصال ہو گیا،

اس کتب خانہ کے علاوہ یونیورسٹی کی ہر بورڈری، رصد گاہ اور کالج وغیرہ میں علیحدہ علیحدہ کتب خانجات ہیں جن میں بعض بے بہا اجزاء پر مشتمل ہیں، اس ضمن میں عجائب خانہ فزسز و کیم قابل ذکر ہے جو اپنی عمارت

دنیائے کتب خانہ تاریخی آثار و تصاویر وغیرہ کے لحاظ سے ایک مشہور انسٹیٹیوشن ہے، دنیا میں تاج محل آگرہ کی بہترین نقل جو سنگ مرمر کی بنائی گئی ہے، اس عجائب خانہ میں ہے، کتب خانہ اقتصادیات و معملہ سے نفسیات، سائنس اس یونیورسٹی کے خصوصیات سے ہیں، انجینیری اور فارمسی کیلئے کئی سواکیرا راضی نواح کیمبرج میں ہے، جہاں طلبہ علی تعلیم حاصل کرتے ہیں، شہر سے ایک میل کے فاصلہ پر یونیورسٹی کی رصد گاہ (آبرو ویٹری) واقع ہے جہاں ایک عمدہ لیوریٹری اور کتب خانہ بھی ہے، کیمبرج کی علی انجنیون میں (۱) کیمبرج انسٹی کرین سوسائٹی، جو ۱۸۳۲ء میں قائم ہوئی تھی بہت مشہور ہے، اس کے متعلق تاج محل آثار قدیمہ، عمارات وغیرہ کی بابت تحقیقات کرنا اور نتائج کار سالہ جات میں شائع کرنا ہے، (۲) کیمبرج کلاسکل سوسائٹی لاطینی اور یونانی زبانوں سے متعلق تحقیقات کرتی ہے اور مضمون کے طلبہ اس میں بغرض تبادلہ خیالات جمع کئے جاتے ہیں، (۳) کیمبرج فلو سافیکل سوسائٹی میں "انڈیورسین" زبانوں کی بابت خصوصاً اور ہر علی زبان کے بابت عموماً ہر طرح کے معلومات جمع کئے جاتے ہیں، (۴) کیمبرج فلو سافیکل سوسائٹی جو ۱۸۱۹ء میں قائم ہوئی تھی، مضامین فلسفہ میں تحقیقات جاری کرتی ہے، عموماً پندرہویں روز اسکے اجلاس ہوتے ہیں اور مضامین پڑھے جاتے ہیں، (۵) کیمبرج یونین سوسائٹی، یونیورسٹی کی سب سے بڑی انجمن ہے، جس کا سال قیام ۱۸۲۸ء ہے اس میں انگلستان کے نامی گرامی مقررین وقتاً فوقتاً مدعو ہو کر مختلف معاشرتی، ملکی، و سیاسی مضامین پر بحث و مناظرہ کرتے ہیں، اس سوسائٹی کے ارکان کی تعداد تیرہ ہزار تک پہنچی ہے، جن میں دو ہزار ساکنین کیمبرج (طلبہ و افسران یونیورسٹی) شامل رہتے ہیں، یونین کی عمارت میں ایک عالیشان کتب خانہ بھی ہے جو ۱۸ ہزار مجلدات پر مشتمل ہے، زمانہ تعلیم میں اس کلب کے کمانے اور چارے وغیرہ کے کمرے روز کئے رہتے ہیں، یونیورسٹی کی اصلی زندگی اسی مقام کے دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، ٹرم میں ہر سہ شنبہ کے روز شام کو مکالمہ ہوتا ہے، اس سوسائٹی کا رکن انگلستان کی ان متحدہ وطنی انجمنوں کا رکن اعزازی خیال

کیا جاتا ہے جو دوسری بڑی یونیورسٹیوں میں اسی کے نمونہ پر قائم ہیں،

ہندوستانی طلبہ کے لئے چند سال سے یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے زیر صدارت ایک کمیٹی قائم ہے جسکو انڈین اسٹوڈنٹس ایڈوکیٹری کمیٹی آف کیمرج یونیورسٹی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ انجمن مشیران طلبہ اہم ہندوستانی طلبہ کے نزدیک بہت ہی قابل شکریہ ہے، اسکے سابق سکرٹری سٹری، اے، بنفین جو تاسخ کے ایک معروف عالم ہیں، اپنے کالج کے مشاغل کی وجہ سے گذشتہ تعطیل گرامین مستعفی ہو گئے، موصوف کی جگہ پر سٹری۔ ایل میتنگ اپنے پیشرو کی طرح تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی ہر دلچسپی کی وجہ سے ہندوستانی طلبہ میں نہ صرف سرپرست کی حیثیت سے قابل عزت سمجھے جانے لگے، بلکہ ایک قابل اعتماد دوست کی طرح مانے جانے لگے ہیں، اس کمیٹی کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی طلبہ کیمرج کو ہر طرح کا مشورہ دے اور ان کے داخلہ وغیرہ کے لئے تدابیر اختیار کرے، مگر اہم مسئلہ اس جماعت سے طلبہ کو اسکے مابین کسی طرح کی امداد حاصل ہوتی رہتی ہے، جن ہندی طلبہ کے والدین یا سرپرست اس ملک میں نہیں ہیں انکی آمدنی و اخراجات کی نگرانی اس کمیٹی سے متعلق ہے، سکرٹری کی فرض ہے کہ والدین کو طالب علم کے مختصر حالات سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتا رہے، گو اس کمیٹی کے مصارف کی کفالت ایک حد تک انڈیا آفس سے بھی ہوتی ہے، لیکن اس کمیٹی کو بجز عام ہمدردانہ تعلقات کے انڈیا آفس کی ایڈوکیٹری کمیٹی سے اب تک کسی طرح کا تعلق نہیں پیدا ہوا ہے، انڈیا آفس کی کمیٹی سے جسکی شاخیں ہندوستان کے ہر صوبہ میں قائم ہیں، یہ کمیٹی ضرور مراسلت رکھتی ہے، لیکن اکثر تجربہ کاروں کے نزدیک ہندوستانی طلبہ جو کیمرج میں داخلہ کا ارادہ رکھتے ہوں، انکے لئے نہایت ضروری ہے کہ براہ راست اس کیمرج کی کمیٹی سے جلد تر رجوع کریں، بلکہ نسب ہے کہ کیمرج میں آنے سے دو تین سال قبل سلسلہ جنبا ئی شروع کجائے، اور ارادہ کرتے ہی سکرٹری ہذا کو بذریعہ تار مطلع کروینا اکثر بہت سی مایوسیوں اور زحمتوں سے نجات دیتا ہے جیسا کہ بار بار یہ اعلان ہو چکا ہے کہ قبل

از وقت کالج میں کسی طالب علم کے لئے جگہ روکنے کے لئے کوئی رقم ادا کرنا نہیں ہوتی اور نہ یہ کمیٹی اپنے خدمات کا کوئی معاوضہ طلب کرتی، حتیٰ کہ جواب خط کے لئے بھی ٹکٹ بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے، ذیل میں سکریٹری کا پتہ تار اور خط کے لئے درج کرنا بعض مشتاق طلبہ کے حق میں مفید ہوگا۔

B. L. Munnings Esq. M. A.

Secretary Ind. Students Advisory Committee

4, Post office Terrace

Cambridge (Engl.)

تار کے لئے حسب ذیل پتہ کافی ہے :-

Adviser, Cambridge,

اس یونیورسٹی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ بعض کیمبرج کے رسائل ہیں، ان میں سب سے بہتر کیمبرج یونیورسٹی رپورٹر، خیال کیا جاتا ہے، یہ پرچہ ہر دو نجات میں بہت جاتا ہے طلبہ کیلئے معلومات کا بہترین طریقہ *The Students' Handbook to the University of Cambridge* کا مطالعہ ہے اس کتاب میں یونیورسٹی کے نظام، نصاب، طرز معاشرت، معارف غرض کہ تقریباً ہر ضروری امر کا ذکر ہے، ہر سال یہ کتاب کیمبرج یونیورسٹی پریس شائع کرتا ہے، یونیورسٹی کی زندگی میں *New Cambridge* کیمبرج ریویو اور گرٹا (*Granta*) ہفتہ وار پرچہ بھی قابل ذکر ہیں، مگر ان کا ایک طریقہ نہ پرچہ ہے جو یونیورسٹی کے متعلق ہر امر پر تنقید کیا کرتا ہے، یہ پرچہ تیس سال سے محض "انڈرگریجویٹ" طلبہ کے غیر ذمہ دار باحقون میں رہ کر ایک ہی انداز سے نکلتا رہا ہے، یہ ہفتہ وار پرچہ یونین کے مباحث اور کیمپس کے نتائج بہت دلچسپی سے چاہتا ہے، گرٹا کے طبع تشبیہ و تمثیل اور گرٹن کالجوں سے زیادہ متعلق ہوتے ہیں، اعلیٰ مذاقی سے یہ رسالے



زیادہ بہرہ ور نہیں ہیں،

آکسفورڈ اور کیمبرج میں معمولی ورزش جہانی کے کھیلوں کے علاوہ ایک مخصوص شہنشاہی رانی کا ہے جس میں ہر سال تقریباً سو طلبہ حصہ لیتے ہیں، وسط موسم گرما یعنی ماہ مئی میں کیمبرج اور آکسفورڈ ہر کالج کی کشتیان لندن بھی جاتی ہیں، جہاں بڑے زور و شور سے کشتی رانی کا مقابلہ ہوتا ہے، اس مقابلہ میں انگلستان کا ہر طبقہ بڑی گرمجوشی سے دلچسپی لیتا ہے، اور ایام مقابلہ میں لندن کا بچہ بچہ یہاں تک کہ دوکانیں اور کپنیاں بھی آکسفورڈ یا کیمبرج کی جانب داری میں دیوانی و کھالی دیتی ہیں، کشتی رانی عرصہ دراز سے یونیورسٹی والوں کا فن ہے، جسکے جاری رکھنے کے لئے کشتی کھینے والوں کو ایک مخصوص انداز کی جفا کشانہ زندگی بسر کرنا ہوتی ہے، اور وقت بھی کافی سے زیادہ صرف کرنا ہوتا ہے۔ ہاکی، فٹ بال، ٹینس، کرکیٹ میں جن لوگوں کو کمال حاصل ہو جاتا ہے وہ بطور اعزاز یونیورسٹی کے رنگ (گہرے آسمانی) کی ایک صدی حاصل کرتے ہیں اور یہ لوگ کیمبرج یلیو، کہے جاتے ہیں، شطرنج اور بلیرڈ میں ایسے لوگ "ہاف یلیو" کہلاتے ہیں۔



## مختصر حوا نفسیات طبیہ

(خطبہ صدارت ڈاکٹر ولیم میک ڈوگل ایم بی، آف، آر، ایس، صدر نشین رائل سوسائٹی آف طبین شعبہ امراض دماغی)

(۱)

اس ایڈرس کا عنوان میں نے امراض دماغی کے حدود سے باہر نکل کر منتخب کیا ہے اور آپ کے سامنے نفسیات طبیہ کا موجودہ خاکہ پیش کرنا چاہتا ہوں، لیکن سب سے پہلے اس اصطلاح کا مفہوم بیان کر دینا ضروری ہے، ممکن ہے یہ کہا جائے کہ نفسیات کے کسی شعبہ کا نام نفسیات طبیہ نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے، اسلئے کہ طبیب جب مریض پر توجہ کرتا ہے تو اسکی پوری زندگی پر توجہ کرتا ہے اور اسی طرح جب اسکی حیات نعمتی پر توجہ کرے گا تو پوری حیات نفسی پر نظر کرے گا، یہ نہیں ہو سکتا کہ اسکے ایک شعبہ کو لیلے اور دوسروں سے قطع نظر کر لے، اس بنا پر اسکی نفسیات کے مسائل ہمیشہ کل حیات نفسی سے متعلق رہیں گے، یہ خیال بالکل صحیح ہے اور اسی سے یہ تفریع نکلتی ہے کہ جب نفس بشری کے متعلق ہمارے معلومات ایک مضبوط و مکمل علم کی صورت میں آجائیں گے تو اسوقت یہ علم ان تمام اشخاص کی رہنمائی کرے گا جو نفس کی طبی یا غیر طبی کسی حالت سے بھی تعلق رکھتے ہیں،

لیکن جیسا کہ میں ابھی بیان کر دینگا، چونکہ اب تک کوئی نفسیات اس طرح کی موجود نہیں، اسلئے چند سال سے برابر علم النفس کا وہ خاص شعبہ تدریجاً عالم وجود میں آ رہا ہے جسے نفسیات طبیہ کی اصطلاح سے موسوم کیا جاسکتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج سے ایک صدی کے بعد دور حاضر علم النفس کی ترقیوں کے لئے یادگار مانا جائیگا، اور اسوقت اس علم کے محققین میں اطباء کا نام بھی شکر گزاری کے

ساتھ لیا جائیگا، میں بیان اجمالی طور پر اس کا نقشہ کھینچنا چاہتا ہوں کہ آئندہ مورخین علم نفس اطباء نفسیوں کا کیونکر ذکر کریں گے۔

نفسیات طبیہ کا مرتبہ بطور ایک نیم مستقل علم کے سمجھنے کے لئے اس امر پر نظر کرنا ضروری ہے کہ کتنا ہی علم النفس کی گذشتہ صدی کی آخری دہائیوں میں کیا حالت تھی، اس وقت کے لئے یہ طنز باطل بھی نہیں کہ جتنی تعداد ماہرینوں کی تھی اتنے ہی انواع و اقسام کا علم النفس بھی موجود تھا، تاہم اس وقت بھی بعض مذاہب ایسے تھے جنکے متعلق نفی و فلسفیانہ ہونے کے بجائے تجربی اور سائنسی ہونیکا دعویٰ کیا جاتا تھا اور جو دوسرے مذاہب نفسیات پر غالب تھے،

یہ مذاہب حسب ذیل تھے،

۱) سالمیت یا حیثیت

۲) ایتلافیت

۳) لذتیت

حیثیت کا مفہوم یہ تھا کہ تمام کیفیات ذہنی جنکے لئے مشترک اصطلاح "تصورات" کی تھی، مادہ شعور کے دقیق ترین ذرات، یا حیثیات بسیط کا مجموعہ و مرکب ہیں، اور تصورات کے درمیان باہمی امتیاز کی شے محض انہیں اجزاء ترکیبی کی نوعیت و تعداد کا اختلاف ہے، ایتلافیت کا منشا یہ تھا کہ ترکیب تصورات کے لئے ذرات شعوری کا یہ اجتماع و انضمام نیز خود تصورات کا باہمی فعل و انفعال تا مثر قانون ایتلاف کے تابع ہے،

Atonism or Senoattonism,

۱

Asacittonism,

۲

Hedonism,

۳

یہ دونوں مذاہب ایک دوسرے کے موید بلکہ متمم تھے، اس بنا پر ہمیشہ ان دونوں کا لازمی طور پر ساتھ پایا جاتا تھا، انکی صداقت نہایت وسیع حلقوں میں مسلم تھی، نہ صرف اسلئے کہ یہ تحلیل بہت سادہ و قریب الغم تھا بلکہ شاید اسلئے اور زیادہ کہ دماغی ساخت کے متعلق روز افزوں معلومات سے اسے موافقت تھی، اور حیات نفسی کے متعلق ایک خالص مادی و میکائیلی فلسفہ قائم کرنے میں اس سے بہت سہولت ہوتی تھی، اسلئے کہ جس طرح تار کی آواز تار ہی کی ایک فعلیت ہوتی ہے، اسی طرح ذرات نفسی، ذرات دماغی کی فعلیت کے نتائج سمجھے جاتے تھے، اور تصورات (یا ان مرکبات ذرات نفسی) کی مثال تار کی آواز سے دیجاتی تھی، جب کئی تار ایک ساتھ چیر ڈیئے گئے ہوں، ذرات دماغی کے باہمی سلسلہ کی فعلیت کا نام ایٹلاف تھا، اور حیات نفسی کے سارے کاروبار کا خلاصہ یہ تھا کہ ذرات دماغی منفرد و مجموعاً، پنج عصبی سے ارتعاش میں آتے رہتے ہیں، اور یہ عصبی دماغی ارتعاش دلرزش تماشرا اجتماع مادی کے قوانین کی مطابقت میں ہوتی رہتی ہے،

حکمران انگلستان خصوصاً لاک، ہارٹلے، ہمیس مل، جان مل، بین واپنسٹر نے ان ہر دو مذاہب کی اشاعت و مقبولیت میں نمایاں حصہ لیا،

بعض حکمران کے نزدیک یہی دو اصول ہر عمل اور ہر فکر کی توجیہ کے لئے کافی تھے، اسلئے کہ ان اصول کے مطابق ارادہ کر نیکی معنی اسکے سوا اور کچھ نہ تھے کہ کسی حرکت یا عمل کا تصور نفس میں پیدا ہو، اور یہ تصورات حرکت بھی مثل دیگر تصورات کے قانون ایٹلاف ہی کے تابع تھے، اس مسئلہ کو اصطلاح میں نظریہ تصور محرکہ کہتے تھے جو ہمارے فریج رنقاسے کار کو دل سے عزیز و محبوب رہا ہے، اور جیسر وہ ہمیشہ ضرورت سے زیادہ زور دیتے رہے ہیں، لیکن دوسرے حکمران اس حقیقت کو کیونکر نظر انداز کر سکتے تھے، کہ عموماً انسان محض اسلئے عمل نہیں کرتا کہ اسکے ذہن میں عمل کا تصور پیدا ہوتا ہے بلکہ اسلئے کہ اس سے کسی مقصود کا حصول منظور ہوتا ہے، یا کوئی خاص غرض وہ پوری کرنا چاہتا ہے،

اسی غرض یا مقصود اصلی کا نام ان حکما نے لذت رکھا، بقول ان حکما کے عمل سعی و کوشش کے وقت انسان کے لئے محرک ہمیشہ یہی خواہش لذت ہوتی ہے، اسی سے تیسرا مذہب لذتیت کا پیدا ہوا۔ ان کے علاوہ جن مذاہب نفسیات کی بنیاد اصول بالا پر نہ تھی، وہ عموماً باطل فلسفیانہ و آلمانیاتی انداز پر تھیں، اور اسکی اہل نہ بتین کہ اطباء ران میں اختلال عصبی و دماغی کے مسائل کی تلاش کرتے، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اطباء نے تا مگر اسی مادی مذہب نفسیات کو اختیار کر لیا جسکی بنیاد حقیقت، ایتلافیت و لذتیت کے قوانین پر تھی،

لیکن درحقیقت یہ نفسیات ماہرین امراض دماغی کی ضروریات کے لئے قطعاً ناکافی ثابت ہوئی، اور اسکے نظر غریب اصول، اختلال دماغی کی توجیہ و تعلیل کے معیار پر بالکل ہی پورے نہ آتے سکے، ماہرین امراض دماغی کے حلقہ میں اس مذہب نفسیات کی مقبولیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے جو افراد تحقیقات و تفتیش کی جانب مائل ہوئے وہ اس امر کی جستجو میں پڑ گئے کہ اختلال نفسی کی بنیاد مادی کیا ہے، یا یہ کہ اختلال نفسی کن امراض عصبی سے پیدا ہوتا ہے، اور جن ممالک میں نفسیات مادی کا زور تھا، وہیں ان مسائل پر بھی زیادہ توجہ ہوئی، یعنی انگلستان و اسکاٹ لینڈ میں، بخلاف اسکے جو اطباء محض طبیات پر متوجہ رہے، انھوں نے بجائے فن نفسیات سے مدد لینے کے مسائل نفسی میں اپنی قوت تمیز، عام تجربات اور روزانہ گفتگو سے مدد لیتے رہے، چنانچہ امراض دماغی سے متعلق جو قدیم کتب و رسد اسوقت تک دیر استعمال میں انکے مطالعہ سے اس صورت حال پر کافی روشنی پڑی، اسکی مزید توضیح کے لئے بین تین مشاہیر علمائے نفسیات طبیہ کی تصانیف کے حوالہ دیا گیا جو علی الترتیب جرمن، فرانس، و انگلستان سے تعلق رکھتے ہیں،

پروفیسر زامپین، جسکی تصانیف نہایت مقبول ہو چکی ہیں، اسی مادی مذہب نفسیات کے ملبر دار ہیں، جسکے عناصر فلسفہ کا ذکر اوپر آچکا، ان کا دعویٰ ہے کہ انکی نفسیات، نفسیات عضویاتی ہے،

حالانکہ حقیقتہً اسکی حیثیت بالکل نظری ہے، اور عضویات دماغی کے مشتبہ و مشکوک مسائل پر مبنی ہیں، جبکی ایک ماہر امراض دماغی کی نظر میں کوئی وقعت نہیں ہو سکتی، اس گروہ نے ایک زمانہ میں یہ دہوم بچا دی تھی کہ نفسیات کے اس مذہب نے مرض نقصانِ تکلم کے متعلق بہت سی گہرین کمول دی ہیں، لیکن اب یہ ہر شخص تسلیم کرنے لگا ہے کہ اسکی فہمندی کا یہ اعلان غیر واقعی تھا، بلکہ عقدہ کشائی کے بجائے اس نے اور زیادہ گہرین ڈال دی تھیں،

پروفیسر نازاناکو صحیح طور پر موجودہ نفسیاتِ طبیہ کا باقی یا موسس کہہ سکتے ہیں، انھوں نے نفسیاتِ مادی کے مبادی و اصولِ اولیہ کو تسلیم کر کے نظریہٴ عمل تصور محرکہ کو خاص اہمیت دی اور مسئلہٴ انفریق ذہنی کی تشریح و توضیح میں نمایاں حصہ لیا، لیکن اگرچہ انکا یہ کارنامہ خاص طور پر قابلِ وقعت ہے تاہم ان کا کارنامہ بھی ایک بیانی و توضیحی حیثیت سے آگے نہ بڑھا، اگر وہ مادی نفسیات کے حدود سے تجاوز کر کے ایک جدید مذہب کو اس میں داخل نہ کر دیتے جو اسکے بالکل معارض ہے، یعنی یہ مسئلہ کہ نفس ایک قوت ترکیبی سے لبریز ہے، جسکی مقدار تغیر پذیر ہے، کام یہ ہے کہ مختلف عناصرِ حسیہ کو ایک چشمہٴ شعور میں متحد رکھے، اور حسین نقص پڑ جانے سے ”چشمہٴ شعور“ مختلف امواج میں منتشر ہو جاتا ہے، ”دیہی انفریق ذہنی ہے“

اس ملک ابرطانیہ میں مسلکِ قدیم سے مسلکِ جدید تک تغیر کی سب سے نمایاں مثال ڈاکٹر مرسیئر کی تصانیف میں ملتی ہے، اس طباع مصنف نے نفسیاتِ مادی کی توضیح و تشریح، قوت و اعتماد سے کہنے کے بعد آخر میں یہ رائے ظاہر کی کہ مسائلِ عمل کی عقدہ کشائی میں اس سے مطلع و بین مل سکتی، اسکے بعد بجائے اسکے کہ اصولِ نفسیات کی از سر نو تنظیم و تدوین کی جائے، ڈاکٹر موصوف یہ تجویز

Aphasia

Ideo-motor Theory

۱

Mental Dissociation

۲

پیش کرتے ہیں کہ مسائلِ عمل سے متعلق ایک مستقل جدید فن مَدُون کیا جائے، جبکہ نامِ عملیات ہو اور ایک کتاب میں مخصوص اسی فن کے مبادیات و درج کرتا ہے، اس سے بڑھکر اصولِ نفسیات مادی کے غیر نافع و لاعمل ہونے کی شہادت اور کیا مل سکتی ہے؟ ڈاکٹر موصوف نے اپنے اس طرزِ عمل میں جانِ استوارثِ مل کی پیروی کی ہے، جس نے ابتداءً اپنے والد کے قائم کردہ اصولِ نفسیات مادی کی توضیح و تشریح کو اختیار کیا، لیکن جب بعد کو یہ دیکھا کہ نئے مسائلِ کردار کے حل کرنے میں ذرا بھی مدد نہیں ملتی تو اس غرض کے لئے ایک جدید فن، بشریات کی نئی دین کی تجویز کی، دائرہِ علوم میں یون تا سچ اپنا اعادہ کرتا رہتی ہے،

ان تین مثالوں سے ان کثیر التعداد اشخاص کی کوششوں کا اندازہ ہو سیکے گا جنہوں نے فزیکِ طب میں نفسیات سے مدد لینے کی سعیِ ناکام کی ہے، ایسی حالت میں اگر اکثر ذہنوں نے اختلافِ نفسی کی تحقیق میں نفسیاتِ مرد سے کام لینے کا خیال چھوڑ دیا ہو تو اس پر حیرت نہ کرنا چاہیئے، دراصل یہی ہونا چاہیئے تھا۔ اسلئے کہ نفسیات مادی کی بندشوں کو ایک حد تک توڑنے کے بعد بھی ترقی کا قدم اگے بڑھ سکا ہے، نفسیاتِ مرد کے اصول کو ترک کر دینے کا یہ لازمی نتیجہ ہوا ہے کہ نفسیاتِ طبیہ کا جدید فن وجود میں آ گیا ہے، جو عام و قدیم نفسیات سے بہت کچھ مختلف ہے،

نفسیاتِ طبیہ کے جدید اصول و طرق کی بہترین مثال پروفیسر فریوڈ کی تصانیف میں ملیگی، جنکے معالجاتِ نفسیہ کی بابت جو کچھ بھی رائے قائم کیجئے، بہر حال اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسائلِ نفسی کی تحقیقات میں انکا خاص حصہ ہے، منطقی نقطہِ خیال سے کہہ سکتے ہیں کہ فریوڈ نے نفسیات کا کام طریقہٴ منکوس سے شروع کیا، یعنی بجائے اسکے کہ پیشتر حیاتِ نفسی کے اصول دلیہ کی تفسیر کرتا، شعور کی تحلیل کرتا، یا اپنی مخصوص مصطلحات کی تعریف کرتا، اس مجتہد و دلیر محقق نے عمل و کردار ہی کے مسائل سے آغاز کیا، اور خاص کر اختلافِ عمل و کردار کے مسائل سے جسکی

مثالیں اسکے مریضوں نے پوری طرح اسکے پیش نظر کر رکھی تھیں، اس جدید اسلوب تحقیقات نے اسے اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ کردار انسانی کے بیشتر حصہ کا خواہ طبعی ہو یا غیر طبعی، بحالت صحت ہو یا بحالت مرض، مبدع کوئی محرک عقلیہ یا شاعرہ، یا کوئی اتیلاف تصورات و ادکار ہو تا ہی نہیں، بلکہ اسکا اصل باعث محض اندردنی و باطنی قوت فاعلہ ہوتی ہے، جو شعور حلی میں نہیں بلکہ صرف شعور خفی میں ایک مبہم احساس و اضطراب کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، اس قوت کو وہ شہوت جنسی سے تعبیر کرتا ہے اور چونکہ اسے اس امر کا یقین ہے کہ یہ قوت کردار انسانی پر نہایت عمیق و وسیع اور عجیب و غریب پیچیدہ و اسطون کے ساتھ اثر ڈالتی ہے، اسلئے اس نے اس عنوان کے تحت میں اسکے مماثل دوسری قوتوں کو بھی جو اس قوت اہلی کی فعلیت میں کچھ بھی معین ہوتی ہیں، جو عام گفتگو میں اسکی شریک و رفیق بھی جاتی ہیں، شامل کر لیا، تدبیر نفسیات مادی کا رد عمل یوں ہوا کہ اس نے یہ دہ جدید حقائق دریافت کیئے۔

(۱) انسانی فکر و عمل کے بیشتر حصہ کا اضطرابی و غیر معقول ہونا، اور

(۲) اس قوت محرکہ میں شعور کا دخل برائے نام ہونا۔

نفسیات کی تالیف میں فروڈ کا یہ کارنامہ یاد رہیگا کہ اُس نے ان حقائق پر زور دیا اور اسی کے ان حقائق پر زور دینے کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ اصول آج نفسیات طیبہ کے لئے بنیاد کار کا کام دے رہی ہیں، فروڈ نے ان اصول کی جو حمایت و دکالت کی، اسپن اس سے چند غلطیوں کا بھی ارتکاب ہو گیا،

(۱) اولاً یہ کہ اس نے کردار کے بہت سے ایسے حصہ کو بھی شہوت جنسی کا معلول قرار دیدیا جو فی الحقیقت ایسا نہیں ہے، اور اس طرح اس نے اس جذبہ کی قوت بیان کرنے میں بہت مبالغہ سے کام لیا۔

(۲) ثانیاً یہ کہ باوجود نفسیات مادی سے قطعی اختلاف رکھنے کے وہ اپنے تئیں اس کے اغلاط سے بالکل محفوظ نہ رہ سکا، اور اغلاط ذیل تو اس میں خاص طور پر باقی رہ گئے،



(الف) مادی جبریت کی تردید کے بجائے فریوڈ اسکا مدعی ہے کہ نفسیات میں پہلی بار اسی نے اس مسئلہ کو مضبوطی کے ساتھ داخل کیا،

(ب) لذتیت کی تردید کے بجائے فریوڈ اس مذہب کو بھی اپنا کر کے پیش کرتا ہے، اور اسے اصول لذت سے موسوم کر کے اسکو کردار و عمل کی اضطراریت کی بنیاد بنانا چاہتا ہے، گو اسکی یہ کوشش ناکام رہتی ہے اور خود اسی کے نظام فلسفہ کی مخالف پڑتی ہے،

(۳) مثلاً، اسپین ایک بڑا نقص یہ ہے کہ فریوڈ نے نفسیات مردہ کے قدیم مصطلحات کو تو ترک کر دیا ہے، لیکن خود اپنے قائم کردہ مصطلحات کی پوری قنیں و توضیح بھی بہین کی ہے، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکا مفہوم اکثر مقامات پر مشتبہ و ناصاف رہ گیا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ بعض مصطلحات جنکی اس نے پوری تعریف بہین کی ہے، اُن سے اس قسم کے معنی پیدا ہوتے ہیں کہ گویا وہ محض توہین یا کیفیات بہین، بلکہ انسانی ہتیان بہین، مثلاً اسکی یہ اصطلاحیں، "لاشور"، "محبس"، "پیش شعوری" وغیرہ، لیکن ان شدید تقاضوں کے باوجود، اور مذکورہ بالا دو اصول کے علاوہ ہمارے نزدیک اسکی تصانیف نفسیات کی تاریخ بہین ایک مستقل مرتبہ رکھتی ہیں، اور نفسیات طبعیہ میں تو خاص طور پر بیش بہا و قابل وقعت ہیں، خصوصاً اسکے مسائل ذیل:-

(۱) یہ کہ تکلیف وہ یا دو اشیتیں مسلسل فعلیت کے ساتھ دبا کی جاتی رہتی ہیں، یہ مسئلہ بمقابلہ پرفیسر ترائان کے اصول ذہنی سے مختلف اور اس سے بدرجہا زاید کارآمد ہے،

(۲) یہ کہ نفس میں سطح شعوری کے نیچے برابر کشمکش جاری رہتی ہے، اور یہی کشمکش بعض اوقات فکر و عمل میں اختلال پیدا کر دیتی ہے،

(۳) خواب، نیز بیداری کے بعض مواقع پر فکر و عمل کا تیشلی مفہوم اور مذکورہ بالا کشمکش اور دباؤ کے اندازہ کرنے میں انکی اہمیت،

(۴) یہ مسئلہ کہ قوت کی ایک مقدار تصورات کے ساتھ شامل رہتی ہے، اور اسی کے پیمانہ کے مطابق فکر و کردار میں قوت فاعلی پیدا ہوتی رہتی ہے،

یہاں تک فروڈ کی کوششوں کا ذکر تھا، اب ذرا ایک نظر اسپر بھی کرنا چاہیے کہ دوسرے دن اس شجر میں کیا برگ و بار پیدا کئے، سب سے پہلے اس سلسلہ میں نام ایڈلر کا آتا ہے جس نے گو اسلوب تحقیق میں فروڈ ہی کی بڑی حد تک پیروی کی ہے تاہم اس سے بالکل مختلف نتائج پر پہنچا ہے اس نے نفسیات طبیہ کے دائرہ میں ان دو عظیم نشانِ تحریکات کو داخل کیا، جن تک فروڈ کی نگاہیں نہیں پہنچی تھیں، اس نے انسان کی زندگی میں ان دو پر قوت تحریکات کا وجود دریافت کیا ہے ایک امانیت و خودداری کی تحریک، دوسرے کسر نفس و اطاعت کی، اور ان دونوں تحریکات پر اس نے فروڈ ہی کے اسلوب کے مطابق غور کر کے یہ حکم لگایا ہے کہ حیات نفسی میں انکی بہت بڑی اہمیت ہے، اور بخلاف فروڈ کے، جس نے ہر عصبی اختلال کو تحریک جنسی کا نتیجہ قرار دیا تھا، یہ ان کا سبب انہیں تحریکات کی بے راہبردی و غیر طبعی فعلیت کو قرار دیتا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ امراض عصبی میں وہ ان تحریکات کی اہمیت کے باب میں کافی مبالغہ سے کام لیتا ہے، تاہم یہ دیکھ کر اس نے نفسیات طبیہ میں ان دو حقائق کا انکشاف کیا ہے، ہم اسکے قلوب مبالغہ سے درگزر کر سکتے ہیں،

اسی طرح انگلستان ہی کے ایک طبیب نے ایک اور تحریک کا اسی سلسلہ میں انکشاف کیا ہے، مہرڈ بلوٹاٹرنے انسان کی فطرت میں اجتماع پسندی کی تحریک کو دریافت کیا ہے، اور ایک دلچسپ و پر مغز رسالہ میں اسکے وجود پر فروڈ ہی اسلوب سے بحث کی ہے، یعنی بغیر ان مباحث پر غور کئے ہوئے کہ اسکی ماہیت کیا ہے؟ اسکا دائرہ عمل کیا ہے؟ اور اسکے حدود و کیا کیا ہیں؟ نفس اسکے وجود کو تسلیم کر لیا ہے، اور حیات انسانی میں جہاں کہیں اجتماعی کار و بار یا معاشرت باہمی کی براہ راست یا بالواسطہ کوئی بھی مثال ملتی ہے، وہاں اسے منطبق کر کے یہ دکھایا ہے کہ ہر انسانی

نفیست کی خواہ دو طبعی ہو یا غیر طبعی، بحالت صحت ہو یا بحالت مرض، محرک اصلی ہی تحریک ہوتی ہے  
 امریکہ کے ایک ماہر فن نے فطرت بشری کی ایک اور اساسی تحریک دریافت کر کے  
 نفسیات طبیبہ کا ایک اور قدم آگے بڑھایا ہے، ڈاکٹر بورس سیدس نے وہی فریوڈی اسلوب کو  
 اختیار کر کے یہ دکھایا ہے کہ تمام امراض عصبی کا اصلی باعث، اختلال فکر و کردار کا حقیقی سبب  
 خوف ہوتا ہے، نہ کہ جذبہ جنسی (حسب قول فریوڈ) اور نہ انانیت و خود فراموشی کی تحریک  
 (بقول ایڈلر)

(باقی)

(جرنل آف مینٹل سائنس)

## اِحْسَانُ عَلَیْهِ

ماہ گذشتہ میں اکسفر ڈسے ڈاکٹر ڈی، اے، ایمتھ، ال، ال ڈی کی وفات کی خبر موصول ہوئی ہے ڈاکٹر موصوف مشرقی علوم سے خاص شغف رکھتے تھے، اور تالیف ہند کے ایک مستند عالم سمجھے جاتے تھے تقریباً ۱۸۵۰ء میں دو ہندوستان میں ایک سولین کی حیثیت سے آئے تھے اور صوبہ متحدہ کے مختلف اضلاع میں مختلف مناصب پر فائز رہ کر کوئی بیس سال ہوئے پٹنن لیکر وطن واپس گئے، ہندوستان کے سی سالہ قیام میں وہ نادر سکجات، کتابت وغیرہ پیش ہاتھ کی موافقہ کرتے رہے اور ملازمت سے بیکہ دش ہونے کے بعد انھوں نے تالیف ہند پر متحدہ تصانیف شائع کیں، مثلاً اکبر اعظم، راجہ اشوک کا دور حکومت، وغیرہ جنہیں سے بعض کتابیں ہندوستانی یونیورسٹیوں کے اعلیٰ نصاب میں بھی داخل ہیں، انکی آخری ضخیم تصنیف اکسفر ڈسٹری آف انڈیا، حال ہی شائع ہوئی تھی، ابراہل ایشیاٹک سوسائٹی نے نمونہ اور دیگر اعزازات سے انکی علمی خدمات کا بار بار اعتراف کیا تھا۔

مسٹر ولیم دیٹفیلڈ نے جو متعدد آلات کے موجد و مخترع ہیں، ماہ گذشتہ میں ایک انگریز کتاب اس عنوان سے شائع کی ہے کہ کیا زمین گردش محوری کرتی ہے؟ اور اس سوال کا جواب نفی میں دیا ہے، زمین کی گردش محوری اس وقت علم ہیئت کا ایک بالکل مسلمہ ہے، مسٹر موصوف نے اسکی تردید کی ہے اور سکون ارض پر متعدد دلائل قائم کئے ہیں، اگرچہ وہ دلائل علمائے فن کے نزدیک ہنوب بالکل غیر متعمد ہیں،



باہمی تعلق کا ہے، پروفیسر لادل نے غیر معمولی قوت کی دربینوں کی مشاہدات سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ  
میرج بین مصنوعی مندوں کا سلسلہ نہایت طویل موجود ہے، پس جس کہہ کی مخلوق انجینئرنگ میں اس قدر  
کمال رکھتی ہے، اگر وہ باشندگان ارض سے بھی نامہ و پیام کا کوئی طریقہ دریافت کر سکے تو تعجب انگیز  
ہئیں، ساتھ ہی آلات لاسکی (بلے تار کی تار برقی) میں بھی برابر بعض عجیب قسم کی آوازیں محسوس  
ہو رہی ہیں، اور صرف ایک ہی مقام پر نہیں، بلکہ میکسان قوت کے ساتھ ایسے دور دراز مقامات  
پر بھی جیسے کہ لندن و نیویارک میں (دبکا درمیانی فاصلہ ۳۷۰۰ میل ہے) ان آوازوں کا مبد و ماخذ  
سطح زمین کا کوئی مقام نہیں معلوم ہوتا، پروفیسر مارکونی جو سلسلہ لاسکی کے موجد و مخترع ہیں انکا خیال ہے کہ  
ممکن ہے یہ آوازیں بعض طبعی اسباب سے خود بخود آفتاب سے پیدا ہوتی ہوں، ممکن ہے کہ ماہتاب سے  
آتی ہوں، اور اس طرح ممکن ہے کہ کسی اور سیارہ مثلاً میرج سے آتی ہوں، بعض دیگر حکماء ماہرین فن  
اس رائے کے موید ہیں اور بعض مخالف (معارف کے آئندہ نمبر میں مختلف علماء فن کی رائیں اس  
باب میں درج کی جائیں گی)

میساجوسٹیس (امریکہ) کے انسٹیٹیوٹ آف ٹکنالوجی کے شبیہ طبیعیات کے مہتمم اعلیٰ پروفیسر ڈورن  
ماہ دسمبر میں اعلان کیا کہ کرد ارض کا وزن ..... ۱۶۲ من ہے، ان اعداد کو  
الفاظ میں ظاہر کرنے کے لئے علم الحساب میں کوئی اصطلاح نہیں ہے،

نوع انسان کی تقسیم تین بڑی نسلوں میں ہے، منگولی (یا اولاد سام) حبشی (یا اولاد حام) اور  
آریہ (یا اولاد یافت) جزائیہ کی اصطلاح میں ان ہر سہ اقوام اصلیت کا وطن، اعلیٰ الترتیب ہیں، افریقہ  
دیورپ سمجھا جاتا ہے، اور دنیا کی باقی اقوام، انہیں اقوام اصلیت کی شاخیں تسلیم کجائی ہیں جو انکی باہمی

ترکیب و اختلاط کے نتائج ہیں، حکماء مغرب کے سامنے یہ مسئلہ مدت سے مختلف فیہ چلا آتا ہے، کہ آئرن مین یہ تفریق و تنوع کن اسباب کی بنا پر ہے، قانون انتخاب طبعی کی مدد سے بھی یہ مسئلہ پوری طرح حل نہیں ہوتا، حال میں علم الانسان کے ایک بہت بڑے ماہر پروفیسر آر تھر کیٹھ نے اپنا خیال یہ ظاہر کیا ہے کہ اس تنوع و اختلاف کے اصلی باعث جسم انسانی کے بعض غدود ہیں، جنہیں اصطلاح طب میں (Endocrine glands) کیا جاتا ہے، بنا، تفریق زیادہ تر جلد اور بالوں کے رنگ کے اختلاف پر قائم لگتی ہے، منگوئی نسل کا رنگ زرد ہوتا ہے، جسنی نسل کا سیاہ، اور آریہ نسل کا سرخ و سفید، اسی طرح کا اختلاف تینوں نسلوں کے بالوں میں ہوتا ہے، پروفیسر کہتے ہیں کہ یہ سب اختلافات انہیں غدود کی فعلیت کے نتائج ہیں، چنانچہ آریہ نسل کے جن افراد کے غدود رقیہ کی فعلیت سست ہوتی ہے، انکا رنگ مثل منگولیوں کے زرد ہوتا ہے یا جنہیں غدود و خامیہ کے افعال معطل ہو جاتے ہیں وہ بلحاظ قد و قامت بالکل سپٹ ہو کر رہ جاتے ہیں، دقت علی ہذا۔

صوبہ متحدہ کی گزشتہ سالانہ تعلیمی رپورٹ میں حسب معمول مختلف امور کے متعلق اعداد و شمار درج ہیں، ذیل میں بعض ابواب کے متعلق سال پوسٹ کے اعداد کے ساتھ وہ درج کئے جاتے ہیں کہ اس سے صوبہ کی تعلیمی رفتار کا کب قدر اندازہ ہو سکیگا۔

سال گزشتہ ۱۹۱۵ء	سال پوسٹ ۱۹۱۶ء
ہر قسم کی درسگاہوں کی مجموعی تعداد ۱۴۹۶۹	۱۴۹۶۵ (تسزل)
مجموعی تعداد طلبہ ۹۲۲۶۷۹	۹۱۸۲۵۸ (اضافہ)
تعداد طلبہ مدارس سرکاری اضافہ بقدر ۱۶۱۱۶	
تعداد مدارس سرکاری ۶۱۶	

تعداد طلبه مدارس خانگی	تنزل بقدر	۹۴۹۵
تعداد مدارس خانگی	..	۷۲۳
میزان مصارف تعلیم	۱۷۲۳۷۴۵۰	۱۵۲۸۹۱۷۹ (اضافه)
تعداد طلبه کالج	۴۷۷۳	۵۰۴۴ (تنزل)
تعداد طلبه بانی اسکول	۸۹۰۳۷	۹۱۱۷۷ (تنزل)
تعداد طلبه مدارس ابتدائی	۷۲۵۶۴۲	۷۰۶۷۲۹ (اضافه)



# تَلْخِصْ قِصَّةَ يُوْسُفَ

## یوسف وزلیخا

مصر میں بعض علماء آثار قدیمہ کو حال میں بوسیدہ چرمی کاغذات پر یونانی و شامی خط میں حضرت یوسف وزلیخا کا قصہ عشق مندرج دستیاب ہوا ہے، جو عبرانی زبان سے ترجمہ شدہ معلوم ہوتا ہے، رسالہ پاپولر سائنس سنٹر نے اپنے صفحات میں اس کتبہ کے مفصل اقتباسات شائع کئے ہیں، اس قصہ سے مسلمان و عیسائی اگرچہ اپنی مذہبی کتابوں کے واسطے سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں تاہم اس نو دریافت کتبہ کے بعض جزئیات بھی لطف و دلچسپی سے خالی نہیں، کتبہ میں درج ہے کہ فرعون مصر کا نائب السلطنت پینٹیس، شہر ہیلوپولس کا مقتدا سے نہہی، نہایت متحمل و حکیم وقت تھا، اسکی ایک لڑکی، زلیخا، جسکا سن اٹھارہ سال کا تھا، حسن و جمال و رعنائی میں اپنا نظیر دے زمین پر نہیں رکھتی تھی، تناسب اعضا، شکل و صورت، محبوبی و دلکشی، ہر حیثیت سے وہ عدیم المثال تھی، وہ ایک بلند قطعہ میں رہتی تھی، اور کسی مرد کی اس تک رسائی نہ تھی، بہ کثرت امرا اور شہزادوں نے اسکی خواستگاری کی، لیکن اس نے ہر پیام کا جواب سخت انکار سے دیا،

جب اسکے والد کو خبر ہوئی کہ یوسف، ہفت سالہ خوشحالی و سرسبزی کے زمانہ میں دفنائے غلہ فراہم کرنے کے سلسلہ میں اسکے شہر میں آرہے ہیں، تو اس نے یہ سطرے کر لیا کہ اسکی لڑکی مصر کے اس جدید رکنِ اعظم کے ازدواج میں لگے گی، چنانچہ اس نے اپنی لڑکی کے پاس آکر کہا کہ بیٹی، خدا کا برگزیدہ یوسف، جو اسوقت تمام مملکت مصر کا حکمران ہے، آج ہمارے شہر میں قدم رکھ رہا ہے

یہ یوسف خدا کی پرستش کرتا ہے، اور علم و حکمت میں اسکا پایہ بہت بلند ہے، پس اسے میری پیاری بیٹی، تو تیار رہ کہ میں تیری شادی اسکے ساتھ کروں گا اور آئندہ سے تو اسکی عروس اور درہنہ تیرا شوہر ہوگا۔  
اسپر زینب بابت برم ہوئی اور بولی کہ آبا جان، آپ یہ کیا فرما رہے ہیں، کیا آپ مجھے ایسے شخص کی اسیری میں دیدینا چاہتے ہیں جو باہر کا ہے، جس نے ہمارے ملک میں اگر گناہ کی ہے، اور جو غلام کی حیثیت سے فروخت ہو چکا ہے؟

لیکن یہ سارا غرور اور ساری خود بینی اسی وقت تک فنی جب تک جمال یوسفی پرنظر نہیں پڑی تھی، لیکن جب ایک مرتبہ آنکھیں چار ہو گئیں تو پہلو میں زل تہا اور نہ اب وہ زینب پہلی زینب تھی۔  
”جب زینب نے یوسف کو درپچ سے جھانک کر دیکھا تو فوراً اسکا دل بیٹھ گیا اور روح لرزنے لگی، اسکے اعضاء ہلنے لگے، اور اسکا جسم کانپنے لگا۔۔۔۔۔ اس نے آہ سرد بھر کر اپنے دل میں کہا کہ ہاے میری کیسی کبھیتی آگئی، میں بد نصیب اب اس سے کہاں چھپ سکتی ہوں! اور اب یوسف فرزند خدا میرے اوپر نظر کیا نہ کر کر گیا، کہ میں اسکی بابت کیسے سخت الفاظ زبان سے نکال چکی ہوں، ہاے میری کیسی شامت آئی ہے! میں اس سے بھاگ کر اور چھپ کر اب رہ کہاں سکتی ہوں اسلئے کہ وہ ہر پوشیدہ مقام کو دیکھ سکتا اور ہر بھید کو جان جاتا ہے، اسکے نور باطن سے کوئی شے مخفی و مستور نہیں، اب مجھ پر خدا سے یوسف ہی رحم کرے، اور میں نے نادانستہ جو ناشائستہ کلمات یوسف کے حق میں کہے ہیں، انہیں معاف کرے، کاش آبا جان مجھے اسکی غامدہ دیکھنا بنا کر دیدین اور میں ہمیشہ اسکی کینزی کرتی رہوں گی،

جب یوسف پتھیرس کے مکان میں آکر کرسی پر بیٹھے تو انھوں نے دیکھا کہ زینب انہیں نہایت جہانک رہی ہے، اور انھوں نے پتھیرس سے پوچھا کہ وہ بالانا نہ پر درپچ سے کون عورت مجھے جہانک رہی ہے اسے اپنے گھر سے نکال دیجئے، اور نہ وہ کہیں مجھے دفن نہ کرے، یہ یوسف نے

اس لئے کہا کہ اس سے پیشتر امراء و شہزادگان مصر کی بھی بہ کثرت بیویاں اور لڑکیاں یوسف پر دارِ منت ہو چکی تھیں، نیز عام باشندگان مصر کی بھی بہ کثرت بیویاں اور لڑکیاں ان پر عاشق ہو چکی تھیں۔“

زلیخا کا باپ ایک جہاندیدہ شخص تھا اُس نے جواب دیا،  
 ”حضور! یہ لڑکی کوئی غیر نہیں، بلکہ بندہ زادی ہے، جسے مرد کی صورت سے نفرت ہے اور  
 اور حضور پہلے مرد ہیں جن کی نظر اسکے چہرہ پر پڑی ہے، اگر مرضی مبارک ہو تو وہ حاضر ہو کر حضور سے  
 شرفِ مکالمت حاصل کرے، اسلئے کہ وہ حضور کی بہن ہوئی۔“  
 حضرت یوسف یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے کہا کہ  
 ”عجب وہ آپ کی لڑکی، اور مردِ بزار، دوشیزہ ہے تو بیشک یہی بہن ہوئی اسلئے اور آج  
 میں بھی اُسکے ساتھ شل اپنی بہن کے محبت کرتا ہوں۔“

اس پر زلیخا کی ماں اُسے اپنے ہمراہ لے آئی اور باپ نے اسے حکم دیا:-  
 ”بیٹی! اپنے بہائی کا بوسہ لے کہ وہ بھی تیری طرح پاکہ امن ہے، اور جس طرح تو غیر مرد سے بزار  
 رہتی ہے وہ غیر عورت کی صورت سے بزار رہتا ہے۔“

”زلیخا نے آتے ہی یوسف سے کہا، ”مرحبا، اے خداے اعظم دربر کے برگزیدہ، مرحبا۔“  
 یوسف نے جواب دیا کہ اے دوشیزہ خداے توانا کی تجہ پر رحمت۔“  
 اسکے بعد زلیخا کو پھر فرمان پداری ملا کہ یوسف کے قریب آ کر انکا بوسہ لے، مگر جب وہ اُس  
 حکم کی تعمیل کرنے لگی تو حضرت یوسف نے ہاتھ سے اُسے روک کر کہا کہ

”اُس شخص کے لئے جو خدا کی پرستش کرتا ہے، اور جو زندہ خدا سے برکت چاہتا ہے یہ جائز  
 نہیں ہے کہ ایک غیر عورت کا جو مرد، اہم اہنام سے برکت چاہتی ہے، بوسہ لے لے نہ چھن

خدا پرست ہے وہ اپنی والدہ اور اپنی ہمیشہ کا جو اسکی ہم خاندان ہوتی ہے، نیز اپنی بیوی کا جو اسکی شریک بستر ہوتی ہے، پوسلے سکتا ہے، اسلے کہ وہ سب زندہ خدا سے برکت پاتے ہیں، علیٰ بنا اس عورت کے لئے بھی جو خدا کی پرستش کرتی ہے، یہ جائز نہیں کہ وہ غیر مرد کا پوسلے کہ یہ خداوند تعالیٰ کی ہٹرائی ہوئی مصیبت ہے۔“

یہ کلمات سن کر زلیخا مضطرب ہوئی اور یوسف پر نظر جا کر آہ سرودھرنے لگی اور کبدیدہ ہوئی اسکی اس حالت پر حضرت یوسف کو بھی رحم آگیا کیونکہ

”وہ مہربان، رحمدل و خدا ترس تھے، انہوں نے زلیخا کے سر کے اوپر اپنا دامن ہاتھ اٹھاکر کہا، ”اے میرے باپ اسرائیل کے خدا، ایزدِ اجل و علا، جو ہر شے کو چلا تا ہے، اور ظلمت سے نور، ناحق سے حق، اور موت سے حیات پیدا کرتا رہتا ہے، تو اس دوشیزہ کو اپنی برکت عطا کر، اپنی قدرت سے اُسے راہِ راست دکھا، اور اُسکا شمار ان اشخاص میں کر جو مخلوقات عالم کی تخلیق سے پیشتر تیری نظریں برگزیدہ ہو چکے ہیں۔“

زلیخا اس دعا و یوسفی سے نہایت متاثر و مسرور ہوئی، پلٹ کر جب وہ اپنے کمرہ میں آئی تو اسے ضعف محسوس ہو رہا تھا، غم و دسرت و خوف کے مشترک جذبات نے اسکے دماغ میں ایک تلاطم پیدا کر رکھا تھا، وہ اپنے پلنگ پر لیٹ گئی، خداوند تعالیٰ کے ذکر سے اسکے جسم پر پسینہ جاری ہو گیا، اور پہلی بار اس نے اپنے قدیم و محبوب بتوں کی طرف سے اعراض کیا، حضرت یوسف بھی باوجود میزبان کے اصرار شدید کے اسی روز شہر سے روانہ ہو گئے، البتہ میزبان کی خاطر سے ایک ہفتہ بعد واپسی کا وعدہ کر گئے، انکے جاتے ہی زلیخا نے کمانا پانی سب ترک کر دیا، رات بھر تنہا جاگتی، ہر وقت زار و قطار روتی، اور اکثر سینہ کو پی کرتی رہتی، اور جب سہیلیاں استفسار حال پر زیادہ مصر ہوتیں، تو انہیں اپنے پاس سے شدید دوسر و اعضا شکنی وغیرہ کا ذکر کر کے ہٹا دیتی، بالآخر ایک روز

”اپنے کمروں سے ان بیشمار سورتوں کو اُٹھا کر جو سیم و زر کی بنی ہوئی تین اور چکی وہ پرستش کیا کرتی تھی، ریزہ ریزہ کر ڈالا اور چاندی سونے کے ٹکڑے گد اگروں اور محتاجوں کو تقسیم کر دیئے۔“  
 اُس رات تک پیہم بے آب و دانہ رہنے کے بعد زلیخا نے خدا پرستی کا ارادہ کر لیا اور اپنے  
 نفس سے کہا کہ

”سنی ہوں اسرائیلیوں کا خدا، سچا، زندہ، رحیم و رحمن، اور رحم و کرم کا سرچشمہ ہے، میں بھی  
 اسی کے پناہ میں آتی ہوں“

یہ ٹھان کر اس نے کمال خضوع و خشوع مناجات کی، اسکے بعد اُسے فرشتہ میکائیل کی شکل  
 نظر آئی، جس نے اسے یوسف کے ازدواج میں آنے کی بشارت دی، یہ فرشتہ براق نور پر سوار ہو کر  
 آسمان سے اُترا تھا، اور اُسکی شکل بالکل حضرت یوسف سے مشابہ تھی، بحر اس کے کہ اُسکی آنکھیں مثل آفتاب کے  
 روشن تھیں، اسکے بال مثل کی طرح مشتعل تھے، اور اُس کا چہرہ مثل بجلی کے چمکتا تھا،

بہر حال اس بشارت کے بعد حضرت یوسف پھر زلیخا کے شہر میں آئے، دونوں کی بچائی ہوئی  
 اور زلیخا حقیقہ تو حید کی قایل اور بت پرستی سے دست بردار ہو کر اُس کے عقد میں آئیں، نکاح کا اہتمام  
 خود فرعون مہرنے کیا، اور ایک مہفتہ تک تمام مملکت میں شاہی تزک و احتشام کے ساتھ جشن ہائے  
 مسرت منعقد ہوتے رہے،

اصل کتبہ کا پورا ترجمہ انجمن اشاعت علوم مسیحیہ (سوسائٹی فار پروموتنگ کرسچین نالج) کی  
 جانب سے انگریزی میں شائع ہوا ہے،

# امی شیا

## مرثیہ غالب

از سالک مجوم دہوی

شب کو آختہ شمار ہونا تھا	روز آٹھون مین تار ہونا تھا
اب کسان گل نشانی مضمون	خامہ حسرت نگار ہونا تھا
شب شب انتظار رہتی ہے	روز روز شمار ہونا تھا
حشر برپا ہوا تو خوب ہوا	یہ بھی اسے روزگار ہونا تھا
کیون برآے مری کوئی امید	نا امید شاعر ہونا تھا
نفس چند کیون رہے باقی	دہر مین شرمسار ہونا تھا
ہر ستم میرے واسطے اسی چرخ	خجبر آبدار ہونا تھا
تج بیداد تیز ہونی تھی	اور جہیر بھی دار ہونا تھا
نغمہ سنج نشا ط کیا ہونا	زیر لب بار بار ہونا تھا

رنگ عرنی و فخر طالب مرد

اسد اللہ خان غالب مرد

اب نہیں ہوش مین رہا کوئی	کیا مرا حال پوچھتا کوئی
کوئی آزار چرخ کا گلہ مند	شاکل بخت نارسا کوئی
چشم ترست ہے کوئی طوفان فیز	ضبط سے بے بھرا ہوا کوئی

ہے کسی کی فغان شرافشان      سوزِ نہان سے جل گیا کوئی  
 جو نہ مانگے کبھی کوئی مہجور      لب پہ لاتا ہے وہ دعا کوئی  
 اپنے عالم میں مبتلا ہے جہان      کوئی دشمن نہ آشنا کوئی  
 بہنیں چٹنے کی زندگانی تک      غم کی سمجھا نہ انتہا کوئی  
 راز اتنا تو کولہ سے مچھیر      بہنیں اسرارِ دان رہا کوئی  
 اب یہ کیوں آسان کو ہر گوش      فتنہ اس سے بھی ہے سوا کوئی

رکش عرنی و فخر طالب مرد

اسد اللہ خان غالب مرد

جہن رہتا تھا ہے جلوہ یار      ہے وہی آنکھ غم سے طوفان بار  
 تناسکون میں جو مرکزِ خاکی      بہنیں اس ل کو مثل برق قرار  
 جان لب پر کبھی نہ آئی تھی      اب لبوں سے بھی ہو گئے بیزار  
 اب وہ پیمانہ حیات ہوا      زیب کف تھا جو ساغرِ سرشار  
 یک نفس زندگی محال ہوئی      کاش آسان ہو مردنِ شوار  
 رات بدتر ہے روزِ ماتم سے      روزِ ظلمت میں غیرتِ شبِ تار  
 مرگ کا اب خدا سے طالب بن      پہلے کیا کیا تھے مانگنے بین عار  
 زیرِ کرمانے میں خوف تھا کیا کیا      اب سمجھتا ہوں چارہ آزار  
 سبب گرہ پوچھتے ہیں لوگ      مجھ کو کہنا پڑا یہی ناچار

رکش عرنی و فخر طالب مرد

اسد اللہ خان غالب مرد

نہ کروں گا علاج دردِ جگر      زندگی موت سے نہیں بہتر  
 دلِ گم گشتہ کا کون کیا حال      کہ مجھے جان کی نہیں ہے خبر  
 سطرِ خاک کی آہی خیر      آج رکنا نہیں ہے دیدہ تر  
 شمعِ بزمِ سخن کی خاموشی      دے گئی نالہاے صور اثر  
 یکس آتشِ زبان کا مرنا آہ      کر گیا بزنق سے سوا مضطر  
 کشتِ اُمید ہو گئی تاراج      خرمینِ صبر پر پل صرصر  
 نخلِ حرامینِ تازگی آئی      شجرِ آرزو ہوا ہے بر  
 بچہ سوارِ شہر بھی گذرا      پر نہ اس حادثہ سے تنہا طہر  
 ہو گیا ہے مرا یہ تکیہ کلام      پہلے ہر بات سے یہ بولب پر

رشدِ عرفی و فخرِ طالبِ مرو

اسد اللہ خان غالب مرو

خضر راہِ سخنِ جہان سے گیا      ہادی راہِ کاروان سے گیا  
 مرگ کا زندگی میں تہا کہن کا      یہ بھی غم ہے جادوان سے گیا  
 شعلے ہر بات میں نکلتے ہیں      ضبط اب سوزِ ننان سے گیا  
 شکوہ ہے موت جلا کر ابھائے      شکوہ اب مرگِ ناگہان سے گیا  
 دہری پڑھیں ہے رونقِ دہر      باعثِ زیبِ دہریان سے گیا  
 گل میں لیکن نہیں بہارِ نظر      رنگ گویا کہ گلستان سے گیا  
 دل ہو لیکن نہیں بے دل کو قرار      صبر گویا کہ اپنی جان سے گیا  
 خاک میں بل گیا عروجِ سخن      ہر مٹی کے آسمان سے گیا



یاد ہے وہ عذوبت گفتار اب سخن کا موزبان سے گیا

رشکِ عرفی و فخرِ طالبِ مرد

اسد اللہ خان غالب مرد

غم استاد ہے اگر یہ ہی یا خدا کیونکہ زندگی ہوگی  
بتلاے الم ہوں کیا جانوں عیش کیاشتہ ہی اور خوشی کیسی  
و مہدم اپنے حال پر رویا اور رونے پہ گاہ گاہ ہنسی  
میں ہوں اور بچہ میکسی افسوس وہ بھی دن تھے کہ خوش گذرتی تھی  
ایک دن دہر میں مری فریاد ہاے ہو جائیگی کسانِ سی  
آسمان گر پڑے تو گرنے دو سر پر اور ایک لہہ یہ بھی ہی  
شق اگر ہو زمین تو ہو جائے میں ہوں پیوند کاش جیتے جی  
کیجئے نالہ اور مر رہیے زندگی کی ہے کائنات ہی  
کیا کہوں کون مر گیا سالک آپ کہتے ہیں طالب و عرفی

رشکِ عرفی و فخرِ طالبِ مرد

اسد اللہ خان غالب مرد

چہرے تک اُنکے مست گئی بینبرگئی (غزل) جب جب گئی نگاہ و جوعِ دگر گئی  
دشوار ہو گئے ہیں اشارے بھی ضعف ہیں اس کام سے بھی اتو ہماری نظر گئی  
سامانِ غم بھی ہجر کی شب منتشر ہوا تڑپے تو آنسوؤں کی لڑی بھی بکھر گئی  
فقی جکی جستجو وہ اگرچہ ہنیں ملا لیکن مری نگاہ سے دنیا گزر گئی  
یوسف کو سستے دام زلیخانے لیلیا تقدیر فقی جسن کی قیمت بھر گئی

غزل استاد مری غم

# بَابُ التَّفْرِيزِ وَتَوَالِيفِهَا

## مذہب و عقلیات

زمانہ جنگ میں جذبات کے غلام سے انسان کے ہوش و حواس بہت کم بجا رہتے ہیں، اسلئے وہ اس حالت میں بہت سی ایسی باتیں کر گزرتا ہے جس پر بعد کو اسے خود ہنسی آتی ہے جنگ و حقیقت اس وقت شروع ہوتی ہے، جب دو قوموں یا دو شخصوں کے حقوق اور مقاصد و اغراض میں تصادم ہوتا ہے لیکن کوئی مذہب سے مذہب شخص بھی صرف ان حقوق کو اپنا نقطہ نظر نہیں ٹھہراتا بلکہ اس حد سے آگے بڑھنا چاہتا ہے، اور یہیں سے ان افعال کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو قانون شکنی کا لازمی نتیجہ ہیں، مثلاً اگر دو قوموں یا دو شخصوں میں سرحد کے متعلق جنگ ہو تو صرف اس سرحد کی واپسی پر قناعت نہیں کیجاتی، بلکہ دونوں فریق اپنے حریف کے دارالسلطنت تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ابتداء میں وہ مابہ الزوارع نہ تھا،

فلسفہ و مذہب کی جنگ بھی اسی قسم کی جنگ ہے، مسلمانوں میں اول اول جب فلسفہ یونان کی کتابیں ترجمہ ہو کر شائع ہوئیں تو انکو ایک الگ دنیا نظر آئی، انھوں نے دیکھا کہ فلسفہ نے ان حدود میں قدم رکھا ہے جنکو اسلام نے ممنوع قرار دیا تھا، انکو نظر آیا کہ فلسفہ نے ان جا مدخیالات میں حرکت پیدا کر دی ہے جنکو اسلام نے نہایت ٹھوس بنا دیا تھا، اسلئے مسلمانوں کی ایک خالص مذہبی جماعت نے فلسفہ کی تعلیم کو حرام قرار دیا اور علامہ سیوطی نے منطق جیسی قطعی و مفید چیز کو انہی محرمات کی فہرست میں داخل کر دیا، لیکن آزاد خیال مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جو فلسفیانہ مسائل کا مطالعہ کرتی تھی، اور ان مسائل کی رنگینی نے انکو اپنا فریضہ بنا لیا تھا، اسلئے لازمی طور پر دونوں میں جنگ ہوئی اور نتیجہ

دی ہوا جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے، اگر اس جنگ کی تاریخ معلوم ہوتی تو یہ فیصلہ کیا جاسکتا کہ اصلی مابہ النزاع چیز کیا تھی جس پر یہ ہنگامہ برپا ہوا، لیکن سر دست تو امام رازی کی شرح اشارات میں ہکو صرف یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ دشمن کی زمین کا چپہ چپہ فتح کر لیا گیا ہے، اور حریف میں اب اتنی سکنت نہیں کہ اپنی زمین کے ایک ٹکڑے کو بھی واپس لے سکے، لیکن بعض اشخاص ایسے بھی ہوتے ہیں جنکی نگاہ اس ہنگامہ میں بھی اصل حقیقت پر پڑتی ہے، اور وہ فریقین کے حدود کی صحیح تعین کر دیتے ہیں، جہاں سہریک کو بڑھنا، اور بڑھکر ایک حد تک ٹھہر جانا چاہیئے، اسلام میں امام غزالی پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ نہ مت انجام دی اور فلسفہ کے ان مسائل کی تعین کی جو حقیقی طور پر مذہب کے مخالف تھے، ان کے علاوہ بہت سے مسائل کو صحیح ثابت کیا اور بہت سے مسائل کو غیر جانبدار قرار دیا جنکو مذہب سے نہ دوستی ہو سکتی نہ مخالفت۔

جدید دور ترقی میں جب تاریخ نے اپنے آپکو دور بارہ دہرایا، اور مذہب، سائنس اور فلسفہ میں ایک عالمگیر جنگ شروع ہوئی تو جیسا کہ ہمیشہ دولوں جنگ میں ہوا کرتا ہے، جذبات کے تلاطم نے حق و باطل کی تمیز بالکل اُٹھا دی، اور فریقین نے ایک عام حملہ شروع کر دیا، لیکن یہ زمانہ مسلمانوں کے انحطاط کا زمانہ تھا، اسلئے یہ بہت تو نہیں ہوئی کہ امام رازی کی طرح موجودہ فلسفہ و سائنس کے پرچھے اڑا دیئے جاتے بلکہ اسکے سامنے مجبورانہ سہرا طاعت خم کر دیا گیا، اور اسلام کے جو مسائل بظاہر فلسفہ و سائنس کے مخالف نظر آتے تھے انکو اغنی کے مطابق کرنے کی کوشش لگی، یہاں تک کہ بہت سے لوگوں کو خود قرآن مجید میں فلسفہ کے بہت سے دقیق اور معرکہ آلا مسائل کی تشریح نظر آنے لگی، لیکن یہ سب کچھ ضعیف عقلی اور محض مروجہ بہت کا نتیجہ تھا، اگر آزادی سے کام لیا جاتا تو سب پہلے مابہ النزاع کی تعین درکار تھی، جو صرف ایک نکتہ سنج اور غیر متاثرہ ماغ ہی کر سکتا تھا،

علامہ شبلی پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ خدمت انجام دی اور احکام میں تصحیح ثابت کیا کہ سائنس

و مذہب کے حدود بالکل الگ الگ ہیں، دونوں میں جنگ کا امکان ہی نہیں ہو سکتا، فلسفہ البتہ مذہب سے ٹکراتا ہے لیکن وہ کوئی لفظی جھڑپ نہیں ہمارے دوست پروفیسر عبدالباقی ندوی نے اپنے ایک کچر میں جواب "مذہب و عقلیات" کے نام سے شائع ہوا ہے، اس مسئلہ کو اور بھی واضح کیا ہے، اور نہایت تفصیل کے ساتھ فلسفہ، مذہب، اور سائنس کے حدود بتائے ہیں، ان سبب کی تشریح کی ہے جس نے یہ جنگ برپا کر لی، اور اسی کے ساتھ فلسفہ کے تمام اسکول کی تعداد بتائی ہے اور ان میں اس اسکول کو متعین کیا ہے جو درحقیقت مذہب کا حریف ہو سکتا ہے، ان کے نزدیک سائنس تو کسی طرح مذہب کا مخالف نہیں ہو سکتا، البتہ فلسفہ کے چار مشہور اسکولوں میں (ثنویت، تصویریت یا رویت، مادیت، ارتبیاتیت) و داول الذکر تو خود مذہب کے حامی ہیں، تیسرا یعنی مادیان اسکول البتہ مذہب کا حریف ہے، اور ارتبیاتیت نہ مذہب کا دوست ہے نہ دشمن، لیکن ہم نہیں سمجھ سکتے کہ انھوں نے فلسفہ تفکیک کو کیوں اس معرکہ سے الگ رکھا ہے؛ مذہب کا تامتر دار و مدار ازغان و یقین پر ہے، اور قرآن مجید نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ الم ذلک الکتاب لا یریب فیہ متعدد آیات میں شک کرنے والوں کی بُرائی لکھی ہے اور ان سے پوچھا گیا ہے کہ کیا تم اس خدا کی نسبت شک کرتے ہو جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے، ایسی حالت میں تو وہ مذہب کا سب سے زیادہ مخالف قرار دیا جاسکتا ہے، خود ہمارے مفکرین نے اس اسکول کو سب سے زیادہ خطرناک خیال کیا ہے، ان کے نزدیک فلسفہ کے اور اسکول تو ایک چیر کے مدعی ہوتے ہیں اور اسکو دلائل سے ثابت کرتے ہیں، فرقہ مخالف اگر ان کے مقابل میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو کم از کم ان کے دلائل کے تردید کی ہمت تو کر سکتا ہے، لیکن ایک لاادری تو بالکل مفادمت جھوٹ کے اصول پر عمل کرتا ہے، مذہب کہتا ہے کہ تم جاؤ کیونکہ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہیں، لیکن ایک لاادری صرف ایک لفظ "نہیں جانتے" سے مذہب کی اس تعلیم کو بالکل رو کر دیتا ہے، ہم اس نہ جاننے کی وجہ پر چتے ہیں تاکہ دلیل کا

مقابلہ دلیل سے کیا جائے، لیکن پھر وہ اسی رٹے ہوئے فقرے کو دہراتا ہے، اب ہمارے پاس اسکا کیا جواب ہے؟ ہم اسکو دشمن سمجھتے ہیں لیکن دشمنوں کی طرح اس سے لڑنا نہیں سکتے، مادیت جسکو ہمارے دوست مذہب کا اعلیٰ حریف سمجھتے ہیں، سائنس کے موجودہ انکشافات سے اسنے نزدیک اسکو اور بھی تقویت حاصل ہوئی ہے اور حقیقت ہمارے زمانہ میں مذہبی عقاید میں جو تزلزل پیدا کیا یہ وہ اسی مذہب نے پیدا کیا ہے اور تطبیق معقول و منقول کا خیال اسی نے پیدا کرایا ہے، لیکن ہمارے دوست مذہب کو اسکی زد سے اسلئے محفوظ سمجھتے ہیں کہ مادیت کے تمام مسائل اور سائنس کے موجودہ انکشافات بھی ہمہ کائنات کی تمام حقد ہلے لائیں گے کو اتنا نہیں کھول سکے ہیں، تہ میں اور بھی علل و اسباب ہیں جن تک اب تک رسائی نہیں ہوئی ہے، خدا روح، فرشتے، غرض تمام مذہبی معتقدات اسی تہ میں چھپے ہوئے ہیں، اور مادی فلسفہ اگر انکا اثبات نہیں کر سکا ہے تو انکا بھی نہیں کر سکتا، لیکن ہمارے دوست کو غالباً بلکہ یقیناً معلوم ہوگا کہ مذہب بھی اس سرایہ محفوظ تک کسی کی رسائی کو نہیں نہ نہیں کر سکتا، وہ صرف مظاہر قدرت کی نیرنگیان دکھا کر انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اور سائنس کے موجودہ انکشافات سے ان مظاہر کی حقیقت اسقدر واضح طور پر معلوم ہو چکی ہے کہ ایک سائنس دان جب مذہب کے اس سادہ استدلال پر نظر ڈالتا ہے تو اسکو میساختہ حسی کہانی ہے اور صاف صاف کہتا ہے کہ اگر مذہب کی کل کائنات یہی ہے تو سائنس اس سے زیادہ کامیاب ہے جس نے آفتاب و مانتاب کو اور بھی روشن کر دیا ہے،

غرض جہاں تک قرآن و حدیث کی تصریحات نے خفائق عالم کے چہرہ سے نقاب اُٹا دی ہے سائنس نے اس سے بہت زیادہ گرہ کشائی کر لی ہے، اور اس حیثیت سے وہ بجا طور پر اپنے آپکو مذہب کا کامیاب حریف سمجھ سکتا ہے، اسلئے جو لوگ اس سے مرعوب ہو کر تطبیق معقول و منقول کی کوشش کر رہے ہیں انکی مرعوبیت بالکل بجا ہے۔

## مطبوعات عالیہ

صبح امید کا قومی نمبر، صبح امید ایک ایسا رسالہ ہے جس نے اپنا نصب العین ملک کی پولیٹیکل اور قومی زندگی کی ترقی قرار دیا ہے اور وہ بہت کچھ اس میں کامیاب ہو اسے، اگرچہ اسکے ہر نمبر میں اس قسم کے مضامین مل سکتے ہیں، لیکن جنوری اور فروری ۱۹۲۱ء میں اسکے قومی نمبر نے اس مقصد کو اور بھی زیادہ واضح کر دیا ہے، اردو رسائل کی دنیا میں مخصوص نمبروں کے نکالنے کا عام رواج ہو گیا ہے لیکن بہت کم رسائل ایسے ہیں جو اسکے اصلی مقصد سے واقف ہوں، حجم کی ضخامت، مضامین کی کثرت، شامیر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چند سطریں ایک رسالہ میں ایسی خصوصیتیں پیدا کرتی ہیں جسکو مخصوص نمبر کا لقب دیدیا جاتا ہے، لیکن ان مضامین کو کسی خاص مقصد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا،

صبح امید کے قومی نمبر کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ان تمام خیالات کا ایک مرتبہ ہے جسکو موجودہ پولیٹیکل اور قومی زندگی نے پیدا کیا ہے، موجودہ مسائل میں سب سے اہم مسئلہ، مسئلہ خلافت ہے جس پر ہندو اور مسلمان دونوں متفق ہیں، لیکن یہ جوش اتحاد صرف قومی ہے، علمی نہیں، یعنی بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہوں نے سلطنت عثمانیہ کے ماضی و مستقبل کے حالات اور دول یورپ کے تعلقات کو پیش نظر رکھ کر اسکی مظلومیت پر ترس کھایا ہو، صبح امید کے قومی نمبر میں مولوی ابوالحسنات ندوی نے ابتداء سے لیکر انتہا تک اس سلطنت کی پولیٹیکل تاریخ اور مذہبی اہمیت کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، جسکے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ قومی اتحاد کس قدر حقائق تاریخی کے مطابق ہے، اسکے بعد پنڈت کشن پرشا کوکل کا ایک مضمون آزادی کی پہلی منزل کے عنوان سے درج کیا گیا ہے جس میں ان تمام مسائل کی تشبیح ہے جو ریفارم اسکیم اور حضور ملک معظم کے فرمان سے پیدا ہوئے ہیں،

مسٹر گھوگل تنک نے موجودہ اقتصادی مسائل میں کاغذی سکے پر ایک عمدہ مضمون لکھا ہے جس سے وہ تمام اقتصادی مسائل حل ہو جاتے ہیں جو اس زمانہ میں زر کاغذی کے غیر معمولی رواج سے پیدا ہو گئے ہیں، رفتار قوم کے تحت میں ایڈیٹر نے موجودہ واقعات اور کانگریس اور مسلم لیگ کی کاروائیوں پر دلچسپ تبصرہ کیا ہے،

اسکے بعد عام دلچسپی کے مضامین ہیں اور ان تمام مضامین کی ترتیب سے یہ پرچہ دلچسپ مفید اور موجودہ حالات کے بالکل مطابق ہو گیا ہے، اور یہی ایک رسالہ کی سب سے بڑی کامیابی ہے، ضخامت ۱۰۰ صفحے سے زائد، قیمت ۱۲، منبر صبح امید، امین الدولہ پارک کھنٹو سے طلب کیجئے۔

الفوز الکبیر، یعنی نحویر کا ترجمہ، مترجمہ مولوی احمد علی صاحب، تقطیع کلان، کاغذ سفید، صفحہ ۴۴، لکھائی چھپائی متوسط، قیمت فی جلد ۳ روپے، مونا تہہ بنجن، محلہ قاسم پورہ ضلع انجم گڑھ۔ اس رسالہ میں مترجم نے سوال و جواب کی صورت میں نحویر کے مسائل کو سمجھایا ہے، ابتدائی تعلیم کے لئے رسالہ مفید ہے، طرز بیان اور زبان سہل و صاف ہے، گو کہ کین کین پیچیدگی رہ گئی ہے، تاہم عام طور پر لڑکوں کی سمجھ کے مطابق ہے، تھوڑی توجہ میں وہ اہلی مسائل کو سمجھ سکتے ہیں، متعدد مثالیں دی گئی ہیں، جن سے مسئلہ بہت زیادہ آسان اور قریب الفہم ہو گیا ہے، ضمیمہ میں اسماء عدد اور انکے استعمال کا طریقہ بھی درج کیا گیا ہے، آخر رسالہ میں ایک شجرہ نحویر بھی ہے جس سے کلمہ کی تقسیم اور اسکی تمام قسموں کی تفصیل بیک نظر معلوم ہو سکتی ہے، کتاب اپنے مقصد کے لحاظ سے مفید و کامیاب ہے،

برکات حکومت برطانیہ، مولفہ جناب ادیس احمد صاحب بی، اے، تقطیع چھوٹی، کاغذ سفید، لکھائی چھپائی متوسط، صفحہ ۱۸۲، کتاب مولفہ موصوف مدد ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول بجنور کے پتہ سے مل سکتی ہے،

حسب بیان مولف اس کتاب میں نہایت معتبر و مہند اعداد و ارقام قابل ترویج و واقعات سے دکھایا گیا ہے کہ ہندوستان نے برطانوی حکومت کے دوران میں ہر پہلو سے کس قدر ترقی کی ہے، اور آئندہ گونا گون ترقیوں کے اسباب کس درجہ فراہم ہو گئے ہیں،

مولف کی محنت و جستجو قابل داد ہے، بعض عنوانات بڑی جانگاہی سے لکھے گئے ہیں، لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ تصویر کا صرف ایک ہی رخ دکھایا گیا ہے، اور یہ ایک واقعہ نگار کی حیثیت کہ بہت کچھ مشتبہ کر دین والی بات ہے، واقعہ نگار کا اصلی فرض یہ ہے کہ جس طرح واقعات پیش آتے گئے اور جو کچھ انکے نتائج ظاہر ہوئے کم و کاست انکو لکھ دے، اسکو اپنی شان کسی کی طرح و تائیس سے بلند تر سمجھنا چاہیئے۔

مولف نے کثرت سے ابواب قائم کئے ہیں، مثلاً ہندوستان کی زرعی ترقی، ہندوستان کی بڑھتی دولت، انسداد قحط، پولیس، تعلیم، عدالت، ملک کی حکومت میں اہل ملک کا حصہ، امور زراعت عام وغیرہ، اور ان مضامین کو لکھ کر یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ ان تمام چیزوں میں ہندوستان کا حال ماضی سے بددجا بہتر ہے، کوئی واقف حالات شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کے قیام نے پہلی حالت کو بہت کچھ بدلا ہے، اور یہ بالکل ناگزیر امر ہے کہ جب کسی ملک میں کوئی نیا تمدن اور نیا طرز حکومت قائم ہو تو اسکے نئے اثرات بھی ظاہر ہوں، لیکن یہ دعویٰ کہ مہرے واقعہ کا منجہ گزشتہ نتائج سے بہتر ہے، غالباً مضبوط و منظم دلائل کا محتاج ہے، جسکی نسبت یہ کہنا چڑتا ہے کہ اس کتاب میں نہیں ملے،

باقی رہی یہ بات کہ ان نئے محالات سے ملک و اہل ملک کو فائدہ چھل ہوئے یا نقصانات تو اسکی نسبت مولف سے بجز اسکے اور کیا کہا جائے،

بزرگ شاخ گل افغانی گریہ بیل را  
نگار ہندو گزرا چنبر



## مضامین

۲۴۸ - ۲۴۲	شذرات
۲۴۸ - ۲۴۹	مولانا محمد یونس فرنگی علی
۲۴۴ - ۲۴۹	مولانا عبد السلام ندوی
۲۸۴ - ۲۴۵	مولوی محمد سعید انصاری
۲۹۵ - ۲۸۵	مرتبہ سے نامہ و پیام
۲۹۸ - ۲۹۴	چار ہزار سال کا تمدن
۳۰۱ - ۲۹۸	اجتماعیات جدیدہ
۳۰۶ - ۳۰۱	سری کرشن
۳۱۵ - ۳۰۶	اخبار علیہ
۳۱۷ - ۳۱۴	ہوش، عزیمت، کبھو
۳۲۰ - ۳۱۸	مطبوعات جدیدہ

## جدید مطبوعات

روح الاجتماع، یعنی ڈاکٹری بان کی کتاب "جماعت سے انسانی" کے اصول نفسیہ کا

ترجمہ از مولانا محمد یونس انصاری فرنگی علی، قیمت دو روپیہ،

"مینجر"

## شدرا

حکومت یونیورسٹی، ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں میں ایک ممتاز مرتبہ رکھتی ہے، سر اسٹوٹش کمرجی کی تحریک پر دو سال سے اس یونیورسٹی میں ایک جدید شعبہ گریجویٹ طلبہ کی تکمیل فن کیلئے قائم ہے، جس میں بی۔ اے، بی۔ اے، سی پاس طلبہ اپنے اپنے موضوع سے متعلق تحقیقات و مطالعہ کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں، سال گذشتہ اس شعبہ نے، مختلف مضامین میں تعلیم دی، اور تقریباً ڈیڑھ ہزار طلبہ اس میں شریک رہے، خاص خاص مضامین میں طلبہ کی تعداد حسب ذیل تھی۔

انگریزی	۵۲۱	نفسیات (علی)	۲۲	کیمیا	۴۶
سنسکرت	۳۳	معاشیات	۱۳۴	ریاضیات	۱۹۲
فلسفہ	۱۴۵	طبیعیات	۵۶	” (علی)	۴۵
تاریخ	۱۸۹	تاریخ و تمدن	۲۴	علوم اسلامیہ (عربی و فارسی)	۹

مسلمانوں کے اطمینان کے لئے یہ کافی ہے کہ ابھی ان کے علوم کے مطالعہ کرنا شروع کیا ہے۔  
باقی ہیں، گو انکی تعداد ایک دہائی سے بھی کم ہو! اور گویا ان میں بھی ایک بڑی تعداد غیر مسلموں ہی کی ملکیتی۔

حکومت یونیورسٹی تمام مسلمانوں کی طرف سے شکریہ کی مستحق ہے کہ اس نے اپنے ہاں نہ صرف علوم اسلامیہ، کا ایک مستقل مضمون رکھا ہے بلکہ ”انڈین درنا کیولرز“ (ہندوستان کی موجودہ زبانوں) کے تحت میں بنگالی، مرہٹی، اڑیہ، ہندی، گجراتی، ٹامل، ٹیلیگو، آسامی، کنناڈی، سنگھالی وغیرہ کے

پہلو میں ملک کی عام مشترک زبان، اردو کو بھی جگہ دیدی ہے، اردو کا صیغہ ڈاکٹر عبداللہ مامون سہروردی کے تحت میں ہے، مگر دیکھنا ہے کہ اس میں کتنے طلبہ شریک ہوتے ہیں، ہمارے ذہن سے یہ اندیشہ دور نہیں کہ ممکن ہے یونیورسٹی مذکور کی کسی آئندہ رپورٹ میں یہ اطلاع درج ہو کہ یہ صیغہ بوجہ کافی تعداد میں طلبہ نہ ملنے کے بند کر دیا گیا، اصلاً اردو پر جتنا حق مسلمانوں کا ہے، شاید اس سے کسی قدر زیادہ ہی ہندوؤں کا ثابت ہو، لیکن پچیس تیس سال سے جو صورت حال پیدا ہے، اس نے اگر اردو کے تحفظ و بقا کو مسلمانوں کی زندگی کے ساتھ وابستہ کر دیا تو اس سے کسی فرقہ کو بخشش کی کوئی وجہ نہیں۔

کلکتہ یونیورسٹی کی اس نظیر سے فائدہ اٹھا کر کیا یہ دریافت کرنا بے موقع ہو گا کہ جو یونیورسٹی اردو کے اصلی وطن (صوبہ متحدہ) میں قائم ہے، کیا اس پر اردو کا اتنا بھی حق نہیں، الہ آباد یونیورسٹی کی از سر نو ترتیب و تنظیم ہو رہی ہے، لکنو یونیورسٹی عدم سے وجود میں آ رہی ہے، لیکن صوبہ کی زبانوں پر توجہ کرنا شاید سرکاری و غیر سرکاری ماہرین تعلیم کے رتبہ سے فروتر ہے،

سالہا سال کی مسلسل خون ریزی کے بعد یورپ کے بعض اہم حلقوں میں خدا خدا کر کے معاہدہ و اتحاد باہمی کا خیال پیدا ہوا ہے، اور یہ خیال مختلف عملی شکلیں اختیار کر رہا ہے، چنانچہ حال میں ”لیگ آف نیشن“ (انجمن اقوام) کے نمونہ پر ایک ”لیگ آف ریپبلینز“ (انجمن مذاہب) بھی قائم ہوئی ہے، جس کے مقاصد و ضوابط حسب ذیل بیان کئے گئے ہیں :-

(۱) قومی نیز بین الاقوامی حیثیت سے تمام دنیا کی روحانی قوتوں کو ایک رشتہ اتحاد میں منسلک کرنا، اور ان کے درمیان رابطہ و محبت پیدا کرنا۔

(۲) ہر قوم، ہر فرقہ، اور ہر جماعت جو کسی مذہبی یا اخلاقی بنیاد پر قائم ہو اس انجمن کی رکن ہو سکیگی۔

(۳) یہ انجمن کسی مذہب و ملت کے مخصوص عقاید و تعلیمات میں دخل نہ لگے، بلکہ ہر مذہب کے پیروں سے یہ توقع رکھ لگی کہ وہ اپنے عقاید پر زیادہ استحکام سے قائم رہ کر دوسرے مذاہب کے ساتھ رشتہ اتحاد و موافقات پیدا کرتے رہیں،

(۴) اس انجمن کو سیاسیات سے کوئی واسطہ نہ ہوگا، بجز اسکے کہ قومی تعصب و منافرت کو مٹا کر اسکے بجائے دنیا میں انسانیت اور عالمگیر انسانی ہمدردی کی تحریک پہلایا جائے،

انجمن نے اتحاد و موافقات کا جو نصب العین قائم کیا ہے، اسلام کی تعلیم ابتداء سے ہی ہے اور اگرچہ عام مسلمان اپنی عملی زندگی میں اس سبق کو بھولے رہے ہیں، لیکن اہل نظر براہ راستے یاد دلاتے رہے ہیں، مولانا روم سے بڑھ کر حقائق و معارف کا رمز شناس اور کون ہوا ہے؟ انھوں نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ بعثت انبیاء کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ دنیا میں مزید اختلافات پیدا کئے جائیں بلکہ بسکوا باہمی خلوص و محبت کے سلسلہ میں متحد کرنا ہوتا ہے، حضرت موسیٰ پر دہی آتی ہے کہ

تو براے وصل کردن آمدی      نے براے فصل کردن آمدی

انجمن مذکور کی مجلس اعلیٰ (کونسل) میں ہر مذہب و ملت کے منتخب افراد کے گئے ہیں، ایسی فعلدار میں لارڈ پارمر، بشپ آف آکسفورڈ، ڈاکٹر جیکس (ایڈیٹر ہیرٹ جرنل) اور ماسٹر آف ٹیلین (آکسفورڈ یونیورسٹی) قابل ذکر ہیں، یہودیوں کے نمائندہ، انکے اسقف اعظم مسٹر مایر، بودھ مذہب کے پروفیسر یونگ فا، (پروفیسر امپریل یونیورسٹی، چین) اور ہندوؤں کے مسٹر بودھر (ممبر سرورنٹ آف انڈیا سوسائٹی) اور سر ایچ ڈی پانی (ممبر انڈیا کونسل) ہیں، مسلمانوں کی نیابت کا فرض مجھ سے مصر و ترکی وغیرہ کے کسی شخص کے ہمارے مایہ ناز ہم وطن رائٹ انریبل سید امیر علی ادا کر رہے ہیں، سید موصوف کے فضائل و کمالات سے کسکو انکار ہو سکتا ہے، تاہم اس قدر اہم انجمن میں اسلامی نیابت کا بار تنہا ایک فرد کے سر ڈال دینا کسی طرح مناسب و قرین انصاف نہیں۔

ہندوستان میں انگریزی تعلیم کی تاریخ ۱۸۵۴ء سے شروع ہوتی ہے، اس وقت سرکاری میانات کے بموجب ملک کے خانگی مدارس میں نو لاکھ طلبہ تعلیم پا رہے تھے، ۱۸۸۲ء میں والیسرا لارڈ پرین نے جوہندوستان کے نہایت ہمدرد تھے، ایک تعلیمی کمیشن مقرر کیا، اسکی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس وقت طلبہ کی تعداد ۲۵ لاکھ تک پہنچ گئی تھی، اور ہندوستان کی آبادی سے تعداد طلبہ کا تناسب ۱:۱۲ فیصدی کا تھا، ساتھ ہی کمیشن نے پرزور سفارش کی کہ ابتدائی تعلیم کی بہت زائد توسیع کرنا چاہیئے اور جہانتک حالات اجازت دین ہر صوبہ میں ابتدائی تعلیم کے عام کر نیکی کوشش کرنا چاہیئے اس تجویز اور تہیہ پر ۲۸ سال کا زمانہ اور گزرا، ۱۹۱۰ء میں جو حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ سرکاری وغیر سرکاری مدارس ملاکر طلبہ کی مجموعی تعداد ۱۴ لاکھ ہے، جسکا تناسب عام آبادی سے ۱:۱۹ فی صدی کا پڑتا ہے، گویا پورے ایک قرن کے ادعائے سہی و کوشش کے بعد طلبہ کی تعداد میں ایک فیصدی کا بھی بہنیں بلکہ ۱ فیصدی کا اضافہ ہو سکا !

غفلت و جہود کے الزام سے رعایا کی برأت پیش کرنا ہرگز مقصود نہیں، لیکن کیا حکومت ہند کے ذمہ دار ارکان کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے معمولی فرض شناسی کا بھی ثبوت دیا،

توسیع تعلیم کا اعلیٰ معیار تو طلبہ کی تعداد ہے، لیکن ابھی منزل تک پہنچنے کیلئے حکومت کے ہاتھ میں سب سے کارگر آلہ تعلیمی بجٹ ہے، چنانچہ جو حکومت تعلیم پر دل کول کر خرچ کرتی ہے وہ توسیع تعلیم میں ضرور کامیاب رہتی ہے، اؤ اس معیار پر بھی حکومت ہند کی تعلیمی تاریخ کی جانچ کر لیں، ۱۸۸۲ء میں ہندوستان کی آبادی (ریاستوں سے قطع نظر کر کے) ۲۰ کروڑ ۸۰ لاکھ تھی، اس وقت تعلیم کی مدین سرکاری مصارف ۲ لاکھ ۴۰ ہزار پونڈ سالانہ تھے، ۲۸ سال بعد ۱۹۱۰ء میں برٹش ہندوستان کی آبادی ۳۴ کروڑ ۷ لاکھ کی ہو گئی، اس وقت تعلیمی بجٹ ۶ لاکھ ۲۰ ہزار



اسکی تعداد بڑھکر پانچ فیصدی ہو گئی، جس پچاس سالہ مدت میں امریکہ کے محکوم ملک فلیپائن نے پانچ فیصدی سے آٹھ فی صدی تک یعنی تین فیصدی کی تعلیمی ترقی کی، اسی مدت میں برطانیہ کے محکوم ملک ہندوستان نے ۱۶ فیصدی سے ۱۹ تک یعنی ۳ فیصدی کی ترقی کی!

روس کی مملکت جب تک زندہ رہی، مغربی تمدن کے عارض کمال پر ایک داغ ہی اور اسکی جہالت، تاریک خیالی، و خوش سے ایک دنیا واقف ہے، اسکی آبادی میں ۱۲ فیصدی بچے زیر تعلیم تھے، اس کے ۲۶،۲۶ سال بعد ۱۹۲۶ء میں یہ تعداد بڑھکر ۱۴ فیصدی تک پہنچ گئی، لیکن روشن خیال و علم دوست برطانیہ کے ظل عاطفت میں نشوونما پانچ سالہ ہندوستان کی زیر تعلیم آبادی ۲۸ سال کی مدت میں کل ۱۹ تک پہنچ سکی! کیا ہندوستان کی شہر بخشی اس درجہ کو پہنچائی کہ بیان آکر ظل ہما میں بھی سایہ بوم کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے؟

یہ ساری گفتگو بیرون ہند سے متعلق تھی، اب ایک سرسری نظر اندر دن ہند پر بھی کر لینا چاہیے، ہندوستان کی دیسی ریاستوں کا شمار حدود ملک کے اندر ہی ہوتا ہے، انکے ہاں بہت تعلیم کا مقابلہ برٹش ہندوستان کے کیا حال ہے؟ اسکے جواب میں اعداد ذیل رونما ہوتے ہیں:-

۹ فیصدی	بڑودہ
۶۶۶	ٹرانکور
۷۶۴	کوچن
۳۶۲۸	میور
۱۱۹	برٹش ہندوستان

معارف کا کام حکومت ہند کے خلاف برہمی پھیلانا نہیں، اور نہ سیاسیات اُسکے دائرہ میں داخل ہے، لیکن تعلیمی ترقی کی رفتار کے ساتھ ملک کی حیات دماغی و تمدنی کی بقا وابستہ ہے، اس بنا پر اشاعت تعلیم سے متعلق اعداد و واقعات پیش کرتے رہنا بھی اُسکے فرائض کا ایک جزو بنتا ہے،

سالِ رودان کے آغاز سے اعلانِ خسروی نے حکومت ہند کے جس دورِ جدید کا افتتاح کیا ہے اور جب کا نفاذ چند ماہ کے بعد ہونے لگے گا وہ ایک بڑی حد تک علامہ شبلی کے اس خواب کی تعبیر ہے ۶

کہ ابنِ سرشتہ تعلیم مادرِ دست ماباشد

اُسکے محاذ سے صوبجاتِ بینِ صیغہ تعلیمات تقریباً ہندوستانِ یون کے ہاتھ میں آجا لگا، اور مرکزی حکومت میں بھی فزندانِ وطن کا عنقراب معقلِ تعداد میں ہونے لگے گا، اہلِ وطن اگر اب بھی اصلاحِ نظامِ تعلیم پر دل سے متوجہ نہ ہوں تو اس میں قصور و دسرون کا نہیں بلکہ خود اُسکا ہوگا، ہندوستان کے ادعائے تعلیم دوستی کے اصلی امتحان کا وقت اب آ رہا ہے،



# مقالات

## حقیقت علم (نہلول)

از مولانا محمد یونس صاحب فرنگی علی،

مضمون ذیل کے متعلق چند باتیں ظاہر کر دینا ضروری ہیں

(۱) اس مضمون میں صرف علم بسیط کے جلی عنوانات پر بالاختصار بحث کی گئی ہے

فہیات کے تمام اصول کا استقصار و نظر نہیں ہے اس کے لیے ایک دفتر کی حاجت ہے؛

(۲) مضمون ذیل کو پڑھتے وقت ارسطو کے نظریہ علم کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جو

زیادہ وضاحت کے ساتھ اس کے رسالہ ”حس و محسوس“ میں مندرج ہے،

(۳) فلاسفہ قدیم کے خیالات کا تذکرہ ضنا در دا بحث میں آگیا ہے ایسے جا بجا فٹ نوٹ

میں اس کے متعلق کچھ لکھ دیا ہے ورنہ انکو بحث سے خارج سمجھنا چاہیے،

(۴) اس مضمون میں علم بسیط کی جو تیسویں پیش کی گئی ہے وہ اسپریمزم یا تجربیت اور ایگنایٹزم

یا لادریٹ و دونوں کی موجزن مرکب ہے،

(۵) حقیقت علم کے متعلق انسان کے ذہنی حالات کچھ اس طرح پیچیدہ واقع ہوئے ہیں کہ انکی صحیح تشریح کرنا

مختلف فلاسفہ کے خیالات مشکل ہے، یہ سوالات کہ ہم کچھ جانتے ہیں یا نہیں؟ یا جان سکتے ہیں یا نہیں؟

ہماری بحث سے خارج ہیں اور ان سوالات کے مختلف جواب فلاسفہ نے دیے ہیں، ہم اس مضمون میں

صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علم کی حقیقت کے متعلق مختلف فلاسفہ نے کیا خیالات قائم کیے ہیں، اور علم کی واقعی حقیقت کیا ہے۔ علم و تصور یہ دو ایسے لفظ ہیں جو ہمیشہ فلاسفہ کے زیر بحث رہے۔ شکلیں کے علاوہ جو علم کے منکر ہیں تائین علم نے علم کی مختلف حقیقتیں بتائیں اور قدام اور یورپ کے جدید فلاسفہ کی تعریفات کی مختلف تعبیریں کی گئیں لیکن اب تک کسی تعریف یا کسی تعبیر پر اتفاق عام نہیں ہوا۔ ہماری عربی کی کتابوں میں علم و تصور کے بابت قدام کا مسلک یہ بیان کیا گیا ہے کہ ذہن یا عقل بن کسی شے کے آجانے یا منتقل ہوجانے کا نام علم و تصور ہے،

(۲) افلاطون کا مذہب | علم کے بابت سب پرانا مسلک افلاطون کا ہے۔ افلاطون اپنے اشراقی طرز میں علم کی تعریف یہ کرتا ہے کہ مثل افلاطونیہ (یعنی کلیات کی خارجی صورتیں) خارج میں موجود ہیں اور وہی سب علم ہیں۔ چونکہ ہمارا نفس خود عالم عقل میں اپنی ایک مثال اور اپنا ایک وجود عقلی رکھتا ہے اس لیے اس عالم مادی میں جب ہمارے نفس کے سامنے کوئی شے آتی ہے تو ایک روحانی شوق کی بنا پر ہمارا نفس اسکو پہچان لیا کرتا ہے اسکا نام علم ہے، گویا وہ مثل جو خارج میں موجود ہیں جب ذہنی جامہ پہنتے ہیں تو ہمارے علم کے باعث ہوجاتے ہیں۔ اس بنا پر افلاطون کا خیال ہے کہ علم کسی شے کے حصول ذہنی کا نام نہیں ہے بلکہ تذکر کا نام ہے۔ لیکن یہ طریقہ کلیات کے علم کا ہے، افلاطون کے نزدیک جزئیات کے علم کو علم نہیں کہتے، علم و حقیقت کلیات کا ہو سکتا ہے، کیونکہ کلیات جزئیات سے اشرف ہیں، جزئیات کلیات کے محض برتو ہیں، اور جزئیات متغیر اور کلیات غیر متغیر ہیں۔ اس لیے فلسفی اور فلسفہ کا فرض یہ ہے کہ جزئیات کو نظر انداز کر کے محض کلیات کو اپنا موضوع بحث قرار دے پس اس کے اس اصول کی بنا پر محض احساس علم کی حصے خاص ہے اور کوئی سانس ایسی نہیں ہو سکتی جس میں مشاہدات اور انشیا موجودہ فی الخارج سے بحث ہوتی ہو۔

اس مزید غاصت کی غرض سے افلاطون کی کتاب ریمیک (جمہوریت) میں وہ مقام دیکھو جہاں اس نے *Opinion* یعنی رائے اور خیالات اور *Knowledge* یعنی علم کے مابین فرق بتایا ہے اور فلسفہ کی غرض کی وضاحت کی ہے

(۳) ارسطو کی تیوری | ارسطو جو فلاسفہ یونان میں بہت دقیقہ بخ داغ ہوا ہے علم کی تشریح اس طرح کرتا ہے کہ ذرائع علم حواس ہیں، جس طرح ہمر کے کندہ کرنے سے حروف اتر آتے ہیں اس طرح جب کوئی شے خارج میں نفس کے سامنے آتی ہے تو اوستکی ایک ذہنی تصویر ذہن کے پردہ پر اتر آتی ہے، اسی کا نام علم ہے۔ لیکن یہ صرف جزئیات کے علم کا طریقہ ہے، کلیات کا تصور اس طرح ہوتا ہے کہ انسان میں حواس خمسہ ظاہری کی طرح پانچ حواس باطنہ ہیں جنکے نام بالترتیب یہ ہیں۔ حش مشترک۔ خیال۔ حافظہ۔ دہم۔ متعقذ۔ قوت حافظہ خیال کے حامل کردہ جزئیات کو محفوظ رکھتی ہے، خیال میں اشیا کے حاصل ہونے وقت انکی مادیت سلب ہو جاتی ہے اور تشخص خارجی کے مثل ایک تشخص ذہنی شے کو عارض ہوتا ہے، یہ جزئیات ذہنیہ حافظہ میں مخزون رہتے ہیں، پھر دہم ان جزئیات سے کلیات کو حاصل کرتا ہے اور قوت متعقذ ان کلیات میں جو دہم نے حاصل کیے ہیں تصرف کرتی ہے، اور انکو ترتیب دیکر ایک نیا مجموعہ ذہنی پیدا کر لیتی ہے، یہ سب اعمال نفسانی بالترتیب انجام پاتے ہیں، یہاں تک کہ آخرین نفس کو کلیات کا علم ہو جاتا ہے۔ لیکن بلذہم فلاطون کی طرح ارسطو کا بھی یہ خیال ہے کہ اصل اور حقیقی علم صرف کلیات کا علم ہے اور فلسفہ کی غرض بھی محض کلیات سے بحث کرنا ہے، مشاہدات اور محسوسات کی فلسفہ میں کوئی قدر قیمت نہیں، کیونکہ محسوسات میں ہر لحظہ اور ہر گھڑی تغیر ہوتا رہتا ہے جسکے باعث ان سے کوئی علم کلی نہیں حاصل کیا جاسکتا، بخلاف کلیات ذہنیہ کے کہ وہ باقی دائم، اور غیر تغیر ہیں۔

(۴) مادین کی تیوری | یونان کے ایک اور قدیم ادوہ پرست فلسفی اپیکیورس کی تیوری حقیقت علم کے بات یہ ہے کہ مادی اشیا کے اجزاء اور لاتیجی جن سے انکی ترکیب ہوتی ہے انکی بعض غیر محسوس اجزاء کو ہر وقت نکالا کرتے ہیں جو ہمارے حواس سے ماس ہو کر ان اشیا کے احساس کے باعث ہوتے ہیں، لیکن یہ بات کہ یہ غیر محسوس اجزاء مادی اجزاء کے اشل جن میں یا یہ بھی ادوی ہیں، اپیکیورس کے نزدیک لانیل رہتی ہیں لیکن یہ صرف جزئیات کے علم کا طریقہ ہے، اپیکیورس کے نزدیک ہی ارسطو کی طرح کلیات کے علم کا طریقہ جزئیات کے علم کا طریقہ

مختلف ہے اور کلیات کا علم اپیکورس کے نزدیک اسطرح ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک انسان میں ایک قوت تصور ہے، ایسی قوت ہے جسکو ارسطو قوت حافظہ کہتا ہے، یہ قوت انسان کے جزئی احساسات کو جمع کر کے اسے ایک تصور کلی پیدا کرتی ہے۔ گویا کلیات کے علم کے متعلق اپیکورس کی تیوری ارسطو کی تیوری سے ملتی جلتی ہے۔ اپیکورس کی احساس کی تیوری سے ملتا جاتا مذہب علمائے معتزلہ میں نظام کا مذہب ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ رنگ، مزہ، خوشبو، وغیرہ اجسام کے ذرات مادی ہیں جو مختلف اجسام سے مکمل ٹکڑاں مختلف احساسات کے باعث ہوتے ہیں غالباً نظام نے یہ خیال اپیکورس سے اخذ کیا ہے،

(۱) فلسفہ تصوری: | فلاسفہ کے ان خیالات کا تعلق زیر بحث موضوع کے صرف اس حصہ کے ساتھ تھا کہ علم و تصور کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کے متعلق بحث کا وہ حصہ جو تقریباً تمام فلاسفہ میں مشترک ہے، صحیح بھی ہے، لیکن علمیات میں جو مسئلہ ایک مدت تک معرکہ آرا رہا وہ یہ ہے کہ (۱) ہمیں ادراک کس چیز کا ہوتا ہے خود نفس، اشیا، یا اس کے اشباح و امثال کا دعویٰ کت در یہ میں بھی یہ بحث حصول اشیا، بانفسما و حصول اشیا، یا بشاہما کے عنوان سے ایک مدت تک علما میں معرکہ آرا رہی ہے)

(۲) بہر حال کیا اصل اشیا خارج میں ہمارے نفس سے باہر موجود ہیں۔

ان دو سوالوں میں سے پہلے سوال کا جو جواب فلاسفہ نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں خود اشیا، ادراک نہیں ہوتا بلکہ اوکے اشباح کا ادراک ہوتا ہے اور اس سے انکا مطلب یہ ہے کہ اصل شے خارج میں صرف مادہ اور مادہ کا ادراک نہیں ہوتا ہمیں ادراک جو ہوتا ہے تو وزن، رنگ، مقدار، امتداد، وغیرہ کے اشباح کا ہمارا نفس خود اشیا کا جو ادراک نہیں کرتا تو اسکا سبب یہ ہے کہ مادہ اپنی ذات میں خود غیر متشکل ہے اور ہمارے حواس جو ذرائع علم ہیں صرف ان ہی چیزوں کا

ادراک کر سکتے ہیں جو متفکر ہوں اس لیے ہمیں خود اصل شے نہیں دکھائی دیتی صرف اس کے مختلف اشکال نظر آتے ہیں لیکن اب سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ اشکال جنکا ادراک نفس کرتا ہے یہ خود کیا ہیں اس سوال کا جواب فلاسفہ دیتے ہیں کہ گو یہ اشکال محض خارجی صورتیں ہیں تاہم مادی ہیں اور نفس ذہنی مادہ سے بری ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایک مادی شے روحانی شے کو قبول نہیں کر سکتی اس لیے یہ ضروری ہے کہ یہ خارجی صورتیں ذہنی جامہ پہن لیں پس ہمارا نفس اشباح خارجی کا ادراک تصورات ذہنی کی صورت میں کرتا ہے برکے نے اس سے آگے یہ بھی دعویٰ کیا کہ ہمارے نفس سے باہر خارج میں کوئی شے موجود ہی نہیں ہے وہ اپنے مخالفین سے پوچھتا ہے کہ وہ یہ دعویٰ جو کرتے ہیں کہ نفس سے باہر عالم خارج میں مادہ موجود ہے اس سے ادنیٰ مراد اگر یہ ہے کہ خارج میں مادہ کے مختلف تشکلات موجود ہیں جو دوسرے الفاظ میں محض ہمارے ذہنی تصورات ہیں تو بیشک یہ صحیح ہے کہ اشیاء کا وجود ہمارے نفس سے باہر بھی ہے اور اگر اس سے انکا مقصد یہ ہے کہ ان تشکلات کے پردہ میں انکا حامل ایک اور موجود خارجی ہے جسکو مادہ کہتے ہیں تو یہ غلط ہے مادہ کا وجود خارج میں بالکل نہیں ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ اپنی اس تقریر سے برکے نے مادیت کو بچ دین سے اٹھاڑ بیچا لیکن میں کہتا ہوں کہ برکے نے اسی تقریر سے اسی کو بنیاد کو اور مستحکم کر دیا اور برکے کے فلسفہ تصوریات نے ہیوم کے الحاد کے لیے راستہ صاف کر دیا ہیوم نے اسی تقریر کی بنا پر یہ ثابت کیا ہے کہ ہم یہ جو سمجھتے ہیں کہ ہم موجود ہیں اور ہمارا نفس ادراک کرتا ہے یہ خیال بھی اسی طرح غلط ہے جس طرح یہ خیال کہ خارج میں ہمارے نفس کے باہر کوئی عالم مادی جو غرض ہیوم کے خیال کی بنا پر نہ کوئی روح مادہ ہے اور نہ کوئی روحانی و مادی دنیا۔ جو کچھ ہے محض تصورات ہیں عقل سے اگر یہ ثابت کرنا چاہو کہ روحانی اور مادی اشیاء فی الواقع خارج میں موجود ہیں تو تم عقل سے یہ ثابت نہیں کر سکتے

ہاں جو کہ ہم اپنے ان تصورات کو جو بذریعہ حواس پیدا ہوئے ہیں جھٹلائیں گے اسلئے ہم ان چیزوں کا انکار نہیں کر سکتے جو ہمارے خارج میں نظر آتی ہیں خارج میں جو کچھ ہے وہی دنیا ہے جسکو ہم دیکھتے اور جسکا ہم تصور کرتے ہیں لیکن اسکا وجود بھی ہم نے کسی عقلی دلیل سے تسلیم نہیں کیا ہے پھر روحانی عالم جو ہمارے تصور اور ہمارے مشاہدہ سے بھی بالکل ظاہر ہے کہ اسکو ہم کس طرح مان سکتے ہیں۔

(۵) فلسفہ تجربی حقیقت علم کے متعلق فلسفہ تصوری کی ان موٹنگائیوں نے اس مسئلہ کو اور زیادہ پیچیدہ بنا دیا اور فلاسفہ اصل حقیقت سے دور جا پڑے آخر اس انتشار سے گھبرا کر امتداد زمانہ نے فلاسفہ کو یہ سبق سکھایا کہ حقیقت علم کی تشریح سے پہلے یہ طے ہونا چاہیے کہ ذرائع علم کیا ہیں یعنی یہ کہ علم حاصل کن ذرائع سے ہوتا ہے؟ ہاں دقت یہ پہلے یہ طے ہو جائے کہ علم کے حاصل کرنے کے ذرائع کیا ہیں اور سوچتے ہیں حقیقت علم کے متعلق کوئی صحیح نظریہ نہ قائم ہو سکیگا اس خیال نے فلاسفہ کو حقیقت علم کے بجائے ذرائع علم کی بحث کے جانب متغیت کر دیا اور فلاسفہ میں تین گروہ پیدا ہو گئے۔

تجربہ بین نے کہا کہ ذرائع علم محض حواس خمسہ ہیں حواس خمسہ نفس میں مختلف احساسات پیدا کرتے ہیں اور تجربہ یعنی بار بار ان احساسات کے نفس میں وقوع پذیر ہونے سے ہمارے ذہن میں انشیا کے باہمی تعلقات کے متعلق ایک ادغائی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور جو چیز ہمارے تجربے سے باہر ہوتی ہے اسکا ادراک ہم نہیں کر سکتے پس ہمارا علم محض اس خارجی دنیا تک محدود ہے جو ہمیں نظر آتی ہے اور بار بار ہمارے حواس کے سامنے سے گذرتی ہے اس کے علاوہ حقائق عالم یا ان انشیا کی حقیقت سے ہم بالکل ناواقف ہیں جو ہمارے تجربہ حسی کے ماتحت کبھی نہیں آتیں اس خیال کے لوگ لاک میوم۔ برکلے۔ کانتے۔ مل۔ وغیرہ ہوئے ہیں البتہ لاک نے اپنی بات اور زیادہ کی ہے کہ ہمارے کلیات مجزہ کا ادراک ایک ذہنی قوت کے ذریعہ سے ہوتا ہے جسکو وہ فلکیشن Reflection کہتا ہے۔

(۷) انٹرنیشنل اسکول | لیکن تجربہ بین کے خلاف لٹریچر اور ڈیٹا کی سربراہی میں عقلمین کے گروہ نے یہ کہا کہ علم کو تجربہ حسی کا ملوث قرار دینا کیونکر جائز ہوگا؟ حواس سے تو صرف جزئیات کا ادراک ہو سکتا ہے لیکن کلیات اور بہت سے اولیات عام ایسے ہیں جنکے ادراک نہ لیے بغیر ایک فوق الحواس قوت کے تسلیم کے چارہ نہیں جو کلیات اور اولیات عام کے ادراک کا ذریعہ ہوتی ہو یہ ہم اپنے حواس سے بیشک دریافت کرتے ہیں کہ جزو کل سے چھوٹا ہوتا ہے لیکن یہ کلیہ کہ ہر جزو اپنے کل سے چھوٹا ہوگا حواس سے نہیں معلوم ہو سکتا اسکے ادراک کے لیے ایک فوق الحواس قوت کی ضرورت ہے اور وہ فوق الحواس قوت فطرت انسانی ہے جو ان اولیات عامہ پر بلا دلیل اور بلا واسطہ حواس ایمان رکھتی ہے یعنی انسان کے بعض علوم ایسے ہیں جو کسی دلیل کے محتاج نہیں ہیں اور فطری محض ہیں ان فطری علوم کی علامت کلیت اور وجوب ہے کلیت اور وجوب جو اولیات عامہ کے مختصات ہیں انکا ادراک حواس سے کسی طرح نہیں ہو سکتا ہم بلاشبہ یہ دیکھتے ہیں کہ زید مر گیا اور تمام افراد انسانیہ مرتے رہتے ہیں لیکن ان جزئی مثالوں سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ زید و عمر کی طرح انسان کے تمام افراد مرجائیں گے نیز ہم اپنے حواس کے سامنے اشیاء کو ایک خاص منہج اور خاص طرز پر موجود پاتے ہیں لیکن یہ اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا کہ آئندہ بھی یہ اشیاء اسی خاص طرز اور اسی خاص منہج پر ہمیشہ موجود رہیں گی۔ حاصل یہ کہ ہم اپنے حواس سے اشیاء کی موجودہ حالت کو دریافت کر سکتے ہیں لیکن ہمیں حواس کے ذریعہ کلیت (یعنی ایک حکم کا کسی نوع کے تمام افراد پر یکساں صادق آنا) اور وجوب (یعنی موجودات کا ہمیشہ یکساں وقوع پذیر ہونا) کا ادراک نہیں ہو سکتا یہ ادراکات محض فطری اور تجربہ حسی سے بالاتر ہیں ایسے کہ کلیت اور وجوب کی کوئی مثال جہاں نگاہ کے سامنے سے نہیں گذرتی۔

(۸) فلسفہ حسی یا سنسٹورم | ان نظریات کے علاوہ فرینچ فلاسفر کا نڈیلیک نے تیسرا نظریہ یہ قائم

کیا ہے کہ گو ہم ہشیار کی حقیقت کو نہیں دریافت کر سکتے لیکن اپنے حواس کے ذریعہ سے مادی تشکلات کا ادراک کر سکتے ہیں پس کوئی ضرورت نہیں کہ ہم اپنے حواس کے حدود سے تجاوز کریں ہمارا علم صرف حیات تک محدود ہے اور ہمارے علم کے ذرائع صرف حواس ہیں ہکوان چیزوں سے کوئی غرض نہیں جو ہمارے حواس کے سامنے سے نہیں گذرتیں علم اور احساس یہ دونوں مراد ہیں یہی احساس ہے جو کبھی تعقل کی صورت میں نمایاں ہو کر کلیات کا ادراک کرتا ہے اور کبھی محض احساس بسیط کی شکل میں جزئیات کے ادراک کا باعث ہوتا ہے غرض تمام مراتب علم احساس کی مختلف شکلیں ہیں جنہیں نوعیت کا نہیں بلکہ صرف کیمت کا فرق ہے بلکہ علم کے علاوہ انسان کی جتنی کیفیات نفسانیہ ہیں، وہ بھی احساس ہی کی مختلف شکلیں ہیں اور انکی حقیقت بحر اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ سب احساس کی تبدیل شدہ صورتیں ہیں پس انسان کی کیفیت نفسی صرف ایک ہے اور وہ احساس ہے اسکے بعد اور جتنی کیفیات نفسیہ پیدا ہوتی ہیں انکی پیدائش احساس ہی سے ہوتی ہے لیکن اب اگر کانڈنیک سے یہ پوچھو کہ احساس بسیط آخر ان تمام ذہنی کیفیات کا تشکل کیونکر اختیار کرتا ہے تو اس سوال کے جواب میں وہ صرف اسقدر کہہ چپ ہو جاتا ہے کہ بچہ کو دیکھو کہ ابتدا میں وہ چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہوتا ہے لیکن جتنا جتنا وہ بڑھتا جاتا ہے اسکے پیٹھے رگین اور اعضا مضبوط ہوتے جاتے ہیں یہی حال انسان کے قواسی کا ہے کہ پہلے وہ احساس کی قوت سے بھی عاری ہوتا ہے لیکن رفتہ رفتہ احساس کی قوت اس میں پیدا ہوتی ہے اور یہی احساس ترقی کرتے کرتے مختلف کیفیات نفسیہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے غرض کانڈلیک یہ عقدہ حل کرنے سے قاصر ہے کہ اگر ہمارے علم اور دیگر کیفیات نفسیہ کی حقیقت محض احساس کی کیفیت بسیط ہے تو یہ بسیط احساس جذبہ ارادہ اور دیگر کیفیات نفسیہ کی مختلف صورتیں کیونکر اختیار کرتا ہے۔



حقیقت علم کے متعلق فلاسفہ کی یہ مختلف فلاسفہ کے خیالات ہیں جو انھوں نے علم انسانی کی حقیقت کے غلطیوں کے اسباب متعلق ظاہر کئے ہیں، فلاسفہ کے خیالات میں جو ایک انتشار پایا جاتا ہے

اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ انھوں نے اپنے تخیل کو مطلق انسان چھوڑ دیا ہے، اور تخیل کی بلند پروازی بقول فحشہ کے اتنی بڑی ہوتی ہے کہ وہ سب کچھ پیدا کر سکتا ہے، حقیقت علم کے متعلق فلاسفہ کے بے بنیاد مباحث کا ابتک کوئی مفید نتیجہ جو برآمد نہیں ہوا، اسکے چند اسباب ہیں، جنکو ہم بیان بیان کرتے ہیں،

فلاسفہ کی غلطیوں کا پہلا سبب (۱) قدما کا ایک عجیب و غریب کلیہ جسپر انکے فلسفہ کی بنیاد تھی، اور جو فلاسفہ کی کج روی کا باعث بنا، یہ تھا کہ عالم مادی ذہنی کے شامل ہے، یہی کلیہ تھا جسکی بنا پر بعض یونانیوں کا خیال تھا کہ روح میں نہ صرف یہ کہ مادی اجزاء شامل ہیں بلکہ روح خالص مادی ہے یہ خیال کہ ایک موجود خارجی نفس پر کیونکر اثر کرتا ہے، جبکہ دونوں کی حقیقتیں جدا جدا ہیں، قدما کے لئے ناقابل فہم تھا، ان کے نزدیک یہ بات ناممکن تھی کہ ایک مادی شے ایک روحانی شے پر اثر کرے، یہی وجہ ہے کہ اپیکورس اور دیگر یونانی فلاسفہ مادیوں نے اس اصول کی بنا پر علم و تصور کی وہ عجیب و غریب توجیہ بیان کی جو اوپر ہم نفس کر چکے ہیں، اور جسکا حاصل یہ ہے کہ چونکہ ناممکن ہے کہ ایک مادی شے ایک روحانی شے سے، یا ایک روحانی شے ایک مادی شے سے اثر پذیر ہو، اسلئے یہ بھی ناممکن ہے کہ کسی مادی شے کا ہمارے حواس ظاہری کے سامنے آجانا ہمارے اندر علم و ادعان کی کیفیت پیدا کرتا ہو، پس علم محض اسوجہ سے نہیں حاصل ہوتا کہ کوئی شے ہماری آنکھ یا کان کے سامنے موجود ہے، اور ہمارے حواس کو متاثر کر رہی ہے، بلکہ ہکو علم اسوجہ سے حاصل ہوتا ہے کہ تمام مادی چیزیں ہر وقت اپنے غیر محسوس اجزاء اپنے اندر سے نکلا کرتی ہیں، جو ہمارے حواس سے محاس ہوتے اور ہمارے نفس میں علم کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔

غرض قدما ریونان کے اقوال کا حاصل صرف اتنا ہے کہ چونکہ اُن کے نزدیک یہ ناممکن ہے کہ کوئی مادی شے کسی روحانی شے سے یا کوئی روحانی شے کسی مادی شے سے اثر پذیر ہو، اسلئے جو فلاسفہ صرف مادہ کو اصل کائنات سمجھتے ہیں، انھوں نے نفس کو مادی مانکر علم کی تشریح یہ کی کہ اشیاء خود اپنے غیر محسوس مادی اجزاء سے نفس کو اثر پذیر کرتے ہیں اور نفس ان اثرات کو قبول کر لیتا ہے اور جو فلاسفہ نفس کے روحانی ہونے کے قائل ہیں، انکی تشریح کا حاصل یہ ہے کہ جو شے خارج میں موجود ہے اس شے پر جو ذہن میں ہے، اسوقت تک اثر نہیں کر سکتی تاوقتیکہ تو سطح کسی روحانی شے کا نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ ارسطو اور افلاطون جو روحانیت میں سے ہیں، اس بات میں متفق ہیں کہ نفس ذہن ایک موجود روحانی ہے، نیز اس بات میں بھی متفق ہیں کہ ایک موجود مادی کسی موجود روحانی پر از خود اثر نہیں ڈال سکتا بلکہ ایک روحانی شے کے وسیلہ سے اثر ڈالتا ہے، لیکن اختلاف ہے تو اس امر میں کہ آیا وہ شے جو علم کا ذریعہ ہوتی ہے موجود خارجی کے ساتھ ساتھ پائی جاتی ہے یا اسے الگ اور قائم بالذات ہے، افلاطون تو اسکے متعلق یہ لکھتا ہے کہ علم کے یہ ذرائع خارج میں موجودات خارجیہ سے الگ قائم بالذات ہیں، اور وہی سبب ذہن میں آتے ہیں، تو اسکو ہم کیفیتِ علم سے تعبیر کرتے ہیں، اس مذہب کا نام اصطلاح میں ریلیزم ہے، یعنی یہ کہ کلیات کا وجود خارجی علیحدہ ہے، بخلاف اسکے ارسطو کا خیال یہ ہے کہ یہ ذرائع موجودات خارجیہ سے علیحدہ خارج میں کہیں موجود نہیں ہیں، بلکہ ذہن میں آکر بہ اشباح ذہنی کی صورت اختیار کرتے ہیں، اور ان اشباح کا ذہن میں آجانا اسی کا نام علم ہے،

غرض فلاسفہ یونان بلکہ فلاسفہ یورپ میں بھی اکثر کا اس پر اتفاق ہے کہ ذہن میں حصول اشیاء بانفہاس نہیں ہوتا بلکہ حصول اشیاء باشبا ہوتا ہے، لیکن ڈاکٹر ریڈ نے نہایت سختی سے اس مذہب کی تردید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ذہن میں خود نفس شے حاصل ہوتی ہے، اور یہ

خیال کہ نفس تو روحانی شے ہے اس میں کسی مادی شے کا انطباع کیسے ہو سکتا ہے، یہ خیال غلط ہے اصل یہ ہے کہ شیخ و مثال کا خیال جس بنا پر فلاسفہ کو پیدا ہوا اور جو گویا آئینہ یزید (فلسفہ تصویریت) کی بنا ہے، وہی سرے سے غلط ہے، آئینہ یزید کی بنا صرف یہ ہے کہ فلاسفہ نے سب سے پہلے گویا اپنے نزدیک یہ طے کر لیا کہ ایک روحانی اور ایک مادی شے جتنے ظروف علیحدہ علیحدہ ہوں بلا تو سب کسی دوسری شے کے باہم یہ تاثر نہیں کر سکتے، اور مادہ کا اثر روح پر یا روح کا اثر مادہ پر بلا تو سب نہیں کر سکتا، اس خیال نے انکو وہ مکہ میں ڈالا اور چونکہ وہ اسکا انکار نہیں کر سکتے تھے کہ ذہن و مادہ باہم ایک دوسرے سے اثر پذیر رہتے ہیں، اسلئے انھوں نے ایک دوسری بے بنیاد اصل یہ قائم کر لی کہ اندرونی دنیا بیرونی دنیا کے مشابہ ہے، اور یا اگر مشابہ نہیں ہے، تو کم از کم اندرونی دنیا بیرونی دنیا سے بذریعہ علامات و آثار اور بذریعہ امثال و اشباح اثر پذیر ہوتی ہے، اس سلسلہ کا تمام فلسفہ انہیں بے بنیاد اصول پر مبنی ہے، اُسکے نفسیات اور اہمیات سب میں اس بے بنیاد اصول کی جھلک پائی جاتی ہے، اس اصول کی بنا پر اس نے جو اس قسم باطنی میں جس مشترک کو شامل کیا جو قوت باصرہ اور قوت خیالی کے مابین واسطہ ہے اور جبکہ ایک طرف قوت باصرہ سے مادیت کی بنا پر مناسبت ہے اور دوسری طرف روحانیت کی بنا پر خیال سے، حالانکہ خود اس سلسلے نے علم کی تشیح کرتے ہوئے اپنا جو خیال انطباع صوری کا ظاہر کیا ہے، اُسکا تعلق درحقیقت قوت باصرہ سے ہے نہ کہ نفس سے۔

فلاسفہ کی غلطیوں کا دوسرا سبب (۲) دوسرا بڑا سبب اس مسئلہ میں فلاسفہ کی غلطیوں کا یہ ہے کہ لوگ کسی مسئلہ پر اُسکے اپنے ذرائع اور اُسکے اپنے اصل مآخذ سے بحث نہیں کرتے بلکہ ہر جگہ یکساں عقلی دلائل استعمال کرتے ہیں، جبکہ باعث کسی مسئلہ کا واقعی حل نہیں ہوتا بلکہ اور پیچیدگی بڑھ جاتی ہے مزید برآں انکے دلائل بھی اس قدر مغالطہ آمیز اور تشبیہات پر مبنی ہوتے ہیں کہ انکو اصلی وجود

خارجی سے بالکل مطابقت نہیں ہوتی، مثلاً ہی حقیقت علم کی بحث ہے کہ اسکا ماخذ درحقیقت علم النفس ہونا چاہیئے تھا جس میں انسان کے کیفیات نفسیہ سے بحث کیجاتی ہے، علم ایک کیفیت نفسی ہے، پھر نفسیات سے علم کی بحث میں قطع نظر کر لینے کے کیا معنی ہیں، لیکن فلاسفہ نے حقیقت علم کی تشریح کرتے ہوئے اس نکتہ کو بالکل نظر انداز کیا اور عقلی دلائل سے اس مسئلہ کو بھی حل کرنا چاہا جسکا نتیجہ یہ ہے کہ آج بھی حقیقت علم کے مسئلہ پر جہالت کی تاریکی کی سطح چھائی ہوئی ہے جس طرح آج سے دو ہزار برس پیشتر چھائی ہوئی تھی، پس اس مسئلہ کا حل کرنا درحقیقت اہلیات اور علیات کے بس کی بات نہیں، بلکہ اس مسئلہ کا تعلق علم النفس سے ہے، یہی نتیجہ ہی جس پر آج فلاسفہ مدتوں کے غور و فکر کے بعد پہنچے ہیں، اور اب وہ بجائے عقلی دلائل کے صرف نفس کے اندرونی قوانین کی بنا پر اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ہم بھی ذیل میں انہیں فلاسفہ کے تتبع میں محض نفسانی اصول کی رہبری میں اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں گے،

کوائف نفسانیہ اور مدارج علم کی تشریح | لیکن قبل اسکے کہ ہم حقیقت علم کی تشریح کو شروع کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نفسانی کوائف اور مدارج علم کی بھی تشریح کر دیں، تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ علم کو دیگر کوائف نفسانیہ کے ساتھ کیا تعلق ہے،

اپنے ذہنی حالات پر غور کرنے سے ہمیں نظر آتا ہے کہ ہماری ذہنی کیفیات چار قسم کی ہیں،

(۱) حیات یعنی وہ ادراکات جو بذریعہ حواس حاصل ہوتے ہیں،

(۲) ادراکات و خیالات، یعنی وہ ادراکات جو اپنی اندرونی ترتیب سے ذہنی قوانین کی بنا پر نفس حاصل کرتا ہے،

(۳) جذبات، مثلاً جذبہ غضب، جذبہ محبت وغیرہ،

(۴) ارادہ، جو ہماری حرکت عقلی کا باعث ہوتا ہے،

یہ ہماری ذہنی کیفیتوں کی تقسیم ہے، جو اپنے ضمیر پر غور کرنے سے ہمیں نظر آتی ہے، اس تقسیم میں نئی بات صرف یہ ہے کہ حیات کو عام خیال کے خلاف ذہنی کیفیات میں داخل کیا گیا ہے، حالانکہ عموماً فلاسفہ نے انسان کے کوائف جسمانی میں حیات کا شمار کیا تھا، لیکن ان لوگوں کی بڑی فروگزاشت یہ تھی کہ چونکہ جس کی پیدائش کی باعث چند جسمانی کیفیتیں ہوتی ہیں اسلئے ان لوگوں نے اصل احساس کو کیفیات جسمانی میں شمار کیا، بلاشبہ حاسہ بصارت یعنی آنکھ، اور حاسہ سماعت یعنی کان، یہ جسم کے حصے ہیں، لیکن اصلی احساس جسمانی کیفیات میں سے نہیں ہے بلکہ وہ ذہنی کیفیات میں سے ہے، اور اگر نفس کی کوئی صحیح تشریح ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ نفس ایک ذی حس جو ہر کا نام ہے، پس اگر خود حس کو کیفیات نفسیہ سے نکال لیا جائے تو نفس کی حقیقت کے لئے کیا باقی رہ جائیگا، بہر حال اگر یہ صحیح ہے کہ حیات کو جو اس ظاہری کے ساتھ جو جسم کے خارجی اور عضوی حصہ ہیں، ایک گونہ تعلق ہے، لیکن حیات یعنی وہ اور اکات جو بذریعہ جو اس حامل ہوتے ہیں خیالات اور اور اکات نفسانی کی طرح ان کا شمار بھی کیفیات نفسیہ میں ہونا چاہیئے۔

غرض کیفیات نفسیہ کی جو تقسیم اور پرکھ لگائی ہے، ان میں سے حیات کا تعلق تو ظاہر ہے کہ ہمارے جو اس ظاہری کے ساتھ بطور علت و معلول کے ہے، یعنی یہ کہ مختلف حیات لے لئے ہمارے جسم کے بعض حصے مخصوص ہیں، البتہ بقیہ کیفیات نفسیہ (اور اکات، جذبات، ارادہ) کے متعلق یہ اختلاف پیدا ہو گیا ہے کہ حیات کی طرح ان کوائف نفسیہ کے لئے بھی کچھ اعضا مخصوص کر دیئے گئے ہیں یا نہیں اس سوال کا جواب گو بعض علماء نے تفریح نے اثبات میں دیا ہے، لیکن باہرین ہمہ وہ یہ بتانے سے قاصر رہے ہیں کہ ان اعصاب باطنی یا اعضاے باطنی کی حقیقت کیا

بہر حال اثبات دہنی کے ان دو مذاہب میں سے جو مذہب صحیح مانا جائے، ہماری بحث کا تعلق صرف اول الذکر دو کیفیات نفسیہ یعنی حیات و ادراکات کے ساتھ ہے تحصیل کے لئے خواہ کوئی حاسہ باطنی مخصوص ہو یا نہ ہو لیکن ہم ذیل میں محض ان قوانین نفسانی سے بحث کریں گے جن کے مطابق ذہن میں حیات و ادراکات پیدا ہوتے ہیں۔

کیفیات نفسیہ کی جو تقسیم اوپر کی گئی ہے اس کے دیکھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ اول الذکر دو قسموں یعنی حیات و ادراکات کا تعلق نفس ذہنی کی حالت ادراک کی یا قوت و قونی سے ہے اور باقی کوائف کا تعلق نفس ذہنی کی قوت جذبی و ارادی کے ساتھ اس بنا پر اس مضمون میں ہم کو صرف اول الذکر دو کیفیتوں سے بحث کرنا ہے، اور یہی دو کیفیتیں ہیں جن کے تحت میں تمام اقسام اور احوال و علم شامل ہیں، حالت و قونی یا کیفیات ادراکی کا وہ حصہ جو بیشتر بیرون اعضا پر انحصار کرتا ہے اس کو اوپر کی تقسیم میں حیات کے ضمن میں داخل کیا گیا ہے، اور علم کے دوسرے حصہ کو جس کی تنظیم و ترتیب ذہنی قوانین کی بنا پر عمل میں آتی ہے اس کو ادراکات کے علم میں، غرض انسان کی کیفیت و قونی یا حالت ادراکی کو ان کوائف نفسانی کے اعتبار سے جن پر کیفیت علم مشتمل ہے تین قسموں میں تقسیم کرنا چاہیئے۔

(۱) حس (۲) تصور (۳) تجرید ذہنی یا عقل،

ان میں سے حس کا شمار کوائف نفسانی کی پہلی قسم میں ہے، اور تصور و عقل کا شمار کوائف نفسانی کی دوسری قسم میں ہے، یعنی ان ادراکات میں جو نفس کی اندرونی ترتیب اور اندرونی اثرات سے پیدا ہوتے ہیں، لیکن چونکہ علم انسانی کا سب سے ادنیٰ اور ابتدائی درجہ جس کا ہی اس لئے ہم سب سے پہلے حس کی تشریح سے بحث شروع کرتے ہیں،

کیفیت حس کی تشریح | حس، علم و ادراک کی ایک بسیط کیفیت ہے، اس لئے اسکی حقیقت کو منطقی

تعریف سے واضح کرنا مشکل ہے، جس تو کیفیت نفسانی ہے جسکا تعلق نفس کے ساتھ ہے خواہ بعض مادی کیفیتیں ایسی ہیں جنکی باوجود وضاحت کے تعریف نہیں کیجا سکتی ہے، لیکن چونکہ ہمیں جس کی قوت محرکہ کا علم ہے اسلئے ہم جس کی قوت محرکہ کو تفصیل قرار دیکر جس کی تعریف یوں کر سکتے ہیں کہ جس اس کیفیت کا نام ہے جو اس وقت وجود میں آتی ہے جب اعصاب جس پر کوئی بیج خارجی عامل ہوتا ہے،

اصل یہ ہے کہ گو جس ایک کیفیت نفسانی ہے، لیکن یہ کیفیت اس قسم کی ہے کہ اپنے وجود کے لئے تانتر مادی حالات کی محتاج ہے، اسلئے اسکا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے اسکے مقدمات مادی کو خیال میں رکھنا لازمی ہے، ان مقدمات مادی کو ہم ذیل کی مثالوں سے واضح کرتے ہیں، فرض کرو کہ اس وقت بادل کی گرج کی آواز ہمیں سنائی دی، اس موقع پر تین حادثہ ایک ساتھ وقوع پذیر ہوتے ہیں،

(۱) پہلے جو یا فضا میں ایک خاص تغیر واقع ہونے کے سبب ہوا میں خاص قسم کے موجات پیدا ہوئے، جنکا ہتھیڑا ہمارے کان کے اندر دلی جلد پر آکر گرے گا۔

(۲) اسکے بعد اس نتیجہ مادی سے عصب سمعی یوں اثر پذیر ہوا کہ اسکے ذرات میں ایک خاص طرح کی لرزش پیدا ہو گئی،

(۳) اب یہ لرزش جب دماغ کے اس حصہ تک پہنچی جو مرکز سماعت ہے تو وہاں یہ ارتعاش تبدیل ہو کر ایک شعوری یا نفسی کیفیت بن گیا،

ان تین مراحل میں سب سے آخری منزل جس کی ہے اور بقیہ دو منزلیں مقدمات مادی سے منتقل ہیں،

اسی طرح ہمارے سامنے ایک کتاب رکھی ہوئی ہے کتاب کے نظر کے سامنے آنے سے

ایہ ترین توجہات پیدا ہوئے، ان توجہات کا اثر یہ ہوا کہ اعصاب بصری کے ذریعہ سے مشابہہ پر کتاب کی تصویر چپ گئی، اور جب یہ تصویر دماغ تک پہنچی تو نفس نے کتاب کا ادراک کر لیا، اسی طرح مثلاً ہمارے سامنے میز رکھا ہوا ہے، ہم میز کو دیکھتے ہیں اور دیکھ کر اس کا علم حاصل کرتے ہیں غرض کیفیت حس کے تحت میں تمام وہ صورتیں داخل ہیں جنہیں ایک شے ہمارے حاسہ کے سامنے ہوتی ہے، اور اس حاسہ کے ذریعہ سے ہم اس شے کا ادراک کرتے ہیں، چھو کر کسی شے کو دریافت کرنا، سونگھ کر خوشبو کا علم، چکھ کر ذائقہ کا احساس یہ سب صورتیں اسی قسم میں داخل ہیں پس تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ علم احساس نفسی کی کیفیت انفعالی کا نام ہے، یعنی یہ کہ خارج میں جب کوئی نیا تغیر واقع ہوتا ہے تو اس تغیر سے بذریعہ اعصاب نفس اثر پذیر ہوتا ہے اور اپنی اس اندرونی تغیر کا جو اسکی اثر پذیر ی کا نتیجہ ہوتا ہے، ادراک کر لیتا ہے تو گویا اس بنا پر کیفیت حس نام ہے تغیرات خارجی کے اس عکس کا جو نفس پر پڑتا ہے اور جس سے نفس متاثر ہوتا ہے لیکن بعض لوگوں کا اسکے خلاف یہ خیال ہے کہ کیفیت حس فعلی و انفعالی دو کیفیتوں کے مجموعہ کا نام ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ علم احساسی تین اعمال پر مشتمل ہوتا ہے،

(۱) شے خارجی حاسہ کے سامنے آتی یا اس سے تماس ہوتی ہے اسکے بعد

(۲) نفس میں اس سے ایک اثر پیدا ہوتا ہے،

یہ دونوں عمل گویا نفس کی کیفیت انفعالی سے متعلق ہیں اب اسکے بعد

(۳) جس چیز نے نفس کو اپنے سے اثر پذیر کیا ہے اسکے خارجی وجود کا نفس اعتقاد کر لیتا ہے یہی عمل ہے جس کا تعلق نفس کی کیفیت فعلی کے ساتھ ہے،

اعصاب و اعضای حس	تقریر بالا میں عمل حس کی تجلید و تجرید کرنے سے حس کی تالیف تو ذہن نشین ہو گئی لیکن آئینہ بیانات میں سہولت تفہیم کی غرض سے اجزاء حس کو
------------------	---



ایکبار پھر ذہن نشین کر لو، اجزاء حس میں ہیں،

(۱) بیچ خارجی کا حاسہ کے سامنے آنا یا اس سے تماس ہونا

(۲) اعصاب حس میں تغیر جدید کا واقع ہونا،

(۳) اس جدید تغیر عصبی کا دماغ میں جا کر حس میں تبدیل ہونا،

ان تین اجزاء حس میں سے پہلے اور دوسرے اجزاء سے بحث کرنا علم تشریح اور علم وظائف الاعضاء

کا وظیفہ ہے، نفسیات میں ان سے بحث نہیں ہوتی، نفسیات میں صرف تیسرے جزو سے بحث

ہوتی ہے، لیکن با این ہمہ نفسیات کو اس سے غرض نہیں کہ ایک مادی ارتعاش کیونکر ایک کیفیت

نفسی میں تبدیل ہو جاتا ہے، وہ اس حقیقت کو اصول موضوعہ کے طور پر تسلیم کر لیتا ہے، یہ بحث

اگر ہو سکتی ہے تو الہیات اور ما بعد الطبیعیات میں، البتہ بیان کیفیت حس کی مزید تشریح کی غرض سے

اسکے مقدمات مادی کے متعلق یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اعمال نفس کی تنظیم و ترتیب کیلئے

قدرت نے ہمارے جسم میں ایک نظام اعضا یعنی رگون اور پھون کا جال پیدا کیا ہے جو اندرونی

اور بیرونی دنیا میں تعلق پیدا کرتا ہے، اجزاء حس میں سے پہلے جزو کی تکمیل کے بعد دوسرے

جزو کی تکمیل اسی نظام اعصاب کی بدولت عمل میں آتی ہے، ان اعصاب کا مرکز دماغ

ہے جہاں سے یہ پھوٹے ہیں، اور ایک حال کی صورت بناتے ہوئے تمام جسم میں دوڑ گئے

ہیں، ان اعصاب میں سے بعض ایسے اعصاب ہیں جو نفس میں صرف تحریک پیدا کرتے ہیں

حرکات عضلی اور نمد عضلی کا تعلق اس قسم کے اعصاب سے ہے، لیکن بعض وہ ہیں جو محض

ذریعہ احساس ہیں، یعنی جنکے ذریعہ سے نفس عقلی حس کرتا ہے، ان اعصاب کو محرک عضلات

سے کوئی تعلق نہیں، اس قسم کے اعصاب کی مختلف حالتیں ہیں، بعض وہ ہیں جو صرف روشنی

اور آئینہ سے اثر پذیر ہوتے ہیں اور ان کا وظیفہ محض بصارت ہے، بعض وہ ہیں جو محض ہوا کے

توجہ سے اثر پذیر ہوتے ہیں اور روشنی اور دیگر اشیا، اُنکے نتیجے میں بے اثر رہتی ہیں اور اُن کا وظیفہ محض سماعت ہے، غرض ان اعصاب کے وظائف اور اُن کے مہجرات کے اختلاف کے باعث ان اعصاب کی حالتیں مختلف ہو گئی ہیں، اور اس بنا پر انسان کے حیات کی ترتیب و تقسیم بھی عموماً اس طرز پر کی گئی ہے کہ ایک قسم کے نتیجے سے جتنے حیات پیدا ہوتے ہیں، ان کا ایک طبقہ قرار دیا جاتا ہے لیکن چونکہ ان اعصاب کے وظائف کے اعتبار سے آلات حس میں بھی اختلاف و تنوع پیدا ہو گیا ہے، اسلئے حیات کی تقسیم میں آلات حس کے اختلاف کو مد نظر رکھنا از بس ضروری ہے، کیونکہ وظائف اعصاب کے اختلاف کے دریافت کرنے کا طریقہ اس سے بہتر کوئی نہیں ہے کہ آلات حواس کے اختلاف کو پہلے مد نظر رکھا جائے، غرض آلات حس اور وظائف اعصاب کے لحاظ سے حیات انسانی کی تقسیم حسب ذیل کی گئی ہے:-

- (۱) حس باصرہ، جس سے رنگ اور روشنی محسوس ہوتی ہے،
- (۲) حس سامعہ، جس سے آوازوں کا احساس ہوتا ہے،
- (۳) حس شامہ، بواہر و خوشبو کو دریافت کرنے کی قوت،
- (۴) حس لامہ، جبکہ تعلق چہونے سے ہے،
- (۵) حس ذائقہ، چیرودن کا مزہ بتانے والی قوت،
- (۶) حس عضلی، مزاحمت، وزن، اعضا، جسم کی حرکات اور اُن کے تعلقات کو دریافت کرنے والی قوت،
- (۷) حس جلدی، یہ قوت لامہ سے بالکل متماثر ہے، گرمی، سردی، کھلی اور دباؤ کا احساس اسی قوت سے ہوتا ہے،

یہ سات قوائے حس میں جنہیں سے ہر ایک کے لئے جسم کے بعض حصہ مخصوص ہیں جو پھر

حالتوں میں بہت صاف اور واضح ہیں، مثلاً اس سامنے کے لئے کان، اس باصرہ کے لئے آنکھ، اس شامہ کے لئے ناک، اس ذائقہ کے لئے کام و زبان، اور جسم کے یہ مخصوص حصے آلات جس کہلاتے ہیں، مثلاً آنکھ آلہ بصارت اور کان آلہ سماعت ہے، لیکن جس عضل اور جس جلدی یہ دو ایسی قوتیں ہیں جنکے لئے اعضا جسم کا مخصوص ہونا اتنا تک پر وہ خفا میں تباہ و ذرات کہ گری، سردی، درد اور مزاحمت کا احساس کرتے ہیں، ان کا انکشاف ابھی حال میں ہوا ہے، قدام و خلفا سفہ کے لئے وہ غیر معلوم تھے، اسلئے وہ حواس کو پانچ تک محدود رکھتے تھے، غرض یہی سات حواس ہیں جو ہمارے تمام علوم و ادراکات کے ذرائع ہیں، جب کسی حاسہ کے سامنے کوئی شے آتی ہے تو وہ حاسہ اس شے سے اثر پذیر ہوتا ہے، اور نفس اس حاسہ کے ذریعہ سے اس اثر کو قبول کرتا، اور اس شے کا علم حاصل کر لیتا ہے، لیکن چونکہ جیسا پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ان اعضاء کے ہیجات بھی ایک خاص نوعیت کے ہوتے ہیں، مثلاً آنکھ کے لئے ایتھر، اور کان کے لئے ہوا، اسلئے جو بھیج ایک جس کے لئے موثر ہوتا ہے وہ دوسرے جس کے لئے بالکل بے اثر رہتا ہے، اندھے کی آنکھ کے قریب کتنی ہی تیز روشنی لاؤ، اسے مطلق تمیز نہ ہوگی، یہی وجہ ہے کہ ان توار میں سے ہر ہر قوت کا علیحدہ علیحدہ مخصوص کام ہے، کوئی قوت دوسری قوت کا کام نہیں انجام دے سکتی، ہم آنکھ سے سن نہیں سکتے، اور چوکر دیکھ نہیں سکتے، کیونکہ کان صرف ہوا کے موجات سے اور آنکھ صرف ایتھر کے موجات سے اثر قبول کرتی ہے، اور یہ دونوں ہیجات بالکل مختلف الانواع ہیں، اسی بنا پر یہ کلیہ قائم کیا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ہر قوت کا علیحدہ مخصوص کام ہے جسکو دوسری قوت نہیں انجام دے سکتی، اس بات میں تمام عقد کا

بجز بعض اشعار و مشکلیں کے اتفاق ہے۔

اس بحث میں درحقیقت دو سوال ہیں ایک مابعد الطبیعیات کے نقطہ نظر سے اور دوسرا محض طبی حیثیت سے یہ طبی واقعہ ہر شخص کے تجربہ میں آیا ہے کہ آنکھیں سن نہیں سکتیں اور کان دیکھ نہیں سکتے، لیکن سوال یہ ہو کہ "سکے" یا "نہ سکے" کے کیا معنی ہیں، طبی حیثیت سے صحیح ہے کہ اسکے خلاف کبھی واقعہ نہیں ہوتا، کیونکہ یہ دونوں حواس بدن سے اثر پذیر ہوتے ہیں وہ خاصیت تاثیر میں بالکل مختلف ہیں اور خود ان حواس میں بھی بلحاظ قابلیت تاثیر نیز بلحاظ صنع و ترکیب عصبی سخت اختلاف ہے، اور علوم طبیعیہ کا فرض اسی مقام پر اگر ختم ہوجاتا ہے، علوم طبیہ کے نقطہ نظر سے علت کی تعریف وہی ہے جو عل کی ہے کہ اشیاء کے دائمی اور غیر ضروری تقدم و تاخر کو علت کہتے ہیں، لیکن مابعد الطبیعیات کے نقطہ نظر سے علت کے دوسرے ہی معنی آتے ہیں، اور قابلیت یا صنعت و ترکیب عصبی کے مباحث سے متجا وز ہو کر علت و معلول کے اس اندر دلی تعلق کو بھی دریافت کرنا چاہتا ہے جو دراصل واقعات و حوادث کے وقوع یا تخلیق کا باعث ہوتا ہے اور اس بنیاد مابعد الطبیعیات کے نقطہ نظر سے علت کے لئے محض قابلیت و بعدیت کافی نہیں اور نہ اسکو قابلیت تاثر اور ترکیب عصبی کے جوابات مطمئن کر سکتے ہیں، چنانچہ اسی بنا پر واقعہ خارجی سے نفس کے تاثر کے مسئلہ میں خلاصہ کا سخت اختلاف ہو گیا، استدعا مذہب کی ضرورت نہیں صرف تین مذہب کا بیان کر دینا کافی ہوگا جو اہم ترین ہیں -

(۱) ارسطو اور تفسیر مکتبہ ہیں کہ خدا یا علت العلل نے ہر چیز میں ایک خاصیت و دلیل کی ہے، اور اس خاصیت کی بنا پر ہر چیز سے (خواہ وہ عضو ہو یا عناصر ہوں یا مرکبات ہوں یا قوای جمالیہ وغیرہ ہوں) اپنے اپنے شرط و حالات کے مطابق افعال صادر ہوتے رہتے ہیں،

(۲) میلر افش کہتا ہے کہ یہ سب خدا کے کارنامے ہیں، بیجان طبیعت میں فیلیٹ کی صلاحیت ہی نہیں ہے، جب ہم سنتے ہیں تو خدا سننے کی قوت ہم میں پیدا کر دیتا ہے،

(۳) ہیوم اور شکلیں اشعار کہتے ہیں کہ علت کوئی چیز نہیں ہے علت و معلول میں محض تعلق عادی ہوتا ہے، ہیوم اسکے لئے کوئی نتیجہ نہیں کرتا، لیکن شکلیں آگے چل کر میلر اس سے متفق ہوجاتے ہیں یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اعضاء و قوی کے افعال محض فعل و مشیت باری سے انجام پاتے ہیں، اصل یہ ہو کہ زیادہ عین نظر کرنے سے علت کی پیروی کا یہ معلوم ہوتا ہے اور مابعد الطبیعیات کے نقطہ نگاہ سے شکلیں ہی کا مذہب صحیح ہے مگر مجب بالذات مشکلیں سے، ہاں یہ اختلاف ہے جب وہ مسئلہ تشابہ اجسام کے ذریعہ سے علت کو باطل کرتے ہیں

سائنس دان بھی تشابہ اجسام کے قائل ہیں لیکن طبی لحاظ سے ان کا زاویہ تحقیق دوسرا ہے تشابہ اجسام کا مطلب طبی نقطہ نظر سے صرف اس قدر ہو کہ بلحاظ اجزاء لاجرمی (خواہ یہ کسی طرح ہوں برقی سمات ہوں یا کچھ اور) جو جسم کے آخری حصہ میں تمام اجسام تشابہ الحقیقہ ہیں لیکن بلحاظ ترکیب اور بلحاظ خاصیت (جو ترکیب سے پیدا ہوتی ہے) مختلف ہیں غرض تشابہ اجسام ایک طبی مسئلہ ہے، طبیعیات خاصیت و طبیعت و علت کے منکر نہیں ہیں البتہ مابعد الطبیعیات کے نقطہ نظر سے مشکلیں ہی مذہب صحیح

## اسلام کی تمدنی کامیابیوں

### تمدنی ترقی کا اصلی راز

(از مولانا عبد السلام ندوی)

عیسائی مذہب کی تمدنی ناکامیوں کی جو داستان گذشتہ نمبر میں گذر چکی ہے، اسکے ایضاً اس ناکامیابی کا راز ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے،

”صرف اخلاقی موثر قوتوں کی سادت کا کفیل نہیں ہو سکتا بلکہ انکی تمدنی عظمت کے لئے ایک اور چیز کی ضرورت ہے، اخلاقی موثر کی تشبیہ ایک بیج سے دیجا سکتی ہے جو صرف عمدہ زمین میں نشو و نما حاصل کر سکتا ہے، بخر زمین میں نہیں اگ سکتا، یہ کوئی نئی مثال نہیں ہے بلکہ اسکو داعظون نے علمائے اخلاق نے اور حکمیں نے انجیل مقدس کے بعد اس کثرت سے بار بار دہرایا ہے کہ وہ ایک بدیہی چیز ہو گئی ہے، لیکن بدقسمتی سے اس بدیہی مثال میں غلطی بھی شامل کر دی گئی ہے کہ بیج کی عمدگی زمین کو بھی عمدہ بنا لیتی ہے اور یہ دعویٰ کر دیا گیا کہ کوئی زمین ناقابل نہیں ہوتی، خرابی صرف بیج میں ہوتی ہے“

عیسائی مذہب پہلا مذہب ہے، جس نے سب سے پہلے اس غلط اصول پر عمل کیا اور بودھ مذہب نے اسکی تقلید کی، نتیجہ یہ ہوا کہ نہایت افسوسناک طور پر بیج رائگان گئے، لیکن اسلام کے قبضہ میں جو قطعہ زمین آیا نہادہ اس سے بھی زیادہ ناہوار، بخر، اور غیر صالح تھا، اور اس پر مستزاد یہ کہ اسکا رقبہ عیسائیت کے رقبہ سے بہت زیادہ وسیع تھا، عیسائیت صرف ایک قوم ایک ملک، اور ایک خطہ کی اصلاح کرنا چاہتی تھی، لیکن اسلام تمام دنیا کے لئے بر رحمت بنکر

آیا تھا، اسلئے اگر وہ عملاً وہی غلطی کرتا جس نے عیسائیت کو تمدنی ترقی میں اس قدر ناکامیاب رکھا تو دنیا کی تمام کہتیاں اس سے بھی زیادہ افسوسناک طریقے سے برباد ہوتیں، لیکن اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے تخم ریزی سے پہلے عمدہ زمین کا انتخاب کیا، اور جو زمینیں ناہموار بیتن، انکو ہموار بنایا،

مسلمان اب تک صرف اس نشہ میں چورہیں، کہ اسلام ایک شاندار تمدن کا بانی ہے، لیکن تذکرہ بالا نظریہ کو سامنے رکھ کر اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کر دو تو نکلے نظر آئیگا کہ اسلام صرف ایک عظیم الشان تمدن کا بانی نہیں، بلکہ وہ ایک عظیم الشان تمدنی نظریہ کا موجد ہے، اگر گذشتہ زمانہ میں عیسائی مذہب اسکے تمدن کے سامنے سرنگون ہوتا تو آج اسلام کا یہ عملی نظریہ عیسائی مذہب کے طریقہ تعلیم کو شرمندہ کر سکتا ہے، کسان کو جو کچھ دشواریاں پیش آتی ہیں، زمین کے صالح بنانے میں پیش آتی ہیں، زمین میں بیج کا بکھیرنا نہایت آسان کام ہے اور اسکو ہر شخص کر سکتا ہے اسلام صرف زمین کے صالح بنانے کے لئے آیا تھا اسلئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکل میں درپیش تھیں اگر آپ کا فرض اس قدر ہوتا کہ سچ علیہ اسلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر اکتفا فرمائیں، یا حضرت کلیم کی طرح اپنی قوم کو لیکر مصر سے نکل جائیں تو مشکل نہ تھی، لیکن خاتم انبیاء کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو ذریعہ اسلام سے منور کرنا تھا، اسلئے نہایت تدبیر اور تدبیر سے کام لینا پڑا۔

اسلام کے جیب و دامن میں سب سے زیادہ قیمتی بیج توحید کا تھا، جسکے لئے عمدہ قطعہ زمین کا انتخاب نہایت ضروری تھا، عرب کی تمام زمین اگرچہ ناہموار، بخر اور غیر صالح تھی، تاہم

ایک چھوٹا سا کٹر ایسا بھی تھا جس میں نہایت آسانی کے ساتھ اسکو نشوونما حاصل ہو سکتی تھی اور اس صلح نے پہلا بیج اسی زمین میں ڈالا، اور وہ بہت جلد بار آور ہوا، یعنی آپ نے جنگ لوگوں کو اہل اول و عورت توجید دی وہ آپ کی پہلی آواز پر اسلام لائے اور اُنکے ذریعہ سے اور لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا، تین برس تک آپ نے اسی طرح اسلام کی اشاعت کی اور اس طرح جب مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہو گئی تو صاف حکم آیا،

وا صدع بما تو مر  
بجھکو جو حکم دیا گیا ہے اسکو صاف صاف بیان کر دے،  
لیکن اس غلغلہ انگیز صدا کا دائرہ متوج بھی محدود کر دیا گیا اور حکم آیا،

وانذر عشیرتک الا قربین  
اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا،  
آپ نے اس حکم کی تعمیل کی، لیکن ابتدائی نتیجہ ناکامی کی صورت میں ظاہر ہوا، اسکے بعد دوبارہ آپ نے تبلیغ دعوت کے لئے تمام خاندان جو مطلب کو جمع کر کے فرمایا کہ ”میں وہ چیز لیکر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے، اس بار گران کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دیگا“ اس پر غبرانہ آواز کو سن کر تمام مجلس میں سناٹا چھا گیا، لیکن حضرت علیؑ نے آپ کے ساتھ دینے کی حامی بھری اب آپ نے اپنی دعوت کو اور دوست دی، اور حرم کعبہ میں جا کر توجید کا اعلان کیا، کفار نے یہ آواز سنی تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، اور ہر طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑے، اسلام کی تاسخ کا یہ پہلا دور ہے، اور اس میں صرف اس قدر ترقی ہوئی کہ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہو گئی، اور اسلام کی نئی آواز گھر کے صحن سے نکل کر حرم کی فضا میں گونجی، اسکے بعد عرب کے قبائل جو میہ جمع اور عرب کے قومی میلوں میں جمع ہو جاتے تھے اس سے گوش آشنا ہوئے لیکن اب تک صرف توجید کی ایک آواز تھی جو مکہ و طائف کی پہاڑیوں میں گونجتی تھی، فرائض و احکام کے بتول کرنے کے لئے اب تک زمین میں استعداد نہیں پیدا ہوئی تھی، چنانچہ صحیح بخاری باب تالیف القرآن

میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ پہلے عذاب و ثواب کی آیتیں نازل ہوئیں، جب دلوں میں استعداد اور زقت پیدا ہو گئی تو احکام نازل ہوئے، ورنہ اگر پہلے ہی دن یہ حکم ہوتا کہ شراب نہ پیو تو کون ماننا، اسلئے فرائض کی تکمیل اور احکام کا جواب بتدریج ہوا، مکہ منظرہ کے قیام تک روزہ سرے سے فرض نہیں کیا گیا، مدینہ منورہ میں روزے فرض ہوئے، زکوٰۃ کی فرضیت سات آٹھ سال کے بعد ہوئی، کیونکہ اتنا مال حالت اس حد تک پہنچے نہیں پائی تھی کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا موقع آئے، فتح مکہ سے پہلے مسلمان اس سرزمین میں قدم نہیں رکھ سکتے تھے، اسلئے اسوقت تک حج بھی فرض نہیں ہوا، ناز و زنا نہ کا فرض ہے، اور یہ فرض اگرچہ اسلام کے وجود کے ساتھ آیا لیکن اسکی تکمیل بتدریج ہجرت کے چھ سات برس کے بعد ہوئی، غرض فتح مکہ کے بعد جب کفر کا زور ٹوٹ گیا اور عرب کی زمین ہموار ہو گئی تو مذہبی احکام کی تفصیل اور نظام شریعت کی تکمیل لگی، لیکن اسلام کا کام صرف عرب کی کہنیوں کا سرسبز کرنا نہ تھا، بلکہ تمام دنیا میں نیکی کا بیج بونا تھا، جسکے لئے دو چیز دن کی ضرورت تھی، ایک تو یہ کہ ایسے کسان تیار کئے جائیں جو فن زراعت کے ماہر ہوں، دوسرے یہ کہ جو بیج بویا جائے وہ ایسے ملکوں میں بویا جائے، جنکی آب و ہوا اُس کے نشو و نما کی صلاحیت رکھتی ہو، اسلام نے اول اول کسانوں کی بھی جماعت تیار کی، اُسکے بعد انکو زمین کے شاداب قطعون میں پسلا دیا کہ وہ کامیابی کے ساتھ تخم ریزی کر سکیں، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں :-

یہ امام جو تمام قوموں کو ایک مذہب کے علم کے نیچے جمع کرنا چاہتا ہے، گذشتہ اصول کے علاوہ دوسرے اصول کا محتاج ہوتا ہے، ان میں ایک اصول یہ ہے کہ وہ ایک قوم کو سنت راشدہ کی دعوت دیتا ہے، انکی اخلاقی اصلاح کرتا ہے اور انکی حالت کو بہتر بناتا ہے پھر

اسے یہ تفصیل سیرت بنوی سے ماخوذ ہے



ان کو بمنزلہ اپنے اعضاء کے قرار دیتا ہے۔ اور ان کے ذریعہ سے تمام دنیا سے جہاد کرتا ہے۔ اور انکو دوسرے ممالک میں بھیلا دیتا ہے، یہ آیت کتنی خیر امتہ اخرجت للناس

دئم بہترین امت ہو جو لوگوں کی اصلاح کے لئے عالم وجود میں آئی ہو، ایسی کی طرف اشارہ کرتی ہے، یہ اس لئے کہ خود یہ امام غیر محدود قومن سے جہاد نہیں کر سکتا، اور جب یہ حال ہے، تو یہ ضروری ہے کہ اسکی شریعت کا مادہ ایسا ہو جو تمام اقالم صالحہ کے لئے بمنزلہ مذہب طبعی کے ہو، اور جو ممالک مستدل مزاج پیدا ہو نیکی صلاحیت رکھتے تھے، وہ اس زمانہ (مہینہ) میں دو بادشاہوں کے قبضہ میں تھے، ایک کسری جو عراق، بین، خراسان اور ان کے متصل کے ملکوں پر قابض تھا، اور مادر النہر اور ہندوستان کے بادشاہ اسکے زیر اثر تھے اور اسکو سالانہ خراج دیتے تھے، دوسرا قیصر جو شام، روم اور اسکی حوالی پر تسلط تھا، اور مصر، مغرب، اور افریقہ کے بادشاہ اسکے ماتحت تھے، اور اسکو خراج ادا کرتے تھے اپنی دونوں بادشاہوں کے اقتدار کا توڑنا، اور انکے ملک پر قبضہ کرنا تمام دنیا پر قبضہ کرنا تھا، انہی کی امیرانہ عادتیں ان تمام ملکوں میں جاری تھیں جو انکے قبضہ میں تھے اور ان عادات کے بدلہ سینے اور ان سے روکدینے سے ان تمام ممالک کو تنبیہ ہو سکتی تھی، ان کے علاوہ اور ممالک جو اعتدال مزاج سے دور تھے وہ قابل لحاظ نہ تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ترکون کو چوڑو جب تک وہ تمکو چوڑو میں، اور حبشہ کو چوڑو جب تک وہ تمکو چوڑو میں، بہر حال جب خدا نے کچھ شدہ مذہب کو سیدھا کرنا اور دنیا کے لئے ایک ایسی امت کو ظاہر کرنا جو لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے، اور ان کی بری رسموں کو مٹانا چاہا تو یہ انہی دونوں سلطنتوں کے زوال پر موقوف تھا، اس لئے خدا نے ان کے زوال کا فیصلہ کر دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسری ہلاک ہوا، اسکے بعد

کسری ہوگا، قیصر ہلاک ہوا اور اسکے بعد قیصر نہ ہوگا۔ اور اس حق نے جو تمام دنیا کے لئے دماغ شکن تھا رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے باطل عرب کی دماغ شکنی کی اور عرب کے ذریعہ سے ان دونوں بادشاہوں کے باطل کی دماغ شکنی ہوئی اور ان بادشاہوں کے درباریوں کے ذریعہ سے اور تمام ملکوں کی گردن سیدھی ہوئی۔

پہلا مرحلہ یعنی ایک ایسی جماعت کی تیاری جو آپ کے اعضاء و جوارح کا کام دیکھتی تھی، ہجرت کے بعد طے ہو گیا، اسلئے صلح حدیبیہ کے بعد ہی آپ نے اس بیج کو جو عرب کی سرزمین میں سرسبز ہو چکا تھا، دوسرے مالک میں بونا شروع کر دیا، اور کسری و قیصر کو اسلام کی دعوت میں زمین اگرچہ صالح تھی تاہم اس میں جو نشیب و تراز پیدا ہو گئے تھے وہ آسانی کے ساتھ نہیں مٹ سکتے تھے، اسکے لئے پیغمبرِ انہ طاقت کے علاوہ شاہانہ طاقت کی ضرورت تھی، اسلئے اسلام نے طاقت کو اپنی کامیابی کا دوسرا اصول قرار دیا، چنانچہ شاہ صاحب اسی کتاب میں لکھتے ہیں:-

”اور اس امام کا دوسرا اصل یہ ہے کہ اسکی دینی تعلیم خلافت عامہ کے قیام کے ساتھ

مزدوج ہو، اور اسکے بعد جو خلفاء بنائے جائیں وہ اسکے شہر اور اسکے قبیلہ کے ہوں۔“

اور آپ کے بعد اس طاقت نے ان دونوں مملکتوں کے پرچے اڑا دیئے، اب عرب سے لیکر عجم تک ایک ہموار زمین تھا، اور اسلامی تمدن کو انہیں ہموار زمینوں میں سرسبزی حاصل ہوئی، عیسائی مذہب کے دست و بازو میں صرف اس قدر طاقت تھی کہ وہ بیج کو بہنیک سکتا تھا مگر زمین کو ہموار نہیں کر سکتا تھا، لیکن اسلام نے تخمِ ریزی سے پہلے تبدیلیج زمین کے ہموار کر دینے کی طاقت پیدا کی اور جب یہ طاقت مکمل ہو گئی تو تمام دنیا کو یہ مشرودہ سنا دیا گیا، ایوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دنیا،

## یونانی تمدن

از جناب مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق و المصنفین

اگرچہ موجودہ زمانہ میں اسپرنگ بیلنس کی ایجاد نے بہت سی ناقابل وزن اشیاء کے مقدار و وزن کے معلوم کرنے میں بڑی بڑی سہولتیں پیدا کر دی ہیں، تاہم علوم یونانیہ میں جو نزاکت موجود ہے وہ مادیات کے خیف سے خیف تیس کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی، اس بنا پر یونانی علوم و فنون کی مقدار و وزن کا پتہ چلانا خود سائنس کی دسترس سے بھی باہر ہے،

اہیات یونان میں علمائے آئین کے تین گروہ تھے، پہلا گروہ قدما کا تھا جو وجود صالح کا منکر تھا، اور عالم کی پیدائش عناصر اربعہ یا فضا، خلا، اور تارکی وغیرہ کا تھا، چنانچہ طالیس Thales کا یہی خیال ہے، جبکہ یونانی زبان میں اطواطون کا عقیدہ کہتے ہیں، طالیس نے اس خیال کی بنیاد اسپرکبی ہے کہ دنیا میں مختلف قسم کے شرموجود ہیں، حالانکہ اگر عالم کا کوئی صالح ہوتا تو شرم کا وجود نہ ہوتا، اپیکورس بھی زینونی فلاسفہ کے قول کے مطابق طالیس کا ہنجیال تھا، اسکے نزدیک عالم کی اصل دو چیزیں ہیں، خلا و اور صورت، صورت سے تمام چیزیں پیدا ہوئی ہیں، اور فنا ہونے کے بعد بھی اسی سے جالتی ہیں، اس بنا پر مبدا و معاد کا تعلق صرف صورت سے ہے، اپیکورس کے نزدیک عالم حادث اور حساب و کتاب، اور جزا و سزا کا خیال باطل نہ ہے، کیونکہ انسان بالکل غیر مکلف اور دنیا کے دیگر حیوانات کی طرح آزاد پیدا کیا گیا ہے، دیمقرطیس کے نزدیک عالم کا خالق تھا کوئی ایک، عنصر یا عقل نہیں ہے، بلکہ اسطفسات (عناصر اربعہ) میں جو دفعۃً ایک ساتھ پیدا ہو گئے ہیں،

لے شہرستانی صفحہ ۶۳ جلد ۳ لے محقق الاول صفحہ ۶۳ لے کنز الایوم صفحہ ۲۰ لے شہرستانی صفحہ ۱۷ لے ایضاً صفحہ ۱۳۔

دوسرا گروہ طبیعی فلاسفہ کا تھا، جو طبعی کے تاثیر و تاثر اور کمالات کی خلقت سے بحث کرتا، اور حیوانات و نباتات کی ساخت پر غور کر کے ایک عظیم الشان ہستی کے وجود کا اعتراف کرتا تھا۔ وہ روح کو فانی کہتا تھا، جو جسم کے فنا ہونے کے ساتھ ساتھ فنا ہو جاتی ہے، چنانچہ بند کلیس ....

(Empedocle) کا یہی مذہب بیان کیا جاتا ہے، وہ صالح کی چند صفات مانتا ہے اور انکو عین ذات قرار دیتا ہے، اسکا قول ہے کہ ”اس (صالح) کی ذات عین وجود اور اسکا وجود عین ذات ہے، اور حیات و حکمت دو اضافی چیزیں ہیں، جن سے ذات میں کوئی اختلاف نہیں واقع ہو سکتا“ اس کے نزدیک ماد کا مسئلہ بالکل لغو ہے، اور اسلئے وہ معاد روحانی اور ماد جسمانی دونوں کا منکر ہے، بطریقہ معاد کا، اور فردون Pythagoras معاد روحانی کا قائل ہے، ہر کلیس کے نزدیک خدا ایک نور ہے جو سب سے پہلے پیدا ہوا ہے، اور عالم میں سب سے پہلے محبت و منازعت پیدا ہوئی، جو ہمیں خدا کا قائل بنا، چنانچہ اس کے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ ”جو بالکل شر سے پاک ہو وہ میرا خدا ہے“ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ تعجب ہے لوگ خدا کو بچو کر کہاں کی اقتدار کرتے ہیں، اس کے نزدیک عالم دو ہیں، متحرک اور ساکن، پہلا حادث اور دوسرا قدیم ہے اور اگرچہ دونوں کو دست فطرت نے پیدا کیا ہے تاہم اس میں خدا کا ارادہ بھی شامل تھا،

تیسرا گروہ الہی حکما کا تھا جن میں تمام متاخرین یونان شامل تھے، چنانچہ زینون اکبر کے

نزدیک خدا قادر ہے، علیم ہے، عالم کی دو اصل ہیں خدا اور عنصر، ان میں خدا علتِ فاعلہ ہے اور عنصر اس کے حکم سے متاثر ہوتا ہے، نفس ناطقہ غیر فانی ہے، خرد و سب اور زینون تصغر کے نزدیک صالح اول ایک ہے، اس نے پہلے عقل اول یا نفس کو اور پھر اس کے ساتھ مل کر تمام چیزوں کو

۱۔ محقرالدل صفحہ ۵۰، ۲۔ شہرستان صفحہ ۳۲، ۳۔ محقرالدل صفحہ ۷۸، ۴۔ شہرستان صفحہ ۱۱۱،

۵۔ شہرستان صفحہ ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۶۔ ایضاً صفحہ ۱۲۱۰

پیدا کیا ہے، خدا اور نفس جو ہر لٹنی غیر فانی ہیں، فیثنا غورث کے نزدیک خدا ایک ہے اور اعداد  
اصل کائنات ہیں، کیونکہ ہر مرکب بسیط سے بنتا ہے اور عدد سے بڑھ کر کوئی چیز بسیط نہیں<sup>۱</sup>، وہ  
معاذ کا قائل<sup>۲</sup>، اور دنیا کے عدم محض ہونیکا منکر ہے، کیونکہ وہ تمام چیزوں کو ایک حالت سے  
دوسری حالت میں متغیر مانتا ہے، سقراط بت پرستی کو روکتا ہے، افلاطون عالم کی اصل خدا،  
ہیولی اور صورت کو قرار دیتا ہے، وہ تناسخ کا قائل ہے، اور فرقہ مزوکیہ اور بانٹوئیک کی طرح  
جنس لطیف کو عام سمجھتا ہے، اکاڈمی کے فلاسفہ عالم کی ایک انتہا مانتے ہیں، انکے نزدیک ہر  
مرکب کی تحلیل ہو سکتی ہے، جسکے جو اہر تحلیل کے بعد اپنی اپنی اصلوں سے جا کر مل جاتے ہیں<sup>۳</sup>،  
ارسطو مرکب اول کو واجب الوجود کہتا ہے، اور جیسا کہ آئو لوجی میں لکھا ہے اسکے نزدیک تین  
جو اہر ہیں، جنہیں دو طبعی اور ایک غیر متحرک ہے، واجب الوجود عدد اور کلمہ (اسم اور ذات)  
کے لحاظ سے ایک ہے، اسپر تیز و تبدل نہیں طاری ہوتا، وہ حی، باقی اور عالم کلیات ہے،  
اس سے عقل عشرہ پیدا ہوئیں، جنہیں سے نو تدبیر نفوس کرتی ہیں، اور ایک عقل فعال ہے،  
نظام و ترتیب اُسی سے صادر ہوئی ہے، نظام عالم غیر کی طرف مائل ہے، اور شریباً ہوتا ہے مثلاً  
پانی برسنے سے تمام دنیا کو نفع پہنچتا ہے، لیکن اسکے ساتھ بعض غبار کے مکانات بھی منہدم ہو جاتے  
ہیں جو بالکل جزوی نقصان ہے، ارسطو سزا و جزا کو روحانی مانتا ہے اور حشر اجسام کا قائل نہیں<sup>۴</sup>،  
تناسخ میں افلاطون کے بالکل خلاف ہے، اور اسکے مذہب کو باطل سمجھ کر کہتا ہے کہ افلاطون درست  
اور حق بھی دوست ہے، لیکن غور کرنے کے بعد میں نے حق کو ترجیح دی ہے، صاحب طبقات لایم نے

۱۔ محقر الدول صفحہ ۸ ۲۔ طبقات الام صفحہ ۴۳ ۳۔ الفلسفہ العربیہ والاخلاق صفحہ ۳۳ ۴۔ ایضاً صفحہ ۳

۵۔ محقر الدول صفحہ ۹۰ ۶۔ شہرستانی صفحہ ۱۴، ۱۵، ۱۶ ایضاً صفحہ ۲۲ ۷۔ ایضاً صفحہ ۲۴ تا ۲۹،

۸۔ اخبار الکما صفحہ ۴۰ ۹۔ محقر الدول صفحہ ۹۲،

لکھا ہے کہ ارسطو متنازع کا قائل تھا، لیکن یہ باطل غلط ہے اور اسکی خود ارسطو کی تصنیفات سے تردید ہوتی ہے،

دیوجانس قدر کا قائل ہے اور خدا کو برائیوں کے بجائے بھلائیوں کا سبب مانتا ہے، شیخ یونانی مبدع اول کی کوئی شکل و صورت نہیں مانتا، اسکو تمام علوی و سفلی چیزوں سے الگ تسلیم کرتا اور اسکی قوت کو ان چیزوں کی قوت سے جدا گانہ سمجھتا ہے، کیونکہ وہ شکل و صورت اور قوت سے بالاتر ہے، اور اس نے عقل کے توسط سے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے، وہ ایک قدیم اور دائم ذات ہے، ثناء و فرطیس اہمیت کو متحرک نہیں مانتا یعنی وہ خدا میں تغیر و تبدل کا قائل نہیں ہے،

یہ تو حکما و فلاسفہ کے مذاہب تھے، یونان کے عوام، قدیم آریوں کی طرح بہت سے دیوتا مانتے تھے، جنکی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے، چنانچہ ازلی و دس نے لکھا ہے کہ اسکے شہر میں ۳۰ ہزار دیوتا پوجے جاتے ہیں جنہیں ٹیلے، میدان، بیابان، اور پانی کی موصیں تک داخل ہیں، لیکن بڑے بڑے دیوتاؤں کی تعداد بیس کے قریب ہے جو درج ذیل ہیں،

زیوس: (مشرقی) یہ سب سے بڑا دیوتا ہے، اور آسمان اور نور کا دیوتا کہلاتا ہے اسکے

مستقل امر کی حج و ترکیب بھی ہے،

ہیرا: (جونوں) استینہ: (منرفا) صاف ہوا، حکمت، اور ایجاد و اختراع کی دیوی، ابولون:

شعر، موسیقی، فنون لطیفہ کا دیوتا، اور وحی کا رئیس، ارتیس: (دیان) جنگل، شکار اور موت کی دیوی،

ہرٹیس: (عطارد) آب ترال، بازار، مقامات، تجارت، فصاحت اور چوری کا دیوتا، ہیفرٹوس:

(خولکین) آگ کا دیوتا اور کڑک کا نازل کرنیوالا، ہستیا (فیسا) ارتیس (میرج) جنگ کا دیوتا، افروڈیت:

(زہرہ) مہن کی دیوی، بوزیدون: (ہفتون) سمندر کا دیوتا، انفیتریت، برودتہ، کردوٹس (زحل)

۱۰ طبقات الامم صفحہ ۵۰، ۱۱ شہرستان صفحہ ۴۹، ۱۲ ایضاً صفحہ ۴۹،

ریٹیا، (سییل) ڈیمتیر (سیریس) برٹیفونہ (بروزرہین) ہاویس (بلوتون) دیونیزوس (یاخوس) ان کے علاوہ کیمنیٹس کا بھی یونان کے مذہبی لٹریچر میں اکثر ذکر آتا ہے جو انتقام و غضب کی دیوی سمجھی جاتی ہے،

یونانیوں کو دیوتاؤں کی غیر محدود کثرت اور ازلیت سے کچھ بحث نہ تھی، ان کا خیال تھا کہ عالم فطرت کی ہر قوت ایک قوت الہی ہے، اس بنا پر سمندر، ہوا، آفتاب سب قوائے الہی ہیں، اور ان سب کا ایک ایک رب ہے، جبکی ایک خاص شکل اور ایک خاص نام ہے، چنانچہ ہومرنے آئیل دیوتا کی نسبت لکھا ہے کہ اریس اور آئینہ سردار لشکر تھے اور سونے کے ہار پہنتے تھے، اور صورت ایسی پاکیزہ تھی جو دیوتاؤں کے شایان ہوتی ہے، کیونکہ آدمی پست اور کوتاہ قامت ہوتے ہیں، یونانی دیوتا آدمی ہوتے تھے، وہ کپڑے پہنتے اور محلوں میں رہتے تھے، اور جب کسی طرح نہ مرتے تو زخمی ہو جاتے تھے، چنانچہ ہومرنے اریس دیوتا کے ایک شخص کے ہاتھ سے زخمی ہونے اور اس کی تکلیف سے چھینے چلانے کا تذکرہ کیا ہے، اس تجسیدار باب کے عقیدہ کو "انٹرو پومورفزم" کہتے ہیں، چونکہ دیوتا آدمی ہوتے تھے اسلئے ان کے خاندان اور اعزہ و اقارب مانے جاسے ہیں اور انکی تاریخ اور واقعات محفوظ رکھے جاتے ہیں جنکو یونانی میتھالوجی یعنی تاریخ الارباب کہتے ہیں،

دیوتا عموماً بے رحم، سفاک، مکار، حاسد، اور بیوقوف ہوتے تھے، چنانچہ زیوس دیوتا تمام دیوتاؤں سے ہمدید اگتا ہے کہ تم آسمان میں ایک سونے کی زنجیر باندھو اور اس میں لٹک جاؤ، اس صورت میں اگر زیوس کو زمین کی طرف کھینچنا چاہو گے تو پوری سعی و کوشش کے بعد بھی ناکام رہو گے کیونکہ وہ ایک حکمران بادشاہ ہے، بخلاف اسکے اگر میں چاہوں گا تو زنجیر کے ساتھ زمین اور سمندر تک کو کھینچ لوں گا، اور اسکو کوہ اولمب کی چوٹی میں باندھ دوں گا، جس سے تمام عالم اس وقت تک معلق اور مصلوب رہیگا، جب تک مجھے دیوتاؤں اور انسانوں پر فضیلت حاصل رہیگی" (ہومر)

کوہ اولمب یونان کا ایک مقدس پہاڑ ہے، جو دیوتاؤں کا آسمان کہلاتا ہے، یہاں دیوتاؤں کی کونسل ہوتی ہے جہاں دنیا کا انتظام کیا جاتا ہے، اس مجلس کی صدارت زیوس (مشرقی) کرتا ہے،

افلاطون نے ارباب پرستی کے متعلق جمہور کے خیالات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے، دیوتاؤں کے سامنے عاجزی سے گرا کر انار، اندر ناز، نذر، اور اعمال صالحہ کا پابند رہنا اتنی ہی ہے جہاں شہر اور آبادی کی نجات مضر ہے، اسکے برعکس شقاوت ہے، جس سے تمدن برباد ہوتا ہے، اور سلطنتوں کے تخت الٹ جاتے ہیں، کینوفان نے کتاب الفروسیہ میں لکھا ہے کہ دیوتا صرف مطلب کے دقت یا دکر لینے سے خوش نہیں ہوتے بلکہ امن و امان، اطمینان میں یا دکر لینے سے خوش ہوتے ہیں، اس بنا پر یونانی اپنے دیوتاؤں کو خوش رکھنے کی سخت کوشش کرتے تھے، چنانچہ ایک کاہن ابولون سے کہتا ہے، میں نے برسوں تیرے نام پر موٹے موٹے بیل لگ بین جلائے ہیں، اسلئے تو میری گریہ وزاری کو سن اور میرے دشمنوں کو سہام غضب سے چلی کر، یہ لوگ ذرا ذرا سی بات میں دیوتاؤں کی مرضی معلوم کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ شیو (صافتر؟) میں ایک مدرسہ کی چپٹ گری اور بہت سے لڑکے دب کر مر گئے، تو انکو انھوں نے دیوتاؤں کا غضب سمجھا، اسی طرح زلزلہ، کسوف، یہاں تک کہ چھینک سے بھی یہ لوگ فال لینے، اور اسپرانی معاوت و شقاوت کا دار مدار سمجھتے تھے،

دیوتاؤں کے بعد البطال کا درجہ ہے، بطل اس مشہور آدمی کو کہتے ہیں جو مرنے کے بعد ایک باختیار روح ہو جاتا ہے اور چونکہ وہ دیوتا نہیں ہوتا اسلئے نہ تو کوہ اولمب پر رہتا ہے اور نہ تدبیر عالم کرتا ہے، تاہم وہ انسانوں سے زیادہ قدرت رکھتا ہے، وہ اپنے دوستوں کی مدد کرتا،



اور ان کے دشمنوں کو برباد کرتا ہے۔

اس بنا پر یونانی اسکی پرستش کرتے اور سپر تریانی چڑھاتے تھے، ابطال بہت سے ہین جینین  
اشبیل (جنگ کا دیوتا)، اولیس، انامنون، ہیراکلیس، ادیب، ہیلیین، دوروس، اور عولس کا  
یونان کی میتھالوجی میں زیادہ ذکر آتا ہے، ان ناموں میں سے ادیب اور ہیراکلیس باطل بے اصل ہیں  
باقی اور نام بھی فرضی معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ ان ناموں کے اشخاص کا تاریخ میں ذکر نہیں ہے  
بعض ابطال دراصل انسان تھے، اور انھوں نے اپنے قوم و ملک کی نہایت نمایاں خدمات انجام  
دی تھیں مثلاً لبونیداس، اور لیزاندر مشہور سردار تھے، دیمقراط اور ارسطو فلسفی تھے، ایکورگ اور  
سولن مقنن تھے، بعض اشخاص صرف حین ہونیکے بنا پر ابطال میں شامل کر لئے جاتے تھے، چنانچہ  
کردون میں قلیبس نام ایک شخص کی پرستش ہوتی تھی جو اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ جہن شخص تھا،  
ابطال کو خدا کی طاقت حاصل ہوتی تھی، وہ غیر دشر کر سکتے، اور لڑائیوں میں مدد دے سکتے تھے،  
چنانچہ اہل آئینہ نے جنگ مارٹون میں اپنے بطل تیززیہ کو دیکھا تھا، اور جنگ سلاوینیا میں وہ  
نہایت ابدار اسلحہ سے مسلح ہو کر آیتنا اسی طرح اہاکس اور تیتامون نامی وہ ابطال نے جو کسی زمانہ میں  
جزیرہ سلاوینیہ کے بادشاہ گذرے تھے، پہاڑ کی سب سے بلند چوٹی پر آکر اپنے ہاتھ سے یونانی  
بیڑے کی طرف اشارہ کیا تھا، اسی بنا پر نیموکلس نے کہا ہے کہ ایرانیوں کو ہم نے سحر نہیں کیا،  
بلکہ دیوتاؤں نے سحر کیا ہے۔

اگرچہ ایک ایک بطل پورے پورے لشکر کا مقابلہ کر سکتا تھا، تاہم وہ اس قدر کمزور بھی  
ہوتا تھا کہ جب محلے والے اس سے پریشان ہوتے اور اسکے دشمن کی ہڈیاں لاکر اپنے محلہ میں  
دفن کرتے تو وہ فوراً اس محلہ کو چھوڑ کر ہباگ جاتا تھا،

طبیعیات | اگرچہ یونان میں فلاسفہ طبیعیین کی بہت بڑی جماعت پیدا ہوئی، چنانچہ قدما مثلاً  
 طالیس اور فیثاغورث وغیرہ سب کے سب طبعی تھے، اور اسقلاپوس، اریستراطس، لوقس،  
 تولوس وغیرہ کا بھی یہی مذہب تھا، تاہم ارسطو سے بڑھکر کوئی طبعی عالم نہیں پیدا ہوا، ارسطو کے  
 بعد بقراط اور جالینوس کا درجہ ہے، جنہوں نے متقدمین کی غلطیاں نکالیں، اور اپنے مذہب کو  
 نہایت صحیح دلائل سے ثابت کیا۔

فیثاغورث اگر بہت سے ایسے عالم مانتا تھا جو ہم کو جو اس اور عقل سے معلوم ہوتے ہیں اور  
 جسکے وجود و عدم کی نسبت ہم ایک رائے رکھتے ہیں، بعض ایسے عالم بھی تسلیم کرتا تھا جو مد رک  
 بالحواس نہیں ہیں، اور نہ ہمیں انکی نسبت کوئی اطلاع حاصل ہے، اسکے نزدیک موجودات  
 ابدی ہیں، وہ ہمیشہ باقی رہیں گی، لیکن انکی صورت تبدیل ہوتی رہیگی، اس بنا پر انکے فنا ہونیکے  
 یہ معنی ہیں کہ انکی اگلی صورت بدل جائے،

طیطیا تولوس ہمارے اس عالم کی طرح بہت سے عالم تسلیم کرتا تھا، ہر قفل (ہر کلیں) آسمان کی  
 متحرک، اور زمین کو گول، ساکن، اور جامد مانتا تھا، اور اجزاء ارضی کے مشعلق یہ کہتا تھا کہ آفتاب نے  
 زمین کی رطوبت کو لپیٹ لیا تو اس سے سمندر بنا، جن حصوں میں آفتاب گھس گیا، اور وہاں کی  
 رطوبت بالکل جذب کر لی، وہ کنکر، پتھر اور پہاڑ ہو گئے، اور جہاں کی حرارت پورے طور پر جذب  
 نہ ہوئی وہ مٹی کہلائی، انجام عالم کی نسبت اسکا خیال تھا کہ اخیر زمانہ میں آسمان کی ساری زیب و زینت  
 خاک میں مل جائیگی، کیونکہ ستارے روز بروز پنچے کی طرف لٹکتے آتے ہیں، یہاں تک کہ ایک زمانہ  
 میں زمین کو گھیر لیں گے، اور اسکے گرد ایک سوراخ حلقہ نظر آئیگا، اور چونکہ ستارے آگ کے بنے  
 ہوئے ہیں اسلئے لطیف مخلوقات زمین کو چھوڑ کر عالم بالا کو پروا کر جائیگی، اور خبیث مخلوقیں ہیں

ربحائی، جسکے لیے زمین جنم ثابت ہوگی،

فیثا غورث زمین کو گول مانتا تھا اور اسکے ارد گرد کی ہوا میں نہایت خفیف حرکت کا قائل تھا اور اسی کو زمین کے فنا ہونے کا سبب قرار دیتا تھا،

ارسطو کے نزدیک عالم ایک ہے، اور اسکی خلقت اس طرح ہوئی ہے کہ جو ہر ایک جسم ہے جو طول و عرض اور عمق میں متحرک رہتا ہے، اسکا وہ حصہ جو اسناداری حرکت کرتا ہے آسمان کہلاتا ہے اور جو وسط میں ہے اور آسمان سے دور واقع ہونے کے سبب سے اسکی حرکت اور اسکا اثر قبول نہیں کرتا، بلکہ ساکن اور ٹھنڈا ہو کر رہ گیا ہے، زمین کہلاتا ہے، جو اجسام نیچے سے اوپر چڑھتے ہیں دہوان اور بخار کہلاتے ہیں، اور چونکہ ان میں زمین کے اجزاء شامل ہوتے ہیں اسلئے وہ کشیف ہو جاتے ہیں، اور ہوا وغیرہ کی بدولت ایک جگہ مجتمع ہو جاتے ہیں، اور بہا بر و گہر کہلاتے ہیں، اور جب آگ کو ٹھنڈک پہنچتی ہے تو وہ پانی اور برف کی شکل میں ٹپک پڑتے ہیں، ہوا اور دہوان جب بادلوں کے اندر رک جاتا ہے اور زور بھر کر ان سے نکلنا چاہتا ہے تو ایک آواز پیدا ہوتی ہے جسکا نام رعد ہے، اور نکلتے وقت جو احتکاک و تصادم سے چمک پیدا ہوتی ہے وہ برق ہے، کبھی کبھی دہو میں دھنیت غالب ہوتی ہے اور وہ مشعل ہو جاتا ہے اور یہ شہاب ثاقب ہے، اسی طرح ہالہ قوس و قزح، مدار تارہ، کہکشان، اور متعدد آفتابوں کے وجود پر بھی ارسطو نے نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور اسکو ثاسطیوس اور بوعلی سینا نے اسکی کتاب آثار علویہ سے نقل کیا ہے،

ارسطو عالم کو قدیم اور اسکے نظام کو برباد ہونے سے محفوظ مانتا تھا، اور آسمان کو کردی اور انکی حرکت کو ستیر تسلیم کرتا تھا،

فیثاغورث اور ارسطو (Aristarchos) آفتاب کو ساکن اور زمین کو  
اُسکے گرد متحرک مانتے تھے، بطلمیوس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ زمین ساکن ہے اور آفتاب اور  
ستارے اُسکے گرد حرکت کرتے ہیں، یہ خیال اس قدر عام ہوا کہ تمام دنیا نے اسکو تسلیم کر لیا اور  
پندرہویں صدی عیسوی تک ایک مذہبی عقیدہ کی طرح مانا گیا، لیکن جب کوپرنیکس نے دلائل  
حتی سے فیثاغورث کے مذہب کی تائید کی تو نظام بطلمیوسی درہم برہم ہو گیا،

دیمقراطیس اجزاء، لایعجزی کا قائل تھا یعنی ایسے اجسام مانتا تھا جنکی تحلیل کرنے کے بعد  
ایسے اجزاء بھی نکل سکے ہیں جو تحلیل و تجزی کے تحمل نہیں ہو سکتے، شیخ یونانی زمین کو گول مانتا تھا  
اور ثالمسطیوس ستاروں کو ایک مشتعل آگ کہتا اور ان میں تئیر و انحلال کا قائل نہ تھا۔

صابئہ یونان کے نزدیک آفتاب کے پاس ایک گاڑی ہے جسپر وہ بیٹھ کر دن بھر تمام  
عالم کا گشت لگایا کرتا ہے، اس گاڑی میں چار گھوڑے جوتے جاتے ہیں۔



۱۰ علم الفلک صفحہ ۲۲۸، ۲۰ کنز الدیوم صفحہ ۲۵، ۳۰ طبقات الامم صفحہ ۱۱۱ شہرتانی صفحہ ۷۶،

۵۰ ایضاً صفحہ ۸۶، ۱۰ الفلسفۃ العربیہ ص ۱۵،

# مترجما

## مترج سے نامہ و پیام

اہل مترج سے نامہ و پیام قائم کرنے کا خیال دنیا والوں کے لئے نیا نہیں، آج سے پیشتر یہ خیال بار بار ظاہر ہو چکا ہے، اور مشہور مین تو اس نے خاص طور پر قوت پکڑ لی تھی، چنانچہ اس زمانہ میں بہ کثرت مضامین و رسائل اس بحث کی تائید و تردید میں لکھے گئے، کہ آیا مترج نہیں آبادی اور اگر ہے تو اس سے اہل ارض کیونکر سلسلہ گفتگو قائم کر سکتے ہیں؟ حال میں یہ بحث از سر نو زندہ ہوئی ہے، اور اس کے متعلق کچھ مختصر معلومات معارف کے گذشتہ نمبر میں اخبارِ علیہ کے تحت میں درج کئے گئے ہیں،

موجودہ بحث کا خلاصہ کیا ہے؟ آیا یہ کوئی سائنس کا مسلم مسئلہ ہے یا ہنوز اسکی محض نظری حیثیت ہے؟ منکرین و مؤیدین اپنے کیا کیا دلائل پیش کرتے ہیں؟ یہ اور اس قسم کے دوسرے ضروری سوالات کے جوابات بجائے اسکے کہ ہم خود دین، مختلف علماء سائنس و ماہرین فن کے بیانات کے واسطے سے ناظرین تک پہنچا دینا بہتر سمجھتے ہیں،

سب سے پہلے سنیں کہ کوئی کے بیان کو منطقی چاہیے جو بے تاریکی و تاریکی (لاسلکی) کے موجودہ ہونے کی حیثیت سے اس وقت دنیا میں ایک مکشوفہ غلطی کی شہرت رکھتے ہیں اور مسئلہ زیر بحث بھی محض انہیں کے بیان سے چھڑا ہے، وہ کہتے ہیں :-

”وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ“ اور علامتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں جنکا

مبداء ممکن ہے کہ کرہ ارض سے باہر ہو،

ان آوازوں میں ایک حرف "سی" (جسکی علامت لاسکلی رسم الخط میں تین نقطہ ہیں) کی شناخت ہوتی ہے،

یہ آوازیں لندن و نیویارک میں نہ صرف ایک ہی وقت میں پیدا ہوتی ہیں بلکہ ان کی قوت بھی دونوں جگہ مساوی ہے،

ابھی تک اس امر کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں مل سکا ہے کہ ان آوازوں کا آغاز کمان سے ہوتا ہے، ممکن ہے کہ یہ آفتاب میں بعض چیزوں کے پٹنے کے دھماکے ہوں، اور میں نے بھی نامکمل نہیں قرار دیتا کہ ان کے ذریعہ سے کوئی دوسرا ستارہ کرہ ارض سے نامہ و پیام کرنا چاہتا "مارکونی کا بیان صرف اسی قدر تھا، میجر میک کالم، جو مارکونی ہاؤس لندن کے افسر اعلیٰ اور مسائل لاسکلی سے متعلق کافی تجربہ رکھتے ہیں، انھوں نے حسب ذیل بیان شائع کیا ہے،

میں سمجھتا ہوں کہ سینٹر مارکونی نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ تمام آوازیں اس کثرت سے آتی ہیں کہ انہیں اتفاقی وغیرہ ادی اسباب پر معمول نہیں کیا جاسکتا، لیکر یا اگر ان کی صداں باہتیب یا مرتب کو فرض کیا جائے تو سوال یہ ہے کہ یہ پیام لاسکلی رسم الخط میں کیوں آ رہے؟

اگر ان کا بعداً مرتب کو فرض کیا جائے جیسا کہ زیادہ قرین قیاس ہے، اور پروفیسر لاولڈ دیگر محققین کے اقوال کے مطابق انہیں آبادی کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو اس سوال کا جواب یہ آسانی مل جاتا ہے،

اہل مرتب اعلیٰ ہم سے بہت زیادہ متدین ہیں، وہ لاسکلی کا کام صدیوں سے کر رہے ہیں ان کے آلات لاسکلی بہت زیادہ قوی ہونگے، ممکن ہے کہ انھوں نے ہمارے پیامات لاسکلی کو محسوس کر لیا ہو، اور ان کے رسم الخط کو پوری طرح دریافت کر لیا ہو، اور ایسا ہونا کچھ بھی مستبعد نہیں، دوران جنگ میں ہم نے جرمنی کے ساتھ بارہا یہی کیا، لیکن انھوں نے ایسا کر لیا ہے

تو یقیناً اسکے بعد انھوں نے اپنا ایک نظام عمل بھی بنا لیا ہوگا، اور مقررہ وقفوں کے بعد کمرہ ارض کے یقیناً پیامات بھیجے گی کی کوشش کریں گے،..... یہ پیامات جو ایک مار کوئی دوسرا شخص کے علم میں آئے ہیں، امریکہ، انگلستان اور ہر ملک میں سادی قوت کے ساتھ پہنچے ہیں، جس سے اس خدشہ کا بھی امکان باقی نہیں رہا کہ کوئی شخص مرعاً ایسا کر رہا ہو..... یہ دعویٰ کرنا کہ مزید جو زمین تک لاسکی پیام کا پہنچانا ناممکن ہے، بالکل حاقق ہے، اگر آلات قوی ہیں تو فاصلہ کوئی چیز نہیں،

اگرچہ ابھی تک ایسا نہیں کیا گیا ہے لیکن اس امر کی تعین کر لینا ممکن ہے کہ کمرہ ارض سے ایک لاکھ میل کے اندر کس سمت سے یہ پیامات آ رہے ہیں؟

سر مارٹن لاکیزر، اس وقت انگلستان کے سب سے مشہور ہیئت دان ہیں انامور رسالہ نیچر اینین کی نگرانی میں نکلتا ہے، ہیئت کے مسائل میں انکا قول فیصلہ کن ہوتا ہی وہ فرماتے ہیں:-

”سیاروں کی جانب سے اشارات ہونا ناممکن نہیں، جس طرح آفتاب کے مقناطیسی تہجات

تمام کمرہ ارض کے آلات مقناطیسی کو ایک ساتھ متاثر کرتے ہیں، اسی طرح امواج برقی کا بھی

کمرہ ہوا کو طے کر کے تمام آلات ارض کو متاثر کرنا ممکن ہے۔“

پروفیسر موٹوی، جو اکسفورڈ میں کیمیا میں طبعی کے استاد، اور سائنس کے ایک مستند مہتمل

ہیں، لکھتے ہیں:-

سینئر مار کوئی کا بیان یقیناً قابل غور و اعتنا رہے، اس قدر تجربہ کار مہتمل کا یہ خیال کہ یہ

اشارات غالباً کمرہ ارض کے باہر سے پیدا کئے جا رہے ہیں، اس قابل نہیں کہ اسے سرسری

طور پر مٹا دیا جائے، میں اس سے زیادہ ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

فرانس کا نامور عالم فلکیات کیمل فلارمیان کہتا ہے:-

مجھے مار کوئی کی اس راسے سے اتفاق ہے کہ ممکن ہے یہ آوازیں آفتاب کے مقناطیسی طوفانوں کا نتیجہ ہوں جسکا مشاہدہ ہم سال گذشتہ سین، خصوصاً ۱۰، ۱۲ اگست کے درمیان کر چکے ہیں۔ کیا ہمارا دلکش ہمسایہ مرتج ہم سے اشارات کر رہا ہے؟ یہ سوال مدت دراز سے ہماری توجہ و دلچسپی کا مرکز رہا ہے، خصوصاً اس وقت سے جب سے کہ جزا ذبیہ مرتج کا نقشہ تیار ہو گیا ہے جس میں نمرین وغیرہ متعدد ایسی چیزوں کا ظہور ہے، جو بخت و اتفاق پر معمول نہیں کیا جاسکتیں، بلکہ جو اہل مرتج کے کمال فن انجینیری کی دلیل ہو سکتی ہیں،

ہمیں یقیناً اپنا قدم اس آسمانی ہمسایہ کی طرف بڑھانا چاہیے جو شاید صدیوں کی ہماری جانب پیامات بھیج رہا ہے، اگر ہم خاکدانِ ارض کی مادی و پچیسویں میں اس قدر منہمک رہے ہیں کہ آج تک اُنکے سمجھنے اور جواب دینے کی بھی ہمیں توفیق نہیں ہوئی، جن ہیئت والوں نے اپنے تئیں "ان خاکی" و پچیسویں سے کیس قدر فرصت چھل کر لی ہے، اب زمانہ قریب آ رہا ہے کہ وہ اپنی تحقیقات کے کامیاب نتیجہ تک پہنچ سکیں گے۔

کم انڈر میل، جنہیں مسائلِ لاسکی کے متعلق وسیع اور گہرا تجربہ ہے، کہتے ہیں :-

میرے خیال میں اگرچہ اکثر حکماء ان آوازوں کا مبداء زمین ہی کو بتائیں گے تاہم اُنکے غیر ارضی مبداء کے وجود کو بھی کوئی ناممکن نہیں کر سکتا، ابھی تک کوئی تصفیہ اس مسئلہ کا ہمیں ہو سکا ہے، جنگ کے زمانہ میں لاسکی قوت نے جو عجائبات ظاہر کئے، اُنکے لحاظ سے تحقیقات و تفتیش کا ایک باطل جدید باب کھل گیا ہے، مسئلہ میں جن چیزوں کے امکان کا بھی خیال نہیں ہوتا تھا، وہ آج صرف ممکن ہی نہیں بلکہ وقوع پذیر ہو گئی ہیں ایسی حالت میں کون کہہ سکتا ہے کہ مستقبل کے لئے فلان فلان چیزیں ناممکن ہیں۔

پروفیسر آئینسن، جسکے جدید مسئلہ انحراف نور نے نیوٹن کے قانون کشش کو مانڈ کر دیا ہے،



اور جو فن ریاضی و ہیئت میں اپنی قوت اجتہاد کے لحاظ سے نہ صرف جرمنی بلکہ شاید دنیا میں بھی کوئی افضل و برتر نہیں رکھتا، اس سے جب اس مسئلہ پر اسے لیگی تو اس خیال کے ماننے میں تردد ظاہر کیا:-

”یہ بادر کرنے کے مقبول دلائل موجود ہیں کہ مزج دو دیگر سیاروں میں آبادی کا وجود ہے اور آخر اسکی وجہ ہی کیا ہو سکتی تھی کہ منجملہ تمام سیاروں کے آبادی عرف کردہ ارض ہی پر ہو، لیکن دوسرے سیاروں میں آبادی تسلیم کرنے کے ساتھ میرا یہ خیال نہیں کہ وہ لوگ جیسے بواسطہ لاسکی نامہ و پیام کرنا چاہیں گے، نور کی شاعین جن سے بآسانی کام لیا جاسکتا ہے میرے نزدیک انکے لئے بہتر پیام ہو سکتی ہیں، تاہم جب تک یہ نہ معلوم ہوئے کہ وہ لوگ تمدن و ترقی کے کس مرتبہ پر ہیں، کوئی قطعی رائے نہیں قائم کی جاسکتی، ... پیری ذاتی رائے ابھی تک اس معاملہ میں یہ ہے کہ یہ آذانین یا تو کسی فضائی قوت و طوفان کا نتیجہ ہیں یا سطح ارض ہی پر کہیں خفیہ طور سے لاسکی کے کسی جدید نظام کے تجربات ہو رہے ہیں۔“

ڈاکٹر ایبٹ، جو اسمتھسین انسٹیٹیوٹ کی رصد گاہ کے ڈائریکٹر ہیں، وہ اس معاملہ میں ادھر ہی رائے رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ اشارات کوئی سیارہ کر رہا ہے، تو وہ سیارہ مزج نہیں بلکہ غالباً زہرہ ہے، جہاں تک مزج کے حالات معلوم ہوئے ہیں، اس میں کسی آبادی کا وجود نہیں ہو سکتا، آفتاب سے بہت دور ہونے کے باعث وہ بمقابلہ کردہ ارض کے صد چند سرد ہوگا، بخلاف اسکے زہرہ کے تمام حالات اس نتیجہ کی طرف بیجاتے ہیں کہ اس میں ضرور آبادی ہوگی، اسکی جسامت تقریباً کردہ ارض کے مساوی ہے، اور آفتاب سے اور بھی قریب تر ہے، پھر اسکی فضا میں جو ابر چھایا ہوا رہتا ہے اس سے اسکا بھی ثبوت ملتا ہے کہ

اسین تجارت مالی اس مقدار میں موجود ہیں کہ باقی دیوانی زندگی کے لئے کافی ہو سکیں اب  
 ہا کسی دوسرے سارے کو ارض تک اسکی پیامت پہنچے گا مکان، سو اس لحاظ سے بھی  
 زہرہ ہماری زمین سے ۷۵ لاکھ میل کے فاصلہ تک آ سکتا ہے، بخلاف اسکے مزج کی ہے  
 نزدیک ترین مسافت ہی اسکی بیس گنی، یعنی پانچ کروڑ میل سے کم نہیں ہوتی؛  
 اور بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی سیارہ ہم سے نامہ دہیا م کی فکر میں ہے تو وہ مزج  
 نہیں بلکہ زہرہ ہے، اس امر کا قطعی ثبوت موجود کہ مزج پر کسی طرح کی بادی کا امکان نہیں بخلاف  
 اسکے زہرہ کے تعلق جو کچھ حالات و معلومات پیش نظر ہیں، وہ سب اس فیصلہ کی طرف  
 ہیجاتے ہیں کہ اسین ہماری جیسی مخلوقات آباد ہے۔“

بعض ماہرین فن، مارکونی کے رائے سے ہر پہلو سے شدید و قطعی اختلاف رکھتے ہیں اس  
 قسم کی بھی چند رائیں قابل مطالعہ ہیں، مسٹر نوبل جو دوبارہ رائل اسٹرازمیکل سوسائٹی کے صدر  
 رہ چکے ہیں، کہتے ہیں،

”یہ خیال نہایت ہی مستند ہے کہ ان پر اسرار اشارات کا مبداء کوئی دوسرا سیارہ ہے یہ بادر  
 کرنے کی ہمارے پاس کوئی شہادت موجود نہیں، کہ برقی امواج فضا سے مابین آسمان و  
 زمین کوٹے کر سکتی ہیں۔“

مسٹر مائڈر، سابق مہتمم شعبہ شمسیات رصد گاہ گرینینج کہتے ہیں وہ  
 ”مجھے مارکونی کے مشاہدات کی تفصیل نہیں معلوم، سوال یہ درپیش ہے کہ کیا آفتاب کے  
 متغیاتیاتی تہجات ہیں؟ مجھے یہ دریافت کرنے افسوس ہوا کہ مارکونی کے نزدیک ان کا  
 مبداء تہاب یا کسی اور سیارہ کا بھی ہونا ممکن ہے، یہ خیال تاثر مہل ہے۔“

پروفیسر رز جو آکسفورڈ میں فلکیات کے پروفیسر ہیں انکا بیان ہے:-

”اگر ارگونی کے خیال کے مطابق ان اشارات کا مبداء کسی دور دراز فاصلہ پر ہے تو نظام شمسی کے کسی حصہ میں ہوگا، لیکن یہ دعویٰ کہ وہاں سے کسی ذیقطنل ستی نے ہمیں قصداً پیدا کیا ہے، میرے نزدیک بجائے عقل و شہادت کے خواہش و جذبات پر مبنی ہے“

بیانات بالا سے معلوم ہوا ہوگا کہ متعدد مشاہیر علماء و سائنس کی رائے میں ان اشارات کا مرتج سے پیدا ہونا مستبعد نہیں، بعض اس معاملہ میں متردد و مذہب ہیں، ایک صاحب کی رائے میں بجائے مرتج کے یہ اشارات زہرہ سے پیدا ہو رہے ہیں، اور دوا ایک شخص ایسے بھی ہیں جنکے نزدیک اس قسم کا امکان ہی باطل ہے، اور یہ قیاس سرے سے بے بنیاد ہے، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، مرتج سے نامہ و پیام کا خیال کوئی نیا خیال نہیں، آج سے بارہ سال پیشتر امریکہ کے ایک سائنسٹ پروفیسر نکولائسلانے جس نے مسائل لاسکی کا طویل و عمیق مطالعہ کیا تھا، شد و مد سے یہ دعویٰ کیا تھا کہ باشندگان مرتج کرہ ارض کی جانب برقی پیامات بھیج رہے ہیں، اور باشندگان ارض پر انکا جواب دینا واجب ہے، وہ کہتا تھا کہ

”کمر باے لاسکی کے سامنے فاصلہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اسپر، اگر کافی قوت ہو تو پیامات جس طرح حد ہا میل تک جاسکتے ہیں، اسی آسانی کے ساتھ لاکھوں کروڑوں میل کی مسافت بھی قطع کر سکتے ہیں“

چنانچہ اسی زمانہ میں اس نے جزیرہ لانگ مین دریائے نیواگرا کے دہانہ کے قریب نہایت وسیع و عظیم نشان پیامتہ پر ایک برقی کارخانہ قائم کرنے کا ارادہ کیا تھا، جہاں کئی ارب گھوڑوں کی قوت کا ذخیرہ ہوا، اسکے بعد سے پھر مسلا صاحب نے اپنی ہر سکوت نہ توڑی، اسکے بعد چند سال کا ذکر ہے کہ پروفیسر ٹاؤسنے یہ ارادہ کیا کہ ایک خاص غبارہ پر سطح زمین سے دس میل کی بلندی پر انڈکران لاسکی پیامات کو جو کبھی سیارہ سے آرہے ہیں اور میان سے

اچک لیا جائے، لیکن جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ کمر بائے فضائی کی مداخلت اس تجربہ کو کامیاب ہونے دیگی، تو بالآخر وہ اس قصد سے دست بردار ہو گیا،

ایک اور تجویز یہ بھی پیش ہو چکی ہے کہ روشنی کو آکڑا مغالب بنایا جائے، یعنی زمین پر نور کے مثلث وغیرہ اشکال مندرسی ایسے بنائے جائیں جو اہل مریخ کی خاص طور پر عائب توجہ کریں، لیکن زمین سے مریخ تک فاصلہ اس قدر ہے کہ اگر یہاں کسی مقام پر کم کرب (.....ہم) بیڑن کی ترسے کیا کیجائے تو کہیں جا کر اسکی ذرا سی جھلک مریخ میں نظر آسکتی ہے، لیکن اتنی قوت کی برقی روشنی پیدا کرنے کے معنی یہ ہیں، کہ فی گھنٹہ ..... (پندرہ کروڑ روپیہ) کا صرف گوارا کیا جائے:

پھر اگر لاسکی ہی طاقت کے ذریعہ سے زمین و اجرام فلکی کی درمیانی مسافت طے کیجائے تو مریخ، زہرہ وغیرہ تو الگ رہے، جو سارہ کرہ ارض سے قریب ترین رہے، وہ افغانستان ہی ہے اور اسکا فاصلہ زمین سے ..... کم کیلو میٹر ہے، (ایک کیلو میٹر پانچ فرلانگ کے سادی ہوتا ہے) اور لاسکی کی انتہائی رفتار ایک فی سکند ۵۰۰۰ کیلو میٹر کی ثابت ہوئی ہے اس حساب سے اگر اس قریب ترین ستارہ کے پاس بھی آج لاسکی پیام روانہ کیا جائے تو پورے چار برس چار مہینہ میں وہاں تک پہنچ سکیگا،

مذکورہ بالا بیانات شائع ہو چکے کے بعد لندن کے مشہور اخبار مانچسٹر گارڈین کے ایک نمائندہ نے مارکونی سے جا کر پھر طافات کی اور مارکونی نے حسب ذیل بیان دیا:-

مریخ سے گفتگو؟ جی نہیں، میں مریخ سے گفتگو میں مشغول نہیں ہوں، اس عام خیال کی اشاعت کا میں ذمہ دار نہیں، بلکہ مسٹر ویلز ویلز فلامریان اسکے ذمہ دار ہیں، اسی عام خیال کے

محیط ہونے کا یہ نتیجہ ہے کہ میرے پچھلے بیان کو لوگوں کے تخیل نے طح طح کے منہ ہینا نا شروع کر دیئے ہیں،

تاہم میں اسکا ضرور قائل ہوں کہ لاسکلی پیامات کا فضا کو طے کر جانے کا امکان ہے، میرے نزدیک دوسری قسم کے امواج کو بھی فضا کا طے کر جانا نامکن نہیں، جیسا کہ بعض اشخاص اس وقت دعویٰ کر بیٹھے ہیں، برقی امواج ان امواج حرارت و نور سے بہت قریب کا تعلق رکھتی ہیں جو خلا کو طے کر کے ہمارے کرہ ارض تک پہنچتی ہیں، اور برقی امواج کا خلا کو طے کر سکتا زیادہ تر اس امر پر مبنی ہے کہ ان کا طول کس قدر ہے،

..... اتھیر کے اندر سے برقی امواج کا گزریقیناً ہو سکتا ہے، اور بعض دوسرے اصناف مادہ کے اندر سے بھی ممکن ہے، گو بہت کم حد تک۔ لاسکلی پیامات بڑی بڑی مسافیتیں طے کر کے دیوار کے اندر سے گزر کر پہنچتے ہی رہتے ہیں، چنانچہ اس وقت خود اسی کمرہ میں جو چاروں طرف سے بند ہے، اور دیواروں کے حامل ہونے کے باوجود، لاسکلی پیامات کا ہجوم ہے جو تمام دنیا سے آ رہے ہیں، اور جنہیں ایک چھوٹا سا آلہ قبول کر رہا ہے، البتہ مادہ کی بڑی بڑی ٹوس ضخامین مثلاً پہاڑ، غالباً ان امواج کے لئے سد راہ ہوتے ہو گئے، اور اس وقت سے یہ امواج ان کے اوپر سے گذر کر آتے ہوں گے،

میرے خیال میں یہ امواج زمین کے ٹوس کمرہ کے اندر داخل ہو کر نہیں سفر کر سکتی ہیں چنانچہ کرہ ارض کے دوسرے سرے سے جو پیامات آتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ وہ فشر حوض کو توڑ کر نہیں آتے بلکہ سطح ارض کا پھر لگاتے ہوئے آتے ہیں،

توت برقی کی چوٹی موہین بیشک فشر ارض اور فضا کی ہالائی سطح تک محدود ہیں لیکن طویل امواج کے لئے فاصلہ کی کوئی تعداو نہیں مقرر کیا جاسکتی ہے، جس حد تک ان امواج کی

تجلیق پر قدرت حاصل کیجا چکی ہے، اسکے لحاظ سے امواج کی ثروت میں تخفیف و اضافہ کرتے رہنا بالکل ہمارے اختیار میں ہے، اور اس بنا پر مجھے یقین ہے کہ امواج کا اجرام فلکی تک پہنچ جانا بالکل ممکن ہے،

رہا یہ کہ حال میں جو لاسکی بیجا نانات تجربہ میں آئے ہیں، انکے متعلق میں پیشتر کہہ چکا ہوں کہ ممکن ہے انکا تعلق آفتاب کے داغوں سے ہو، لیکن اتنا کہ مجھے اسکا ثبوت مطلق نہیں ملتا اور یہ میں علانیہ تسلیم کرتا ہوں کہ ابھی تک ہمارے معلومات اس باب میں بہت ہی ناقص و نامکمل ہیں

ڈاکٹر برٹن نے حورقیات کے ماہر ہیں، مسئلہ کے نفی و اثبات دونوں کے دلائل کا خلاصہ لکھ دیا ہے، وہ تائیدی شواہد حسب ذیل درج کرتے ہیں :-

(۱) مریخ کی سطح پر خطوط مستقیم کا جال نظر آتا ہے، جنہیں سے بعض خطوط دہرے ہیں،  
(۲) کرہ مریخ کے قطبین پر وہاں کے موسم سرما میں بڑی بڑی سفید چادرین سی نظر آتی ہیں، جو برفستان معلوم ہوتی ہیں، موسم گرما کی آمد کے ساتھ یہ رفتہ رفتہ پگھلتی جاتی ہیں، اور وہ خطوط جنکو ہم نہرین سمجھتے ہیں دسج ہوتے جاتے ہیں،

(۳) اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ مریخ بالکل خشک کرہ ہے، جہاں پانی کا قحط ہے اور وہاں کے باشندوں نے جو بخنیریں میں استاد کامل معلوم ہوتے ہیں، اپنے ہاں آبرسانی کا ذریعہ انہیں نہروں کو رکھا ہے، جنہیں وہ برفستانی اقطاع سے کاٹ کر لاتے ہیں، یہ خیالات ہیں اس فریق کے جو مریخ سے امکان نامہ دپیام کا مدعی ہے، فریق مخالف انکے جواب میں امور ذیل پیش کرتا ہے :-

(۱) علمائے فلکیات کی تحقیقات سے مریخ میں نہروں کا تو کیا، خطوط مستقیم ہی کا وجود ثابت نہیں قوی ترین دور بینوں، نیز اجرام فلکی کی تصاویر کی مدد سے بھی جو شے اب تک مشاہدہ میں آئی ہے

وہ سطح مرتج کے بعض شکاف یا درازہیں، مگر ان پر خطوط مستقیمہ کا اطلاق کسی طرح نہیں ہو سکتا۔  
 (۲) قیام حیات کے لئے آفتاب کی حرارت ضروری ہے، لیکن مرتج آفتاب سے اس قدر دور و دراز فاصلہ پر ہے، کہ آفتاب کی جب قدر حرارت ہم تک پہنچتی ہے، اسکا صرف  $\frac{1}{16}$  حصہ مرتج تک پہنچ سکتا ہے، ایسی حالت میں وہاں انسانی آبادی کا وجود کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے،  
 (۳) مرتج کی فضا میں بخارات مایہ کا وجود اب تک باوجود تلاش و تحقیقات نہیں ثابت ہوا ہے اور وہاں کی عدم موجودگی کے ساتھ مرتج میں انسانی آبادی کی موجودگی پر کیونکر یقین آسکتا ہے،  
 ڈاکٹر برنہین اپنی ذاتی رائے یہ لکھتے ہیں کہ موجودہ معلومات و شواہد کے لحاظ سے مرتج کے ساتھ نامہ و پیام کا مطلق امکان نہیں معلوم ہوتا۔

(انھو ذرا سائنس سٹیفننگز و دیگر سبیل)

# تلخیص و تبصرہ

## چار ہزار سال قبل کا تمدن

بابل و کلدان کے تمدن کی قدامت یورپ کو مدت سے مسلم ہے، حال میں اس کے متعلق کچھ اور  
اکتشافات ہوئے ہیں جنکی بابت پروفیسر سائیس نے لندن کے اخبار آبزوردر میں ایک مضمون  
تحریر فرمایا ہے،

پروفیسر موصوف لکھتے ہیں کہ قدیم مشرقی تمدن گوآرامت مادی کے لحاظ سے ہمارے موجودہ  
تمدن کے ہمسر نہ ہو، گو اس وقت ریل، ٹراموے، تار، ٹیلیفون، دھانی جہاز، ہوائی جہاز وغیرہ نہوں،  
تاہم جہاں تک تہذیب و دانش کی کا تعلق ہے، وہ اس سے کسی طرح کم نہ تھا، بلکہ بعض حیثیات سے  
افضل و اشرف بھی تھا،

قدیم یونان و روم کی عظمت و بزرگی سے ہم مدت ہوئی کافی واقف ہو چکے ہیں، اسکے بعد  
مصری تمدن کے متعلق اکتشافات ہوئے، اور پھر کریٹ کے صنایع و تہذیب سے ہم و شناس  
ہوئے، اب بابل کی باری ہے، بابل تمدن کی اصلی فضیلت مصر و کریٹ کی طرح فنون لطیفہ کی  
حیثیت سے نہیں بلکہ ادبی و تجارتی حیثیت سے تھی،

بابل کے تازہ ترین اثری اکتشافات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کی ولادت سے  
عدہ ہا سال قبل کلدان کو متعدد فرمانروا اپنا پایہ تخت بننا چکے تھے، اور ان سلاطین کے زیر نگین  
سود سے لیکر جردم اور کوہ مارس سے لیکر فلج فارس تک پورا علاقہ تھا، ایشائے کوچک کے  
مشرقی حصہ میں فیہر یہ سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر اہل بابل کی ایک نیم تجارتی و نیم فوجی



نوابادی قائم تھی، جو شمال و مغرب کی شاہراہ پر قابض تھی، اور جودہات کی تجارت کا مرکز تھی،  
ایشیائے کوچک میں چاندی، تانبا، اور پارہ کی جوکانین بتین، ان میں بابل کے کارخانہ دار  
کام کرتے تھے، اور مغربی ایشیاء کے لئے مہدنیات کی ہمسائی کرتے تھے،

حال میں جو صد ہا کتبات مٹی کے پتروں پر لکھے ہوئے بابل میں دستیاب ہوئے ہیں جو مسند  
قبل مسیح کے ہیں یعنی آج سے ۲۲۰۰ سال قبل کے، ان کتبات میں بعض خطوط ہیں جو کاروباری  
معاملات پر ہیں، اور بعض خطوط تجارتی و قانونی معاملات سے متعلق ہیں، ان کتبات کے مطالعہ  
سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ دارالسلطنت پر دفعۃً کوئی مصیبت نازل ہوئی، جسکے بعد اسکی عظمت  
گم شدہ واپس نہ آ سکی،

نوابادیوں میں زیادہ تعداد اہل اسیریائی تھی، اسیریائی اس زمانہ میں بابل کا ایک  
صوبہ تھا، اسکا نظام حکومت جمہوری تھا، اگرچہ برائے نام شاہان بابل کا تسلط بھی اسیریا  
پر تھا، حقیقتہً اسپر حکمرانی خود دین کے عہدہ دار کرتے تھے، صوبہ کا حکمران والی کہلاتا تھا اور  
شہر کا حکمران ”رئیس“، ان دو کے علاوہ متعدد راج اور دیگر حکام بھی ہوتے تھے، جسکے نام سے  
پنج روزہ، ہفتہ، مہینہ ہوتا تھا، (سال کی تقسیم اس زمانہ میں پنج روزہ ہفتون میں تھی)۔

کتبات سے اسکا بھی پتہ چلتا ہے کہ ملک بھر میں سرطکین قائم تھیں، اور ان پر ڈاکیہ ڈاک  
لیکھتے جاتے تھے، اگرچہ مکتوبات، انکے لفافہ، انکے ٹکٹ، ہر چیز مٹی کی بنی ہوئی ہوتی تھی،  
ڈاک کے ہر کارون کی آمد و رفت شانہ روز برابر جاری رہتی تھی، چنانچہ ایک خط میں کاتب  
صاحب مکتوب الیہ کو لکھتے ہیں کہ کاش شب میں مطلع صاف اور چاندنی رہے، تاکہ ڈاکیہ راستہ  
جلد طے کر سکے، بعض خطوط میں ایسے اشارات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں چاک  
اور مہنڈی کا بھی رواج تھا۔

ایک عجیب بات یہ دریافت ہوئی ہے کہ ہر والی صوبہ کے ساتھ ایک ”والیہ“ اور ہر رئیس کے ساتھ ایک ”رئیسہ“ بھی ہوتی تھی، جہنم والی درمیس کے بالکل حقوق و اختیارات چل رہے تھے، مردوں کی طرح عورتیں تجارت کرتی تھیں، اپنی ذاتی جائیدادیں رکھتی تھیں، اور قانونی دائینی حیثیت سے مردوں کے ہم رتبہ تھیں، سب سے بڑھکر یہ کہ مضافات شہر میں ایک مقام عورتوں کی لمبتی سے موسوم تھا، جہاں مخصوص عورتوں کے لئے ایک دارالعلوم قائم تھا، جبکہ دو شعبہ ادب و فنون سے متعلق تھے، اور ہر شعبہ کا افسر اعلیٰ ایک مرد پرنسپل ہوتا تھا۔

## اجتماعیات جدیدہ

اجتماعیات (Social Science) اور بلیات (Socialism) یہ دو علوم عموماً جدید سمجھے جاتے ہیں، اور آخر الذکر تو بالکل ہی نو پیدا سمجھا جاتا ہے، چند ماہ ہوئے معارف میں یہ تذکرہ آچکا ہے کہ بمبئی یونیورسٹی نے یورپ کے نامور فاضل پروفیسر گیلز کو اپنے ان اجتماعیات کا پروفیسر مقرر کیا ہے، ہندوستان کی خوش قسمتی سے پروفیسر موصوف نے اس منصب کو قبول کر لیا، ماہ گذشتہ میں انھوں نے اجتماعیات و بلیات کے عنوان سے بمبئی میں ایک پبلک لکچر دیا جسکا خلاصہ کرائیکل میں شائع ہوا ہے، ذیل میں اسکے بعض مقامات کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں، پروفیسر موصوف نے فرمایا کہ اگرچہ اجتماعیات کا علم عموماً جدید خیال کیا جاتا ہے، لیکن حقیقتہً وہ ایک نہایت قدیم علم ہے، اور کم از کم ہندوستان تو شاسترون کی وساطت سے اس سے بہت مدت سے روشناس ہے، اجتماعیات کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ تاج کی ترجمانی تاریخ کی تفسیر و تفسیح کرے، اور تاریخ کے اقتصادی، اخلاقی، اثری، روحانی و دیگر عناصر کی تحلیل و تحلیل کرے، چنانچہ اجتماعیات کے مبادی، نفسیات، حیاتیات و طبیعیات ہی کے تقاضا سے ماخوذ ہوتے ہیں،

لیکن اسکے فرائض بہین ختم بہین ہو جاتے، اسکا کام محض یہ بہین کہ ماضی کی تفسیر کرے، اور موجودہ علوم میں تنظیم پیدا کرے، بلکہ اسکا کام یہ بھی ہے کہ ارتقاء اقوام و اُمم معاشرہ پر ایک گہری نظر کرے، افراد و جماعات کے تعلقات متعین کرے، واقعات حاضرہ کے پورے مفہوم کو سمجھے، اور معاشرت کے جملہ مسائل کو زیر نظر رکھے، اس بنا پر اجتماعیات کی حیثیت محض نظری بہین بلکہ علمی زندگی میں بھی قدم قدم پر اسکی ضرورت پڑتی ہے، اس علم کی بنیاد و درجہ دید میں اگرچہ فرانس میں پڑی، لیکن اب امریکی یونیورسٹیوں کے نصاب درس میں یہ شامل ہے، اور اُمید ہے کہ ہندوستانی یونیورسٹیوں میں بھی عنقریب اسکے لئے پروفیسروں کا تقرر ہو،

آگے چل کر علم المعاشرت کے مختلف مسائل پر گفتگو کرنے کے بعد مائل لکچر کرنے بیان کیا کہ جنگ عظیم اس حقیقت کی ایک تازہ نظیر تھی، کہ محاربات مادی بھی و ذہنی مختلف نظریات ہی کی محرکہ راہنیاں ہوتی ہیں، گزشتہ جنگ کی مثال بالکل یہ ہے کہ دو فریق باہم علمی مناظرہ کر رہے ہوں اور مناظرہ کرتے کرتے ہاتھ پائی کی نوبت آگئی ہو، یہ جنگ و حقیقت دو فریقوں کا مناظرہ تھا، جنہیں سے ایک حکومت کے مطلق الاختیار و مقصود بالذات ہونے پر زور دیتا تھا، اور دوسرا حریت انسانی کا مدعی تھا، اور اسی عقلی کشمکش کا نتیجہ بالآخر اس ہولناک جنگ کی صورت میں رونما ہوا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسائل عقلی کا دائرہ محض نظریات و افکار تک محدود نہ ہیں بلکہ ان کا اثر علمی زندگی پر بھی بہت کافی پڑتا ہے، پس اگر نفسیات اجتماعی کا بہین صحیح علم ہو تو ہم نفس بشری کے محرکات کو بھی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں،

کائنات کا کوئی واقعہ دوسرے واقعات سے غیر متعلق نہ ہیں، ہر واقعہ دوسرے واقعات سے علل و معلول کے رشتہ میں مربوط ہوتا ہے، اور مستقبل تمام ماضی و حال کا نتیجہ ہوتا ہے، افراد کا کوئی فعل محض ذاتی فعل نہ ہیں ہوتا، بلکہ ہر انفرادی فعل ایک اجتماعی اثر کہتا ہے، اجتماعیات کی

یہ تعلیم، اقتصادیات و سیاسیات کی اس قدیم تعلیم سے بالکل مختلف ہے، جس کا محصل یہ ہے کہ انسان (فرد) کے لئے یہ بالکل کافی ہے کہ حدود و قانون کے اندر رہ کر محض ذاتی حیثیت سے وہ متنازع للبقا میں اپنے لئے کامیابی حاصل کر لے، اجتماعیات کی یہ تعلیم اس خود غرضی کے بالکل مخالف ہے کہ ہر فرد پر کثرت سے اجتماعی ذمہ داریاں عاید ہیں، اور تعلیم، حفظان صحت، مکانات اور شہر دن کی نقشہ بندی پر توجہ کرنا ایک معاشرتی و اجتماعی فرض ادا کرنا ہے،

موجودہ نظام تعلیم میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ تاریخ کو قطعی حیثیت سے مختلف ادوار و دوروں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، حالانکہ تاریخ ایک مسلسل شے ہے، پہلے کالجوں میں تاریخ یورپ، جنگ واپار یورپ ختم کر دی جاتی تھی پھر محاربہ فرانس و جرمنی (دشمنہ) پر ختم کی جانے لگی، لیکن درحقیقت واقعات حاضرہ کو تاریخ کے دائرہ سے الگ رکھنا گویا طب کے دائرہ سے زندہ اشخاص کو باہر رکھنا ہے، تاریخ ماضی نام ہے سیاسیات گزشتہ کا، اور تاریخ حال نام ہے سیاسیات حاضرہ کا، واقعات و احوال حاضرہ کو تاریخ کے دائرہ سے باہر رکھنے کے کوئی معنی ہی نہیں،

اسکے بعد فاضل پروفیسر نے ماضی سے لیکر حال تک کی مختلف عظیم انسان عمارات کا تذکرہ کیا اور پھر یہ کہہ کر شہر دن کی نقشہ بندی اور سلیقہ کے ساتھ عمارات کی تعمیر تاکہ ہر عمارت، صفائی، خوشنالی، کفایت وغیرہ برحیثیت سے بہتر ہو، ایک اہم اجتماعی فرض ہے، سرکون کی توسیع کے ساتھ ناکارہ عمارات کا انہدام بھی فرائض بلدیہ میں داخل ہے، لیکن ایسا صرف اشد ضرورت کے وقت کرنا چاہیئے، ورنہ جہاں تک ممکن ہو، قدیم عمارات کی مرمت کر کے، اور انہیں صاف کر کے کام لگانا چاہیئے، بڑے درجہ میں ایک تالاب گندہ ہو گیا تھا، انجینیئرز نے یہ اسے پیش کی کہ اسے بند کر دینا چاہیئے اور اس کا تخمینہ مصارف اکہون روپیہ کا پیش کیا، اتفاق سے اسی زمانہ میں ایک ماہر فن نقشہ بندی اور سرانگہا اُس نے اس کی گندگی و غلاظت دور کر کے صرف پانچ سو روپیہ میں اُسے

ہر حیثیت سے مفید و خوش منظر بنا دیا، اسکے آگے پروفیسر گنڈیس کے الفاظ قابل غور ہیں:-

”سوئے کے کانون سے کہیں زیادہ قابل قدر اشخاص کی جائیں ہیں، ہندوستان کے افلاس

اور انگلستان کے متول کا اصلی راز یہ ہیں کہ یہاں کے مقابلہ میں دہان، کلات، رودپیہ، اور

ماڑی سازو سامان زیادہ ہے، بلکہ یہ ہے کہ دہان ہندوستان کی ہی ہولناک شرح اموات

ہیں، انگلستان میں اوسط عمر ۶۵ سال ہے، بخلاف اسکے ہندوستان میں ۲۵ سال ہے، البتہ

یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ ہندوستان میں اسکا احساس پیدا ہو چلا ہے۔“

آخر میں لکھ کر نے اجتماعیات و بلدیات کے مسائل کی اہمیت علمی و عملی دونوں حیثیات سے بیان کی اور اسی پر اس کے لکچر کا خاتمہ ہوا۔

## سری کرشن

نبارس کے دقیق النظر فلسفی بابو بگوان داس کا ذکر ایک آدھ مضمون کی تقریب سے اس سے پیشتر بھی معارف میں آچکا ہے، حال میں انھوں نے رسالہ ہندوستان ریپویک کے دو نمبروں میں ہندوؤں کے مشہور مقدس بزرگ سری کرشن پر ایک مفصل مضمون تحریر کیا ہے، جس کے بعض مقامات اردو خوان پبلک کے سامنے لائے جانے کے قابل ہیں،

ہندوؤں کے ہاں ایک مشہور مسئلہ اوتاروں کا ہے، عام ہندوؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا اپنے تئیں دنیا کے سامنے وقتاً فوقتاً مختلف قالبوں میں پیش کیا کرتا ہے، چنانچہ رامچند، کرشن، وغیرہ خدا کے اوتار ہوئے ہیں، بابو صاحب موصوف کہتے ہیں کہ ان اوتاروں کا ظہور خود بخود نہیں ہوا کرتا، بلکہ اسی وقت ہوتا ہے، جب دنیا میں انکی ضرورت ہوتی ہے، اور یہ اوتار مختلف مقاصد کے پورا کرنے کے لئے مختلف حیثیات و مختلف مدارج قوت کے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور

یہ اذکار جس طرح نیکی کے ہوتے ہیں، اسی طرح بدی کے بھی ہوتے ہیں، مثلاً راجھنر نیکی کے اذکار تھے اور رادون بدی کا تھا، بھگو دگیتا میں ارشاد ربانی ہے کہ

”میں اگرچہ ہر شے اور ہر ہستی میں عام اس سے کہ وہ متحرک ہو یا غیر متحرک، موجود ہو یا نہ ہو، غیر معمولی طور پر قوی مظاہر اذکار، میری قدرت، میری قوتِ فعال کو خاص طور پر ظاہر کرتے ہیں“

جب کسی علاقہ میں قانون شکنی و بد امنی حد سے زائد ہو جاتی ہے تو وہاں قیام نظم و امن کیلئے خاص طور پر انتظام کرنا ہوتا ہے، اور تعزیری پولیس وغیرہ زائد بھیجی پڑتی ہے، اسی طرح جب دنیا میں بد اخلاقی و مصیبت حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو اسکی اصلاح کے لئے خدا اپنے صفات میں سے کسی ایک صفت کو جسم انسانی میں تشکل کر کے ہدایت و اصلاح خلق کے لئے بھیجتا ہے اور وہی شخص خدا کا اومار کہلاتا ہے، مصلحین و ہادیان خلق کے مختلف مدارج ہوتے ہیں، ان میں سب سے اُونچا طبقہ اذکار و نون کا ہوتا ہے،

یہ ہادیان طریقت کتنی قسم کے ہوتے ہیں، اسکے جواب میں جھل موصوف کہتے ہیں کہ انکی اتنی ہی اقسام ہوتی ہیں جتنی خود شعبہ حیات کی، حیات انسانی کے اہم شعبہ جات تین ہیں، علم یا دتوف، احساس یا خواہش، ارادہ یا عمل، حیات اجتماعی میں جب کچھ نقص یا فساد ہوگا وہ انہیں تین میں سے کسی ایک صورت میں پیدا ہوگا، اور اسلئے اصلاح و ہدایت کے بھی خاص راستہ یہی تین ہیں، اس بنا پر مصلحین کے مراتب ذیل قرار پاتے ہیں،

(۱) سب سے پہلا طبقہ ان مصلحین کا ہوتا ہے جو اسوقت پیدا ہوتے ہیں جب دنیا پر مادیات کا بر غلیظ چایا ہوتا ہے، اور حرص و ہوس، نفسانیت و غوغرضی، خودی و خود بینی کی تعلیمات شائع ہوتی ہیں، ایسے موقع پر مجدد دین کا ظہور ہوتا ہے، جو غلط تعلیمات کے بجائے دنیا کو اخلاق کا درس،

اور نیکی کی تعلیم دین، دنیا کے بٹے بڑے شعراء، حکماء، وغیرہ اسی طبقہ میں آتے ہیں، ہندوستان کی تاریخ میں بیاس، شنکر چاریہ اسی جماعت کے ارکان ہوئے ہیں،

(۲) فساد و فتنہ کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ اہل دنیا کے احساسات فاسد ہو جاتے ہیں، اور محض علمی یا عقلی حیثیت سے نہیں بلکہ یہ لحاظ جذبات و ذیلیہ دشنوات و دنیا میں بدکرداری و بدظنی کا سیلاب آیا ہوتا ہے، اسوقت ایسے داعیان حق و جود میں آتے ہیں، جنکی زندگی خلوص و انیسار، تقدس و پاکبازی کا مجسمہ ہوتی ہے، اور دنیا کے سامنے سب سے بڑا درس حق خود ان حضرات کی بے لوث زندگی، اور مجرمانہ سیرت ہوتی ہے، گرو نانک، بابا کبیر داس، گوتم بڈھ، و حضرت مسیح کے نام اس سلسلہ میں لئے جاسکتے ہیں،

(۳) لیکن ہر دو طبقات بالا کے مصلحین کی کوششیں ناکام ثابت ہوتی ہیں، جب غلط تعلیمات و فاسد جذبات کی اشاعت بجائے گہٹنے کے روز بروز ترقی پر ہوتی جاتی ہے، اسوقت وہ بلند ترین ہستیان منصفہ شہود پر آتی ہیں، جو تاریخ عالم کا رخ بدل دیتے ہیں، اور جو نوع انسان کی مسلسل غلط کاریوں و گمراہیوں کے بجائے اپنا آئین اصلاح، اور شریعت رشد و ہدایت دنیا کے لئے درشتہ میں چھوڑ جاتے ہیں، ہندوستان میں اس درجہ کے ہادی رام، و کرشن ہوئے ہیں، اور

”ہندوستان کے باہر پیغمبر محمد، جو نہ صرف ایک جدید مذہب بلکہ ایک جدید تمدن و سلطنت

بھی قائم کر گئے“

یہ اوتاروں کا ایک عام اجمالی بیان تھا، سری کرشن کی اصلی خصوصیت (جس میں چند ہی افراد انکے شریک دہیم ہیں) یہ تھی کہ ان میں ہر سہ فضائل بالا حد کمال تک موجود تھے، ان کی جامعیت فضائل و کمالات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہندوؤں کے ایک بہت بڑے گروہ کے عقیدہ کے لحاظ سے وہ ذات ایزدی کے کامل ترین مظہر تھے، یہاں تک کہ رامچندر سے

بھی اُن کا پایہ بلند تھا! یہ خوش اعتقادی اگرچہ قطعاً مبالغہ پر مبنی ہے، اسلئے کہ ہستی مطلق کا کامل ظہور ایک ہستی محدود کے ذریعہ سے ہونا بجاہتہ محال ہے، تاہم اس اعتقاد سے اس کا قیاس ہو سکتا ہے کہ سری کرشن کی محبت و عظمت کا کس قدر گہرا نقشِ قلوبِ انسانی پر چھا ہوا ہے۔  
اس میں شبہ نہیں کہ راجچندر و سری کرشن دونوں ہندو قوم کے نزدیک سب سے زیادہ مقدس ہستیوں میں، تاہم جو جامعیت و ہمہ گیری کرشن کی زندگی میں تھی اُسکے لحاظ سے انکا کوئی شریک نہیں، اور اس کے اسباب بھی موجود ہیں،

جس طرح موجودہ حکما، مغرب، دنیا کی عمر کو دو رج، دورِ جدید و غیرہ مختلف ادوار میں تقسیم کر رہے ہیں، اسی طرح حکما، ہند نے دنیا کی عمر کو چار زمانوں یا جگن میں تقسیم کیا ہے، سب سے پہلے جگ، تریا جگ، دو اپر جگ، اور کل جگ، سب سے پہلے انسان کی مصومیت کا دور تھا، اس وقت ہر طرف نیکی ہی نیکی تھی، اور بدی بمنزلہ صفر تھی، دوسرے دور تریا میں نیکی کی قوت کی مقدار گھٹنے لگی، اور بدی دینی کے عناصر میں ایک اور میں کا تناسب قائم ہو گیا، تیسرے دور دو اپر میں نیکی و بدی کی قوتیں مساوی ہو گئیں، اور دونوں کے عناصر یکساں قوی ہو گئے، چوتھے دور کل جگ میں بدی کا غلبہ ہے، اور ہر طرف بد کرداری، خود غرضی و نفسانیت کا دور دورہ ہے،

راجچندر کی پیدائش تریا کے خاتمہ اور دو اپر کے آغاز میں ہوئی، بخلاف اسکے کرشن کی پیدائش اس وقت ہوئی جبکہ دو اپر ختم اور کل جگ شروع ہو رہا تھا، چنانچہ مہابارت کی جنگ جو اس وقت ہوئی، بلحاظ اپنے شدا یہ کہ اس جنگ سے کہیں بڑھی ہوئی تھی، جو راجچندر کے زمانہ میں ہوئی تھی، اور چونکہ سری کرشن کی پیدائش کے ساتھ ہی خود غرضی و نفسانیت کا موجودہ دور شروع ہو گیا تھا، اس لئے انکی زندگی حالاتِ حاضرہ کے لحاظ سے خاص طور پر سبق آموز و بصیرت افزا ہے۔  
بہاگوٹ پران میں ہے کہ کرشن کی عمر ۲۵ سال کی ہوئی، اس طویل زندگی کا ہر ہفتہ



بلکہ ہر روز بدکرداروں کے ساتھ مقابلہ و مقابلہ میں صرف ہوا ہے، اپنی شیرخوارگی کے زمانہ میں کرشن نے اپنی دایہ پٹنا کو دانت سے کاٹ کر ہلاک کیا، جو اپنے زہر آلود سینہ سے اسکی مضامنت کے لئے بھیجی گئی تھی، اور اپنی دینیوی زندگی کے آخری دن اٹھمن نے اپنے ہاتھ سے اپنے ایک مجدد شاگرد کو جو قاتل تھا، قتل کیا، جسوقت وہ تولا ہوئے تھے، دنیا بظلم و جبر، حرص و طمع، سفاکی و شقاوت کی حکمرانی تھی، اور تاجداروں کا نمبر بہز فون سے بڑھا ہوا تھا، سری کرشن کی ساری عمر دنیا کو ان ظالموں کے پنجہ سے نجات دلانے میں گزری، مہا بہارت کی جنگ عظیم انہیں نے برپا کر لی، جبین فریقین کی مجموعی تعداد ۴۰ لاکھ تھی، (۲۵ لاکھ فوج کو روڈوں کی، اور ۱۵ لاکھ پانڈوں کی تھی) اور جب اٹھمن نے دیکھا کہ ابھی اُن کا مقصد حاصل نہیں ہوا تو دو درکار کے قریب، دوسری جنگ برپا کر کے اٹھمن نے خود اپنے ہی کنبہ اور برادری کے ۵ لاکھ آدمیوں کو اور ایک دوسرے کے ہاتھ سے قتل کرادیا، جب جا کر کہیں دنیا کو امن و سکون نصیب ہوا،

سری کرشن کی اصلی تعلیم محبت و مساوات کی ہے، وہ تعصب، استبداد اور ظلم کے دشمن تھے، ہیئت اجتماعی کا نظام اسی وقت درست رہ سکتا ہے، جب ہر طبقہ، ہر جماعت، اور ہر فرد کو اپنی اپنی جگہ پر آزادی و اطمینان حاصل ہو، اور کوئی کسی دوسرے کے کام میں خواہ مخواہ مداخلت نہ کرے وہ دنیا سے سیاسی و معاشری استبداد کو دفع کرنے آئے تھے، اور جب یہ دور ہو گیا تو ان خود شخص اپنے حد و دوسے تجاؤں کے دوسروں کے دائرہ عمل میں دخل دینے لگتا ہے، سری کرشن نے اسی بُت کو توڑا۔

ہگوٹ گیتا (کرشن کے لکچر) کا مجموعہ، کی تعلیم کا بُب لباب یہ ہے کہ انسان کو بہ کمال دیانت و بے نفسی اپنے فرائض کا علم حاصل کرنا چاہیئے، اور جب ایک بار اسے اپنے فرائض معلوم ہو جائیں تو پوری بے خوفی کے ساتھ اور بلا پس و پیش انکے مطابق عمل شروع کروینا چاہیئے، ادوی فطرت کی راہ میں

کسی خوف و طمع، دوستی، قرابت و دنیوی تعلق کو نہ حایل ہونا چاہیے۔

اعتراض ہو سکتا ہے کہ اگر کرشن کی تعلیم بھی تمام تر محبت و خلوص کی تھی تو حضرت مسیح کی طرح کیوں نہ اعلیٰ نے ہر موقع پر انسان کے لئے علم و انکسار لازمی قرار دیا، بیشک ان دونوں مقدس ہستیوں کی بعض تعلیمات میں کافی اختلافات ہیں، لیکن یہ اختلافات اس اختلاف کی فرع ہیں جو دونوں کے مقصد حیات و غایت مبثت میں تھا، مسیح کے پیش نظر تمام تر روحانی پاکیزگی تھی، کرشن کا مقصد واسکے علاوہ دین کے ساتھ دنیا کی بھی اصلاح تھی، لیکن دونوں کی تعلیمات میں تناقض مطلق نہیں، مسیح کا فرمان ہے کہ ”اپنا دامن رخسار بھی سامنے کر دو“ مگر کب؟ جب ملانچہ خود تمہارے بائیں رخسار پر پڑا ہو، کرشن کا ارشاد ہے کہ جنگ کر دو“ مگر کب؟ جب اس شخص پر زد آتی ہو جو تمہاری حفاظت و امن میں ہے، ایسی حالت میں کون کہہ سکتا ہے کہ ایک کی تعلیم دوسرے کی تلقین کے منافی ہے؟

## الحساب علیہ

تمدن مالک اپنے ہاں تعلیم پر فی کس جس شرح سے خرچ کرتے ہیں، میں برص ہندوستان میں فی کس کیا اوسط صرف تعلیم پر ہوتا ہے، اسکا اندازہ اعداد و ذیل سے ہوگا، جو اگرچہ جنگ سے قبل کے ہیں، تاہم یہی تناسب اب بھی قائم ہے، اور صحیح موازنہ کے لئے یہ کافی ہے،

پنس شنگ (ایک شنگ بارہ پنس کا ہوتا ہے)

(۱) امریکہ -	۰ - ۱۴ (۱) سویڈن	۵ - ۷
(۲) سوئٹزرلینڈ	۸ - ۱۳ (۱۱) بلجیم	۵ - ۴
(۳) اسٹریلیا	۳ - ۱۱ (۱۲) ناروے	۵ - ۱
(۴) انگلستان	۰ - ۱۰ (۱۳) فرانس	۴ - ۱۰
(۵) کیناڈا	۹ - ۹ (۱۴) اسٹریا	۳ - ۱۴
(۶) اسکاٹ لینڈ	۴ - ۹ (۱۵) اسپین	۱ - ۱۰
(۷) جرمنی	۱۰ - ۶ (۱۶) اٹلی	۱ - ۴
(۸) آئر لینڈ	۵ - ۶ (۱۷) جاپان	۱ - ۲
(۹) ہالینڈ	۴ - ۶ (۱۸) روس	۰ - ۴
(۱۹) برٹش ہندوستان	۰ - ۱ (۱۹) گویا امریکہ کے مقابلہ میں ہندوستان میں فی کس	

مصارف تعلیم کا اوسط  $\frac{1}{14}$  ہے!

لے اس عنوان کے ماتحت تعلیمی اعداد و زیادہ تر پرنسپل شیورادہ دہلے کے مصنفین بطور ریٹائڈ انڈیا (لندن) سے ماخوذ ہیں

یہ موازنہ باہر کے ممالک ہندوستان کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن خود ہندوستان ہی کی روشن خیالی و ترقی پذیر ذہنی ریاستوں کو اس باب میں برٹش ہندوستان سے کیا نسبت ہے؟

### پنس شلنگ

برطانیہ	۰ - ۷	ایرانی ممالک سے صحیح تناسب قائم رکھنے کی
ٹرانسکوری	۰ - ۷ ۱/۲	غرض سے یہاں بھی انگریزی سکے شلنگ اور پنس کا
کوپن	۰ - ۶	برقرار رکھا گیا
میسور	۰ - ۱	
برٹش ہندوستان	۰ - ۱	

—————

جنگ سے پیشتر ہر ملک میں فی صدی جبکہ افراد منقول خواندگی رہتے تھے ان کا تناسب ہندوستان کے مقابلہ میں حسب ذیل تھا،

امریکہ	۳۱ فی صدی
انگلستان	۲۰
کناڈا	۲۰
اسٹریلیا	۲۰
سوئٹزرلینڈ	۱۶
جرمنی	۱۶
اسٹریا	۱۶
ناروے	۱۵

فرانس	۱۴	فیصدی
ڈنمارک	۱۳	"
بلجیم	۱۲	"
جاپان	۱۱	"
اسپین	۸	"
روس	۵	"
ہندوستان	۱۰۹	"

سٹرگارنر، جنکی خبردفات حال میں شائع ہوئی ہے، ایک مشہور سیاح تھے، جنھوں نے ساہما سال افریقہ کے جنگلوں کی خاک چھانی تھی، آج سے تقریباً تیس سال قبل انہیں نے اس دعویٰ کا اعلان کیا تھا کہ بندرون میں بھی باہم ایک طریقہ کی گفتگو ہوتی ہے، سنہ ۱۸۹۲ء میں وہ مقام گیروں میں مقیم ہوئے، جہاں بندرون کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ صنف گوریلا کی بکثرت آبادی ہے، یہاں کی ہینہ تک انھوں نے اپنے تئیں ایک بڑے نفس آہنی میں ایک چپانڑی کے ساتھ مقید رکھا، اور اُس کے ذریعہ سے بندرون کی باہمی گفتگو "سنے رہے، لیکن ان کے اس دعویٰ کو سائنٹفک حلقوں میں زیادہ مقبولیت نہ حاصل ہوئی، اور جبہر محققین کا فیصلہ اس وقت یہ ہے کہ نطق دگوبائی کی قوت انسان کے لئے مخصوص ہے، جس میں بندر وغیرہ کوئی صنف حیوانات اسکی شریک نہیں،

بعض سائنٹفک حلقوں میں یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ ایک ایسی ہوائی چھوڑی جائے جو

ماہتاب تک پہنچے، اسکے متعلق مشہور سائنسٹفک رسالہ نیچر "لکھتا ہے، کہ زمین سے ماہتاب تک پہنچنے کے لئے اسکی شرح رفتار سات میل فی سکنڈ ہونا چاہیئے، لیکن یہ امر بہت ہی مشتبہ ہو کہ ہم اسکی یہ شرح رفتار رکھنے پر قادر بھی ہو سکیں گے،

سر ہرمان ویبر جنھوں نے ۹۷ سال کی عمر میں وفات پائی ہے، اور جنکے تو اسے جسمانی دو ماہی آخر وقت تک پوری تندرستی کی حالت میں رہے، انکی کتاب "طویل العمری" سے متعلق احال میں دوبارہ شائع ہوئی ہے، طویل العمری کے مختلف نسخے مختلف اشخاص نے تجربہ کئے ہیں، لیکن سر ہرمان ویبر کے نزدیک اسکا راز صرف تین چیزوں میں شامل ہے، اولاً جسمانی محنت دور زش یعنی انسان کا ہل نہو، بلکہ تازہ ہوا میں کافی طور پر چلنا پھرتا رہے، دوسرے یہ کہ اپنی طبیعت کو قانع رکھے، قناعت کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ فکر و مایوسی اسکے پاس نہ آنے پائیگی اور طبیعت بٹاش ہیگی، تیسری اور سب سے اہم شرط یہ ہے کہ کمانے پینے میں بے اعتدالی نہ کرے، بلکہ ہمیشہ اعتدال ملحوظ رکھے، شرائط بالا کی پابندی کے ساتھ مصنف مرحوم کا دعویٰ ہے کہ ہر شخص انہیں کی سی عمر و صحت حاصل کر سکتا ہے،

انگلستان میں ۱۹۱۹ء و ۱۹۱۸ء میں تعداد مطبوعات کا جو تناسب زیادہ اعداد ذیل

سے ظاہر ہوگا،

نام فن	(۱۹۱۹ء) تعداد مطبوعات	(۱۹۱۸ء) تعداد مطبوعات
تلف	۲۲۹	۲۰۶
مذہب	۷۶۶	۷۸۳

۶۶۲	۸۲۴	علم المعاشرت
۱۳۰	۲۴۱	قانون
۱۸۷	۲۵۶	تعلیم و تربیت
۱۴۲	۱۸۲	لسانیات
۳۲۹	۴۳۴	سائنس
۳۷۸	۴۸۴	صنایع
۳۸۰	۳۴۷	طب و حفظان صحت
۱۸۲	۲۲۸	زراعت و باغبانی
۵۷	۴۷	امور خانه داری
۱۷۹	۱۳۹	تجارت و کاروبار
۱۳۸	۱۲۷	فنون لطیفه
۲۷	۲۹	موسیقی
۴۱	۹۴	شکار و تفریح
۲۵۰	۲۸۱	ادب
۴۴۲	۴۹۵	شاعری و دراما
۱۰۱۴	۱۲۱۷	افسانه
۴۲۹	۴۲۲	تاریخ
۱۸۰	۲۱۱	سفر و سیاحت
۴۸	۱۲۶	جغرافیه

۲۲۱	۲۹۵	سوانح عمری
۱۶۶	۱۲۱	کتب جوامع (انسائیکلو پیڈیا وغیرہ)
۳۸۴	۵۶۴	کتب برائے اطفال
۳۱۴	۲۱۶	حربیات (بری و بحری)
۷۷۱۶	۸۶۲۲	میزان

یہ تعداد مطبوعات اگرچہ سالہائے ماقبل جنگ کے مقابلہ میں بہت کم ہے، تاہم کانغذ کی اگرانی، سامان طباعت کی کمیابی وغیرہ مشکلات موجودہ پر نظر کرتے ہوئے مبصرین کی رائے میں بہت غنیمت ہے، جدول بالا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سال گذشتہ تاہم شاعری و درامی سے متعلق کتابیں نسبتہ کم نکلیں، لیکن دوسری طرف علم المعاشرت، سائنس، سوانح عمری و صنایع کے زیر عنوان کافی اضافہ رہا،

امریکہ کے مطبوعات سال گذشتہ سے متعلق اعداد و احوال پہنچے ہوئے، تاہم گذشتہ سال کے ایک ماہ یعنی اکتوبر میں جتنی کتابیں شائع ہوئیں، ان سے سال بھر کی طبع و اشاعت کا سیکھر اندازہ ہو سکتا ہے،

۸۹ افسانہ

۷۰ تاریخ

۶۹ علم المعاشرت

۶۸ کتب برائے اطفال

۵۷ مذہب



۵۵

سائنس

۱۱۳

مطبوعات قدیمہ کے جدید ایڈیشن

دیگر علوم و فنون

۸۶۹

میزان

۷۷۱

میزان بابۃ سلمہ

انگلستان کے ڈاکٹر سیسل لیٹر (۱۸۷۷ء) اکسیریز کے اثر سے مرض سرطان میں مبتلا ہو کر وفات پا گئے، رسالہ سائنس سفنگر لکھتا ہے کہ انکی وفات ڈاکٹر بل کی اس رائے کی ایک تازہ شہادت بہم پہنچاتی ہے کہ اکسیریز درجواب تک اس مرض کا علاج سمجھا جاتا ہے وہ بجائے اس مرض کو دور کرنے کے اور اسکی تخلیق کا سبب بنتا ہے،

—

خط استوا پر افریقہ میں جو علاقہ فرانس کے قبضہ میں ہے، وہاں عال میں ایک گویلا (جن مانس) کا شکار کیا گیا ہے، جسکا قد ۹ فٹ سے نکلتا ہوا تھا، اور جسکا وزن  $\frac{1}{2}$  ۷ من کا تھا، ماہرین فن کا بیان ہے کہ اسقدر قوی ہیکل دیو جتہ گویلا پہلی بار تجربہ میں آیا ہے،

—

ماہ گذشتہ میں سائنٹفک رسالوں نے دنیا کے فرہ ترین لڑکے کی خبر وفات شایع کی ہے اسکا نام لینی سمین تھا، وہ لیٹر انگلستان کا باشندہ تھا، اسکا سن پندرہ سال کا تھا، اسکی کمزوری پیدائش  $\frac{1}{4}$  ۶۴ انچ کی، سینہ کی ۶۹ انچ کی، اور ران کی ۳۸ انچ کی تھی، اسکی وفات کے بعد جلاوطنی اسکی جانشینی کا قرعہ انتخاب امریکہ کے ایک ہشت سالہ لڑکے پر پڑا ہے،

ایسویں صدی کے آغاز میں جرمنی ہٹھ پورپ میں ایک مشہور فلسفی ہوا ہے، جو اصول قانون و فلسفہ اخلاق میں خاص طور پر نہرت رکھتا ہے، اسکی وفات کو نوے سال گزر چکے تھے، اسکا پیکر بادی تقریباً اصلی خط و خال کے ساتھ لندن کے یونیورسٹی کالج کے ایک حصہ میں محفوظ ہے اس کمرہ میں ہٹھم کا ڈھانچہ اس لباس میں بلبوس ہے جسے وہ اپنی زندگی میں پہنتا تھا، اسکی پہچانہ لفظ نظر آتا ہے، سر پر چٹائی کی اونچی ہٹھ ہے، جسم پر سیاہ کوٹ اور زردی مائل تیلون ہے اور اسنے ہاتھ میں ایک موٹی چھڑی ہے، سر و چہرہ موم کا بنا ہوا ہے، جو ہو بہو اصلی سر و چہرہ معلوم ہوتا ہے، لباس بھی جو کاتون ہے، بجز اسکے کہ تیلون میں کیڑے لگ گئے ہیں،

لندن کا روزنامہ ڈیلی اکسپرس، امریکہ کی ایک عجیب و غریب لڑکی کے حالات شائع کرتا ہے، جسکی حیرت انگیز و مانگی قوت ایک معجزہ ہے، اسکا سن ابھی پورے ایک سال کا بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ اسی وقت سے وہ مسلسل گفتگو کرنے لگی، دو برس کے سن میں اس نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا، چار برس کی عمر میں اس نے یورپ کی سیر کرنا شروع کر دی، اور نہ صرف اپنا سفرنامہ لکھتی رہی، بلکہ ساتھ ہی ساتھ مشہور لاطینی شاعر درجل کے کلام کا ترجمہ بھی کرتی گئی! پانچ برس کی عمر میں اس نے برلن (جرمنی) میں تعلیم حاصل کی، اور اسوقت سے نشر و نظم میں اسکا سلسلہ تصنیف و تالیف برابر جاری ہے، اب اسکا سن سترہ سال کا ہے، لیکن اتنے عرصہ میں وہ سترہ کتابوں کی مصنف ہو چکی ہے، اور دس ہزار سے زائد شعر کہہ چکی ہے! اور حال میں اس نے اپنے روزنامہ کے شائع کرنے کا اعلان کیا ہے، جسے وہ دو برس کے سن سے لکھ رہی ہے، وہ سترہ زبانیں بول سکتی ہے، لکھ دیتی ہے، اور بالکسوپ کے لئے ایک ٹرس کا کام بھی کرتی ہے، اسکا مستقل شغلہ تصنیف و تالیف و مضمون نگاری ہی چنانچہ

اس وقت وہ ۱۱۰ پونڈ (۱۶۵۰ روپیہ) ماہوار محض قلم کی محنت سے کماتی ہے، اس معجزانہ  
 دماغی زندگی کے ساتھ اسکی جسمانی صحت و توانائی بھی قابل رشک ہے، اسکا قد ۵ فٹ ۷  
 انچ کا ہے، جو طویل وقامت مردوں کا ہوتا ہے، اور اسی جثہ کی مناسبت سے طاقت بھی  
 رکھتی ہے، چنانچہ کشتی میں بہنوں کو زیر کر چکی ہے، وہ متاہل زندگی کو پسند کرتی ہے، اور شادی کا  
 ارادہ رکھتی ہے، اسکا نام مرس سیکول اسٹونز ہے۔

اسکول آف اوینٹل اسٹڈیز (دارالعلوم السنہ مشرقیہ) لندن کی آخری سالانہ رپورٹ  
 سے معلوم ہوا کہ سال گذشتہ (۱۹۸۲ء) میں اسیکین ۳۸۲ طلبہ تھے، مسئلہ میں انکی تعداد ۲۱۸ اور  
 ۱۲۵ تھی، فوجی طلبہ کو عربی، ترکی، جاپانی، سواحلی، و فارسی زبانوں کی تعلیم دی گئی عموماً  
 طلبہ کی کثرت سب سے زیادہ عربیہ جاپانی و ہندوستانی (اردو) کے صیغوں میں تھی، طلبہ میں  
 عورتوں کی تعداد ایک ثلث سے کچھ کم تھی۔

# امی شیا

## کلام عزیز

اس دہم کی انتاہنیں ہے      سب کچھ ہی مگر خداہنیں ہے  
سرگرم تلاش رہنے والے      تیرا بھی کہیں پتاہنیں ہے  
اے منگاہِ نازہشیار      یہ نالہ نارساہنیں ہے  
دنیا کا فریب کھانے والے      اس جھوٹ کی انتاہنیں ہے  
اس طرح ستم وہ کر رہے ہیں      جیسے کہ مرا خداہنیں ہے  
تم خوش ہو تو ہے مجھے ندامت      ہر چند مری خطاہنیں ہے  
دیکھو تو نگاہِ واپسین کو      اس ایک نظر میں کیاہنیں ہے  
دنیا کا بھرم نہ کہو اے آہ      یہ راز بھی کہتاہنیں ہے  
یہ کہنے اٹھ مری جد سے      ہے تو کوئی خطاہنیں ہے

اُداس ہے جو دلِ عسیرِ رولو

اُنسو کوئی روکتاہنیں ہے

ساتی روز ازل یہ کیا پایا تھا مجھے      کچھ خبر بھی ہو تجھے کب ہوش آیا تھا مجھے  
شبنم آلودہ کلی ہوں جوشِ حسرتِ لہریں      اب ہنسائے بھی دی جس نے رُلایا تھا مجھے  
کیونکہ دن کا میون پر نہ گانی مین لہر      کوئی نہ پیدا کر کے کیونکہ بندہ بنایا تھا مجھے

عالمِ اودا ح میں مٹی تجا بس ماتم بیا  
میری قسمت کا نوشتہ چب سنا یا تھا مجھے  
کھلک قدرت نے بھی لکھا تھا وہی روزِ وفا  
تجھے جسدِ اپنی محفل سے اٹھایا تھا مجھے  
دل کی کوشش سے حیاتِ جاودا ملی گئی  
اپنے تو اپنے امکان بھر دیا تھا مجھے  
میں اسی دن جن کی شوخی کا قائل تھا عزیز  
اُس نے جسدِ خاک کا پتلا بنایا تھا مجھے

### رباعیاتِ ہوش

از سیدناظر احسن ہوش بگرامی

ہمک بیا ریاں اور اسلامِ ضعیف  
لازم ہے علاج میں تاخیر کریں  
گوموت و حیات میں بشر ہے مجبور  
جب تک چلتی ہے سانس تبریکریں

دیکھی ہنیں شکل اپنے مستقبل کی  
ہاں کہینہ دارِ عالمِ ماضی ہیں ہم  
سنے پہ فنا ہونے پہ راضی ہیں ہم  
اُس نے دو ہوا کو ہم ہیں نقشِ کفِ پا

جن لوگوں میں اتحاد کی برکت  
عزت بھی ہے علم بھی ہے دولت بھی ہے  
باقی ہنیں جن میں اتفاقِ کلمہ  
دلت بھی ہے، جہل بھی ہے، فلاکت بھی ہے

## مطبوعاتِ اسلامیہ

اکابر قومِ مسلمانوں کی قومی زندگی ایک ساکن دریا ہے، اسلئے ضرورت ہے کہ اصلاحی آواز دن کے ذریعہ سے اسکی سطح کو جنبش دیا جائے، تاکہ اس دریا میں تلاطم پیدا ہو، مولوی اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی نے ”سلسلہ اصلاح قومی“ کے ذریعہ سے اسی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اکابر قوم اس سلسلہ کا پہلا نمبر ہے، جس میں انھوں نے علماء، شائخ، صہ بنہ، رسا، زامرا کی اخلاقی حالت پر نہایت نیک نیتی کے ساتھ نکتہ چینی کی ہے، اور علی گڑھ کالج، ندوہ، دیوبند، محمدان کچنشل کالج، کفرس، اور مسلم لیگ، غرض مسلمانوں کی تمام مذہبی، علمی، اور سیاسی تحریکات کے نقائص ظاہر کئے ہیں اور انکے علل و اسباب سے بحث کی ہے، رسالہ کی قیمت ۴ روپے ہے، اور مصنف سے کوٹہٹی نمبر ۷ مکھوڈ روڈ لاہور کے پتہ سے مل سکتا ہے،

البرہان و فلسفۃ القرآن، اسلام ایک فطری مذہب ہے اسلئے اسکے اصول و ارکان اور احکام و قوانین بھی فطری ہیں، لیکن مسلمانوں نے اس عارف و شفاف چشمہ کو مذہبی اختلافات کے ذریعہ سے گمراہ کر دیا ہے، مولوی عبد الرؤف صاحب ساکن مؤاخذہ نے اس کتاب میں اسلام کے تمام ادا و امر و نہی کو قرآن مجید سے یکجا کر کے اس چشمہ کو عارف کرنا چاہا ہے، یہ کتاب چار جلدوں میں ہے، اخیر جلد میں فلسفۃ و قرآن سے بحث کی گئی ہے، اور اسکی مزید بین علماء یورپ کے اقوال نقل کئے گئے ہیں، کتاب پر قیمت درج نہیں ہے، مصنف سے مؤاخذہ ضلع الہ آباد کے پتہ سوئیگی ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر، سلسلہ میں پرنسپل صاحب علی گڑھ کالج کے ایم اے ڈاکٹر شیخ محمد انبال صاحب نے اس عنوان پر ایک فلسفیانہ لکچر دیا تھا کہ مسلمانوں کی موجودہ بیداری

ان کے مستقبل پر کیا اثر پڑنے والا ہے، جسکے ضمن میں انھوں نے جماعت اسلامی کی مہیبت ترکیبی، اسلامی تمدن کی ہم رنگی، اور ایک خالص اسلامی نظام اخلاق کی ضرورت پر بحث کی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ مسلمانوں کی قومیت، وطنیت، اور عصبیت، دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے، کیونکہ اسکا مرکز صرف اسلام ہے جو دوسرے مذاہب کی طرح عقلی اور نظری نہیں بلکہ عملی ہے، ان کا تمدن عالمگیر ہے، اور ان چیزوں کے ترکیب و امتزاج سے جو لوگ پیدا ہوئے ہیں وہ اسلامی اخلاق کے خالص نمونے ہیں، اسلئے اگر مسلمان ترقی کرنا چاہتے ہیں تو انکو یہی اصول پیش نظر رکھنا چاہیئے، اسکے بعد انھوں نے مسلمانوں کی موجودہ تعلیمی اور اقتصادی حالت سے بحث کی ہے، اور اس ضمن میں ایک اسلامی یونیورسٹی کے قیام، تعلیم سنوان، مسلمانوں کے عام افلاس اور عنایت و حرمت اور تجارت کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت پر بہت زور دیا ہے، آخر میں دکھایا ہے کہ اگر مسلمان صحیح معنی میں ایک تمدن قوم بننا چاہتے ہیں تو انکو سب سے پہلے سچا مسلمان بننا چاہیئے، یہ لکچر انگریزی زبان میں دیا گیا تھا، مولوی ظفر علی خان صاحب بی، اسے ایڈیٹر منیڈار مذکورہ بالا نام سے اسکا اسی زمانہ میں اردو میں ترجمہ کر دیا تھا، اب وہ مرغوب انجمنی لاہور سے مل سکتا ہے، قیمت ۴ روپے،

حسن چکیسی، ہر قوم کی اصلاح کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسکے نظام تربیت کی اصلاح کی جائے مولوی حامد حسن قادری نے اسی جانب اپنا عملی قدم بڑھایا ہے، اور بچوں کے خیالات کی اصلاح کے لئے ایک اخبار نکالا ہے، جس میں نہایت عساف اور سادہ پیرایہ میں انکو اخلاقی تعلیم دی جاتی ہے، حسن چکیسی بھی اسی سلسلہ کا ایک مفید رسالہ ہے، بسم اللہ کی رسم ہندوستان میں عام طور پر نہایت دھوم دھام سے ادا کی جاتی ہے، جس میں نہایت فیاضی کے ساتھ روپیہ خرچ کیا جاتا ہے، مولوی صاحب موصوف نے اس سرفانہ طریقہ کو روکنے کے لئے اپنے لڑکے کی رسم اللہ بالکل سادہ

طور پر کی، اور اسکی یادگارین یہ رسالہ لکھا جسین حضرت رسالت پناہ صلم صحابہ کرام، ازواج مطہرات، اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے پچیس اخلاقی واقعات درج کئے گئے ہیں، رسالہ کی قیمت ۴۰ پیسے، بیخبر خبا رسیدگان پورے طلب کیجئے،

روزگار، ادوہ کے دارالسلطنت لکھنؤ، روزگار نام ایک ماہوار رسالہ جاری ہوا ہے، جسکا پہلا نمبر ہمارے پیش نظر ہے، اسین زراعت، تجارت، صنعت و حرفت اور تعلیم پر عمدہ مضامین لکھے گئے ہیں، اسے زادہ صاحب آفتاب نے زراعت پر ایک عمدہ نظم لکھی ہے اور ایڈیٹر صاحب نے شذرات میں انہین مضامین پر اپنے خیالات ظاہر فرمائے ہیں، رسالہ بحیثیت مجموعی اپنے مقاصد میں کامیاب ہے، اردو میں ایسے رسالہ کی سخت ضرورت تھی، حجم ۸ صفحات، قیمت ۱۰۰ سالانہ، پتہ: دفتر روزگار نمبر ۱۶ امین الدولہ پارک لکھنؤ،

سید الدین، مولانا طاہر سید الدین داعی فرقہ بوہریہ نے اپنے فرقہ کے عقائد میں ایک کتاب لکھی تھی جسکا نام ضو نور الحق المبین ہے، اس کتاب پر متعدد اشخاص نے اعتراضات کئے تھے، جنین دلی محمد اسماعیل صاحب سر یادہ کالاب و لہجہ نہایت سخت تھا، یہ رسالہ انہین کے جواب میں ہے، اور لطف یہ کہ ایک اہلسنت والجماعت کا لکھا ہوا ہے، رسالہ کی قیمت ۴۰ پیسے، اور مطبع ہاشمی، ہاشمی منزل میرٹھ سے مل سکتا ہے،



عدد پنجم

ماہ شعبان ۱۳۸۰ مطابق ماہ مئی سنہ ۱۳۸۰

جلد پنجم

## مضامین

۲۲۹ - ۲۲۲

شذرات

مولانا محمد یونس صاحب ذمگی علی ۲۳۰ - ۲۵۰

ماہیت علم (نمبر ۲)

مولوی مناظر احسن صاحب گیلانی ۲۵۱ - ۲۶۰

سورہ یوسف کے ایک واقعہ کی تفسیر

مولوی محمد سعید صاحب انصاری ۲۶۱ - ۲۶۸

فلسفہ عروج و زوال اسلام

- ۲۶۹

ایک عظیم انسان کتب خانہ

ماہیت خراب

سائنس کا تعلق حکومت سے

آثار ادبیہ

اخبار علیہ

ادبیات

تقریظ و انتقاد

۲۹۸ - ۳۰۰

مطبوعات جدیدہ

## جدید مطبوعات

روح الاجتماع، یعنی ڈاکٹر لی بان کی کتاب "جماعت ہے انسانی" کے اصول نفسیہ کا

نیچے

ترجمہ از مولانا محمد یونس انصاری ذمگی علی، قیمت ۵۰

## مَشَارِف

سیرۃ النبیؐ حصہ دوم حسین واقعات ذیل نبی اسلام کی امن کی زندگی، قیام امن، اشاعت اسلام، تاسیس حکومت، تکمیل شریعت، اور انتقام فرض نبوت کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی وفات، شہداء، اطلاق وعادات، عبادات، ازواج مطہرات اور اولاد کے حالات بھی شامل ہیں، جس پر تیار ہو گئی ہے، اس جلد کا زیادہ تر حصہ اگرچہ علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمہ کا لکھا ہوا ہے، تاہم چونکہ وہ اس کو مکمل چھوڑ کر وفات پا گئے، اسلئے جناب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے جا بجا اضافہ کر کے اس کو مکمل کر دیا ہے، یہ حصہ معارف پریس کی طباعت کا بہترین کارنامہ ہے جو نامی پریس کا بنیاد سے کسی حال میں کم نہیں، کتاب حسب دستور تین قیم کے کاغذ پر چھپی ہے، قیمت قسم اول غیر ملکی ۵ روپے، قسم دوم حصہ ۲ قسم سوم ۱۵ روپے - جلد کی فرمائش ہوا انتظام نہیں ہو سکا۔

مولانا سید سلیمان ندوی ایڈیٹر سالہ ہذا جو وقت سے یورپ روانہ ہوئے ہیں، ان کے وقت کا ایک ایک لمحہ خدمت قوم و ملت میں گزر رہا ہے، اور مقاصد وفد کی تبلیغ و اشاعت سے وہ جلد برمی وقت نکال سکتے ہیں، وہ کتنوں کی سیراستہ ترین سے ملاقات و مراسلت و دیگر علمی مشاغل میں صرف ہوتا ہے، انڈیا آفس کا کتھانہ انھوں نے پہنچے ہی دیکھا اور امید ہو کر موت نامک فہرہن میوزیم اور آگسٹ ڈو کیمرج کے تمام مشہور کتھانوں کی زیارت کر چکے ہوں، اس مادہ کو

رایل ایشیا تک سوسائٹی کی جدید عمارت کے افتتاح کا جلسہ تھا اس میں وہ شریک ہوئے اور  
 پروفیسر اسٹوری ڈاکٹر آر نلڈ وغیرہ سے ملاقاتیں کرچکے ہیں، مسئلہ خلافت کا حشر جو کچھ بھی ہو لیکن  
 اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علی حیثیت سے مولانا کا یہ سفر بہر صورت نہایت مفید و نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔

موصوف کے وچ پینپ در معلومات مکاتیب جو ہر مہنت موصول ہوتے رہتے ہیں، لکھنؤ کے  
 مشہور روزنامہ ہمد کو اشاعت کے لئے دیدیئے جاتے ہیں، اور کیم ایزیل سے برابر انکی اشاعت کا  
 سلسلہ اس میں جاری ہے، اس سلسلہ میں انکے وہ خطوط (مع انکے جوابات) لے قابل دید ہیں  
 (مخون نے پروفیسر برادس (کمپنر) پروفیسر مارکوس (سکھوڑڈ) کے نام عربی زبان میں تحریر  
 فرمائے تھے، ان کا ترجمہ ہمد میں نکل چکا ہے اگر ناظرین عارف کی خواہش ہو تو انکی اصل آئینہ  
 نمبرین پیش کی جاسکتی ہے۔

دفعہ خلافت کو عین وزیر مہر کے ان باریابی ہوئی تو کچھ دیر اندیا کو نسل مال میں جھکنا انتظار کرنا  
 پڑا یہ وہی کمرہ ہے، جہاں وزارت ہند نشست کرتی ہے، اور جہاں سے ہندوستان کی قسمت کا  
 فیصلہ صادر ہوتا رہتا ہے، اس ایوان عالی کے میز پر کاغذ باندے کے لئے پیتل کے چند موٹے پتھر  
 (پیمپروٹ) مع ایک چھوٹے دستہ کے رکھے ہوئے تھے، مولانا سید سلیمان کی نکتہ رس نگاہ نے  
 جھیکھ کر ان پر غور کیا، ادھر دوسرے افسار کمدہ میں، جو انکی عنایت سے ادبیات کے زیر عنوان ناظرین  
 عارف کے پیش میں، فلاسفی اشعار و زیادہ تر مسودے کے ہیں، اور ہر شعر میں بادشاہ کو عدل و انصاف  
 پروردی کی تعظیم و بکس، پرنس غلام حسین آف جیسو نے قدر سے تین سال پیشتر مسودہ میں انہیں  
 تحفہ پیش کیا تھا انکیا عجب ہو کہ یہ دربار جیسو کی آخری یادگار میں چون

اس میں تو شبہ نہیں کہ تخیل کی یہ بے زبان صورتیں ہر نئے فیصلہ کے وقت اپنا خاموش فرض مو غفلت ادا کرتی رہتی ہو گی، البتہ اگر ذرا سے ہند ان مواعظ پر کان رکھنے کے خوگر ہوتے تو ہندوستان کی تاریخ کس قدر مختلف ہوتی!

صوبہات متحدہ کی پچاسی تالیسی سالانہ رپورٹ (بابت ۱۹۵۱ء) میں دارالاصناف کی خدمات کا بھی تذکرہ ہے، اور انہیں کافی سراہا گیا ہے، سیرۃ نبوی، ارض القرآن، سیر الصحابہ، مبادی و مکالمات برکے، ان میں سے ہر نئے سے متعلق حوصلہ افزائی کی گئی ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ یہ سارا تذکرہ تدوۃ العلماء کے کارناموں کے ذیل میں کیا گیا ہے، اور سیاق عبارت سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ گویا یہ سب کام ندوہ کی ماتمی میں انجام پا رہے ہیں، اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے، یہ سچ ہے کہ دارالاصناف کے اکثر کارکن ندوہ ہی کے تربیت یافتہ ہیں، ندوہ کے فضائل و مناقب بھی بجائے خود مسلم ہیں، لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ دارالاصناف ندوہ کی شاخ یا کسی حیثیت سے بھی مست نگر اور حقیقت دارالاصناف اپنا مستقل وجود، اپنا مستقل نظام، اپنا مستقل نصب العین، ندوہ سے بالکل الگ رکھتا ہے، اور بڑا یا سبلا جو کچھ بھی کام اب تک اس سے بن پڑا ہے، اسکا وہ تنہا خود ہی ذمہ داری ہے،

فرانس میں خواتین کی عصمت و پارسائی کا جو عام معیار ہے، اس سے ہم بخوبی واقف ہو چکے ہیں، روس میں بالشریک گروہ نے اپنے نظام معاشرت میں رسم نکاح کو جو مرتبہ دیا ہے اسکا تذکرہ بھی ہم سن چکے ہیں، امریکہ میں طلاق و افتراق کے مقدمات جس نوعیت کے ساتھ اور در جس کثرت سے پیش ہوتے رہتے ہیں اسکی کچھ جھلک اخبارات کی وساطت سے اہل ہند بھی دیکھ رہے ہیں، حال میں برٹش حکومت کے ایک شائع کردہ بیان سے معلوم ہوا کہ ۱۹۵۱ء میں

ہر طائفہ میں جن ناجائز بچوں کی ولادت کا علم سرکاری حکام کو ہو سکا انکی تعداد ۳۰۰۰۰۰ تھی۔  
پھر ان بچوں کی شرح اموات بھی بمقابلہ جائز و منکوح والدین کی اولاد کے پوری دگنی ہوتی ہے، اور  
زندہ بچے رہنے والوں میں بھی ایک بڑی تعداد مریض و ناقص العضو بچوں کی ہوتی ہے!

جو حضرات مشرقی شرافت و عفت کے تخیل کو محض ایک دہم پرستی قرار دیتے ہیں ان سے  
روئے سخن نہیں، البتہ جن لوگوں کی ”روشن خیالی“ ابھی اس حد تک نہیں پہنچی ہے اور وہ اپنی  
خانگی زندگی کو مغربی آئین معاشرت کے قالب میں ڈھالنا چاہتے ہیں، انہیں میر تقی کے اس  
شعر کو سن رکھنا چاہیے،

بچا تو ہو گا سمع مبارک میں حال تیر  
اس پر مٹی جی میں کئے تو دل کو لگا ئیے

لنڈن یونیورسٹی کالج کا شعبہ کیمیا ایک خاص شہرت رکھتا ہے، انگلستان کے بعض بہترین  
ماہر کیمیا میں کے اساتذہ ہوئے ہیں، حال میں اس شعبہ کا سالانہ جلسہ ضیافت منعقد ہوا،  
جس کے صدر پروفیسر ڈونان تھے جو اس وقت اس فن کے ایک ممتاز عالم ہیں، انھوں نے بعض  
ہندوستانی طلبہ کے کمال فن کی خاص طور پر داد دی، اور ڈاکٹر گوبش، مسٹر کر جی، و مسٹر ہٹاگر  
کے نام لیکر انکی تصریح کی کہ ان میں سے ہر فرد اہم مسائل کیمیائی سے متعلق تحقیقات عالیہ و اکتشافات  
میں مصروف ہے، اور اپنے اپنے دائرہ میں ایک حد تک کامیابی بھی حاصل کر چکا ہے، فرزند ان  
وطن کے اس امتیاز و ترقی سے کون قلب ایسا ہے جو سرور نہوگا، لیکن ہماری مسرت اور زاید ہوئی  
اگر ہم اس خوش نصیب جماعت میں جا برا اور خالد بن یزید کے کسی ہمعوم کا بھی نام پائے۔

انجیل کے نشر و اشاعت کے لئے مسیحی دنیا میں متعدد قوتیں ملیں اور انہیں بھی قائم رہیں،  
مغدان کے ایک انجن کا نام برٹش اینڈ فارن ماسٹریل سوسائٹی ہے، سال گذشتہ میں صرف  
اس ایک انجن نے انجیل کے نسخے حسب ذیل تعداد میں مختلف اقطار عالم میں شائع کئے

جاپان ۸۰۰۰۰

ہندوستان ۱۲۲۵۰۰۰

چین ۳۰۰۰۰۰۰

میدان جنگ میں ۹۰۰۰۰۰

میزان ۱۵۰۲۵۰۰۰

یہ تقریباً ڈیڑھ کروڑ نسخہ اس نے صرف ایک سال کی مدت میں شائع کئے، لیکن اگر آگاز قیام سے  
اس انجن کی رفتار عمل کا حساب لگایا جائے تو اب تک ۳۰ کروڑ سے زائد تعداد میں صرف یہ انجن  
اپنے صحیفہ مقدس کی اشاعت کر چکی ہے!

لیکن کارکنان انجن اس نکتہ سے بھی واقف تھے کہ تمام دنیا تک اپنی آواز پہنچانے کے  
لئے محض چند زبانوں کی وساطت کافی نہیں، اسلئے انجن نے یہ کوشش بھی جاری رکھی کہ اسکا  
دائرہ تبلیغ دنیا کی جتنی زیادہ سے زیادہ زبانوں تک پہنچ سکے، پسلا یا جائے، چنانچہ صرف  
تقریباً جنگ کے سلسلہ میں انجن نے اپنے کلام الہی کو اتنی زبانوں سے زائد میں منتقل کیا!  
اسکے علاوہ انجن ڈھونڈو ڈھونڈ کر ایسی زبانوں میں انجیل کو منتقل کر رہی ہے، جو اب تک اس قسم  
کے لٹچر سے کیا مہی، ہر قسم کے لٹچر سے محروم تھیں سال گذشتہ میں اس طرح کی چھ زبانوں میں  
انجیل کا ترجمہ تکمیل کو پہنچا، جن میں سے پانچ ازرقہ کے وحشی قبائل کی زبانیں ہیں، اور ایک ہیلی

زبان ہے، سچے کلمات، راجوتانہ و مالک متوسط کے جھگون کے وحشی باشندے، اسلحہ کو توڑتے ہیں اور ہر قسم کی چیمہ اور نامانوس وغیرہ تمدن زبانوں میں بھی انجیل کا ترجمہ اس وقت ہو رہا تھا کہ عورت مسیحیت کے صلا سے عام سے تمدن وغیرہ تمدن، عالم وحشی کوئی محروم نہ رہے!

یہ کارنامہ متعدد و متحد المقصد انجنیوں میں سے صرف ایک کے ہیں، انکی مدد سے ان مجالس کے مجموعی کارناموں کی غیر محدود دست کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا تثلیث پرستوں کی حیرت انگیز قوتِ عمل کی یہ داستان بھی عاملان توحید کے دلولہ عمل کو حرکت دینے میں ناکام ہو گئی، ہلال کا بدر کامل بنا صرف اسکی حرکت پر موقوف ہے، لیکن اگر اس سے استعلا و حرکت سلب ہو گئی ہے تو اسکی برائے نام روشنی صلیب کو مانند نہیں کر سکتی۔

ساتھ ہی مسیحی اصحاب سے بھی بعد ادب استفسار ہے کہ جس انجیل کی وہ لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں اشاعت فرما رہے ہیں، آیا یہ وہی صحیفہ مقدس ہے جس میں خون ریزی کو ہر صورت میں بدترین مہیست قرار دیا گیا ہے، جس میں دینوی جاہ و ختم، دولت و ثروت کی انتہائی مذمت کی گئی ہے، اور جسکی ایک ایک سطر حلم و عفو، ایثار و بے نفسی کی تعلیمات سے لبریز ہے، یا اسکی آیات سے یہ مواظبت حاصل کر دیئے گئے ہیں؟ عجائبِ عالم کی فہرست میں اس واقعہ کو سب سے اوپر رکھ دینا چاہیئے، کہ چونکہ مذہب دنیا کو رہبانیت کی تعلیم دیتے، اور کشت و خون بلا غیظ و غضب، حدود و عناد کی جنگی کے لئے دنیا میں آیا تھا، آج اسی کے پیروؤں نے حکومت و امارت کو اپنا قبلہ مقصود بنا لیا، مال و دولت کی پریش شرمع کر دی ہے، اور جنگجوئی، سفاکی و خون ریزی کے لحاظ سے تاریخ انسانی میں ایک بالکل جدید باب کا اضافہ کر دیا ہے،

ہندوستان کے طول و عرض میں ہندی زبان دو دیوناگری رسم الخط کی تعلیم و اشاعت کیلئے جس سرگرمی و انہماک کے ساتھ ایک مدت سے کوششیں ہو رہی تھیں وہ رفتہ رفتہ بار آور ہو رہی ہیں، صوبہ مدراس میں سر دیو داس گاندھی (فرزند ماتا گاندھی) نے مخصوص اسی مشن کی اشاعت کے لئے مدآون قیام کیا، اور اب ایک پنڈت صاحب انکی جانشینی کر رہے ہیں، شہر مدراس میں ہندی پرچار (ترتوج ہندی) کے لئے ایک مستقل دفتر ہے، مشہور روزانہ اخبار نیوانڈیا میں ہر ہفتہ ایک ہندی کالم ہوتا ہے، متعدد اجلاس مثلاً گلبا کوٹم، سالم ترتیپا پٹی، ٹیڑورا وغیرہ میں ہندی کے مدارس قائم ہو چکے ہیں، تعلیم یافتہ گروہ کے ایک حصہ نے عہدہ کر لیا ہے کہ آئندہ بجز ضرورت خاص کے ہر موقع پر ہندی ہی کا استعمال کرنیگے، متعدد مشاہیر مثلاً جسٹس سٹاگری آیر، جسٹس سداتیو آیر نے ہندی زبان سیکھ کر ہر اسی کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے، ہر سال مدراس کے پرچوش و باہمت تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک جماعت صورتہ سے ہندی زبان سیکھ کر جاتی ہے، اور اسے کم از کم تین برس تک حسب معاہدہ اپنے صوبہ میں اسکی تعلیم دینا ہوتی ہے، غرض ہمارے ہندو قوم پرست احباب کے اس خواب کی تعبیر قریب پوری ہو چاہتی ہے کہ کشمیر سے لیکر اس کمار ی تک ہندی زبان اور ہندی رسم الخط کا پرچم نہرتا ہوا نظر آئے،

کسی زبان یا رسم الخط کی ترقی ہرگز دوسروں کے لئے موجب رشک و حسد نہیں ہو سکتی لیکن اسی ملک میں ایک زبان اردو بھی ہے جسکے بعض خصوصیات لسانی ہندی سے مختلف ہیں اور جسکا رسم الخط اس سے بالکل ہی علیحدہ ہے، اور جسکے متعلق اسکے ہمدردوں کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ ملک کی عام و مشترک زبان ہے، مستعین کہ اس زبان کی حمایت، تحفظ و ترقی کئے لئے ملک



میں متعدد انجمنیں قائم ہیں، اور ان میں سب سے زیادہ مشہور نام انجمن ترقی اردو کا ہے جسکی سالانہ رپورٹیں بھی کبھی کبھی دیکھنے میں آجاتی ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا اس انجمن نے اردو کی توسیع و ترویج کا کچھ بھی فرض ادا کیا؟ اردو کی تعلیم کے لئے اس نے کوئی ایک درسگاہ بھی کھولی؟ کسی ایک غیر اردو دان نے بھی اسکی کوششوں سے متاثر ہو کر اردو سیکھی؟ اردو کی ترویج و اشاعت کے لئے اس نے ایک بھی مشنری تیار کیا؟ انجمن کے موجودہ سکرٹری اپنی ذات سے اردو کیلئے بے شبہ ایک حقیقی خدمتگار ہیں، لیکن یہ سوالات انکی شخصیت سے متعلق نہیں بلکہ انجمن سے ہیں۔

شبہ تار میں ہلکی سی روشنی بھی ایک نعمت معلوم ہوتی ہے، مسلمانوں کے عام قحط الرجال میں اگر ایک آدمہ مثال بھی کمال فن کی نکل آتی ہے تو نعمت پزیر وہ چہرے چمک اُٹھتے ہیں، ڈاکٹر امیس، اے، خان سے تعارف، فردوسی کے معارف میں ہو چکا ہے، حال میں یہ دریافت کر کے مین مزید مسرت ہوئی کہ ان کا تقریر مدراس یونیورسٹی میں معاشیات ہند کے اسسٹنٹ پروفیسر پر فیسر کی حیثیت سے معقول مشاہرہ پر ہوا ہے، اس یونیورسٹی میں اس فن کے پروفیسر معاشیات کے نامور عالم ڈاکٹر گلبرٹ سیلٹر ہیں،

ڈاکٹر شفاعت احمد خان کا سن ابھی تیس سال سے کم ہے، اور اب تک انکے جو کچھ حالات ٹائمز کے تعلیمی ضمیمہ میں شائع ہوئے ہیں وہ کافی امید افزا ہیں، بہ صدق دل دعا ہے کہ مستقبل ان توقعات کو پورا کرے، اور ان کا وجود ملک، قوم، بلکہ ساری دنیا کے لئے مفید ثابت ہو۔

# مقالات

## ماہیت علم

(۱۵)

حصول اشیا یا نفسہا | بیانات سابقہ کا تعلق کیفیت حس کے دو ابتدائی مدارج سے تھا تیسرا

دو حصول اشیا یا شبابہا | جز جو اصل احساس ہے یعنی ایک مادی ارتقائش کا کیفیت نفسی

میں تبدیل ہونا اسکے متعلق یہ بتایا جا چکا ہے کہ علم النفس اس واقعہ کی توجیہ نہیں کر سکتا علم النفس

اس واقعہ کو بطور اصول موضوعہ کے تسلیم کر لیتا ہے لیکن علم النفس کے نقطہ نظر سے چونکہ

عالم کائنات مرکب ہے دو اجزاء عالم ذہنی اور عالم خارج یا مدبرک اور مدرک سے ذہن و

مدرک کا کام علم و ادراک دارادہ ہے اور جن چیزوں پر یہ اعمال علم و ادراک دار دہرج

ہیں ان کا مجموعی نام خارج یا مدرک ہے اس بنا پر فلاسفہ کا وہ گردہ جو عالم خارج اور عالم ذہن

یعنی نفس و مادہ سے اس حیثیت سے بحث کرتا ہے کہ انکی حقیقتیں جدا جدا ہیں نیز یہ کہ نفس و

مادہ یا عالم خارج اور عالم ذہن کے مابین علمی تلازم بالفاظ دیگر تاثیر و تاثر کا عمل کس طرح

اور کیوں وقوع پذیر ہوتا ہے اس نے حقیقت علم کو واضح کرتے ہوئے اس بات سے بھی

بحث کی ہے کہ حس کے تیسرے جز یعنی تغیر عصبی کا دماغ میں جا کر حس میں تبدیل ہونا اسکے

معنی چونکہ یہ بین کہ نفس شئی خارجی کا مدرک ہو گیا اسلئے دیکھنا یہ ہے کہ جو صفت کوئی

مادی ارتقائش دماغ میں جا کر ایک کیفیت حسی میں تبدیل ہوتا ہے تو اور وقت اس

زیر پر سے نفس کو کس چیز کا ادراک ہوتا ہے اور اس تغیر ذہنی یا حس کا جو ذہن میں تغیر عصبی

کی منتخب شدہ صورت ہے یا خود اشیا و موجودہ فی الخارج کا،

اس سوال کو مثال میں یوں سمجھو کہ مثلاً جب ہم انگلی آگ میں ڈالتے ہیں ہم کو گرمی اور جلن محسوس ہوتی ہے، یا مثلاً جب ہماری آنکھ کے سامنے کوئی شے آتی ہے اسے ہم دیکھنے کے تمیزات سے ہماری آنکھ متاثر ہوتی ہے، اور اس شے کی صورت ہماری آنکھ میں چھپ جاتی ہے، یا مثلاً جب ہم گرج کی آواز سنتے ہیں تو ایک خارجی تغیر کے وقوع پذیر ہونے کے سبب ہمارا عصب السمعی متاثر ہو کر اس آواز کا ادراک کر لیتا ہے یہ سب احساس بسیط کی صورتیں ہیں ان تمام مثالوں پر غور کرنے سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حس بسیط محض ایک تغیر کا نام ہے، جو ہماری اندرونی دنیا میں واقع ہوتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ آیا یہ اندرونی تغیر خارجی تغیر کا عکس ہے یا یہ کہ یہ تغیرات خود ہماری اندرونی دنیا کے ذاتی تغیرات اور ہمارے نفس کی مختلف صورتیں ہیں،

اس سوال کا جو جواب دیمقرطیس سے لیکر ارسطو تک تمام قدامت فلسفہ نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ حس کی صورت میں جو تغیر ہمارے نفس کے اندر واقع ہوتا ہے وہ اس تغیر کا عکس ہوتا ہے، جو خارج میں واقع ہوا ہے گویا کہ نفس ایک آئینہ ہے جس میں تمام خارجی صورتیں جھکڑ شکس ہو کر نظر آتی ہیں یہ فلاسفہ کا عام خیال تھا جو ارسطو کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے۔ قدامت فلاسفہ عموماً اس بات کے قائل تھے کہ اعصاب حس کے ذریعہ سے مددک میں اشیاء کی صورتیں چھپ جاتی ہیں اور ہمارا ذہن تو اتنی تھوڑی سی چیز ہے کہ اس سے مددک میں اشیاء کے مطابق ہوتی ہیں، لیکن سب سے پہلے اس خیال کی غلطی جن لوگوں نے ظاہر کی وہ نیوٹن کا ڈیوی اور فرماتے اسٹرونگ کے فلاسفہ تھے نیوٹن کا ڈیوی کے فلاسفہ کا خیال ہے کہ حس کی صورت میں مددک کو نہ اشیاء موجودہ فی الخارج کا علم ہوتا ہے اور نہ انکی کوئی ذہنی تصویر ذہن میں چھپتی ہے اور ارسطو نے علم کے متعلق ایسا جو خیال

الطباع صور کا ظاہر کیا ہے، وہ ایک دھوکہ پر مبنی ہے، ارسطو کو نفس کو ایک شیشیا  
 نہر کے مانند سمجھ رہا ہے حالانکہ نفس کوئی ایسا ظرف نہیں جس میں تصویر اترتی ہو یا حروف  
 کندہ مورتے ہوں، ارسطو کو اصل میں شبہ اس بات سے ہوا کہ چونکہ اس نے دیکھا کہ آئینہ  
 سے جو چیزیں ادراک کی جاتی ہیں انکی تصویر مشکبہ پر اترتی ہے اسلئے ارسطو نے خیال کیا  
 کہ انطباع صورت خود علم ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ مشکبہ پر جو تصویر اترتی ہے وہ اور  
 چیز ہے اور اس سے جو احساس ہمارے نفس میں پیدا ہوتا ہے، وہ اور چیز ہے یہ تصویر  
 خود احساس نہیں بلکہ ذریعہ احساس ہے

یہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ فرض کرو ہمیں آگ کا علم ہوا آگ میں چند چیزیں ہیں اسکا رنگ  
 ہے جو دیکھنے سے نظر آتا ہے اسکی گرمی ہے جو چھونے سے معلوم ہوتی ہے اور سیطرے  
 اسکے دوسرے اوصاف و حالات کا علم ہمیں دوسرے حواس سے ہوتا ہے اب فرض  
 کرو کہ ہم نے آگ کو چھوا ہمیں گرمی اور جلن محسوس ہوئی ہم نے آگ کو دیکھا اور مشکبہ پر  
 اسکی تصویر اترائی، لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ آگ کو چھونے سے گرمی اور جلن جو محسوس  
 ہوئی ہے کیا وہ آگ سے مشابہ ہے یا اسی طرح ہم نے قوت باصرہ سے اسکے رنگ کا  
 علم جو حاصل کیا ہے تو کیا رنگ کا احساس اس آگ کی حقیقت پر کچھ روشنی ڈالتا ہے اس  
 جلن کو جو چھونے سے محسوس ہوئی آگ کی گرمی یا خود آگ سے کیا مناسبت ہے اسطرچ  
 رنگ کے احساس کو یا خود آگ سے کیا نسبت ہے؟ ان البتہ اس احساس سے یہ بات  
 ضرور ظاہر ہوتی ہے کہ آگ میں نسلان رنگ ہے یا آگ میں گرمی ہے، لیکن اس  
 جملہ کے کیا معنی ہیں؟ اسکا مطلب یہ ہے کہ ہلکا آگ کا تجربہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی  
 ہے کہ جب آگ ہمارے حس کے سامنے آئی یا اس سے ماس ہوئی ہے تو محض اس

تعلق کی بنا پر ہمارے ذہن میں مختلف تغیرات پیدا ہوتے ہیں جو مدارج کیفیت اور کثرت میں مختلف ہوتے ہیں اور اسی اختلاف نوعیت و کثرت کی بنا پر ہم ان میں سے ایک احساس کو رنگ کے احساس دوسرے کو ذرا اور تیسرے کو گرمی کے احساس سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر جب ہم یہ کہتے ہیں کہ آگ میں گرمی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب آگ ہمارے کسی عضو سے تماس ہوتی ہے تو ہم میں ایک حسی تغیر پیدا ہوتا ہے جسکو ہم جس حرارت سے تعبیر کرتے ہیں یا مثلاً جب ہم کہتے ہیں آگ میں رنگ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آگ جب ہمارے حاسہ بصر کے سامنے آئیگی تو ابہتر کے خاص نتوجات کی بنا پر ہمارے نفس میں ایک خاص تغیر واقع ہوگا جسکو ہم احساس لون سے تعبیر کرتے ہیں غرض مطلب یہ ہے کہ جس کی صورت میں جو کچھ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خارج کے بعض تغیرات کی بنا پر ہمارے ذہن میں خاص تغیرات پیدا ہوتے ہیں جسکو خود اشیا خارجی سے کوئی نسبت نہیں ہوتی ہے یہ اشیا خارجی مادی ہیں اور اُن سے جو تغیرات نفس میں پیدا ہوتے ہیں وہ کوالٹ نفسانی ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوالٹ نفسانی کو خود اشیا خارجی کی شیعہ و مثال کہانتاک کہا جاسکتا ہے،

پس ان لوگوں کے نزدیک مادہ کے جتنے اوصاف ہیں، یعنی رنگ، استعداد، صلابت وغیرہ، یہ سب ہمارے نفس کے اندر دینی تغیرات کے مختلف اسماء ہیں، اور یہ تغیرات اس متمیز کیفیت کو اتباع اسطو صوره علیہ کہتے ہیں اور ذہن میں اسکو موجود ماننے میں صورت علیہ کا یہ وجود محض ذہنی تحریر ہے جو آثار ذہنیہ ہی خود کیفیات علیہ ہیں اور یہ آثار ذہن کے اندر اسطرح موجود ہوتے ہیں جسطرح کام و زبان میں مزہ معلوم ہوتا ہے، اگر کوئی شخص یہ کہنے کا مجاز ہو کہ کام و زبان کے اندر مزہ موجود ہے تو ہم بھی یہ کہنے کو تیار ہیں کہ ذہن کے اندر صوره علیہ موجود ہے ۱۶

ہمارے نفس میں اُس وقت وقوع پذیر ہوتے ہیں، جب اشیاء موجودہ فی الخارج کو ہمارے  
حواس سے تعلق مفارقت یا تعلق علیت و معلولیت پیدا ہوتا ہے، موجودہ زمانہ میں نیزہ کا ڈی  
کے فلاسفہ کی یہ رائے نہایت پسندیدہ خیال کی گئی ہے، بریکلے اور ہیوم کے فلسفہ  
اسی خیال کی تشبیحات ہیں، یہاں تک کہ اب فلاسفہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہم خارجی  
اشیاء کی حقیقت کو نہیں معلوم کر سکتے اور ہمیں بعض اپنے احساسات بالفاظ دیگران ذہنی  
تغیرات کا علم ہو سکتا ہے جو ہمارے نفسی اور خارجی اشیاء کے مابین کوئی تعلق پیدا ہوئے  
پر ہمارے نفس میں پیدا ہوتے ہیں۔

علم حس کے متعلق مذکورہ بالا خیال نے تحقیق کا ایک نیا دروازہ کھول دیا ہے، اور  
اس تحقیق نے ارسطو کے نظریہ علم باشاہما کی تقلید کر دی ہے لیکن اس بحث کے متعلق فیصلہ  
کرتا ہمارا فرض نہیں البتہ ہمارے مذکورہ بالا بیان سے حسب ذیل چند نتائج اخذ ہوتے  
ہیں جو علم کی نہیوری میں نہایت اہم ہیں:

(۱) حواس کے ذریعہ ہمیں جو علم ہوتا ہے وہ اس طرح نہیں ہوتا کہ ذہن یا عقل میں کوئی  
صورت آتی یا منتقل ہوتی ہو جو ارسطو کا مذہب ہے بلکہ حواس کے ذریعہ سے ہمیں محض ان  
اثرات اور تغیرات کا علم ہوتا ہے جو حواس اور شے خارجی کے مخصوص تعلقات کی بنا پر  
نفس میں پیدا ہوتے ہیں،

(۲) جب یہ کہا جاتا ہے کہ حواس ذرائع علم ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا  
کہ وہ شے خارجی کی صورتوں اور اشباح کو لیجا کر نفس کے سامنے پیش کر رہے ہیں  
بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب تک شے خارجی اور ہمارے حواس کے مابین  
مخصوص للقات نہ پیدا ہونگے، اس وقت تک ہمارے نفس کو شے خارجی کا حس

یا علم نہ ہوگا

کیفیت حس کی تفریعات | علم حسی کے متعلق جو کچھ ایپیزڈ کو رہا اس سے علم حسی کے مدارج سے گناہ کی کافی تشریح ہو گئی، لیکن علم حسی کی تشریح بالا سے چند اصول متفرع ہوتے ہیں، جو نہایت اہم ہیں، اسلئے اب ہم بیان سے ان تفریعات کا بیان شروع کرتے ہیں، لیکن علم حسی کا تعلق چونکہ حالات بیرونی اور کوائف اندرونی دونوں سے ہوا اسلئے اس کیفیت کی تشریح بالا سے جو اصول متفرع ہوتے ہیں وہ بھی دو قسم کے ہو گئے ہیں، بعض کا تعلق ہیجات بیرونی اور اعصاب کی ذمیت، کمیت، کیفیت کے ساتھ ہے، مثلاً حیات انسانی کی تحدید کی بحث، یا مثلاً ہیجات بیرونی کی پہنچ کے لئے ایک خاص تعداد اور ایک خاص قوت کی شرط اور اسکی تحدید، یا مثلاً حس اور پہنچ کی قوت کے تناسب کی بحث، یا مثلاً یہ بحث کہ ایک ہی پہنچ سے تماہیز حیات کس اصول پر پیدا ہوتے ہیں، یہ تمام مباحث علم حسی کی واقعی تشریح سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے نہایت ضروری ہیں، اور ان تمام فطری واقعات کے لئے علمی اصول بھی منضبط ہیں، لیکن ان مباحث کا تعلق زیادہ تر نظام اعصاب کی کامل تشریح اور وظائف الاعضاء کی بحث سے ہے اسلئے ہم ان مباحث سے اپنے مضمون کو طول دینا نہیں چاہتے، ہم نے پہلے ہی اپنے مباحث کو صرف ان نفسانی اصول کے بیان میں محدود کر لیا ہے جن سے مدارج علم کی حقیقت کی تشریح میں مدد ملتی ہے، اہم اس مضمون میں مجلاً صرف مدارج علم اور علم لیبط کی حقیقت سے بحث کرنا چاہتے ہیں، حتیٰ کہ علوم مرکبہ اور تجربہ و استدلال سے بھی قطع نظر کرینگے، اس بنا پر ہم نے کیفیت حس کے اصول کے انتخاب سے نیز تقریر بالا کی ایک فقرے اور منضبط ہونی چودہ یہ کہ علم حصول یا دخول ذہنی کا نام نہیں جو بلکہ عالم معلوم کے باہی خلق و معارف کا نام ہے، احیاء میں خلق خارجی ہوتا ہے اور تصورات ذہنی میں تعلق ذہنی ہوتا ہے۔

ہیں جو معیار مقرر کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم ذیل میں صرف اُن چند نفسانی اصول سے بحث کرنا چاہتے ہیں جو لازمی طور پر ہمارے مذکورہ بالا بیانات اور کیفیتِ حسی کی تشریح بالاسے متضرع ہوتے ہیں اور جن سے کیفیتِ حسی کی تشریح میں کچھ اعانت ہوتی ہے

علم حسی کا پہلا نفسانی اصول (۱) پس ہمارے مذکورہ بالا معیار کے مطابق کیفیتِ حسی کی تشریح بالاسے جو پہلا نفسانی اصول متضرع ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہیج کی مدت قیام اور حسی کی مدت قیام ایک ہوتی ہے یعنی دیر تک ہمارے حواس کے سامنے ہیج قائم رہتا ہے اتنے ہی عرصہ تک نفس میں کیفیتِ حسی کا بھی قیام رہتا ہے اور چون ہیج حواس کے سامنے سے ہٹا یہ کیفیت بھی نفس سے مٹ جاتی ہے اب بور کو ذہن میں جو کچھ باقی رہ جاتا ہے وہ اس حسی کی یادداشت ہوتی ہے ورنہ خود حسی کی کیفیت اپنے ہیج کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے ہم ملتے اس وقت تک ہیں جب تک ہو امین فوجات قائم ہیں، سو نگھتے اس وقت تک ہیں جب تک کسی شے کے ذرات مادی ہو سکے ذریعہ سے یا خود ہماری قوتِ شہادہ سے محاسن ہو کر اسکو متاثر کرتے ہیں، ہم دیکھتے اس وقت تک ہیں جب تک کوئی مرنی رنگین شے ایک خاص فاصلہ اور ایک خاص جہت کے ساتھ ہماری قوتِ باصرہ کو متاثر کرتی ہے،

اسی طرح ہم چکھتے اس وقت تک ہیں جب تک کسی بامزہ چیز کے ذرات مادی چباتے وقت لعابِ دہن میں مخلوط ہو کر اپنے اثر کو کام و زبان تک پہنچاتے اور کام و زبان کو اپنے اثر سے اثر پذیر کرتے رہتے ہیں، اسی طرح ہم کسی شے کو چبوتے اس وقت تک ہیں جب تک کوئی شے ہمارے اعصابِ لامسہ کو جو تمام بدن میں دوڑے ہوئے ہیں، اپنے وجود سے خبردار کرتی اور اپنے اثر سے متاثر کرتی رہتی ہے، لیکن ہمارے حواس کے



سامنے سے ان محسوسات کے بٹے ہی نور ان حسیات کا یہی خاتمہ ہو جاتا ہے البتہ ان حسیات کا کچھ مٹا مٹا سا اثر ذہن میں باقی رہ جاتا ہے، یہ ایک نفسانی اصول ہے جو علم کی تیوری میں نہایت اہم ہے،

علم حسی کا دوسرا (۱۸) نفسانی اصول (۱۹) کیفیت حس کا دوسرا نفسانی اصول یہ ہے کہ چونکہ حس ایک بسیط نفسانی کیفیت ہے اسلئے حس کی صورت میں نفس ذہن کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ قطعی اور بدیہی ہوتا ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی ہے صرف عام میں جس چیز کو التباس ہو اس کہا جاتا ہے وہ اصل میں حاسہ کی غلطی نہیں ہوتی، بلکہ وہ اصل میں جس کی غلط تیوری ہے، مشکل یہ ہے کہ ہمارے پاس زبان میں ایسے الفاظ نہیں جتنے ذریعہ سے ہم ٹھیک ٹھیک اپنے اندونی حسیات کا اظہار دوسروں سے کر سکیں، زبان کی کمزوری اور خیال کی وسعت آخر کار ہمارے حس کو سادہ نہیں رہنے دیتی، اور جس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ہماری اپنی سمجھ اور ہماری اپنی تیوری کا میل ضرور ہو جاتا ہے، جس اور جو اس کی غلطیوں اور انکے اسباب ہم آگے چلکر بالتفصیل بحث کریں گے لیکن یہاں صرف اتنا خیال میں رکھنا چاہیے کہ احساسات بسیطہ کے نتائج ہمیشہ صحیح اور بدیہی ہوتے ہیں محنت سے مراد یہ ہے کہ انہیں غلطی کا احتمال نہیں ہوتا اور انکے بابت شک و شبہ کی بھی گنجائش نہیں ہوتی اور بذاتہ کا مطلب یہ ہے کہ ان سے جو معلومات حاصل ہوتے ہیں انکا حصول بلا واسطہ ہوتا ہے اور جس شے کے وجود سے ہمارا حاسہ خبر دیتا ہے، اسکے وجود پر عقلی دلائل قائم کرنے کی حاجت نہیں ہوتی، احساسات بسیطہ کے یہی دو اوصاف ہیں، یکنی بنا پر ان کے تمام علوم میں ان بسیط احساسات کو خاص امتیاز حاصل ہے اور دیگر علوم کے لئے یہ مبادی کا کام دیتے ہیں اور اپنی محنت و بذاتہ کے لحاظ سے دیگر علوم پر شرف رکھتے ہیں،

علم حسی کا تیسرا نفسانی اصول (۱۹) | (۲) ذرا اے علم حواس ہیں، انسان کے تمام علوم بالواسطہ یا بلاواسطہ صرف حواس سے حاصل ہوتے ہیں، اس کلیہ کی فصاحت چنے ایک دوسرے مضمون میں تفصیل کے ساتھ کی ہے، جسکو ہم یہاں نقل کرتے ہیں،

”ہمیں جتنے علوم و ادراکات حاصل ہوتے ہیں انکی دو قسمیں ہیں، ایک وہ علوم جزئیہ جنہیں ہم براہ راست حواس سے حاصل کرتے ہیں، مثلاً قوت باصرہ سے ہم چیز و کو دیکھتے ہیں قوت سامعہ سے سنتے ہیں، قوت ذائقہ سے چکھتے ہیں، اور قوت لامسہ سے چہوتے ہیں، اور حواسہ کا فعل تمام ہوتے ہی بر مذہب ماد میں اعصاب دماغی میں ایک عروج پیدا ہوتا ہے جسے ہم علم و ادراک کہتے ہیں،“

دوسرے وہ علوم کلیہ جو خود براہ راست حواس سے حاصل نہیں ہوتے لیکن اگر انکی تحلیل کی جائے تو انہی حواس ہی پر ہوتی ہے،

مثلاً یہ ایک کلیہ ہے کہ اجتماع ضدین محال ہے، ظاہر ہے کہ چنے یہ علم نہ تو قوت باصرہ سے حاصل کیا ہے، اور نہ قوت لامسہ سے، لیکن اگر غور سے دیکھو اور اسکے اجزاء کی تحلیل کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ بغیر حواس کی مداخلت کے یہ علم نہیں حاصل ہو سکتا تھا اتنے بار بار دیکھا ہے کہ سفید خیر کا لی نہیں ہو سکتی، گرم چیز ٹھنڈی نہیں ہو سکتی، بلند ادا زیست نہیں ہوتی، اور کڑوی چیز بیک وقت میٹھی نہیں ہو سکتی، گو یہ بھی کئے ہیں لیکن ان سب کی تحلیل اگر کی جائے تو اتہا ہی ہوگی کہ جتنے مختلف رنگوں، مختلف مزون، اور اسطرح تمام کیفیات کا جو حواس سے ادراک کی جاسکتی ہیں حواس کے ذریعہ سے ادراک کیا اور مقابلاً کیفیات کو کیا جمع ہوتے نہیں دیکھا، پس چنے حکم لگا دیا کہ اجتماع ضدین نہیں ہو سکتا اس پوری تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ علم کلیہ علوم جزئیہ پر موقوف ہوتے ہیں، یعنی اگر

ہمیں ایک قسم کے علوم جزئیہ ہوں تو اس قسم کے علوم کلیہ سے بھی ہمارا ذہن خالی رہے گا،

ادب پر ہم بیان کر آئے ہیں کہ تمام عقلاء کا اس بات میں اتفاق ہے کہ کوئی حاسہ دوسرے کا کام نہیں انجام دے سکتا، پس اگر کوئی شخص ان حاسوں میں سے کسی حاسہ سے نظر تاحریج ہو تو جو اشیاء اسی حاسہ سے ادراک کی جاتی ہیں، ان کا علم اُسکو نہ ہوگا، مثلاً مادر زاد اندھم کو ان باتوں کا علم نہیں ہو سکتا جو قوت بصر سے ادراک کی جاتی ہیں، اسی طرح بہرہ و آواز دون کا حال نہیں جان سکتا، کیونکہ یہ کام قوت سامیہ کا جو ایسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی عائق کی وجہ سے یہ قوتیں اپنا کام نہیں کرتیں، اگر تم آفتاب کی طرف دیر تک دیکھتے رہو تو تمہاری آنکھ چونکہ دھما جادے گی، اور کچھ دیر تک تمہیں اندھیرا اندھیرا معلوم ہوگا اور جو چیز تمہاری آنکھ کے سامنے ہوگی وہ دھندلی دکھائی دے گی یا بعض اوقات سخت نزلہ کی وجہ سے سونگھنے کی قوت اپنا کام نہیں کرتی پس جو لوگ ان حاسوں میں سے کسی حاسہ سے محروم ہوتے ہیں وہ ان تمام چیزوں کے ادراک سے بھی محروم ہوتے ہیں جو اس حاسہ سے ادراک کی جاتی ہیں اور اسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ انکو اس قسم کے علوم کلیہ بھی حاصل نہیں ہوتے اور جو تمام حواس سے محروم ہوتا ہے وہ دنیا کا کوئی علم نہیں حاصل کر سکتا،

ہم یہاں بغرض اختصار صرف تین نفسانی اصول پر اکتفا کرتے ہیں اگرچہ جس کے متعلق اور بھی چند نفسانی ماصول ہیں، لیکن ہمارے مذکورہ بالا بیانات سے انکو اتنا اظہار نہیں ہے، تقریبات جس کے بیان سے فراغت پا کر اب ہم اس سوال پر آتے ہیں کہ جس غلطی کیونکر کرتا ہے، اور جس کی غلطیوں کے کیا اسباب ہوتے ہیں،

جس کی غلطیاں اور انکے اسباب | ہم اوپر جس کے متعلق یہ ایک نفسانی اصول بیان کر چکے ہیں کہ

احساسات سازج یعنی اور بدیہی ہوتے ہیں انہیں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی ہے لیکن ہمارے نفسی حالات اس طرح پیچیدہ واقع ہوئے ہیں کہ اگر ہم ہوشیاری کے ساتھ تمام کیفیات نفسیہ کی تحلیل کر کے ان میں باہم تفریق کریں تو ہمارے علوم میں غلطی واقع ہو جائے، احساسات میں اس قسم کے اختلاط اور اس قسم کی پیچیدگی کی ایک وہ مثال ہے جسے عرف عام میں التباس جو اس کہتے ہیں، قدما و یونان میں فلاسفہ متکرمین نے اپنے فلسفہ کی بنا اسی اصول پر رکھی تھی کہ ہمارے جو اس اور اس استیاء میں غلطی کرتے ہیں، اسلئے ہلکا اپنے جو اس پر اعتبار نہیں، یہ فلاسفہ کہتے تھے کہ ہمارے جو اس کو بعض وقت چھوٹی چیز بڑی دکھائی دیتی ہے اور بعض وقت بڑی چیز چھوٹی دکھائی دیتی ہے، پہلچ ان لوگوں کے نزدیک التباس جو اس کی ایک عام صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک بلند منارہ کو سوئز کے فاصلہ سے تم دیکھو تو وہ نہیں مد نظر آئے گا، لیکن اسی منارہ کو اگر ہم پس گز کے فاصلہ سے دیکھتے ہیں تو وہ ہلکو مربع نظر آتا ہے حالانکہ وہ منارہ اصل میں نہ مربع ہوتا ہے اور نہ مدور دائرہ ویر اور مربع کا علم جو ہلکو مختلف اوقات میں ہوا اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے حواس نے ہلکو غلط اطلاع دی، اسی طرح یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سایہ کو دیکھو تو تمہارا احساس ہلکو یہ اطلاع دیتا ہے کہ سایہ ساکن ہے لیکن براہین ہندسیہ سے قطع کر کے جو اسکے متحرک ہونے کی شہادت دیتے ہیں اگر تم سایہ کو طویل مدت تک نہایت غور سے دیکھتے رہو تو تمکو معلوم ہوگا کہ سایہ متحرک ہے اور اسوقت سے اسوقت تک سایہ نے اپنی جگہ سے حرکت کر کے اتنی مسافت طے کی ہے، یہ بھی ایک قسم کا التباس جو اس ہے اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اکثر پیش آتا ہے کہ ہمارا وہم ہماری نگاہ کے سامنے ایک فرضی تصویر بنا کر پیش کر دیتا ہے خصوصاً

جبر پنج و غم یا غیظ و غضب یا خوف کے جذبات ہم پر طاری ہوتے ہیں تو اس وقت نظام دماغی میں ایک خاص اختلال کے پیدا ہو جانے کے باعث اکثر التباس جو اس کی حالت بھی طاری ہو جایا کرتی ہے، فلاسفہ منکرین کو التباس جو اس پر نہایت اصرار تھا اور ان کے فلسفہ کی بناء بھی التباس جو اس پر تھی اور چونکہ اس قسم کے واقعات اکثر پیش آتے ہیں جو معمولی نظرمین التباس جو اس سمجھے جاسکتے ہیں، اسلئے فلاسفہ سے لیکر عام تک میں یہ مشہور ہو گیا کہ حاسہ ہکو اکثر غلط اطلاع دیا کرتے ہیں، یہاں تک کہ اب فلسفہ کی نہایت معتبر کتابوں میں بھی ہکو یہ مسئلہ نظر آنے لگا، کہ ہمارے جو اس کو اکثر دھوکہ ہو جایا کرتا ہے لیکن اگر تم ہمارے ان گذشتہ بیانات کو غور سے پڑھو چکا قلن کیفیت جس کی تشریح سے ہے تو تم کو نظر آئے گا کہ اصل جس میں غلطی واقع ہونے کی کوئی وجہ نہیں، جسے بیان کیا تھا، کہ اجزاء احسن تین ہیں، (۱) کسی شے کا حاسہ کے سامنے آنا یا اس سے محاس ہونا (۲) اعصاب میں ایک لرزش کا پیدا ہونا (۳) اس لرزش کا کیفیت نفسی میں تبدیل ہونا، یہ تین اجزاء احسن ہیں ان اجزاء میں سے کس جز میں غلطی واقع ہو سکتی ہے پہلے جز میں ظاہر ہے کہ غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا اور گو اکثر یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ ہمارے نظام دماغی میں کسی خاص اختلال کے پیدا ہو جانے کے باعث بعض وقت ہمارا حاسہ ہماری نگاہ کے سامنے ایک فرضی غیر واقعی تصویر بنا کر پیش کرتا ہے اور ہم اس فرضی تصویر کی واقعیت پر ایمان لے آتے ہیں لیکن خارج میں ان تصاویر کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایک واقعی چیز کا ادراک کر رہے ہیں لیکن وہ ان درحقیقت خارج میں کسی شے کا پتہ نہیں ہوتا یہ صرف ہمارے خیال کی کرشمہ سازی ہوتی ہے جو ایک غیر واقعی چیز کو ایک واقعی صورت میں ہماری نگاہ کے سامنے پیش کرتا ہے، ان صورتوں میں درحقیقت اصل جس کو کجا

حس کے پہلے ہی جز کا وجود واقعی نہیں ہوتا،

اسی طرح حس کا دوسرا جز دینی اعصاب میں ایک خاص لرزش کا پیدا ہونا یہ بھی غلطی کے احتمال سے پاک ہے البتہ جب توازن دماغی میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے تو اس وقت بیشک بلا بھیج خارجی کے نتیجے کے اسباب میں آپ سے آپ توجہ پیدا ہو جاتا ہے مثلاً حالت جنون اور سرسام میں یا جن لوگوں کی قوت تخیل قوی ہوتی ہے انکو اکثر اس قسم کے واقعہ پیش آتے ہیں لیکن تخیل کی اتنی قوت و شدت بھی ایک حیثیت سے اختلال دماغی کی ایک خاص شکل کا نام ہے، اسی طرح حس کے تیسرے جز میں بھی کسی غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا بشرطیکہ یہ کیفیت نفسی دوسرے کو الٹ نفسانی سے ممتاز حالت میں رہے، چونکہ حس ایک بسیط کیفیت حسی کا نام ہے، جبکہ وجود اپنی اصلی حالت میں بہت کم ہوتا ہے اور ہر علم حسی میں فطر و استنتاج کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور شامل ہوتا ہے، اسلئے اکثر کیفیات حس کو دوسرے کو الٹ نفسانی سے امتیاز کو بھی مشکل ہوتا ہے، پس مجبوزان صورتوں کے اصل کیفیت حسی اپنی ممتاز حالت میں غلطی سے بالکل پاک ہوتی ہے، حاصل یہ کہ گویہ عام طور پر مشہور ہے کہ جو اس اکثر غلطی کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو اس کبھی غلطی نہیں کرتے ہیں، بعض محسوسات میں بے شبہہ غلطی ہو جاتی ہے لیکن وہ غلطی حاسون کی نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ غلطی تمہاری سمجھ اور تعبیر کی ہوتی ہے، حاسہ کے سامنے جو چیز ہوگی اس سے حس متاثر ہوگا، اور اس اثر کو نفس تک پہنچا دے گا اب اس نئے کے احساس کو دوسرے احساسات سے متاثر کرنا تمہارا فرض ہے اور یہ جو مثلاً کہا جاتا ہے کہ ایک منارہ سو گز کے فاصلہ سے مدور نظر آتا ہے لیکن بیس گز کے فاصلہ سے اسی منارہ کو اگر ہم دیکھتے ہیں تو اب وہ مربع نظر آئے لگتا ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ منارہ خارج میں غلطی

تھا اور نہ دیر بلکہ یہ تندرست و تریع محض التباس جو اس کے نتائج میں یہ خیال اس معنی  
 کر کے تو بیشک صحیح ہے کہ تریع و تندرست کے یہ احساسات جو ہمارے نفس میں پیدا ہوئے  
 وہ ان تعلقات کا نتیجہ ہیں جو ہمارے حاسہ کو ان اشیاء کے ساتھ مختلف اوقات میں  
 پیدا ہوئے ہیں لیکن اس سے یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ درحقیقت وہ منارہ مرئی تھا مگر حاسہ  
 نے اس کا غلط اور اک کیا، حقیقت یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں تمہارے حاسہ نے جو  
 شہادت ملو پہونچائی وہ صحیح تھی پہلی صورت میں تمکو تندرست و تندرست کا جو احساس ہوا تو اسکی  
 وجہ یہ تھی کہ دوری کی وجہ سے تمہاری نظر پہلی اور منارہ تہمین ایک ایسی حالت میں  
 نظر آیا جسکو تم نے تندرست سمجھ لیا، پھر جب دوری کم ہوئی اور تمہاری نظر میں وسعت پیدا  
 ہوئی تو اب تمہیں وہ پہلی حالت سے مختلف حالت میں نظر آیا اور تم نے اس شکل کو  
 مرئی سمجھ لیا، اس سے معلوم ہوا کہ حاسہ کی شہادت بے ثبوت اور غلطی سے پاک  
 تھی، لیکن تندرست و تریع کے نتائج جو تم نے پیدا کئے تھے وہ غلط تھے اور تمہارا حاسہ  
 ہٹیک ہٹیک اپنے اصول و قوانین کے مطابق عمل کر رہا تھا، غرض مطلب یہ ہے کہ  
 اسکی غلطی کے متعلق جو عام خیال لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہو گیا ہے وہ بے معنی و  
 البتہ تعبیر احساسات میں اور اسطرح حس کے نفسانی عمل میں بے شک غلطیان ہو جاتی  
 ہیں، لیکن حس کا پہلا جز ہمیشہ غلطی سے پاک رہتا ہے، اور اگر کبھی اس میں غلطی بھی ہو جاتی ہے  
 تو محض ایک فرضی واقعہ کی بنا پر یہ غلطیان جو غلط تعبیری یا کیفیت حسی کو دوسرے کو الٹ  
 سے متناظر کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، انکے چند اسباب میں جکو ہم ذیل میں بالتفصیل بیان کرتے ہیں  
 ۱۔ اس سے مراد نفس قرب و بعد، نفس فاصلہ کی رویت نہیں ہے کیونکہ زمانہ حال کی تحقیقات کے مطابق  
 فاصلہ کا حس رویت سے نہیں ہوتا ہے،

صس کی غلطی کا پہلا سبب (۱۱) ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ انسان کے معمولی حالات کے اندر جس کے اجزاء میں کسی غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا خصوصاً صس کے پہلے جزو میں تو کبھی غلطی نہیں ہوتی یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ ہمارا حواسہ ہلکا غلط اطلاع دیتا ہو لہذا اگر انسان کے نظام دماغی میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے تو اس وقت دماغی ترتیب کے الٹ پلٹ ہو جانے کی وجہ سے التباس جو اس کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، بہانگ کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دماغی نظام کی بے ترتیبی سے جو نئے حواسہ کے سامنے نہیں ہے اسکی ایک فرضی تصویر حواسہ کی سامنے آتی ہے، پھر اس قسم کے واقعات کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ دماغی نظام میں کوئی بے ترتیبی پیدا ہو بلکہ یہ حالت اکثر اس وقت بھی پیش آتی ہے، جب ہمارے اوپر درد و غم و خوف، اور یاس و ہراس کے جذبات کی شدت ہوتی ہے، اور کبھی اس قسم کا واقعہ اس وقت بھی پیش آ جاتا ہے، جب ہم عالم محویت میں کسی چیز کا تصور کر رہے ہوں، اسی طرح اکثر یہ ہوتا ہے کہ رات کے وقت سنائے ٹین ہلکا ایک خیالی صورت نظر آتی ہے جو ہمارے خیال کی پیدا کردہ ہوتی ہے لیکن ہم جن بہوت سمجھ کر اس تصویر سے ڈر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے بہوت دیکھا، حالانکہ ہم درحقیقت بہوت کو نہیں بلکہ ایک خیالی تصویر کو دیکھ کر ڈر جاتے ہیں، ان سب صورتوں میں ہونا یہی ہے کہ کسی خیال کی محویت، یا کسی خاص جذبہ کی شدت و قوت، یا کسی جہانی یا دماغی بیماری کے باعث قواس دماغی اور جو اس کے توازن میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے اور ہمارا حواسہ ایک فرضی تصویر اپنے سامنے پاتا ہے، جسکا درحقیقت وجود نہیں ہوتا، بلکہ وہ تصویر خود دماغی اختلال کی بنا پر دماغ کی اندرونی اثرات کی ترتیب سے پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح اجزاء جس کے دوسرے اور تیسرے جزو میں بھی اکثر اختلال دماغی کے باعث اس قسم کی غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اور چونکہ صس کا دوسرا جزو اکثر حالتوں میں پہلے جزو



کے تابع ہوتا ہے، اس لئے اکثر یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ حاسہ کے عمل میں اشتغال ہوئے ہی مآخض کے دونوں آخری اجزاء میں بھی اختلال پیدا ہو جاتا ہے، حاصل یہ کہ جس واقعہ کو عام زبان میں القباس ہو اس کہتے ہیں اسکا ایک نفسانی سبب نظام دماغی میں کسی قسم کے اختلال کا پیدا ہو جانا ہے،

حصہ کی غلطی کا دوسرا سبب (۲۲) جس کی غلطی کا دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے احساس میں اور اس شے میں جس نے یہ احساس پیدا کیا ہے فرق نہیں کرتے، جو علوم احساس سے پیدا ہو سکتے ہیں ان کے متعلق ایک بات ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ احساس جو کسی شے سے پیدا ہوتا ہے اور وہ چیز جو اس احساس کی پیدائش کی باعث ہے یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہوتی ہیں، مثلاً ہم سفید پیرا دیکھتے ہیں کپڑے کی سفیدی ہمارے ذہن میں سفید رنگ کا احساس پیدا کرتی ہے، لیکن سفیدی کا احساس اور سفید یہ دونوں دو مختلف چیزیں ہیں، مشکل یہ جو کہ زبان میں سفید شے کی صفت کے لئے سفیدی اور خود سفید شے کے لئے سفید کے الفاظ کو موجود ہیں، لیکن خارج میں ہمارے حاسہ کے سامنے سفید رنگ کے آنے سے سفید رنگ کا احساس جو ہمارے ذہن میں پیدا ہوتا ہے اس کے لئے زبان میں کوئی لفظ موجود نہیں یہاں تک کہ اسی غلط طبع کے باعث ہم اکثر اپنے بعض مرکب احساسات کی صورت میں اپنے حس کو خود وہ شے سمجھ لیتے ہیں جس سے یہ احساس ہمارے ذہن میں پیدا کیا ہے، پھر سموعات میں مبصر سے زیادہ اس قسم کا غلط طبع واقع ہوتا ہے، سموعات میں مثلاً آواز ہے زبان میں آواز کا لفظ آواز کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور پھر ہر قسم کی آواز کے لئے جدا جدا الفاظ بھی ہیں پیست، دہمی، کرخت، تیز، بلند، نرم، نفہ، راک، خوش، الحانی، غرض آوازیں کے معمولی معمولی فرقوں کے لئے زبان میں متعدد الفاظ پیدا ہو گئے ہیں، چونکہ آوازیں کے یہ مختلف

فرق حاسہ کو جلد محسوس ہوتے ہیں اور حس کو انہیں باہم نمایان فرق محسوس ہوتا ہے اس لیے انہیں سے ہر ایک کیلئے زبان میں جدا جدا الفاظ ہو گئے مگر وہ احساس خود چو کہ اس شے سے زیادہ ممتاز نہیں ہوتا، جیسے یہ احساس ذہن میں پیدا کیا ہے، اس لئے اس احساس کے ادا کرنے کے لئے زبان میں کوئی لفظ نہیں پیدا ہوا اور یہی غلط ملط ہے، جسکی وجہ سے ہم برابر اپنی بول چال میں کہتے ہیں کہ مجھے مثلاً سفید کپڑا دکھایا جئے ایک آدمی کی حالت کو ہمارے ذہن میں جو سفید کپڑے کا احساس پیدا ہوا ہے یہ اور وہ سفید کپڑا جو خارج میں ہے بالکل الگ چیز ہیں، دراصل ہوتا یہ ہے کہ سفید کپڑا ہمارے ذہن میں ایک احساس پیدا کرتا ہے جسکی ہم سفیدی کا احساس کہتے ہیں اس قسم کی غلطی ہمیں برابر بول چال میں صادر ہوتی ہے یہاں تک کہ یہ غلطی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ اسکا صدور فلاسفہ سے بھی ہونے لگا ہے، چنانچہ ارسطو اور دیگر فلاسفہ یورپ اس بات کے قائل ہو گئے کہ حس کے ذریعہ سے جو صورت ہمارے ذہن میں آتی ہے وہ اشیا خارجی کے مماثل ہوتی ہے، اس غلطی کی بنیاد یہ ہے کہ فلاسفہ اپنے احساسات اور ان چیزوں کے باہمی فرق کا لحاظ نہیں کرتے جو احساسات کی پیدائش کے باعث ہوتے ہیں پس اگر ہم اپنے اندرونی احساسات اور اس شے کے باہمی فرق صاف صاف ادراک کر کے اس فرق کو ملحوظ رکھیں تو ہم بہت سی غلطیوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں،

حس کی غلطی کا تیسرا سبب | لیکن ان غلطیوں کے علاوہ حس کی غلطی کا تیسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ اکثر حالتوں میں احساس اور استنتاج دونوں باہم مخلوط ہوتے ہیں اور استنتاج کی غلطی سے ہمارا احساس بھی غلط ہو جاتا ہے ہمارے احساسات میں یہ بڑی خرابی ہے کہ کبھی استنتاج سے الگ ہو کر کسی نتیجہ پر وہ نہیں پہنچتے یہاں تک کہ ان دو کیفیات

فنائی کا اختلاط اتنا بڑا ہوا ہے کہ ہمارے احساسات میں درجۃ استتاج اور ایک حصہ احساس محض ہوتا ہے،

اس اختلاط کی ایک سادہ مثال یہ ہے کہ ہمارے سامنے ایک سفید میز دکھائی دے گی ہم اسکو دیکھ کر کہتے ہیں کہ ہنسنے سفید میز دیکھا بلاشبہہ ہنسنے ایک مخصوص جسم اپنے سامنے دیکھا ہے اور ایک خاص رنگ کا بھی احساس کیا ہے اور ان دونوں چیزوں سے ہمارے ذہن میں دو احساس پیدا ہوئے ہیں لیکن اب باقی رہی یہ بات کہ یہ جسم میز ہے اور یہ رنگ سفید رنگ ہے یہ بات اس احساس سے نہیں معلوم ہوئی احساس سے صرف امتداد مخصوص اور لون مخصوص کا علم ہوا ہے لیکن چونکہ بار بار تجربوں سے ہمکو اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ اس جسم کو میز اور اس رنگ کو سفید رنگ کہتے ہیں، اس بنا پر ہمارے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہنسنے ایک سفید چیز دیکھی، اسی طرح ہم مثلاً ایک آواز دیکھ کر کہتے ہیں سننے ہیں اور فوراً ہماری زبان سے نکلتا ہے کہ زید پکارا ہے، اور درہل جو کچھ ہنسنے سننے وہ ایک آواز تھی لیکن یہ جسم کہتے ہیں کہ یہ آواز زید کی ہے تو یہ محض اپنے سابقہ تجارب کی بناء پر کہتے ہیں، یا مثلاً ہم ایک پھول سوگندتہ ہیں اور کہتے ہیں کہ ہنسنے گلاب کا پھول سوگندتہ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہنسنے گلاب کا پھول نہیں سوگندتہ اور نہ یہ خوشبو گلاب کی خوشبو کی ہے، ہنسنے سوگندتہ سے جس بات کا احساس کیا وہ ایک مخصوص قسم کی خوشبو تھی لیکن یہ بات کہ یہ خوشبو گلاب کی تھی یا بیلہ کی یہ تجربہ پر منحصر ہے اگرچہ واقعہ یہی ہے کہ وہ گلاب کا پھول اور وہ خوشبو بھی گلاب کی تھی لیکن سوگندتہ سے صرف خوشبو کا احساس ہو سکتا ہے خوشبو کی تمیز نہیں ہو سکتی اور ہم یہ تمیز جو کرتے ہیں تو محض اپنے تجربہ کی بناء پر۔

حسن کی غلطی کا پڑنا سبب | حسن کی غلطی کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ اکثر چیزوں کے متعلق کافی

علم حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ تمام حواس کی شہادتوں کو جمع کیا جائے لیکن باوجود اسکے ہم ایسے موقع پر محض دو ایک حاسون کی شہادت کو فراہم کر کے اپنے حس پر یقین کر لیتے ہیں اور اگر ہمارا یہ علم واقعہ کے خلاف نکلتا ہے تو ہم کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے حاسہ نے غلطی کی حالانکہ ان صورتوں میں ہمارا حاسہ غلطی نہیں کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ قدرت کی جانب سے ہر حاسہ کا ایک ایک فرض متعین کر دیا گیا ہے اس بنا پر یہ ناممکن ہے کہ صرف دو ایک حاسون کی شہادت کسی شے کے متعلق پورا علم حاصل کرنے میں کفایت کرے اس قسم کی غلطیوں کی ایک سادہ مثال یہ ہے کہ مثلاً تمہارے سامنے کوئی میوہ رکھا ہے فرض کرو کہ وہ ناسپاتی ہے ظاہر ہے کہ ناسپاتی میں چند مختلف استسیار ہیں جنکا تعلق ایک ایک حاسہ کے ساتھ الگ الگ ہے ناسپاتی کے رنگ استاد مخصوص اور شکل مخصوص کا علم حاسہ بعبارت سے ہوتا ہے اسکے مزہ کا علم چکھنے سے اسکے وزن کا حال چھونے سے دریافت ہوتا ہے اور جب ان تمام حاسون کی شہادت کو ہم متفق پاتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ناسپاتی کا پہل ہے لیکن بخلات اسکے فرض کرو کہ تھے اس پہل کو جو تمہارے سامنے رکھا ہے ایک نظر دیکھا اور چھوا اور سنایا کہہ یا کہ یہ سیب کا پہل ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں تمہارا یہ حکم واقعہ کے یقیناً خلاف ہوگا کیونکہ تھے حاسون کی شہادتوں کو فراہم کرینگے کے بعد یہ رائے نہیں قائم کی اور اگر تم عام حاسون کی شہادتوں کو فراہم کر کے یہ رائے قائم کرتے تو کبھی تم کو یہ دہوکہ نہ ہوتا۔

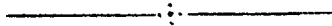
احساسات مرکبہ (۷۵) لیکن جس کی اس قسم کی غلطیوں کی حقیقت سمجھنے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ پہلے ہم یہ دریافت کر لیں کہ مختلف حواس کی شہادتوں کو کس طرح جمع کیا جاتا ہے اور ان شہادتوں کے فراہم کرنے کی ضرورت کن احساسات میں ہوتی ہے۔

ادبہ نہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے حاسہ کے سامنے جو شے آتی ہے وہ ہمارے ذہن کے

اُمید ایک خاص تغیر پیدا کر دیتی ہے اسی تغیر کو احساس کہتے ہیں، نیز یہ کہ بسطِ طرح نفس کو اپنے وجود کا علم ہوتا ہے اسی طرح جو تغیرات ذہنی دنیا میں پیدا ہوتے ہیں ان کا علم بھی نفس کو ہو جاتا ہے، لیکن پہلے درپے احساسات جو نفس میں پیدا ہوتے ہیں انکی حالت متواتر اور تقاب کے اعتبار سے مشعلہ جو الہ اور ترکیب و تحلیل کے اعتبار سے جو اہر کمیا دی کی ایسی ہوتی ہے ایک شعلہ کو اگر تم جلدی جلدی گہما گہما تو چو کہ شعلہ تمہاری نظر کے سامنے سے بار بار گزرتا ہے اسلئے تم اسکو دائرہ سمجھتے ہو، حالانکہ وہ دائرہ نہیں ہوتا بلکہ ایک چنگاری یا ایک شعلہ ہوتا ہے اسی طرح اگر تم چند جو اہر کمیا دی کو باہم مزوج کر دو تو اسنے ترکیب پا کر ایک نیا جو اہر پیدا ہو جائے گا بعینہ یہی حالت ان مختلف اور پہلے درپے گزرتے والے احساسات کی ہوتی ہے کہ متواتر وقوع پذیر ہونے کے بعد نفس میں یہ سب مجتمع ہو جاتے ہیں، لیکن ان متواتر احساسات کا وقوع نفس میں دو طرح پر ہوتا ہے اگر نفس میں ان احساسات کا وقوع اس طرح برہو ہے کہ نفس میں ان مختلف احساسات کے اجتماع سے ایک نئے احساس کی تشکیل ہو گئی ہے تو ان سب کے مجموعہ سے نفس کو اس شے کا علم ہوتا ہے جو جو اس کے سامنے ہو، اور اگر بجائے اسکے نفس میں برہر مختلف احساسات کی پیدائش کا سلسلہ دیر تک جاری ہے تو اس تسلسل کی بنا پر ان احساسات کے اجتماع سے نفس میں ایک واقعہ کا خیال پیدا ہوتا ہے غرض دو نفسی واقعات ہیں جو احساس میں ترکیب پیدا کرتے ہیں۔

ان واقعات نفس کی حقیقت کو مثال میں یوں سمجھو کہ مثلاً تمہارے سامنے نارنج رکھا ہوا ہے نارنج میں مختلف چیزیں ہیں اسکا رنگ ہے جو دیکھنے سے نظر آتا ہے اسکا مزہ ہے جسکا علم چکھنے سے ہوتا ہے اسکی خوشبو ہے جسکا اور اس سونگھنے سے ہوتا ہے اسکے وزن کا چھونے سے غرض یہ مختلف چیزیں ہیں جسکا احساس ایک ایک جامہ سے الگ الگ

وقت میں ہوتا ہے اور جب یہ تمام احساسات ہمارے نفس میں جمع ہوجاتے ہیں، تو ان احساسات کے اجتماع سے ہمارے ذہن میں ایک نیا خیال ایک خاص چیز کا پیدا ہوتا ہے اور جب تم اس نئے خیال کو نارنج کے سابقہ تجارتی مطابق پاتے ہو تو تم کہتے ہو کہ یہ پھل جو ہمارے سامنے دکھائی دے رہا ہے، نارنج ہے، اس مثال میں تم نے دیکھا کہ یہ سب احساسات اہم مختلف تھے لیکن ان کے اجتماع سے ایک خاص خیال پیدا ہوا ہے جو کسی ایک احساس کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس خیال کے پیدا کرنے میں ان تمام احساسات کو دخل ہے، یہی حالت ہو، ہر چیز کی کی ہوتی ہے کہ ہر چیز کو اپنی جگہ پر گولڈن ہوتا ہے لیکن جب ان تمام اجزاء کا باہم استراحت ہوتا ہے تو اس وقت ایک نئی چیز پردہ عدم سے نکل آتی ہے، اسی طرح دوسری مثال میں دیکھو مثلاً سفید رنگ سے جو بظاہر تکیہ احساس منفرد نظر آتا ہے لیکن درحقیقت یہ احساسات قسم کے ان مشورہ کے احساسات کے اجتماع سے ذہن میں پیدا ہوا ہے،



## سورہ یوسف کے ایک واقعہ کی تفسیر

(از مولوی مناظر احسن صاحبہاری، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن)

عقلی اور ذہنی اعتبار سے اس قصہ میں جتنی الجھنیں پیدا کی گئی تھیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تبصرہ شہیدانیہ سے انکا بالکل یہ ازالہ ہو جاتا ہے۔ اسکے بعد شاید کسی اضافہ کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی، لیکن چونکہ تفسیر جدید میں بعض قرآنی قرائن سے تائید حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اہم چاہتے ہیں کہ اسکا بھی فیصلہ کر دیا جائے، اور پھر دکھا دیا جائے کہ نصوحی اشارہ بھی واقعہ کی کس شکل کی تائید کرتے ہیں، مندرجہ ذیل ملاحظات میں غور فرمایا جائے،

(۱)

واقعہ کی جو تصویر تفسیر جدید میں دکھائی گئی ہے، اسکی صحت و سقم کی تحقیق کے لئے ہماری خیال میں سب سے پہلے اسکی ضرورت ہے کہ اس سوال کی ترویج کر لی جائے،  
 آیا زمان مہر کو مجلس زلیخا میں شریک ہونے سے پہلے صرف زلیخا کے عشق و  
 محبت کا علم تھا، یا اسکے ساتھ وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ یوسف، اس سے راضی  
 نہیں ہیں، اور اسکے چہ نہیں چڑھتے۔

یقیناً سوال کا پہلا جز یعنی زلیخا کے عشق و فریادنگی کا علم قرآن حکیم سے ثابت ہے، جیسا کہ  
 قرآن ان عورتوں کی زبانی ناقل ہے،

اس مضمون کو پڑھتے وقت مولانا شروانی کے مضمون مندرجہ معارف بہت ماہ جزری کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے  
 یہ مضمون گویا اسکا ہی ہے

وَقَالَ لَشَوْءٍ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تَصْاَوَدَ فَنَاجَا هِيَ  
عَنْ نَفْسِهِ تَدْعُو لَشَوْءٍ حَبِيبًا  
اِنَّا لَنَدَاهَا فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ،  
اور شہر کی چند عورتوں نے کہا کہ عزیز کی بیوی  
اپنے غلام کو چاہتی ہو محبت اسکے دشمن اتر گئی ہو  
اور میں اسکو کہلی گم رہی میں دیکھتی ہوں دشمنی سرزنش  
کی بیوی ہو کر ایک کنواں غلام پر رتی ہے،

زمان مصر کے اس مقولہ سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ فظ زلیخا کی الفت و  
فرقتگی سے مطلع ہو چکی تھیں، لیکن سوال کا دوسرا جز یعنی یوسف علیہ السلام پر زلیخا  
کا باور پاسکی ہے یا نہیں، کوئی شبہہ نہیں کہ قرآن مجید کے کسی لفظ سے اسکا سراغ نہیں ملتا،  
حالانکہ اس تفسیر کی صحت کا سارا دار و مدار اسی جز کے ثابت ہونے پر ہے، ان عورتوں  
کا یہ طعنہ کہ زلیخا اس لڑکے کو کیوں نہیں پرچالیتی ایک لڑکے کا بہلا لینا کتنی بڑی بات ہے  
اور پھر انہیں طعنوں سے متاثر ہو کر زلیخا کا بنظر کامیابی اگلا لانا، اسکے بعد سازشی مشورہ،  
اور مشورہ کے بعد مجلس کی ساری زبردشکن ایمان سوزندہ ترین، حتیٰ کہ ہاتھ کاٹ کر یوسفؑ  
کو سزا کی دھمکی دینی، وغیرہ وغیرہ کیا اس امر پر مبنی نہیں ہیں، کہ ہر سان زمان مصر کو عشق زلیخا  
کا علم تھا، اسی کے ساتھ اعراض یوسف سے بھی باخبر ہو چکی تھیں، اگر ہم اس جز کو بین تفریق سے  
باہر نکال لیتے ہیں، تو اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ جدید مفسر کی ساری کی کرائی محنت یکایک  
بر باد ہو جاتی ہے، اور انشاء اللہ ہم ہی کرینگے،

آپ قرآن میں غور کیجئے، با دئی تامل واضح ہو سکتا ہے کہ یقیناً ان عورتوں کو یوسفؑ  
کے اعراض کا علم اس مجلس سے پہلے کبھی نہیں تھا، وہ زلیخا کی لگاؤ ٹوں کو جانتی تھیں، لیکن  
اسکی جانب سے بالکل خالی الذہن تھیں کہ آخر یوسفؑ کا اسکے ساتھ کیا برتاؤ ہے،  
تفصیل اسکی یہ ہے کہ مجلس دعوت میں یوسفؑ کو دیکھ کر جب عورتوں نے



ماہذ البشیر ان هذا ملائک کریمہ یہ آدمی بہنیں ہے، یہ تو ایک شائستہ فرشتہ ہے،  
کافیصلہ صادر کیا، تو اسکے بعد زینجا ان سے یہ کہہ کر کہی وہ ہے جس پر تم ملامت کرنی  
تھیں، یہ خبر دیتی ہے،

ولقد راودته عن نفسه فاستعصم یعنی اسکو اپنی طرف مانگنا چاہا لیکن یہ بچتا رہا،  
صاف ظاہر ہے، کہ اگر یوسف علیہ السلام کے اعراض و استعصام کا علم ان عورتوں  
کو اس سے پہلے ہو چکا تھا اور اسی اعراض و تقویٰ کو توڑنے کے لئے وہ ابھی ابھی ایڑھی سے  
چوٹی تک کا زور لگا کر فارغ ہوئی تھیں تو پھر ان ہی عورتوں کو نیا طرب بنا کر زینجا یہ کیا کہنے  
بیٹھی ہے کہ ”مین اسے بہت پسلاتی ہوں لیکن یہ نہیں مانتا“ کیا مجلس مین جواب تک کارروائی  
ہوئی تھی، وہ اسی لئے بہنیں ہوئی تھی، حقیقت یہ ہے کہ جو تفسیر کو سامنے رکھنے کے بعد زینجا  
کا یہ جملہ بالکل پہل سا نظر آتا ہے، اور یہ سارا قصور اسکا ہے کہ ہمارے مفسر صاحب نے خواہ  
مخواہ استعصام کے علم کو ان عورتوں کے سر تھوپ دیا ہے، ورنہ قدامت مفسرین نے قصہ کی جو  
ترتیب کہی ہے، ان سے یہ بے ربط بیان بالکل پیدا نہیں ہوتا

(۲)

زینجا یہ کہہ کر کہ ”یہ نہیں مانتا“ یوسف علیہ السلام کو دہکی دیتی ہے،  
وان لم يفعل ما أمرہ لیجنن ولیکونا اگر اس نے وہ نہیں کیا جسا کہ میں حکم دیتی ہوں تو  
من الصاغریں یہ فیک کیا جائیگا اور ذلیل تو گون میں ہو جائے گا۔  
یوسف اس دہکی کو سکر لیا ایک پیچ اٹھتے ہیں، اور یعقوب کے خدا کو پکارنے لگتے ہیں۔  
سواہ السحاب احب الی صا یلعو اے میرے پردہ گار! قید خانہ مجھے گوارا ہو اس سے  
ننی الیہ وان تصرف عنی جہر ہو عورتیں مجھے ملاتی ہیں، اور اگر آپ ان باتوں

گمید من احب الیھن و اکن دور نہیں فرمایا، تو میں انکی طرف مائل ہو جاؤ گا  
من الحباہلین، اور جاہلون میں ہو جاؤ گا،

ذرا دیکھنا، یوسفؑ پر ایک عورت انہیں چند عورتیں اور پھر وہ بھی مصر کی مشاق شاطرہ  
عورتیں، ہر چار طرف سے یوسفؑ کو گھیرتی ہیں، خدا اجائے کن کن طریقوں سے انکو اپنی طرف  
رہجھاتی ہیں، اور اخیر میں یہ کہ چہرے لے لے کر اپنے ہاتھوں کو لہو لہان کر لیتی ہیں اور پھر  
اس دائمی جرم کو بنا کر اب کہتی ہیں کہ ”دیکھ مان جا، ورنہ ہم ان زخموں کو دکھا کر تجھے مجرم  
بھائیگے، سزا دلائیگے“ اللہ اللہ اسوقت تو یوسفؑ بالکل خاموش ساکت و صامت بنے  
کھڑے رہتے ہیں، نہ چیختے ہیں، نہ چلاتے ہیں، نہ اپنے خدا کو پکارتے ہیں، کچھ نہیں، لیکن جب  
وہ عورتیں ہتھک کر بیٹھ جاتی ہیں اور زلیخاؑ اسے اپنا دکھاروٹے بیٹھتی ہے اور اسی سلسلہ  
میں ضمنی طور پر انکو بغیر کسی سازشی ثبوت کے یوں ہی دھکی دینی ہے کہ میں تجھے قید کر دوں گی یا  
رسوا کر دوں گی، تو کیا ایک آپ بیچ اٹھتے ہیں، اور اپنے کو اس درجہ لے تا ہوا پاتے ہیں کہ خدا کو  
اپنا یہ آخری بیباک بیچنا دیتے ہیں کہ اگر آپ نے مجھے نہیں بچایا تو میں انکی طرف مائل ہو کر  
جہالت کی باتیں کر گذروں گا،

انکی یہ دعا، کس قدر بے محل اور بے موقع معلوم ہوتی ہے؟ اور یہ ساری غرابی اسکی  
ہے کہ تفسیر جدید میں خواہ مخواہ یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ یوسفؑ کو ان عورتوں نے بھی دھکیا  
دی، یقیناً، پھر حال یوسفؑ کا زلیخاؑ کی دھکی کے بعد دعا کرنا اس بات کو چاہتا ہے کہ اس سے  
پہلے آپ اس مجلس میں کسی قسم کی دھکی وغیرہ نہیں دی گئی اور یہی اقدس رحمہم اللہ جمیع  
کا خیال عالی ہے۔ ورنہ اسی دعا کو بچائے زلیخاؑ کی دھکی کے زمانہ مصر کی ہنگامہ آرائیوں کے بعد  
ہونا چاہیے تھا۔

اب یہی یہ بات کہ حضرت یوسفؑ نے اپنی دعا میں جیسے کا صیغہ استعمال فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کید میں تمام عورتیں شریک تھیں،

لاشبہ اب معلوم ہوتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کید قطعید وغیرہ تھا، اسکا بھی کوئی ثبوت ہے؟ ہم کہہ سکتے ہیں جیسا کہ امام رازی کا بھی خیال ہے اور خود دعا کا زنجیر کی دھمکی کے بعد دفع ہونا اسکو چاہتا ہے کہ جب زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو قید اور ذلت کی دھمکی دی تو زمان مصر حکم زنجیر کی مجبوریوں پر رحم اچکا تھا، اور بجلی ملاست اب عنایت سے بد لگائی مئی اسی طرح یوسفؑ کے مصمصا جن دلکش، نبوی کشش و جذبے بھی انپر اثر کیا، اسکا لازمی نتیجہ ہونا چاہئے، کہ وہ یوسف علیہ السلام کو سمجھا لیں، اور قرینہ چاہتا ہے کہ انھوں نے یوسف علیہ السلام کو کہا ہو گا کہ میان لڑکے! دیکھو اپنی ضد سے باز آؤ، اپنے اوپر رحم کرو، ورنہ یہ دیوانی عورت خدا جانے تمہارے ساتھ کیا کچھ کر گزدرے، تم اب مجبوریوں کے حکم میں ہو، اور حالت مجبوری میں تو ناجائز سے ناجائز چیز بھی انسان کے لئے جائز ہو جاتی ہے جب اس قسم کے خطرہ میں آدمی مبتلا ہو جاتا ہے، تو اسوقت اسکے فعل پر مواخذہ نہیں ہوتا الی غیر ذلک

واقعہ یہ ہے، کہ یوسفؑ کی وہ دعا اور خداوند تعالیٰ کو اس یاس انگیز انداز سے پکارنا کہ لگو اپنے نہیں بچا تو میں گیا، ناممکن ہے کہ بغیر اس قسم کی کیا دیون کے وقوع پذیر ہو، قوتوں ددوع کی قوت جذبات کے ہيجان کو تہام سکتی تھی، اور عفاقی ہے لیکن عقل پر جب حملہ ہو جاتا ہے، اور وہ مغلوب ہوئے لگتی ہے تو اسوقت انسان کی کوئی قوت اسے نہیں بچا سکتی، اسوقت وہ صرف بشریت سے بالاتر قوت کا محتاج ہو جاتا ہے،

اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کے محض جذبات کو مغلوب کرنے کی کوشش زلیخا کی طرف عمل میں آ رہی تھی، جیسا کہ قصہ کے اجزاء سابقہ سے معلوم ہوتا ہے، لیکن اب جبکہ زلیخا

انکی قید کا فیصلہ کر چکتی ہے اور ہر طرح کی رسوائی پر آمادہ ہے، پھر یہ عورتیں حضرت یوسفؑ کی بھی خواہ بن کر انکی عقل سے یہ اپیل کرتی ہیں جسکا حاصل یہ تھا کہ انکامتین اتفاقاً بھی منالطہ میں آجائے، اور انکی عقل بھی درست نہ رہے، یہ وقت تھا کہ اب یوسفؑ اپنے کربا نکل خدا کے سپرد کر دیں، اور انھوں نے یہی کیا، انکا اخیر دعا میں من الجاہلین کہتا بھی یہی چاہتا ہے کہ اب اپنی علم و عقل کو مغلوب ہوتی ہوئی پارہے ہیں،

اس تشریح کے بعد دعا بھی ٹھیک سوتے پر آجاتی ہے اصب ایھن کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے یعنی میں انکی باتوں کی طرف مائل ہو جاؤں گا، کید میں یدعو لئلا وغیرہ کی جمعیت کا راز بھی واضح شکاف ہو جاتا ہے، اور نہ صرف یہی بلکہ آئندہ کلام میں حضرت یوسفؑ نے جو کبکد میں علیحدہ فرمایا اسکی تفسیر بھی معلوم ہو جاتی ہے پھر بادشاہ کے آدمی کا ان عورتوں سے اذرا و دقن بعینہ جمع کہنے کا بھی مطلب معلوم ہو جاتا ہے کہ جب تلو کون نے یوسفؑ علیہ السلام کو پھسلانا چاہا یہ اسلئے کہ گویا زلیخا کے لئے اب سب پھسل رہی تھیں، اور اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اگر یہ عورتیں اپنے لئے پھسلاتیں، ان کا پھسلنا زلیخا کے لئے ہنر تھا، تو خواہ مخواہ زلیخا کو اس کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ انارا و دتہ میں فساد گویا وہ بھی یہی بیان کرتی ہے کہ دراصل میں اسکو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی تھی، باقی ان عورتوں نے بھی جو مرادوت کی وہ بھی ہمارا لئے تھی، رہا قید خانہ سے نکلنے کے وقت حضرت یوسفؑ علیہ السلام نے ان عورتوں کو قطعاً یدلیھن سے کیوں موصوف کیا اور جبریل مفسر صاحب نے اس سے یہ سمجھنا چاہا ہے کہ حضرت یوسفؑ مجرم قطع میں قید خانہ لئے تھے اسلئے وہ اس کی تحقیق کا حکم دیتے ہیں اسکا جواب آئے آتے

فاسق اب لہ رہا یہ قصہ غہ پھر یوسف کے پروردگار نے اسکی دعا قبول کی  
کید من اور انکے کید کو دور فرمایا۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی وہ دعا مستجاب ہوئی، اب  
سوال یہ ہو کہ اگر ان عہد کی کید یعنی ساختہ زخم کی بدولت حضرت یوسفؑ کو زندان مصر  
کا منہ دیکھنا پڑا، تو پھر صرف کید کیا سنی؟ اور دعا مستجاب ہوئی تو کیا ہوئی؟

اس سے قطعاً معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت یوسفؑ کا قید خانہ جانا کسی اور وجہ سے واقع  
ہوا، جسکا پتہ اگرچہ چھوٹا ہو، تاہم اسقدر ضرور ہے، کہ مفسر جدید کی اختراعی زخم جنکو آنھوں  
نے عورتوں کا کید قرار دیا، یہ وجہ تو قطعاً نہ تھی، ورنہ قرآن مجید کی خبر میں صریح کذب  
کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔

علاوہ اسکے اگر حضرت یوسفؑ پر بھی مقدمہ دائر ہو گیا تھا، اور حکام کے سامنے  
یہ ثابت کر دیا گیا کہ اس کٹانی غلام نے شرفادہ بیان مصر کی خاتونوں پر ناجائز حملہ اٹھ  
کیا کہ آخرین پھری سے ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے، تو مین نہیں سمجھتا کہ حکومت فرعون یہ  
جونی اسرائیل کے مصوم بچوں کو تہ تیغ کرنے میں کبھی نہیں شرابی وہ اتنے قوی جرم  
کی سزا صرف لیسجنہ حتی حین دیتی ہے، جسکا مطلب یہ ہے کہ میعاد مقررہ تک  
وہ قید کی سزا بھگتیں، حالانکہ فرار میں کا مقتضی یہی ہے کہ ایسے غلاموں (جو اپنی جان

لے سکتے ہیں) اور جیسا کہ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد یوسفؑ علیہ السلام کے حسن کا چرچا اور کمال  
ان عورتوں نے اپنے چشم دید حالات بیان کرنے شروع کئے، فتنہ کا خوف ہوا پھر زلیخا کی طبیعت میں سکون

پیدا کرنا بھی منظور تھا، ساتھ اسکے یہ بھی سمجھا گیا کہ کچھ دنوں کے لئے اگر یوسفؑ امارت سے نکال کر قید خانہ  
بھجودے جائینگے، تو انکے روز افزون حسن میں کوئی کمی واقع ہوگی وغیرہ یہ دیکھ ہال کر مصریوں نے ایک قید خانہ

کے مالک نہیں ہوتے تھے) کو قتل سے فرد ترسزا دیتی، خلافت عقل ہے اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ زخم بنانا تیار تھا، اور مقدمہ بھی عصمت درمی کا، اور ایک عورت کا ہنہین چند کا، دعویٰ علیہ بچار غلام، اسکی مالک زنجیار (جس سے پالاش کی اسید ہوتی) وہ اس پر دعوے دائر کرتی ہے، لیکن خدا اجالے حکام کیا سوچتے ہیں، کہ اولاً فیصلہ بھی اپنا ہکا دیتے ہیں اور ایک زمانے کے بعد دیتے ہیں جیسا کہ ثم بعدا و دلائل میں لفظ ثم کا مقتضی ہے بحالیکہ تراضی کی ظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی،

وہ آیات سے عورتوں کے زخم مراد لینے میں اسکا جواب دون، یا نفیس کر چپ جو ہون  
(۴)

اگر یوسف علیہ السلام کے اس جملہ

مَا بِالْأُنثَىٰ إِذَا قُتِلَتْ قُتِلَتْ  
ايدیکھن۔

کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ جن عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کے جرم میں مجھے فید خانہ بھیجا گیا ہے، انکا کیا حال ہے؟ تو بادشاہ کے قاصد کو ان عورتوں سے جا کر یہ پوچھنا چاہے تھا کہ کیا داعی یوسف علیہ السلام نے تمہاری عصمت پر حملہ کیا تھا، اور اسی بنا پر انھوں نے تمہارے ہاتھ کاٹے تھے؟ اسکے جواب میں اگر وہ عورتیں اپنے کئے پر پشیمان ہو چکی تھیں تو یہ کہنا چاہے تھا کہ ہمیں یوسف کا کوئی قصور نہیں، ہم نے سازش کر کے خود اپنے زخم بنائے تھے مگر قرآن مجید بجائے اس سلسلہ کے جو بات نقل کرتا ہے وہ یہی کہ قاصد ان سے پوچھتا ہے کہ تم یوسف کو جب پھسلار ہی تھیں، تو اسوقت اسکا کیا حال تھا؟ عورتیں جواب میں کہتی ہیں کہ ہم نے اس

میں کوئی برائی نہیں پائی۔

حالانکہ تفسیر جدید میں یوسف علیہ السلام کے سوال میں جو مطلب چھپایا گیا ہے اس سے ان جو ابون کو کیا تعلق؟

بلکہ ظاہر اسکا مطلب وہی ہے جو عالمہ مفسرین لکھتے ہیں کہ چونکہ یوسف علیہ السلام کے عمن کا چہرہ چھپیلو تو حکام وقت کو خطرہ ہوا کہ کہیں یوسفؑ کی بدولت کوئی فتنہ نہ پھیلے، شریف خاتونیں ہی کنعانی غلام کے ہاتھوں کہیں برباد نہوں، اور اسی لئے انکو جیل سپرد کر دیا حالانکہ یوسفؑ کا کیا قصور تھا بہستی جیل اگر ہو سکتی تھیں تو مصر کی عورتیں گھر بہر حال بدگمان ہو کر لوگوں نے انکو قید خانہ بھیج دیا تھا، اب جبکہ بادشاہ کی طرف سے اپنی رہائی کا پیغام آیا تو اپنے مناسب خیال کیا کہ اس بدگمانی کا ازالہ کر کے جیل سے باہر نکلون آئے خیاں فرمایا کہ پاکباز می کی شہادت ان عورتوں سے بڑھکر اور کون دے سکتی ہیں، جسکے ساتھ عزیز مصر کی بیوی نے اقرار کیا ہے۔ کہ

لقد سادفتہ عن نفسه  
میں اسکو اپنی طرف ہل کر ناچاہتی ہوں، لیکن  
فاستعصم، یہ بچتا رہا،

ان عورتوں کو خوب معلوم ہے کہ زانیہ نے مجھے کن کن طریقوں سے گھیرنا چاہا، مگر میں راضی نہیں ہوا تھا، نہ صرف زانیہ بلکہ ان عورتوں نے بھی مجھ اسوقت سمجھا لیا تھا مگر اسوقت میرے طرز عمل کو ان عورتوں نے خوب دیکھا تھا، بہر حال اسلئے اپنے ان عورتوں کا پتہ دیا اور اسی لئے قاصد نے بھی ان عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کی تحقیق نہیں کی، بلکہ یہ پوچھا کہ جب یوسف کو بھلا یا جا رہا تھا تو تم نے انکو کیسا پایا، انھوں نے سچا اظہار دیا، اور اسکی بعد زانیہ نے بھی کہہ دیا، کہ یوسفؑ کا کوئی قصور نہیں، بلکہ

انار او دستہ عن نفسه وانہ

یوسف چون میں رہا

لمن الصادقین

(۵)

جدید تفسیر میں حدیث انکں لصلوح یوسف سے بھی استدلال کیا گیا ہے، اسلئے  
میں بھی اسلئے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں،

بات یہ ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اہبات المؤمنین  
رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یوسف علیہ السلام کی ان عورتوں سے تشبیہ دی ہے، اب سوال وجہ  
تشبیہ میں ہے، ہمارے جدید مفسر صاحب کاجیال ہے کہ ان بیجا عورتوں نے یوسف علیہ السلام  
کو اپنے ساتھ بڑے فعل پر مجبور کرنا چاہا تھا اور اسلئے اہمہ کاٹ لیا کہ یہ آخری صورت یوسف  
کے خراب کرنے کی تھی، اور العیاذ باللہ اسی بہودہ اور فحش صفت کو آپ وجہ تشبیہ قرار  
دیکر آت قطعاً یدیکھن کا مطلب حسب دعا نکالنا جاتے ہیں، میں اس جرات و دلیری کے  
متعلق کچھ عرض نہیں کرتا، قالی اللہ المشتکی بانی ہمارے نزدیک تو یہ حدیث خود اس بات  
کی دلیل ہے کہ جب طرح ان عورتوں نے مجھا بجا کر حضرت یوسف کو امر حق سے روکنا چاہا تھا۔  
اسی طرح اہبات المؤمنین رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امر حق پر یعنی امامت  
ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باز رکھنا چاہا تھا، آپ نے اس مناسبت سے فرمایا، ”انکں  
لصلوح یوسف“ اور یہ تشبیہ بالکل صحیح ہے

هذا ما عندی فی اللہ یقول الحق وهو یجحدی سبیل



## فلسفہ معروج و نزول اسلام

### یا مسلمانوں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی

از مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق دارالافتاء

عالم کائنات کا ذرہ ذرہ تغیر و انقلاب کا پیکر ہے، پیر نیچا، فطرت جب آسمان کی بزمِ گلین  
میں ایک جامِ زرد نگار کو گردش دیتا ہے، ساقی بزمِ است جب شفق کی ارغوانی شراب سے  
نخمائے شب کو لیریز کرتا ہے، دریا جب جوش و غور کے عالم میں موجوں کے ذریعہ سے اپنی پیشانی پر  
بل ڈالتا ہے، حباب جب اپنی ہستی کے اعلان کے لئے سطحِ آب پر سر اٹھاتا ہے، پھول جب  
دورستی کی حالت میں اپنے گریبان کو چاک کرتا ہے، سرو و صنوبر جب شاہدِ ان جن کے جھرمٹ  
میں اپنی گردن کو بلند کرتے ہیں، موتی جب دریا کے باہر آکر اپنی آب و تاب سے چشمِ اختر کو خبر دے  
کرتا ہے، تو ان و لغزب مناظر کو دیکھ کر عالم کا ذرہ ذرہ رقص کرنے لگتا ہے، لیکن کیا یہ حالت  
ہمیشہ قائم رہتی ہے؟ نہیں، بلکہ آفتابِ زرد نگار چہرہ عاشق کی طرح زرد ہو جاتا ہے، گلوں و شفق  
کا فور کی طرح اڑ جاتا ہے، دریا کا بلِ حشیم ماہتاب کی حرفِ ایک گردش نکالتی ہے، حباب کا  
پیلا دیدہ عاشق کی طرح چپک جاتا ہے، پھول نشہِ رغبت کو کہو کر گردن مینا کی طرح جھک جاتا ہے  
سرو و صنوبر اپنی خوردبینی سے پشیمان ہو کر لپٹ ہو جاتے ہیں، موتی خاک کے ذرہ میں بدل کر  
اپنی آب و تاب کو کہو دیتا ہے،

عالمِ ادیات کی طرح عالمِ روحانی بھی تغیر و انقلاب کا منظر ہے، آسمان کا دور میل و نہار کی

گردش، زمانہ کے انقلابات اسکے ہر ہر ذرہ پر اثر کرتے ہیں، اور وہ ان سے نہایت شدت کے ساتھ متاثر ہوتا ہے، ایک قوم معمرہ ارض کے کسی گوشہ میں تعزذلت میں پڑی ہوتی ہے، فطرت کا ہاتھ اسکو گوشہ گنہاری سے کپنچ لاتا ہے، وہ اٹھتی ہے، اُبھرتی ہے، پھلتی ہے، پھولتی ہے اور پھر اپنی عمر طبعی کا زمانہ ختم کر کے ہمیشہ کے لئے پردہ عدم میں چپ جاتی ہے، مصری اُٹھے اور چہرہ کائنات کو اپنی تہذیب کے رنگ و روغن سے رنگین کر دیا، بابلی اُبھرے اور دنیا کے ذرہ ذرہ کو آفتاب تمدن کے نور سے چمکا دیا، فنیقی نیکے اور صلح سمندر کو اپنی بحری قوت کی نالشاہ بنادیا، یونانی آسے اور دنیا کو علوم و فنون سے بھر دیا، مسلمان اُٹھے اور عالم مادی کے قالب میں مذہب و اخلاق کے ذریعہ سے جان ڈال دی، لیکن کیا ان قوموں میں سے کوئی قوم بھی آج اپنی زندگی کا ثبوت پیش کر سکتی ہے؟ یقیناً نہیں کر سکتی، اور جب یہ تمام قومیں اپنی زندگی کا دور ختم کر چکی ہیں تو ہم کو اُن علل و اسباب کی جستجو کرنی چاہیئے، جنکو قوموں کی ترقی و منزل، عروج و زوال اور تغیر و انقلاب میں حقیقی طور پر دخل ہوتا ہے،

دنیا کی تمام قوموں کی طرح مسلمانوں کی ترقی و منزل کے بھی کچھ اسباب ہیں جنکو علماء اسلام نے مختلف پیرایہ میں بیان کیا ہے، اور اگرچہ ابن سکویہ نے اسلام کے قرنِ اول کو سلسلہ علت و معلول سے الگ رکھا ہے تاہم اسکے نزدیک بھی زمانہ مابعد کے واقعات اسی سلسلہ میں داخل ہیں کیونکہ

”دنیا کے واقعات ایک دوسرے سے جڑے جڑے ہیں اور اسکے واقعات میں نہایت تسلسلہ“

اس بنا پر ضرورت ہے کہ اسلام کی ترقی و منزل کے علل و اسباب پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی جائے، علم الاجتماع کے علماء کا قول ہے کہ قوموں کی ترقی و منزل کا اصلی راز ان کے عقائد و

و تربیت میں مضمحل ہوتا ہے، چنانچہ جس قوم کا نظام تربیت اعلیٰ اور مکمل ہوتا ہے وہ ترقی کے تمام مدارج طے کر سکتی ہے، بخلاف اسکے جن قوموں کا نظام تربیت ناقص ہوتا ہے وہ ان اعلیٰ مدارج تک نہیں پہنچ سکتیں، اس لئے

اگر مسئلہ اجتماع کی طرف ایک لفظ میں تھیں کیجائے تو اس کا محور تربیت ہی قرار پاتی ہے، کیونکہ مسئلہ اجتماع کے حل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان دنیا کے ان جدید حالات کو محسوس کرے جو اس کو کسب معاش پر قادر بنانا چاہتے ہیں، کیونکہ وہ قدیم وسائل جن سے انسان کام لینے کا عادی ہے، اب بالکل بیکار و ناکافی ہو گئے ہیں، اور ہمارا قدم ایک ایسے زمانہ کی طرف بڑھ رہا ہے، جہاں یہ گیر نہایت نیا یا ان صورت میں نظر آئے گا خواہ ان سادات حاصل ہو یا شقاوت، لیکن یہ کشمکش اس وجہ سے پیدا ہوگی کہ ہمارے قدیم طریقہ تربیت اور حالات جدیدہ کے اقتضائیں سخت تضاد پایا جاتا ہے۔

لیکن درحقیقت کسی قوم کا نظام تربیت اس کی ترقی و تنزل کی علت تمامہ نہیں بن سکتا کیونکہ تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے اگرچہ اوصاف عقلیہ میں کئی قدر تغیر پیدا ہو سکتا ہے لیکن اخلاقی محاسن پر تربیت کا کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ سچ ہے کہ جو لوگ ضعیف القلب اور ضعیف الارادہ ہوتے ہیں ان کے اخلاق پر تربیت کا اثر پڑ جاتا ہے، لیکن اس قسم کی نرم اور اثر پذیر طبیعت صرف قوم کے افراد کی ہو سکتی ہے، خود قوم میں مجموعی حیثیت سے کسا وجود نہیں پایا جاتا۔

اس بنا پر قوموں کی ترقی و تنزل کی اصلی علت خود ان کا مدارج عقلی ہے جو زندگی کے سیکڑوں برس کی گردش کے بعد پیدا ہوتا ہے، اور جہاں اعراض جہانگیر کی طرح استقلال، استحکام اور

پائیداری پائی جاتی ہے، یہ مزاج چند نفسانی عناصر سے مرکب ہوتا ہے جنہیں بعض اخلاق سے اور بعض دماغ یعنی ذہانت و طباعی سے متعلق ہوتے ہیں،

اخلاق کی تولید صرف چند عناصر مخصوصہ کے امتزاج و ترکیب سے ہوتی ہے، جنکو علم النفس کی اصطلاح میں احساس اور شعور کہتے ہیں ان میں ملکات ارادیہ مثلاً اقدام، عزم اور ضبط نفس کو اخلاق کی تولید میں سب سے زیادہ دخل ہے، . . . . .  
. . . . . اخلاق کی تولید کا ایک موثر سبب ادب یعنی قدیم قومی نظام کا وہ احترام بھی ہے جس پر قومی زندگی کا دار و مدار ہے۔

یہی وہ اخلاقی محاسن ہیں جن پر تریسیت کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اور جس پر قومی زندگی کی بنیاد قائم ہوتی ہے بخلاف اسکے وہ نفسانی عناصر جن کا تعلق عقل اور دماغ سے ہوتا ہے، مثلاً تعقل اور غور و خوض وغیرہ تو انکی سطح پر نہ جماعت انسانی کا نظام قائم ہو سکتا ہے، نہ کسی مذہب کی بنیاد ڈالی جاسکتی ہے اور نہ وہ سلطنتوں کی ترقی کا معیار قرار دیئے جاسکتے ہیں، اس بنا پر قومی زندگی میں انکا حصہ بہت کم ہے، ایسی وجہ ہے کہ موسیور یونے عقلی انقلابات میں ذہانت کو دوسرے درجہ کا انقلاب بنالیا ہے کیونکہ

تمام قومیں اخلاق ہی کے ذریعہ سے حس و حرکت کر لیں اور صرف غور و فکر کرنے سے دنیا کا کام نہیں چلتا۔

اور یہی وجہ ہے کہ ان میں تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے کیسے قدر تغیر پیدا ہو سکتا ہو کیونکہ وہ قوم کی فصل میز بنیں ہوتے بلکہ فصل میں صرف اسکا اخلاق ہوتا ہے جو کبھی بہن بدلتا، جب کوئی قوم اپنے دور تکوین سے گذر جاتی ہے تو اسکے اخلاق میں استحکام پیدا ہوتا ہے

یعنی اسکے تمام فرقوں کی اخلاقی خصوصیات ملت کر ایک جدید متحدہ نظام اخلاق قائم ہوتا ہے جو ان کے جذبات، خیالات، اور احساسات کو متحد کر دیتا ہے، اور جب یہ اتحاد دورِ بعدِ کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس سے حسب ذیل اصول پیدا ہوتے ہیں،

(۱) قوم کا احساس عام ہو جاتا ہے

(۲) فواید عام ہو جاتے ہیں،

(۳) عقاید عام ہو جاتے ہیں،

”اور دنیا میں جب کوئی قوم اتحاد و امتزاج کے اس درجہ پر پہنچ جاتی ہے تو خود بخود غیر محسوس طور پر تمام افراد اپنے فواید میں متحد ہو جاتے ہیں، اور منازعات و مخالفت کے اسباب کا قلع و قمع ہو جاتا ہے، جذبات، خیالات، عقاید و منافع عامہ کا اتحاد ایک ایسی چیز ہے جو مزاج عقلی کے اتحاد کو مستقل اور پائدار بنادیتا ہے اور اسکے ذریعہ سے ہر قوم تسلط عام حاصل کر لیتی ہے“

چنانچہ مسلمانوں کو ایسی بدولت خلافت راشدہ کے زمانہ میں عروج حاصل ہوا تھا کیونکہ ان کے اساسی اخلاق مثلاً اتمام، عزم، شجاعت، جاننازی، اور ضبط نفس میں استحکام اور استواری پیدا ہو گئی تھی، عدنانیوں اور قبطانیوں کی اخلاقی خصوصیات ملت گئی تھیں اور ان کے بجائے ایک اسلامی نظام اخلاق قائم ہو گیا تھا جس نے تمام عرب کے جذبات و احساسات کو متحد کر دیا تھا اور یہ اتحاد اس قدر گران قیمت تھا کہ خدا نے خود رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا،

وَأَنْفَقْتُ مَالِي فِي الْأَرْضِ جِيعًا مَّا  
اَلْهَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ  
اگر تم زمین کی تمام دولت صرف کر دے تب بھی ان کے  
دلوں کو متحد نہیں کر سکتے،

اس بنا پر اسکی بددلت عربوں میں وہ اصول ثلاثہ پیدا ہوئے جن سے انکی روح پیدا ہوئی ہے  
یعنی ان کا (۱)، احساس عام ہو گیا، (۲)، انکے فوائد عام ہو گئے، (۳)، اور انکے عقاید عام ہو گئے،  
اور اس اتحاد و امتزاج نے خود بخود انکے فوائد کو متحد کر دیا، اور منازعات و خصامات کے  
اسباب معدوم ہو گئے، کیونکہ عرب کے جذبات، خیالات، عقاید اور منافع عامہ کو مذہب نے  
متحد کیا تھا، اور

جب دنیا کو چور کر دو گون کا رخ خدا کی طرف ہوتا ہے تو ان کا مقصد متحد ہونا ہی  
رشک و حسد کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اختلافات کم ہو جاتے ہیں، طریقہ امداد و اعانت  
اور اتحاد میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے،

اور یہی چیزیں ہیں جو مزاج عقلی کے اتحاد کو مستقل اور پائدار بنا دیتی ہیں، چنانچہ اسی استقلال اور  
پائداری کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ اہل عرب نے تسلط عام حاصل کر لیا، اور وہ دنیا کے چپے چپے میں  
پھیل گئے،

لیکن جب نظام اخلاق میں اتبری واقع ہوتی ہے، تو خود مزاج عقلی بھی متغیر ہو جاتا ہے،  
جس سے قوموں کے تنزل اور انحطاط کا زمانہ شروع ہوتا ہے، لیکن یہ انحطاط مختلف صورتوں  
میں نمایاں ہوتا ہے، ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ

مزاج عقلی اپنے اندر اخلاقی تفسیرات کی ایک ایسی مخفی قابلیت رکھتا ہے جو اکثر اوقات  
اگرچہ حالات کی ناسعدت سے ظاہر نہیں ہوتی، لیکن جب موافق حالات جمع  
ہو جائیں تو اس کا ظہور ہوتا ہے، اور اسوقت قوم ایک نئے قالب میں دنیا کے  
سائیں نمایاں ہوتی ہے لیکن قومی اخلاق کا یہ انقلاب فوری اور وقتی اسباب کا نتیجہ ہوتا ہے

جس سے اساسی اخلاقی مین کوئی تئیر نہیں پیدا ہوتا، بلکہ اس سے صرف وہ اخلاق متاثر ہوتے ہیں جو اساسی اخلاق کے حریف مقابل میں، اور جن میں خاص طور پر انقلاب و تغیر کی قابلیت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اسلام کی تاریخ میں بنو امیہ اور بنو عباس کو اسکی مثال میں پیش کیا جاسکتا ہے، جنکے زمانہ میں اگرچہ اساسی اخلاقی مین کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوا تھا، تاہم ان کے مظاہر میں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی، بخلاف اسکے تنزل و انحطاط کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ خود اساسی اخلاق میں انقلاب پیدا ہوتا ہے، یہ قوموں کے تنزل کی آخری صورت ہے، اور بد قسمتی سے آج سلمان اسی کے حدود سے گزر رہے ہیں،

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ مزاج عقلی مین قوم کی حیثانی ترکیب، رنگ و روپ، اڈیل ڈول اور خط و خال کی طرح استحکام اور پائیداری پائی جاتی ہے، لیکن

”اس سے یہ نہ بچنا چاہیے کہ قوم کے نفسانی اخلاق میں تغیر و تبدل کی سرے سے صلاحیت ہی نہیں ہے۔“

بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو کو وہ اعراض جسمانیہ کی طرح مستقل اور مستحکم ہوتے ہیں، اسلئے ان میں تغیر و انقلاب کا ظہور بھی ایک طویل زمانہ کے بعد ہوتا ہے، اسی بنا پر کسی قوم کا نظام اخلاق مدوں کے بعد بدلتا ہے، لیکن جب ان میں تغیر واقع ہو جاتا ہے تو دفعۃً متذیب و تمدن کی بنیادیں ہل جاتی ہیں، اسوقت قوم کو اپنے حالات، رسوم، اور نظام میں خلک پیدا ہوتا ہے، اور وہ ان کلیات کو چھوڑ کر دوسرے کلیات اور اصول قائم کرتی ہے، اسکے ملکات ارادیہ یعنی اقدام، عزم، اور ضبط نفس پر ضعف و انحطال طاری ہو جاتا ہے، وہ قدیم قومی نظام کا احترام چھوڑ دیتی ہے اسکے دوسرے اخلاقی محاسن مثلاً شجاعت و غیرہ اپنا عمل استعمال مفقود پا کر فنا ہو جاتے ہیں، اسکے

لے انقلاب الائم صفحہ ۲۱،

مزاج کے نفسانی عناصر میں غور و فکر اور عقل کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے، جس سے اسکی تمدنی حس و حرکت متوقف ہو جاتی ہے، اب اسکے اخلاقی میں تزلزل پیدا ہو جاتا، اسکے جذبات و خیالات مختلف ہو جاتے ہیں اور اسکے احساسات، اسکے فواید اور اسکے عقاید میں تمیم نہیں باقی رہتی، کیونکہ

جب کوئی قوم تہذیب و تمدن کے زیر سے آراستہ اور نفوذ و قوت کے ہتھیار سے مسلح ہو جاتی ہے اور اسکو ہمسایہ قوم کے حملے کا خطرہ نہیں رہتا تو وہ نہایت عیش و طرب کے ساتھ جو دولت کا لازمی نتیجہ بن کر زندگی بسر کرنے لگتی ہے، اسلئے اسکے تمام فوجی محاسن برباد ہو جاتے ہیں تمدنی ترقی کے ساتھ اسکی ضروریات میں اضافہ ہو جاتا ہے، ہر شخص کے دل میں خود غرضی اپنا قدم جمالیتی ہے، اور اسکا صحیح فکرو صرف یہ ہوتا ہے کہ جو مال و دولت اسکے ہاتھ آئے اس سے نہایت عورت کے ساتھ ذاتی فائدہ اٹھائے، اس بنا پر تمام قوم عام مصالح سے اعراض کرنے لگتی ہے اور قوم کے وہ تمام اخلاقی محاسن فنا ہو جاتے ہیں جو اسکی عظمت کا حقیقی سبب تھے۔

اور جب کسی قوم کا تنزل اس حد تک پہنچ جاتا ہے تو وہ بہت جلد فنا ہو جاتی ہے کیونکہ وہ قوم میں جو اخلاقی طاقت میں اس سے زیادہ قوی ہوتی ہیں اسپر لوٹ لوٹ کر گر کر رہ جاتے ہیں اور اسکے تمدن کو لگ جاتی ہیں آج مسلمانوں کی اچھین یہی حالت ہے، انکے مزاج کے تمام اخلاقی عناصر فنا ہو چکے ہیں اور انکی جگہ عقل و ذہانت نے لی ہے اسلئے انکے تمام مظاہر تمدن پر آثار فنا طاری ہو گئے ہیں کیونکہ انھوں نے اصول کو چھوڑ دیا ہے اور

”ہر نظام اصول ہی سے متحرک ہوتا ہے، اور جب ناک مقدمات کا وجود نہ ہو، نتیجہ کا وجود نہیں ہو سکتا اصول و حقیقت کائنات کے اندر دلی اثرات کا نتیجہ ہوتے ہیں اسلئے اگر وہ فنا ہو جائیں تو تمدن اور نظام حکومت کی تمام بنیادیں تزلزل ہو جائیں اس لحاظ سے قوموں کے اٹھنا و اترنا کا سخت ترین زمانہ ہوتا ہے جب اصول اور عقاید ساتھ ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کر دیئے جاتے ہیں“

اور آج مسلمانوں کے ہر گروہ میں یہ مقبرہ تیار ہو گیا ہے،



# تَحْقِیْق و تَبْصُرہ

## ایک عظیم الشان کتب خانہ

بمجلہ ان چند کتب خانوں کے جو اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ شہرت رکھتے ہیں آکسفورڈ کی بوڈلین لائبریری بھی ہے، بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی کی عظمت کا اصلی راز اسی کتب خانہ کا وجود انبار سندس ڈائریکٹر میں مشر و ملکنسن نے اس کے متعلق بعض معلومات تفصیل سے قلمبند کئے ہیں اس کے ضروری اقتباسات ہدیہ نظر ہیں۔

سولہویں صدی عیسوی کے آخر میں انگلستان کے ایک نامور فرزند سر ٹامس بوڈلی تھے، انہیں نے سترہویں اس کتب خانہ کی بنیاد دو ہزار کتابوں سے ڈالی، چند سال کے بعد ششپن کتب خانہ اور حکومت برطانیہ سے معاہدہ ہو گیا، کہ مملکت برطانیہ میں جتنی کتابیں طبع ہونگی، سب کا ایک ایک نسخہ اس کتب خانہ کو بھی ملیگا، اس معاہدہ کے رد سے اب تقریباً پچاس ہزار کتابیں سالانہ اس کتب خانہ و مختلف مطالع سے ملنے لگیں،

کتب خانہ کی موجودہ عمارت دراصل ایک سلسلہ عمارات ہے جس کے مختلف حصوں میں مختلف علوم و فنون کے ذخیرے محفوظ ہیں، کتب مطبوعہ کی مجموعی تعداد اس وقت دس لاکھ سے متجاوز ہے اس کے علاوہ چالیس ہزار قلمی نسخے ہیں، جن میں دو ہزار یونانی و لاطینی زبانوں میں ہیں، اور سات ہزار مشرقی زبانوں میں کتابوں کی تعداد کے لحاظ سے اس کتب خانہ کا منیر مملکت برطانیہ میں صرف لندن میوزیم کے بعد ہے، اور مملکت برطانیہ کے علاوہ تمام دنیا میں اس بڑے کتب خانے صرف پانچ ہیں، ایک رومہ کا کتب خانہ، پلوپ، دوسرے پیرس کی نیشنل لائبریری، تیسرے امریکہ کی کانگریس لائبریری،

چوتھے برلن کا شاہی کتب خانہ، اور پانچویں پٹرورگ کا قدیم کتب خانہ،

کتب خانہ کا افسر اعلیٰ ہتھم کتب خانہ ہے، اسکی ماتحتی میں دو نائب ہتھم ہیں، اور بارہ اور مددگار ہتھم ہیں،  
میں چیراسی ہیں جنکا کام محض کتابوں کو الماریوں سے نکالنا اور رکھنا ہے، اور متعدد دفتری غیرو  
مختلف کاریگر دن کا عملہ رہتا ہے، اس عملہ کی مجموعی تعداد ستر افراد سے کم نہیں کتابوں کی فرست  
کی ترتیب و تہذیب ہر وقت جاری رہتی ہے، اور چونکہ ہر روز جدید کتابوں کا داخلہ ہوتا رہتا ہے  
اسلئے آج کی کل فرست کل ناقص ہو جاتی ہے،

مطالعہ کرنے والوں اور کتب خانہ سے مستفید ہونے والوں کی تعداد میں بھی روز افزون اضافہ  
ہوتا رہتا ہے، چنانچہ مسئلہ تک ناظرین کتب کا جو واسطہ تھا، اسکے مقابلہ میں سلسلہ میں پورے  
ایک ہزار کی بیشی ہوئی!

لیکن باوجود اس قدر اہتمام و وسعت کے کتب خانہ کی آمدنی نہایت محدود ہے، یعنی کل ۲۰ ہزار  
پونڈ سالانہ، اور انھیں لیکہ لندن میوزیم لائبریری کی آمدنی ایک لاکھ پونڈ سے کم نہیں، اس محدود  
آمدنی کا ۹ فیصدی حصہ ملازمین کی تنخواہوں، عمارت کی ضروریات اور دفتری خانہ وغیرہ کی  
مدات میں نکل جاتا ہے، باقی پانچ فیصدی جو بچ رہتا ہے وہ بیرونی کتب کی خرید کے لئے بھجائی  
اور ظاہر ہے کہ اتنے سرمایہ سے کہا شک خرید ہو سکتی ہے نتیجہ یہ ہے کہ برطانیہ کے باہر کی کچھ ہوئی  
کتابیں جو عموماً دوسری زبانوں کی ہیں، نسبتاً قلیل تعداد میں ہیں، جو اتنی بڑی لائبریری کے  
مرتبہ کے مقابلہ میں بہت ہی کم معلوم ہوتی ہیں، انتظامی کمیٹی اس کوشش میں ہے کہ جلد سے جلد اس  
داع کو بھی دور کرے، چنانچہ اسکی طرف سے قوم کی خدمت میں ایک لاکھ پونڈ کے سرمایہ کے لئے مرقعہ  
کیا گیا ہے، اگر اس قدر سرمایہ مخصوص اسی مد کے لئے محفوظ رہے تو اسکے منافع سے کتب خانہ کا یہ شبہ بھی اپنے  
کمال کو پہنچ سکتا ہے، اتنی رقم کا فراہم کر دینا برطانیہ کے باہمت افراد کے لئے معمولی بات ہے۔



عناصر تجربی ہی میں ہونا چاہیے،

(۲) دوسرے یہ کہ مادیات و طبیعیات کی طرح کائنات نفسی میں بھی بخت و اتفاق کی کوئی گنجائش نہیں، بلکہ جو کچھ ہوتا ہے سب علت و معلول کے سلسلہ میں وابستہ ہوتا ہے، اس بنا پر ذہنی کیفیت خواہ وہ بظاہر کیسی ہی نامعقول بلکہ مجنونانہ ہی معلوم ہو، ضرور کسی نہ کسی پچھلے تجربہ نفسی کی معلول ہوگی، ہر دو اصول بالاکو ملحوظ رکھنے کے بعد فریڈلڈ کہتا ہے کہ ہر خواب دو طرح کے اجزاء سے مرکب ہوتا ہے، ایک اجزاء ظاہری، دوسرے اجزاء مخفی، عموماً جب لوگ اپنا خواب بیان کرنے بیٹھے ہیں تو انہیں اجزاء ظاہری کو حکاک و اضافہ کے ساتھ بیان کرتے ہیں، لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے تو یہ اجزاء ظاہری مظاہر ہوتے ہیں، ان اجزاء مخفیہ کے جو شعور مخفی میں کام کرتے ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح کہ جیسے پارلیمنٹ کا ایک ممبر نمائندہ ہوتا ہے اس راسے کا جو اسکے حلقہ انتخاب کنندہ کی ہوتی ہے،

فریڈلڈ کا دعویٰ ہے کہ خواب کے تمام مناظر خواہ وہ پوری طرح پہلے تجربہ میں آچکے ہوں، خواہ وہ کسی جدید مرکب کی شکل میں رونما ہوں، بہر حال ہوتے ہیں گزشتہ یادداشتوں ہی کا مجموعہ اور ان کا یہ اجتماع اصول و قوانین کے ماتحت ہوتا ہے، اسی طرح کہ جیسے بیداری کے عالم میں شعور جلی کے تحت میں نفس کی فعلیت ہوتی رہتی ہے،

نفس کی ساری فعلیت قانون ایٹلاف کے تابع ہے، مگر ایٹلاف کی دو صورتیں ہیں ایٹلاف منضبط، اور ایٹلاف منتشر، صحیح الحواس انسان عموماً اول الذکر کے ماتحت سوچتا ہے اور فائز ایشکل کا داغ آخر الذکر کا پابند رہتا ہے، فرض کرو اس وقت ہمارے سامنے گلابی رنگ کا جاذب کاغذ رکھا ہوا ہے، ایک صحیح الحواس شخص اسے دیکھ کر کہے گا کہ اسکا رنگ گلابی ہے، اسکی دیباخت اسقدر کہ اس میں روشنائی کو جذب کر لینے کی قوت ہے، یہ فلان کا خانہ میں تیار ہوا ہے فلان قیمت کو

مل سکتا ہے، وغیرہ، لیکن ایک فائز العقل کی زبان سے اسے دیکھ کر ممکن ہے یہ الفاظ نکلیں،  
گلابی، باغ، ہریالی، مولوی نذیر احمد، حیرت، کر بلا، لالہ جارج،

اس مثال میں دونوں دماغوں نے قانون امتیاز ہی کی ماتحتی میں کام کیا، فرق صرف  
یہ ہے کہ اول الذکر نے جاذب کو اپنا مرکز بنائے رکھا، اور آخر الذکر نے کسی شے کو اپنا مستقل  
مرکز نہیں رکھا، بلکہ مختلف امتیازات میں سے بلا لحاظ مقصد کسی ایک کو چن لیا،

ہر انسانی دماغ بیداری کی حالت میں آخر الذکر اصول پر مبنی برابر کام کرتا رہتا ہے،  
لیکن شعور کا اصلی فرض یہ ہے کہ نظم و ترتیب پیدا کرتا رہے، اور جو امتیازات، ماتحتیہ سے  
غیر متعلق ذہن کے سامنے آتے رہتے ہیں، انہیں دفع کرتا رہے، حالت خواب میں چونکہ شعور کی  
حکومت معطل ہو جاتی ہے، اور بجائے اسکے شعور فی الحال تسلط ہو جاتا ہے، امتیازات میں انقباض  
نہیں باقی رہ جاتا، اور ذہن کے سامنے از خود حسی یا دواستین تازہ ہو جاتی ہیں، وہ سب بدستور  
تاکم رہ جاتی ہیں،

خواب میں انسان کن پیرمون کو دیکھتا ہے؟ اسکے جواب میں فریڈ وکھتا ہے کہ خواب  
نام ہے بیداری میں نہ برانے والی آرزوں کے برانے کا۔ اور آرزو کو وہ نہایت وسیع معنی میں  
فیتا ہے، جسکے تحت میں ہر طرح کے جذبات، احساسات، خیالات، افکار و عواکم آجاتے ہیں  
فرض کرو یہیں کسی ایسی عورت کے ساتھ محبت پیدا ہوئی جسکے ساتھ عقدہ کا کوئی امکان ہی نہیں  
حالت بیداری میں ہم عقل سے کام لیکر ایسے ہمال خیال کو بھراپنے دماغ سے نکال دیتے ہیں  
لیکن حالت خواب میں جب شعور کے قوائے عقلیہ معطل ہوتے ہیں، اس آرزو سے مخفی کو  
بلے روک ٹوک بردست کار آنے کا موقع ملتا ہے اور ہم یہ دیکھنے لگتے ہیں کہ اسکے ساتھ  
نکاح ہو گیا ہے،

ڈراؤنے خواب جن سے ہم چونک پڑتے ہیں، ان میں بھی فریوڈ کے اصول کے مطابق ہم انہیں وحشت ناک چیزوں سے دوچار ہوتے ہیں، جسکی طرف سے ہمیں حالت بیداری میں کبھی اندیشہ نہ چکا ہے، گو ہم نے قوت ارادی کی مدد سے کبھی اپنے تئیں دانستہ اُنکے خوف سے متاثر نہیں ہونے دیا ہے،

### سائنس کا تعلق حکومت سے

ہندوستان میں صنعتی کمیشن نے دو تین سال ہوئے جو تحقیقات کی تھی اور جسکی رپورٹ بھی کچھ روز ہوئے شائع ہو چکی ہے، اس نے بخلمہ اور مسائل کے ایک تجویز یہ بھی پیش کی ہے کہ ایک مستقل محکمہ سائنس برادر راست حکومت ہند کی ماتحتی میں قائم کیا جائے جو صنعت و حرفت سے متعلق ایجادات و اختراعات کرتا رہے، اس تجویز کی مخالفت میں انگلستان کے مشہور سائنسٹک رسالہ نیچرنے پر زور مضامین لکھے، اور انگلستان کے مشاہیر ماہرین سائنس سے اس باب میں استفتاء کیا، ان حضرات نے جو مضامین اس موضوع پر لکھے ہیں، ان میں سے بعض کے اقتباسات درج ذیل ہیں:-

ڈاکٹر بیٹسن، فیلو رائل سوسائٹی، جو علم الحیات کے مشہور ماہر ہیں، اور برٹش ایسوسی ایشن کی صدارت بھی کر چکے ہیں، کہتے ہیں کہ

سائنسٹک تحقیقات اور حکومت کے باہمی تعلقات عام اس سے کہ وہ حکومت ملکی ہو یا مذہبی، عطا و نادار ہی خوشگوار و پسندیدہ رہے ہیں، سائنس کو مدون ایک خوفناک اثر دیا سمجھا جاتا رہا، جسکا قتل کروایا جائے مجسوس رکھنا و اجابت سے ہوتا مگر اب جب سے یہ مجسوس ہوا ہے کہ اس جانور کو مطیع کر کے اسکے ذریعہ سے بہت سے

کام بھی لئے جاسکے ہیں، اسوقت سے دم دلا سہ دے دیکر اسکو رام کر لئی کو کٹیشن جاری  
لیکن درحقیقت ہمارے حق میں بہتر ہونا اگر ہمارے ساتھ وہی پیشتر والا سلوک قائم  
رکھا جاتا، ایسی حالت میں ہم سب کو پروفیسر سوڈی کی اس رائے سے اتفاق ہوگا،  
کہ انڈین انڈسٹریل کمیشن کی یہ تجویز صرف ہمارے غلامی کی تجویز ہے، ابھی دقت ہے  
اور ابھی ارباب حل عقد سے صاف صاف کہہ دینا چاہیے کہ ملازمت کن شرائط کو  
کوئی خود دار دیانت دار سائنٹفک شخص نہیں قبول کر سکتا۔

آگے چل کر ڈاکٹر حوصیف فرماتے ہیں کہ

اکتشاف و اختراع کا کام مثل فن، ادب، دیگر اعلیٰ اعمال ذہنی کے محض آزادی  
کی نشانی ہو سکتا ہے، علمی ترقی کسی تعین شاہراہ کی پابند نہیں رہ سکتی، اور ارباب  
حل عقد کا کوئی ایسی راہ متعین کرنا کام کر نیوالوں کی ذہانت و زندہ دلی کو ہلاک کر دیتا ہے  
کوئی شخص جو سائنٹفک اکتشافات کی ذرا بھی اہلیت رکھتا ہے، ہرگز ایسے کام کو  
ہاتھ نہیں لگایگا جسکی اشاعت کا دار و مدار محض افسر اعلیٰ کی خوشنودی مزاج پر ہے، ان  
شرائط و قیود کے ساتھ پیشک ایسے صنعتی مشاغل جاری رکھے جاسکتے ہیں، جبکہ مقصد  
کسی رقیب تجارت کو بچاؤ نہ دے، لیکن ان عظیم الشان مقاصد کے ساتھ جو حکومت  
ہند کے پیش نظر ہیں، ایجاد و اجتہاد کے کام کو جاری رکھنا ناممکن ہے۔

پروفیسر سیوارڈ، فیلو رائل سوسائٹی لکھتے ہیں :-

”حکومت ہند کی تجویز اس باب میں معنایہ حکم رکھتی ہے کہ سائنٹفک تحقیقات عام  
ذہنری اقتدار کے تسلط میں آجائے، اور حیرت یہ ہے کہ کمیشن کے سامنے بعض سائنٹفک  
تجربہ کاروں نے بھی ایسی تاہید کر دی، درحقیقت سائنٹفک کام کرنے والے اور ایجاد

واجتہاد میں کامیابی حاصل کرنے والے کے لئے شرط اول یہ ہے کہ اسے کامل آزادی  
 عمل حاصل ہو۔“

اسکے بعد پروفیسر موصوف کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ افسری و ماتحتی اور ملازمت کے  
 پورے قیود کے ساتھ کوئی بھی قابل کام کر نیوالا اپنی غلامی پر رضا مند نہیں ہو سکتا، حکومت کا  
 یہ بے بنیاد فرض ہے کہ کام کرنے والوں کی ہمت افزائی کرے، انہیں معقول معاوضہ دے،  
 انکی راہ میں سہولتیں بہم پہنچائے، لیکن اگر وہ عام دفتری ملازموں کی طرح انہیں اپنے گرفت  
 میں لانا چاہتی ہے تو کوئی صاحب فن اپنی آزادی نہیں فروخت کر سکتا،

پروفیسر سوڈھی، فیلو رائل سوسائٹی نے جو اس وقت علوم طبعیہ کے نامور اساتذہ میں ہیں،  
 درطبیعیات پر متعدد محققانہ کتب کے مصنف ہیں، ایک طویل مضمون اس بحث پر لکھا ہے  
 انہیں وہ فرماتے ہیں کہ حکومت ہند کی اس تجویز کی مخالفت میں جو صریحاً سائنس کو حکام ملکی  
 دیسائی کا غلام بنا دینا چاہتی ہے، اپنی منحدہ قوت صرف کرنا چاہیے، یہ خوب بات ہے کہ جو  
 لوگ اکتشافات و تحقیقات عالیہ کا کام کرتے ہیں انہیں محکوم بلکہ غلام بنا دیا جائے ان حضرات  
 کی گردش چشم کا، جو مسائل فن سے برائے نام واقفیت کے باوجود افسری کی بلند کرسیوں پر  
 ممتاز اور ہمیش بہا مشاہرہ دن سے سرفراز ہیں!

ایک اور ممتاز عالم لکھتے ہیں کہ حکومت ہند کی یہ تجویز نااہلی اور ناقابلیت کے لئے ایک  
 صلائے عام ہے،



## اِنَّا عَلَّمَکُم بِرَبِّکُمْ

ایوان وزارت ہند میں مشرقی کلام

ایوان وزارت ہند (لندن) میں پترادروہات پر مشرقی شعرا کا جو کلام منقوش ہے

اور جکا ذکر شذرات کے ذیل میں آچکا ہے، یہاں مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔

سامنے کی دولہون پر یہ اشعار ہیں

(۱)

ہر کہ آؤ را عدل عادت می شود	بیکان عمرش زیادت می شود
ہر کرا بر غلق بچشائش شود	آبرو سے آؤ درافزائش شود
از سخاوت آبرو افزون شود	از بخیلی بچزد . . . .
بار رعیت چون کند حاکم ستم	بے . . . . در ملک کم

(۲)

بدونیک ہر چند ہے بے ثبات	دلیکن جہان میں ہی بہتر یہ بات
کہ نام نکوئی رہے یا دگار	ہمیشہ نکو نام ہے برقرار
ہمیشہ جو کوئی کرے کام نیک	تو بیشک ہو آواز و انجام نیک
ستاد دل کا ای صاحب بڑا ہے	قلوب مردمان عرش خدا ہے

چپ دراست کے چہ پچرون پر یہ اشعار ہیں

لے یہ عبارتیں پڑھیں جاسکین اللہ صاحب لوگوں کی مناسبت سے اے صاحب "کے قدر پرفل ہے

(۳) شنیدم که در وقت نزع روان  
اندان بہرہ در تردد رافق کیت  
بہ ہر مزچین گفت نوشیروان  
کہ در حکمرانی بہ انصاف لیت

(۴) چونوشیروان عدل کرد اختیار  
چو ایزد ترا این ہمہ کام داد  
کنون نام نیک ست زویادگار  
چرا بر نیاری سر انجام داد

(۵) ثباتے ندارد جہان اے پسر  
خواہی کہ خداے بر تو بخشد  
بغفلت مبر عمر و دے بسر  
با خلق خداے کن کوئی

(۶) تا تو انی حاجت مردم برآر  
برآرد دین کار امیدوار  
تا برآرد حاجت را کردگار  
بہ از قید بندی شکستن ہزار  
شاہ ما آن کند کہ اُدگوید  
حیف باشد کہ جز نکو گوید

(۷) جہان را بہ انصاف آبادار  
ترازین بہ آخر چہ حاصل شود  
دل اہل انصاف باشد دار  
کہ نامت شہنشاہ عادل بود

(۸) عدل کردنیامین غافل ز نگانی پھر کہان  
زندگانی گر ہی تو یہ حکومت پھر کہان

سدا عیش دنیا کہانانہین  
کیا دقت پھر اہل آتاہین

## احسان علیہ

یورپ میں ایک بچی کی پچکاری نکلی ہے جسکے ذریعہ سے جلد کا رنگ تبدیل کیا جاسکتا ہے جس حصہ جسم کا رنگ تبدیل کرنا مقصود ہوتا ہے، وہاں مرغوب رنگ کی ایک مقدار کے ساتھ یہ پچکاری لگا دی جاتی ہے، غار جی رنگ مسامات کے ذریعہ سے جسم میں داخل ہو جاتا ہے اور اس حصہ جسم کا وہی رنگ منتقل بنا دیتا ہے، سرخ، سفید، گلابی، ارغوانی، سیاہ، غرض ہر قسم کا رنگ اس پچکاری کی مدد سے جسم انسانی اختیار کر سکتا ہے، مغربی خواتین جو اپنے رخساروں کو سرخ و سفید، اپنے بالوں کو سیاہ، اور اپنے بونٹوں کو گلابی بنانا چاہتی ہیں، اس ختراع سے بہت بڑی تعداد میں فائدہ اٹھا رہی ہیں،

کیسٹر ایل (ازبڈی کا تیل) بحیثیت دوا کے عام طور پر استعمال کر دیا جاتا ہے، لیکن اسکا ذائقہ ایسا ناخوشگوار ہے کہ اکثر لوگ اسکی برداشت نہیں ہوتی، ایک ڈاکٹر نے اسکا علاج یہ بتایا ہے کہ پہلے ایک گلاس میں برف کا پانی لیا جائے، پھر اس میں اس تیل کی ایک مقدار ڈال دی جائے، نتیجہ یہ ہوگا کہ تیل ایک جے ہوئے تھکے کی شکل میں اُد پر تیرنے لگے گا اور اس طرح بغیر سکے کہ اسکا ذائقہ زبان، بونٹوں یا دانتوں کو محسوس ہو اسے پانی کے ساتھ باسانی حلق سے پیچے آمارا جاسیگا۔

میرج سے نامہ دو پیام کے سلسلہ میں جسکی بابت مختلف ماہرین فن کی وائیں معارف کے گذشتہ دو نمبروں میں درج کی جا چکی ہیں، سٹراے، اسی، سویٹس، اف، آڈر اس کہتے ہیں کہ

اخبار دن کا یہ کہنا کہ یہ آوازیں میخ سے آرہی ہیں غلط ہی نہیں بلکہ مضحکہ انگیز ہے، کیونکہ وہاں سے  
 یہاں تک لاسکی آواز کے پہنچنے کے لئے کم از کم ..... ۲۰ گھنٹوں کی قوت کی  
 ضرورت ہوگی!

حال میں مشہور ڈاکٹر جیمس کینٹلی نے لندن میں ایک پکڑ کے سلسلہ میں بیان کیا کہ سو بھٹم  
 اور امراض دندان کے متعلق اس وقت اس کثرت سے جو شکایات پیدا ہو رہی ہیں انکا بہت  
 بڑا سبب یہ ہے کہ دودھ کے استعمال میں ہم لوگ بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں اور حضرت  
 موسیٰ کی ہدایات پر عمل نہیں کرتے، ہم جکل گوشت اور مچھلی کے ساتھ ایک ہی وقت میں دودھ  
 بھی استعمال کیا جاتا ہے، حالانکہ اگر آلات ہضم کی صحت اور اپنے دانتوں کا تحفظ منظور ہے  
 تو مچھلی کھانے کے دو گھنٹہ، مرغ کھانے کے تین گھنٹہ، اور گوشت کھانے کے چار گھنٹہ بعد تک  
 دودھ کو قطعاً منہ نہ لگانا چاہیئے۔

ہندوستان سے متعلق تعلیمی اعداد و ناظرین معارف کے سامنے ایک سے زائد بار پیش  
 کئے جا چکے ہیں، لیکن دو مجموعی اعداد تھے، جو تعلیم کے ہر درجہ و مرتبہ پر حادی تھے تعلیم کی ماہرین  
 فن نے تین بڑی منزلیں قرار دی ہیں، تعلیم ابتدائی، (معمولی نوشت و خواندگی تعلیم) تعلیم ثانوی،  
 (ہائی اسکولوں کی تعلیم) اور تعلیم عالی (یونیورسٹیوں کی تعلیم) ذیل میں ان منازل سے گانہ سے متعلق  
 ہندوستان کے الگ الگ اعداد و دوسرے ممالک کے اعداد کے مقابلہ میں درج کئے جاتے ہیں  
 جن سے صحیح موازنہ میں سہولت ہوگی۔

سب سے پہلے ابتدائی مدارس کے طلبہ کی تعداد کو لکھنا چاہیے :-

نام ملک	فیصدی طلبہ مدارس ابتدائی
امریکہ	۱۹۵۸۶
انگلستان	۱۶۵۵۲
جرمنی	۱۶۵۳۰
فرانس	۱۳۵۹۰
جاپان	۱۳۵۰۷
سویڈن	۸۵۹۴
رومانیہ	۸۵۶۱
روس	۳۵۷۷
برازیل	۲۵۶۱
ہندوستان	۲۳۸

اسکے بعد ثانوی مدارس کی آبادیوں کا نمبر آتا ہے :-

نام ملک	فیصد طلبہ مدارس ثانوی
امریکہ	۱۵۰۲
جرمنی	۹۸۸
انگلستان	۶۲
ہندوستان	۴۸۶

۳۵۴	جاپان
۳۲	فرانس
<hr/>	
آخرین یونیورسٹی کے طلبہ کی تعداد کو لیتے ہیں :-	
۲۱۸	امریکہ
۱۰۶	فرانس
۰۶۳	اطلی
۰۶۱	ٹوئناک
۰۵۴۰	انگلستان
۰۲۴	ہندوستان

اعداد بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اعلیٰ تعلیم کے لحاظ سے بھی ہندوستان ایک مغلس ملک ہے تاہم اسکا افلاس سب سے زیادہ ابتدائی تعلیم کے دائرہ میں ظاہر ہوتا ہے، حکومت کے عام ارباب حل و عقد اسکا علاج یہ بتاتے ہیں کہ ثانوی اعلیٰ تعلیم کو محدود کیا جائے تاکہ ابتدائی تعلیم کے ساتھ ان کا تناسب قائم رہے، لیکن گلٹھ یونیورسٹی کمیشن نے اسکا صحیح حل یہ بتایا ہے کہ خود ابتدائی تعلیم ہی کو زیادہ دست و دیا چاہیے۔

آخری سرکاری اعداد کے مطابق ہندوستان میں تقریباً ایک لاکھ بیالیس ہزار ابتدائی مدارس ہیں۔ ان میں سے ۶۷۸۰۱ خانگی مدارس ہیں، (جن میں سے ۳۵۳۳ دھرم کو سرکاری

امداد ملتی ہے) ۳۹۱۷۲ مدارس ایسے ہیں جو منوسپلیٹون یا ڈسٹرکٹ بورڈوں کے ماتحت ہیں، اور باقی ۳۵۳ سرکاری مدارس ہیں، ان مدارس میں کل طالب علموں کی (لڑکوں اور لڑکیوں کو مل کر) مجموعی تعداد ۳۰۷۸۱۸۵ ہے، ثانوی مدارس شمار میں ۶۹۳ ہیں، اور این شاگردوں کی کل آبادی ۳۵۳۷۳۸۶۱۱ ہے، اعلیٰ تعلیم کے مدارس میں کالجوں کی تعداد ۸۴ ہے، کالجوں اور ہائی اسکولوں کی تعداد ہندوستان کے کل حصوں میں سب سے زیادہ بنگال میں ہے اور باقی دو شملٹ سے کچھ کم برٹش ہندوستان کے مختلف صوبوں میں منسٹر ہیں،

وسط اپریل گذشتہ میں بمقام بردوان ایک چھتری زمیندار نے ۶ بجے شام کو وفات پائی، متوفی کا تعلق چونکہ سورج بنسی خاندان سے تھا، اسلئے نقش شب میں مینن جلائی جاسکتی تھی، دوسرے روز صبح سویرے متوفی کے ایک عزیز نے نقش کا فوٹو لیا، لیکن جب فوٹو تیار ہوا تو اس میں پانچ شکلیں اور بھی نظر آئیں، جن میں سے ایک شکل مرحوم کے زہد متوفیہ اور ایک مرحوم کے بچہ کی بچائی گئی، جس کا مدت ہوئے انتقال ہو چکا ہے، باقی تین شکلیں بہت دھندلی آئی ہیں، انکی شناخت ہوسکی، بنگال کے اخبارات اس روایت کے ذمہ دار ہیں، اور بنگال کے سائنسٹک حلقوں میں اس خبر نے ایک خاص تحریک پیدا کر دی ہے۔

۱۰۰۰ تک روئے زمین کا کوئی خطہ جو قطب شمالی و جنوبی کے جزایا نہ جیتیتے  
استدغیر معلوم نہ تھا جتنا کہ ملک عرب تھا، لیکن دوران جنگ میں ایک انگریز مسٹر فلپی  
سی آئی، اسی نے جو ہندوستانی سول سروس کے ایک رکن ہیں، عرب کے مشرق منمواس کا  
ایک بیش بہا ذخیرہ ہم پہنچا دیا ہے، ان کا سب سے بڑا کا نام یہ ہے کہ انھوں نے صحرا سے

عرب کو بھور کیا، حالانکہ یہ نعم اس قدر دشوار و خطرناک ہے، کہ آج تک بجز ایک یورپین  
مستشرق کے اور کسی کو اس کی ہمت نہیں ہوئی تھی اور اسکو بھی پورے سو برس گزر چکے، مسٹر  
نے جان پر کیل کر خلیج فارس سے لیکر بحر قزحہ تک پورا صحرائے عرب ایک بدوی کو لباس  
مین طے کیا، انکو عربی زبان پر اتنی غیر معمولی قدرت چل ہے کہ اثناء سفر میں کسی بدوی کو  
اُن پر اچھنی ہونے کا شک ہوا، ورنہ وہ اسی وقت قتل ہو گئے ہوتے، اُنھوں نے اپنے  
ملک میں واپس پہنچ کر عرب سے متعلق ہر قسم کے معلومات کا وہ نادرد ذخیرہ پیش کیا جو اب تک  
یورپ کی دسترس سے باہر تھا، ان خدمات کے اعتراف میں چند ہفتہ ہوئے کہ انگلستان کی  
رائل جیوگرافیکل سوسائٹی نے اپنے سالانہ اجلاس میں انہیں پیش بہانوں سے متنازع کیا ہے۔

سال گذشتہ (۱۹۰۸ء) میں انگلستان و امریکہ کی علمی رفتار کا موازنہ ان دونوں ممالک  
کی تعداد مطبوعات سے ہو سکیگا، ذیل میں ہر دو ممالک کی فہرست مطبوعات کے ابتدائی دس  
دس عنوانات کے ماتحت تفصیلی اعداد دینے کے بعد کل مطبوعات کی مجموعی میزان دیجاتی ہے جو  
کتب جدیدہ، نیز کتب قدیمہ کے نئے ایڈیشنوں دونوں پر حاوی ہے،

تعداد مطبوعات	نام فن
انگلستان	(۱) علم المعاشرت و معاشرت
۸۲۴	۸۹۱
۴۲۲	۸۱۲
۱۲۱۷	۹۰۴
۷۹۹	۴۹۵
۴۳۴	۵۸۶



۲۹۵	۵۰۰	(۶) شاعری دوڑاما
۶۸۶	۵۰۷	(۷) انجینیئر دو دیگر علی صنایع
۵۶۲	۴۳۳	(۸) بچوں کے لئے
۲۲۸	۴۰۷	(۹) زراعت و باغبانی
۳۶۷	۴۰۱	(۱۰) طب و حفظان صحت
۷۳۲۷	۷۶۲۵	میزان کتب جدیدہ
۱۲۹۵	۵۶۹	میزان کتب قدیمہ، طبع جدید
۸۶۲۲	۸۵۹۴	میزان نکل

یہ واضح رہے کہ امریکہ کی اس تعداد مطبوعات میں ۱۵۱ کتابوں کے مصنفین مولفین غیر امریکی ہیں، جن میں زیادہ تر انگریز ہی ہیں،

سال پیوستہ کے مقابلہ میں علمی ترقی کا اندازہ کرنے کیلئے ہر دین کے اعداد کو بالمتقابل

انگلستان	امریکہ	رکھنا چاہیئے،
۷۷۱۶	۹۲۳۷	۸
۸۶۲۲	۸۵۹۴	۹

ایک سائنٹفک رسالہ لکھتا ہے کہ چاند کے گرد بالہ کے فاصلہ کی کئی ڈیڑھ آئینہ موسم کے متعلق پیشین گوئی کرنے کے لئے ایک عمدہ معیار ہے، اگر بالہ چاند سے زیادہ فاصلہ پر ہوگا تو بارش کی بہت جلد توقع رکھنی چاہیئے، اگر وہ بالکل متصل ہے تو بارش ایک عرصہ تک ہونگی، ہمارے ملک کے عوام و مقام بھی کہا کرتے ہیں کہ "دوسے کنڈل زیرے پانی، زیرے کنڈل دوسے پانی"،

ایک امریکی شخص نے پوسٹن کے قسم کی ایک دریائی چال کو لیکر، جو پانی پر تیرتی رہتی ہے، ایک پوشاک بنائی ہے، جسے پہنکر انسان کبھی غرق نہیں ہو سکتا، خواہ کسی حالت میں پوچھا جائے۔ امریکہ میں بعض بحری افسر اسکے جوتے پہنکر سمندر میں کودے اور سطح آب پر تے تکلف مثل خشکی کے برابر چلتے رہے، امریکہ میں اس عجیب و غریب چال کے بکثرت سوٹ اور جوتے تیار ہو رہے ہیں اور شوقین حضرات انہیں پن پن کر بنا تکلف سمندر میں کودتے ہیں اور معمولی سرکون کی طرح سطح آب پر چلتے پھرتے ہیں،

تجزیہ و تدفین و عام مراسم عزاء کے متعلق ہر ملک اور ہر قوم میں ایک جداگانہ دستور ہے، اس سلسلہ میں سوئٹزر لینڈ کے ایک دستور کا بھی حال دلچسپی سے پڑھا جائیگا، یہاں ایک قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی خوشحال شخص وفات پا جاتا ہے تو اسکے درنا، اخبارات میں ماتمی جدول کے ساتھ یہ اعلان شائع کراتے ہیں کہ رسم تعزیت فلان روز فلان وقت فلان مقام پر ادا کی جائیگی، وقت مقررہ پر مکان کے باہر دروازہ کے سامنے ایک سیاہ میز بچا کر سیاہ چادر ڈال دی جاتی ہے اور اس پر ایک مٹی کی بنی ہوئی انگیٹھی لاکر رکھ دی جاتی ہے، جو ماتمی انگیٹھی کہلاتی ہے، اب مٹونی کے تمام اعزہ، احباب، دشمناسا آتے ہیں اور اس ماتمی انگیٹھی سے یوں رسم تعزیت ادا کرتے ہیں کہ اپنے اپنے نام کے کارڈ چنر سیاہ جدول ہوتے ہیں لاکر اس میں ڈالتے ہیں اور جنکو مرحوم سے زیادہ خصوصیت ہوتی ہے وہ کچھ کلمات تعزیت بھی اسپر لکھ دیتے ہیں، اس رسم کا تدفین سے پیشتر ادا ہو جانا ضروری ہے، اسکے بعد تابوت آتا ہے، جسکے ساتھ صرف مرد جاسکتے ہیں۔

# الحیثیہ

## اقاداتِ اکبر

۱۰ اپریل کے ابتدائی ایام میں چند گھنٹہ سانحہ العصر حضرت اکبر مدفونہ کی صحبت میں  
 جکا وجود موجودہ زمانہ کے لئے ایک نعمت ہے، احرفِ ہوسے، تیرے دیوان کا سودہ برس میں  
 جانے کے لئے صاف ہو رہا تھا، فرصت اگرچہ نہایت قلیل مگر مہمِ دل نے گوارا نہ کیا، ناظرین  
 سارف اس چشتانِ ادب و معانی کے لطف سے بہرہ ور ہوں، عبادت میں گدردہ تیار نہ  
 ہو سکا البتہ موسمِ بہار کی چند تازہ کھلی ہوئی کلیاں دامن میں لے لیں، اور وہ کچھ آج کی صحبت  
 میں اور باقی آئندہ صحبتوں میں پیشکش ہوتی رہیں گی۔ (عبدالماجد)

رفتار اور سمت میں موج ہوا کی ہے

اسی قصہ گوے بدرِ ضرورتِ حرا کی ہے

تو وضع پر اپنی قائم رہ قدرت کی مگر تحقیر نہ کر

دے پائے نظر کو آزادی، خود بینی کو زنجیر نہ کر

گو تیرا عمل محدود رہے اور اپنی ہی حدِ مقصود رہے

رکبہ ذہن کو ساتھیِ فطرت کا بندِ اسپہ درِ تاثیر نہ کر

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشتِ بنیٰ تکلم چل

ان خامِ دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکبہ تعمیر نہ کر

بالن میں ابھرو ضبطِ فغان لے اپنی نظر سے کارِ زبان

دل چرخش میں لا فریاد نہ کر تاثیر دکھا، تعمیر نہ کر

ہستی بے ثبات نے جانِ بشر کو کیا دیا      نفس سے حرص آگئی ہوش کی نین بٹا دیا  
 نفس نے کہدیا غلط عقل نے بھی غالی مان      منزلِ ذوق روح کا دل نے اگر تپا دیا  
 چشمِ خرد سے عارتنا، حسنِ جَوْنِ پسند کو      عقل نے آنکھ بند کی اس نے حجابِ بھل دیا

جہاں ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پر تے مین  
 عقیدے، عقلِ عنصر، سب کے سب آپس میں لڑتے مین

کسی کو بھی کسی سے کچھ نہیں اس باب میں جھگڑا  
 کر دمِ دھیان پر مشرک کا دل کو اُسکا درشن ہو  
 مگر مشکل تو یہ ہے نام سب لیتے ہیں مذہب کا  
 غرض لیکن یہ ہوتی ہے جہتا ہوا اور ہو جن ہو

مقابل تر ہے پیچ سب پیچ ہے      مگر تو ہی خود پیچ در پیچ ہے

تقلیلِ غذا مین جو پیرنٹ ہی ہے      کرفضِ ہوس سلف گورنٹ ہی ہے

کچھ دیکھتا نہیں مین دلِ زار کے لئے      جو کچھ یہ پورا ہے سب اخبار کے لئے

## میر کی آپ بیتی

ست پہل عین جان پتر ہاں فلک برسوں      تب خاک کے پردہ سے انسان نکلتی ہیں  
 پھر اپنی صورت احوال ہر اک کو دکھاتا بیان      مرد تخطی لکھیں نہیں کوئی ملتا بیان  
 خرابہ دلی کا وہ جذبہ پتر لکھنؤ سے تھا      دین مین کاش مر جاتا سراسیمہ آئیامان  
 یہ میر تم کشتہ کسو وقت جوان تھا      انداز سخن کا سبب شور و فغان تھا  
 جادو کی پڑی پر چڑھ ابیات تھا اسکا      منہ تلکے نغزل پڑھتے مجھ سحر بیان تھا  
 جس راہ سے وہ دل زدہ دلی مین نکلتا      ساتھ اسکے قیامت کا سا ہنگامہ روان تھا  
 انسرود نہ تھا ایسا کہ چون آب زدہ خاک      آندھی تھا، بلاتھا، کوئی آشوب جہان تھا  
 اتوار انسرودگی ہی ہے ہر آن      دسے نہ ہم مین نہ دسے زمانے مین  
 شام ہی سے گجھا سا رہتا ہے      دل ہوا ہے چراغ مفلس کا  
 کوئی دن کرے میشت جا کہو کامل کپاس      ناقصون مین ہر کئی کیا رہی تو صاحب دل کپاس  
 ہو کوئی بادشاہ کوئی یان وزیر ہو      اپنی بلا سے بیٹھ رہے جب فقیر ہو  
 میر کیا ہے فقیر مستغنی ؟      آدے اس پاس بادشاہ تو کیا  
 صحبت کو سے رکھنے کا اسکو نہ تھا دماغ      تھا میر میدان کو بھی کیا بلا دماغ  
 باتیں کرے بنگلہ دل کی پر کہاں      کرتا ہے اس دماغ جلے کا دماغ  
 دو حرف زرب لب کہے پھر ہو گیا غموش      یعنی کہ بات کرنے کا ککھور ہا دماغ  
 بیہوش مے عشق ہوں کیا میر ابھر وہ      آیا جو بخود صبح تو مین شام نہ آیا  
 رفتہ رفتہ عشق کیا ہوں مین اب کا      جا چکا ہوں جہان سے کب کا

جنون نے تماشا بنایا مین رہا دیکھ اپنا پر ایا مین  
 سدا ہم تو کہوئے گئے سے رہی کہہ واپ مین تم نے پایا مین  
 کی زیارت میر کی بنے بٹی کل لا ابالی سا ہے پر کال ہے یان

دشت ہے بہت تیر کو مل آئیے چل کر کیا جانے پھر یان سے گئے کب ہوا فات

لٹنے واسے ابھر مل گیا ہے وہ عالم دگرین تیر فقیر کو شکھڑی لٹی تھی کا عالم ہی اب

مرتے ہیں تیر سب پہ نہ اس بکھی کے ساتھ ماتم مین تیرے کوئی نہ رو دیا پکار کر

تربت تیر پر مین اہل سخن ہر طرف حرف ہے حکایت ہے  
 تو بھی تقریب فاتحہ سے چل بخدا واجب الزیارت ہے

محمد الیاس برنی۔ ایم اے۔ ال ال بی

# بَابُ التَّفْصِيلِ فِي الْأَلْبَتَانِ

## الْبَتَانِ

### ٹاگور عربی لباس میں

مکتبۃ الہلال (مصر) کی فرست کتب میں سرراہند رانا تہ نگور کے اشعار کے عربی ترجمہ کا اشتہار میری نظر سے گذرا اور میں نے اس کے لئے فوراً آرڈر دیدیا، اس کے متعلق میں نے محضری علامہ سید سلیمان صاحب کو اطلاع دی تھی کہ ٹگور کی گیتا بھلی کا ترجمہ عربی میں ہو گیا ہے، چنانچہ دوسرے معارف میں انھوں نے ایک نوٹ اس کے متعلق شائع کیا تھا، اب کہ یہ کتاب میرے پاس پہنچ گئی ہے، اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ گیتا بھلی کا ہینن بلکہ ٹگور کے ایک اور عقیدہ مجموعہ منظوم "سسی" پر گارڈز کا ترجمہ ہے، جسے مصر کے ایک مشہور اہل قلم ودیع البستانی نے ترجمہ کر کے شائع کیا ہے، اور اس کا نام اصل کتاب کے نام اور اپنے نام کی مناسبت سے البستانی رکھا ہے، بستانی موصوف فن ترجمہ کا ماہر شاق ہے، اور اس سے پیشتر لارڈ ادیبری کی مشہور تصانیف "یوز آف لائف"، "پلیئرس آف لائف"، "بیوٹیز آف نیچر" وغیرہ کا "معنی الحیاء"، "مسرات الحیاء" تھامس الطبعیہ کے نام سے علی الترتیب ترجمہ کر چکا ہے، آج تک "رباعیات عمر خیام" کا تقریباً دنیا کی تمام زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، لیکن عربی زبان میں اس کی کمی تھی، اس کی کوبھی البستانی موصوف ہی نے پورا کیا ہے جو موجودہ ادب عربی میں ایک قابل قدر اضافہ سمجھا جاسیے۔

ترجمہ کی دقتوں سے وہی لوگ خوب واقف ہیں جنہیں اس کام سے کبھی سابقہ پڑا ہے، ایک زبان کے محاورات، ہندش، اسلوب بیان کا دوسری زبان میں ترجمہ کر دینے سے

وہ خوبی اور زور اثر کلام ہین رہتا، اور ترجم کو اپنی طرف سے بعض ضروری تصرفات کرتے پڑتے ہیں، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو بستانی کا یہ ترجمہ انگریزی ترجمہ سے جو خود مصنف نے کیا ہی قریب تر ہے اور موجودہ عربی زبان کا ایک عمدہ نمونہ ہے، جہین ہندی خیالات کو نہایت خوبصورتی سے ادا کیا گیا ہے۔

سرراہندہ نامہ نگور کی شہرت تعارف کی محتاج نہیں ہے، مگر کی جو قدر شناسی یورپ نے بذریعہ نوبل پرائز (سوالا کہہ رویہ کا عطیہ ادبی) کی ہے وہ انہائے دہل سے پوشیدہ نہیں ہے، نگور کی نگون مین دسست و لطافت تخیل، سادگی و صداقت جذبات معاملہ بندی کے علاوہ مخصوص و لطیف طرز بیان کے ساتھ ندرت، تشبیہات و استعارات کی جو چاشنی ملی ہوئی ہے وہ ہر ایک پڑھنے والے کو "شیرین کام"، بنادیتی ہے، اسکا کلام "از دل بر خیزد و در دل بریزد" کا پورا پورا مصداق ہے، اور اس لحاظ سے خاص طور پر قابل داد ہے، پس یہ کہنا کسی طح مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ ادبیات کا ملک الشعراء ہے، اہل یورپ جنکی شاعری مشرقی تنوع تخیلات اور ندرت استعارات و تشبیہ سے بالکل معوی ہے، اور جہین کسی طح کا سرور و وجدانی حاصل نہیں ہوتا، انکو نگور کا کلام ایک نعمت غیر مترقبہ معلوم ہوا، اور انھوں نے اسکی اس سے زائد قدر کی جبکا کہ وہ مستحق تھا، لیکن انکی نظر سے اسلامی شعراء (عربی، فارسی، اردو) کا وہ بہترین کلام ہین گذرا جبکا ایک ایک شعر نگور کے سارے دفتر منظومات کا جواب ہو سکتا ہے، اگر موقع ملا اور حیات مستعار باقی ہے تو انشاء اللہ ہم نگور کے کام کا اسلامی شعراء کے کلام سے مقابلہ کر کے دکھا دیں گے،

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا، سر دسست ہم کو بستانی کے ترجمہ کا نمونہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنا ہے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ مترجم کو ایمین کہاں تک کامیابی ہوئی ہے یہاں یہ تبادلیا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مترجم مذکور نگور کی تصانیف کو پڑھکر ہندوستان



میں اسکی ملاقات کو کیا تھا، اور اسکی مشہور تصانیف گیتا بھلی (تراہین الاغانی) گارڈنر (البتانی) کرلینٹ ٹون (الہلال) وغیرہ کی بعض چیدہ اور منتخب نفلوں کو اسکے پاس سے نقل کر کے لیکھا، جنہیں سے بعض کا عربی میں ترجمہ کر کے اس نے مجلہ الہلال (مصر) میں شائع کرایا تھا، مترجم نے (جیسا کہ وہ دیباچہ میں کہتا ہے) گارڈنر کا ترجمہ عربی میں کیا، اور پھر عربی کا لفظی ترجمہ انگریزی میں کر کے خود منگود کو دکھلایا تھا جسکو اس نے پسند کیا اور جایز و مناسب تہنرات کو بھی قائم رکھا، اسکے بعد یہ کتاب ممکن ایڈ کو کی اجازت خاص سے مطبع معارف مصر میں طبع ہوئی۔

(ترجمہ عربی)

(ترجمہ اردو)

۱) مصافحة بلا یادی و مناظرہ بجالین	ہاتھ سے ہاتھ ملے ہیں اور آنکھوں سے آنکھیں
کن الک افتقر قلبا نا باب الغرام الیلة	اور یوں ہمارے دل کی تالیخ شروع ہوتی ہے
مقرن من لیا لی شہر ہمارس "وعیل الحناء	مارچ کی چاندنی رات ہے اور ہندی کی خوشبو
من الصواء، ونا یی ملق علی الراض	سے ہوا البربر ہے، میری بانسری یونی بے پردائی
وظاقت الزهر فیدک لم یتم تنظیمها	کی حالت میں زمین پر پڑی ہے (اور تمنا راجھوں کا)
ان المحبة التي مینی دیزکھی الاغنية	ہمارا تمام ہماری تمہاری محبت ایک گیت کی طرح سادہ ہے
للباطة وسلامة نية	تمہاری زعفرانی نقاب میری آنکھوں کو غموں
نقابہ بلوند الزعفرانی ٹیکر عینی وکیل	کر رہی ہے، چنبیلی کا ہار جو تم نے میرے لئے گوند ہار
ایا سمین الذی صفرتہ یحیر فواد	میرے دل میں تعریف کی مار لزش پیدا کر دیتا ہے
کالحل وماھی الالعبہ منور منع، و تحجب کاف	یہ ایک کیل ہی دینے اور باز رکھنے کا، انشا کرنے
شیء من البسات الی شئی من الحجل، الی	اور پھر پردہ داری کرنے کا، چند تہنوں کا تھوڑی
شیء من باطل الجاهل والمعا نانا	سی حیا کا، اور چند شیریں میسود) میسود اتنا پائیک کا

ما بینی و بینک من الحب هو لا غنیة  
سدا حجة و سلامة نیت

یہ محبت تمہارے اور میرے درمیان نعمت کی طرح سادہ  
ہمارا کوئی راز زمانہ محال سے باہر نہیں ہے،  
ہماری کوئی سخی نامکن کے لئے نہیں، کوئی تباہی  
و لغزشی کے پس پردہ نہیں، کوئی جبر و ظلمت کی  
گہرائی میں نہیں۔ یہ محبت تمہارے اور میرے  
درمیان نعمت کی طرح سادہ ہے،

لا غرابه ولا اسود فیما و راء الزمن  
الحاضر ولا محالات ضائعة سدا  
فی سبیل المستحیل، ولا ظلال و راء صحر  
الجبال ولا محالات فی اعماق الغلام  
ان الذی بینی و بینک من الحب لک  
لا غنیة بساطة (و سلامة نیت)

ہم تمام وغیرہ الفاظ ختم نہیں کر دیتے کہ کس کو  
دائی اختیار کرنا پڑے، ہم امید سے باہر حیران  
کے لئے فضول بات نہیں اٹھاتے، جو کچھ ہم  
دیتے ہیں اور جو کچھ ہم پاتے ہیں وہ کافی ہے  
ہم نے سرسبز یا نکل پامال نہیں کر دیا ہے کہ  
اس سے شراب الم بخودین، یہ محبت تمہارے  
اور میرے درمیان نعمت کی طرح سادہ ہے،

فمن لا یخرج من الکلام الی الصمت لا بد فی  
نقطة و ل لقا و ل ماعة بعد ان ینال من  
الاعمال حسبنا الاخرة صانعة طاعة و لم  
تفتقر الفرح لا یخرج لنا خیر الا ان الله  
بینی و بینک لک لا غنیة بساطة (و سلامة نیت)

مترجم نے یہی نہیں کیا کہ ہر نظم کا مترجمہ کر دیا ہے بلکہ ہر مترجمہ کے بعد اس کو  
توالب شعر یہ میں ڈالا ہے، مسطورہ بالا نشر کو اس نے اس طرح منظوم کیا ہے :-

نظرات فیما المنی تتجلی  
هكذا اقبلنا الغرام استهلا  
وسلا و الف اهلا و سهلا  
وهو انا اغنیة لیس

لیلة بد رها من الزهر حال  
والله اری دُر به يتجلی

وعبیر الحناء عروق شدتی	علّ منه النسيم حتى ابتلا
ملّ إلى الشجر ومصك انقض	نضير لاه زها في الصفر ملّ
وكلنا عن دأبه را ح يلحو	وتخذنا تبادل للحر شغلوا
هكذا قلبنا انصرام استهلا	وهو انا اغنية ليس إلا

حجّی الوجه بالمعصر عتی	واتركی العين بالمعصر ثقی
واضفری لی الاكليل من سبین	فشذ الا كالجلد بالقلب فعلا
بماك أردّ ما بسما ت	وحیتا اعدوا ذا رحمتی نحلی

یومنا یومنا یمرّ وبمضی	وغدا مقبل روید او ملاح
لنيس الاما نحن فيه ولسنا	نحب لیللة العتید لا تحلی
ان حسنا یبدو فینقلب لبی	لا اری خلفه خیالا وظلا
هكذا قلبنا انصرام استهلا	وهو انا اغنية ليس إلا

لا هذا اری علوفیتلوه صمک	ان خیر الکلام قل قد لا
لا نضم البدین حول خیال	او الی المستحیل ننقل رجلا
فوق ساجی القرا نطفو بلطف	لا نعالی غوصا کفی ان نبلا
ان تلاقیت عینین و قدی	بفواد فحبنا ذاک وصل
هكذا قلبنا انصرام استهلا	وهو انا اغنية ليس إلا

قلبی۔ طائر البریۃ۔ قتل وجد  
سما عہ فی عینک، ہما محل لصبام  
ومملکتہ الخوم، واغانی تحیم فی  
قرارہما فصبی لی ان اخلق فی تلك  
السماء واهیم فی وحشتہا، بل  
وعینی اشتق عیومہا والبسط جاتی  
فی سناکھا،

میرے طائر آلودہ دل نے تہااری آنکھوں میں  
ایسا آشیاں پایا ہے، وہ تمہاری آنکھیں صبح کا  
گہوارہ ہیں، وہ تاروں کی سلطنت ہیں میرے  
نئے انکی گہرائی میں گم ہو جاتے ہیں مجھے اس دہنی  
آنکھوں کے، آسمان میں انکی تہا دست میں ہانے  
دو مجھے اس کے بادلوں سے چمٹ جانے اور انکی  
دھوپ میں باز و پھیلانے دو۔

وخر قلبی من طائر فی البراری  
بین عینک عرش ملک اللہ اری  
فد عینی فی جو عینک اسو

لیتہ بین مقلتیک لطیر  
بین عینک للصباح سرید  
او مثلی علی السماء کثیر؟

(۳)

مصما جادت بہ یدک فانی آخذ  
ولا استزید،

”جو کچھ تمہارے (رخسانہ) ہاتھوں سے ملے ہیں  
اس سے زیادہ کچھ نہیں مانگتا“

کن الالک کن الالک انا عرفک لیسما الشخاؤ  
لحتمہم القنی، انک لتسأل کل شیء فی یدنا  
ذاکان للذک زہرما (ضائعۃ سدی)  
فاننی اجعلہا فی قلبی

ان امان! میں تمہیں جانتی ہوں اتنا کچھ نہیں!  
جو کچھ کسی کے پاس ہی تم وہ سب مانگتے ہو  
اگر میرے لئے ایک آلودہ شاخ پھول ہی ہو تو میں  
اسکو بھی اپنے دل میں رکھوں گا

ولا شواک؟

”لیکن اگر کانٹے ہوں؟“

اتحلمہا

”میں انکو بھی برداشت کر دوں گا“

کہ الٹ، کہ الٹ، کہ الٹ، انا عرفات لیا الشہادۃ  
 ہاں! ہاں! میں تین جانتی ہوں، قاتل فقیرؔ  
 ولوانک ترغین مبصرک الی وجہ ولو مرقۃ  
 ”اگر صرف ایک بار تم اپنی محبت آمیز آنکھیں میرے  
 فی الزمان فان تلك النظر لہب لیا فی حلالۃ  
 چہرہ کی طرف اٹھا دو تو وہ میری حیات کو ایسا  
 لیس للسمو لیا من سبیل واذا لم یکن لک  
 شیریں بنا دے گی کہ اسپر موت کا قابو نہ چل سکیگا  
 منی الا نظرات قاسیۃ فلیخترق فواد ی  
 اور اگر وہ ستم آمیز نگاہیں ہوں؟“ میں آنکھی  
 کہ الٹ، کہ الٹ، کہ الٹ، انا عرفات لیا الشہادۃ  
 اپنے دل کے پار ہونے دوں گا“

انتقوع۔  
 ہاں! ہاں! میں تین جانتی ہوں، قاتل فقیرؔ  
 مترجم نے ایک اور التزام یہ کیا ہے کہ ہر نظم پر شروع میں تبصرہ کیا ہے، اسکے بعد ترجمہ  
 نشریہ اور پھر نظم، بقول مولانا ندوی ”دیکھیں عربی چھو بارون کی شیرینی کے عاشقوں کو اس  
 خنجر ہندی کی شاس کھانک پسند آتی ہے“!

قاضی احمد میاں اختر (جونا گڑھی)



## مطبوعات عالیہ دہلی

نماز: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے سلسلہ اسلامیہ کے تحت مین چند رسائل لکھوائے ہیں، جن میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور تربیت اولاد پر قرآن مجید اور احادیث سے روشنی ڈالی گئی ہے، یہ رسالہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس میں جناب مولوی مصطفیٰ افغان صاحب بی۔ اے نے نماز کی حقیقت، اسکے فوائد، وضو، طہارت، تیمم، اذان، تکبیر، جماعت، نماز کے اوقات، مسجد کے آداب، نماز کی ہیئت، جمعہ، امامت، فرائض، سنن، نوافل، نماز عیدین، نماز جنازہ، نماز سفر، غرض نماز کے تمام احکام اور اقسام کو بالتفصیل بیان کیا ہے، اور اخیر میں قرآن مجید کی چند سورتیں بھی مع ترجمہ کے لکھی ہیں،

زکوٰۃ :- یہ رسالہ بھی مولوی مصطفیٰ افغان صاحب بی۔ اے کا مرتب کیا ہوا ہے، اس میں انھوں نے زکوٰۃ کی حقیقت، اسکی غرض و غایت، احکام، نصاب، مصرف، اور عام صدقات پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، اور یہ دکھلایا ہے کہ اسلام نے موساتوۃ و بعد رعی کا جو نظام قائم کیا تھا وہ فطرت کے بالکل مطابق تھا، بخلاف اسکے اشتراکیت فطرت کے منافی ہے اور اسی لئے ناقابل عمل ہے،

تربیت: اس رسالہ میں مولوی اصحاب موصوف نے بچوں کی تعلیم و تربیت کے اصول قرآن مجید اور احادیث سے اخذ کر کے لکھے ہیں، جن سے ہر مسلمان کو واقف ہونا ضروری ہے کیونکہ ایک صحیح اسلامی نظام تربیت ہی ہمارے تنزل کا علاج ہو سکتا ہے، یہ تینوں رسالے دفتر بکٹ پلو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے ملین گے قیمت حسب ذیل ہے نماز ۱۰، زکوٰۃ ۰۲، تربیت ۰۵،

دیوان غالب آردو: مرزا غالب کا کلام اگرچہ انکی زندگی میں ایک خاص طبقہ تک محدود رہا تاہم ان کا خیال تھا کہ آئندہ زمانہ میں اسکو عام مقبولیت حاصل ہوگی، چنانچہ خود کہتے ہیں،

”نازدیوانم کہ سرست سخن خواہد شدن      این بی از خطا خریداری کہن خواہد شدن  
گو کہم را در عدم ادراج قبولے بودہ است      شهرت شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن

پیشینگوئی، ۲۰، ۲۱ برس کے بعد پوری ہوئی، چنانچہ آج انکی شهرت کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہے اور علمی دنیا ان کے ایک ایک شعر پر سرزد ہن رہی ہے، انکے کلام کی نسبت جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے جو خیالات ہیں، ان کا اندازہ ڈاکٹر محمود کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے،

”اس بھیمیزکی رائے میں غالب، بشیلی کی پرواز، کیٹس کی فصاحت، گوئٹے کی عمیق اندری شکر کی بلند خیالی، فانسس ٹاسن کے تخیل، مومن کے درد، اسودا کی ظرافت اور تیر کی سادگی کا مجموعہ ہے۔“

اسی عقیدت کی بنا پر سید ماسعود صاحب بی، اے (راکرن)، ناظم تعلیمات سرکار نظام کی تحریک سے نظامی پریس بدایون نے اسکو نہایت اہتمام کے ساتھ چھاپا ہے، ابتدا میں مرزا کی تصویر اور ایک غیر مطبوعہ عکسی خطا ہے، پھر ڈاکٹر محمود صاحب پی، ایچ، ڈی (پٹنہ) کا ایک مقدمہ ہے جہین کیقد رمرزا کے کلام پر تنقید لکھی ہے، اور ان اشعار کو زیادہ نمایاں کیا گیا ہے، جنہیں اخلاقی، سیاسی، یا فلسفیانہ مسائل آئے ہن یا جنہیں انسان کے دلی جذبات اور احساسات کی تصویر کشی گئی ہے، اسکے بعد مولوی نظامی صاحب کے دو دیباچے ہیں جنہیں دیوان کی ترتیب کے متعلق کچھ خیالات ظاہر کئے گئے ہیں، پھر مرزا کی مختصر سوانح عمری ہے، اسکے بعد وہ زیبا یہ مریج کیا گیا ہے جسکو مرزا نے دیوان مرتب ہونے کے بعد فارسی زبان میں کہا تھا، پھر دیوان شروع ہوتا ہے جسکے ساتھ مولوی نظامی صاحب کی ایک مختصر شرح بھی شامل ہے، یہ شرح دیکھنے کے قابل ہو، میں

انھوں نے نہایت اختصار کے ساتھ اشعار کا مطلب بیان کیا ہے، اور کوشش کی ہے کہ خود غالب کی زبان سے اس مطلب کو ادا کیا جائے، چنانچہ اس مقصد کے لئے انھوں نے رعات غالب کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے، اس دیوان میں قدیم دیوان سے زیادہ اشعار ملین گے جو مختلف ماخذوں سے حاصل کئے گئے ہیں، لیکن تعجب ہے کہ الہلال میں جو بعض قصاید اور غزلیں شائع ہوئی تھیں انکو اس دیوان میں جگہ نہیں دی گئی، مثلاً یہ غزل: بمکن ہنوں کہ بھول کے بھی اکسیر ہوں یا یہ قصیدہ :-

کرتا ہے چرخ روز بصد گنہ احترام      فرما خروائے کشور پنجاب کو سلام

حالانکہ ان نکلون کے قالب میں صاف طور پر مرزا غالب کی روح جھلک رہی ہے بہر حال اب تک مرزا غالب کے جملہ دیوان شائع ہوئے، یہ ایڈیشن مجموعی حیثیت سے ان سب سے بہتر ہے اور ہم ناظرین سے سفارش کرتے ہیں کہ اسکی ایک خوشنما جلد خرید کر اپنے کتب خانہ کی زینت و زینت میں اضافہ کریں، دیوان کی قیمت عیار ہے اور نظامی پریس بدایون سے مل سکتا ہے۔

الہدہب : قاری عباس حسین صاحب کی ایڈیٹری میں دارالسلطنت دہلی سے یہ رسالہ جاری ہوا ہے، اسکا موضوع جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، مذہب ہے، اسی بنا پر اسکی نظم و نثر دونوں نہایت رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں، روح اور مادہ پر گنیش پر شاہ صاحب نے عالمانہ مضمون لکھا، رسالہ کا حجم ہم صفحات کا ہے، قیمت تین روپے سالانہ، پتہ میا محل دہلی،

الادب :- یہ رسالہ کانپور کے حلقہ ادبیہ سے مولوی حسن سبھی کے ایڈیٹری میں نکلتا شروع ہوا ہے، اسکا مقصد اردو علم ادب کی خدمت ہے، اور یہ مقصد اس کے متعدد مضامین میں نمایان طور پر نظر آتا ہے، مادہ کہن کے عنوان سے مولوی حامد حسن صاحب قادی نے اچھا مضمون لکھا ہے، البتہ صفحہ ۱۹ میں جو غلطی لکھی گئی اس سے قطعاً احتراز کرنا چاہیے، حجم ۶۵ صفحہ قیمت سالانہ دو روپے، پتہ حلقہ ادبیہ میں کانپور



جلد پنجم	ماہ رمضان ۱۳۸۰ مطابق جون ۲۰۰۰ء	عدد ششم
----------	--------------------------------	---------

## مضامین

۲۰۰-۲۰۱	شذرات
۱۰۱-۱۰۲	انڈیا آفس لائبریری میں آردو کا خزانہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی
۲۰۲-۲۰۳	حقیقت علم (نمبر ۳)
۱۰۳-۱۰۴	مولوی محمد رئیس صاحب فرنگی علی
۲۰۳-۲۰۴	قرآن مجید اور شاعری
۱۰۴-۱۰۵	مولانا عبدالسلام صاحب ندوی
۲۰۴-۲۰۵	نامہ کیمبرج
۱۰۵-۱۰۶	چین کی تمدنی عظمت
۲۰۵-۲۰۶	یورپ اور ریولیوٹو نگاری
۱۰۶-۱۰۷	صحت دماغی اور تصوف
۲۰۶-۲۰۷	اخبار علیہ
۱۰۷-۱۰۸	تقریظ و تنقید
۲۰۷-۲۰۸	ادبیات
۱۰۸-۱۰۹	مطبوعات جدیدہ

## ایک ضروری اطلاع

چونکہ معارف کے اکثر معاونین کا سال خریداری ماہ جون میں ختم ہو جاتا ہے اسلئے جو صاحب ایندھ سال معارف کی خریداری کا ارادہ نہ رکھتے ہوں مطلع فرما دیں کہ جو طبعی طور پر بند رہے دی پئی روانہ ہو رہے ہیں۔

## شکرا

قومی تحصیلات کی نہایت ہی افسوسناک شکل وہ ہوتی ہے، جب وہ علمی مسایل کی راہ میں حایل ہونے لگتے ہیں، سر جے، سی، بوس کے اجتہادات و اکتشافات کی عالمگیر شہرت دیکھ کر ایک انگریز عالم پر و فیسر والر سے ضبط نہوسکا، انھوں نے اخبارات میں یہ بیان شائع کر دیا کہ ”بوس جن آلات کی مدد سے اپنے نظریات کا علمی ثبوت بہم پہنچاتے ہیں، انکی شہادت بہت ہی مشتبہ ہے، اور میں بعینہ وہی نتائج دوسرے ذرائع سے پیدا کر سکتا ہوں“ ریوٹر نے فوراً یہ خبر ہندوستان پہنچائی، اور بہان کے بعض انگریزی اخبارات نے اسے نہایت سرعت کے ساتھ شائع کیا کہ ہندوستانی دماغ کی نااہلی کا اس سے بہتر ثبوت اور کیا ملے گا، لیکن یہ سرعت بہت ہی عارضی ثابت ہوئی، کیونکہ انگلستان سے عدل درستی ابھی بالکل رخصت نہیں ہوئی ہے، متعدد اساتذہ سائنس نے جنہیں سے ہر ایک اپنی جگہ پر امام فن ہے، دوسرے ہی روز پر و فیسر والر کے بیان کی تردید شائع کرائی، اور اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر بوس کے ایجاد کردہ آلات کے قابل اعتماد ہونے کی تصدیق کی، چند روز کے بعد بوس نے علماء فن کے بھرے مجمع میں اپنے آلات کو امتحان کے لئے پیش کیا، اور اس روز معترض کو بھی ساکت ہونا پڑا، بالآخر بوس کا انتخاب رایل سوسائٹی کے فیلو کی حیثیت سے ہوا جو برطانیہ کی ممتاز ترین سائنسٹک انجمن ہے۔

اس وقت دنیا کا سب سے بڑا ریاضی دان ایک ہندوستانی تھا، مسٹر راجنم کی جانب سے

جکے کمالات ریاضیہ کا ذکر آج سے ہنیک ایک سال قبل معارف میں آچکا ہے بعض علماء فرنگ خیال تھا کہ نیوٹن کے بعد سے دنیا میں اس دماغ کا ریاضی دان نہیں پیدا ہوا ہے، اور اسکا تو سب کو اعتراف تھا کہ انہوں نے بعض وہ مسائل حل کر دیئے جو پوری ایک صدی سے لاغیر چلے آ رہے تھے، سخت افسوس ہے کہ ماہ گذشتہ میں اسی ہستی نے دق میں مبتلا ہو کر دنیا کو اپنے فیض سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا، مرحوم کا سن کل ۶۴ سال کا تھا،  
خوش درخشید دے دولت متعجل بود

یورپ اپنی علی زندگی میں اگرچہ خدا کا منکر ہے، تاہم اُس نے پریش دے کے لئے چند تمدنی دیوتا یا معبود پیدا کر لئے ہیں، جنکی عبادت میں وہ پورے خلوص و عقیدہ تمدنی کے ساتھ منہمک رہتا ہے، ان دیوتاؤں میں سب سے بلند مرتبہ اشتہارات کا ہے، الاح و رنج، شادی و غم کے ہر موقع، اور علم و تعلیم، تجارت و زراعت، صنعت و حرمت، اخلاق و سیاست کی ہر ضرورت پر وہ بے اختیار اشتہارات کی جانب رجوع کرتا ہے، بالکل ہی اخلاص، اسی تضرع، اسی آرزو مندی اور اسی خضوع و خشوع کے ساتھ کہ جس طرح ایک سچا مومن ہر امر میں اپنے معبود حقیقی کو یاد کرتا ہے، چنانچہ حال میں مائچسٹر یونیورسٹی کو پانچ لاکھ پونڈ (۵ لاکھ روپیہ) کے سرمایہ کی ضرورت ہوئی اور اسکے لئے اسی معبود سے استعانت کی گئی،

پورا ایک ہجینہ انسی کام کے لئے وقف کیا گیا، ہجینہ بھر شہر کے در و دیوار سے سرمایہ یونیورسٹی کی صدائیں آتی رہیں، ہر چوراہہ پر، ہر سڑک پر، ہر بڑی عمارت پر، ہر شفا خانہ، ہسپتال، سرکاری دفتر، ہوٹل، گرجا، ڈاکخانہ، قبرستان، ہر بڑے کارخانہ، اور ہر نمایاں مقام پر

جلی قلم سے یہ اشتہار آویزان تھا کہ "یونیورسٹی میں روپیہ لگاؤ" تاکہ سفر حضر چلتے پھرتے آٹھ بیٹھے، سوئے جاتے، ہر وقت یہ نقش دماغ پر قائم ہوتا رہے، شہر کے ہر بالکسوپ، تھیر، تاج گہر، غرض ہر تماشہ گاہ میں ہر شب کو دوران تماشہ میں پانچ منٹ کا وقت محض اسی موضوع پر ایڈرس کے لئے نکالا گیا، ایک روز شہر میں بڑے اہتمام سے جلوس اسی غرض کے لئے نکالا گیا، اور ایک روز اور یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ یونیورسٹی کا لباس پہنکر گھر گھر طلب زر کے لئے پہنچے، مسٹر بالفور نے "یونان تجارت" کے ادا العزم شرکا کے سامنے تقریریں کیں، اور مسٹر رابرٹ ہارن نے مجلس اہل صنایع کے دو ممتاز ارکان کے سامنے لیکن انگریزی قوم چونکہ اپنی سرشت سے خوب واقف ہے، اسلئے ان تمام مواقع پر بجائے "چندہ" یا "علیہ" کے "قرض" و "شرکت" سرمایہ" ہی کے الفاظ استعمال کئے گئے، یہاں تک کہ جن کاغذات کو دیکر رقم وصول کی جاتی ہے، ان پر لفظ "تمسک" درج ہے، اور اہل شہر کو ہر ممکن ذریعہ سے یہ یقین دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ سرمایہ یونیورسٹی میں شرکت سے خود اہل شہری کی صلاح مادی و مہجود مالی مقصود ہے، اور تو اور، جن اعلانات میں ضروریات یونیورسٹی کی تصریح کی گئی ہے، ان میں عنوانات مضامین کے ذیل میں چُن چُن کر ایسی ہی چیزیں درج کی گئی ہیں جو جذبہ قومیت و زہر پرستی کو تحریک دے سکیں، مثلاً فن نباتات و حیوانات نباتی وغیرہ کے تحت میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ان سے ملک میں نباتی پیداوار کو کس حد تک ترقی ہو سکتی ہے، یا عربی زبان کی تحصیل سے یہ فائدہ بنایا گیا ہے کہ اس سے عراق میں انگریزی حکومت کو مدد ملے گی!

ان کوششوں کے نتائج کا علم ہنوز نہیں ہوا، لیکن قیاس کہتا ہے کہ یقیناً غاٹ خواہ ہوئے ہونگے، بعض صوبہ کا قول ہے کہ انسان اگر خلوص قلب کے ساتھ ایک توڑو خاک کی

پرستش کرنے لگے تو وہی تودہ خاک اُسکا خدا سے حاجت ردا ہو جاتا ہے، کیا اشتہارات کی قوت، تودہ خاک سے بھی گئی گزری ہے؟

امریکہ کی آزاد خیالی کا غلغلہ اسوقت تمام دنیا میں بلند ہے، اسکی وسیع المشرقی دولت سمجھا جاتا ہے، اور اسکی فراخ دلی دوسروں کے سامنے نظیر کی حیثیت سے پیش کیا جاتی ہے، حال میں اس نے اپنی آزاد خیالی، وسیع المشرقی، فراخ دلی کا ثبوت یہ دیا کہ احمدی مسلمانوں کے ایک مشنری نے جب اس ملک میں قدم رکھا تو اس سے یہ شرط کرائی گئی کہ اشاعت اسلام کے متعلق وہ ایک تقریر بھی نہ کر سکیگا! فراخ دلی و رواداری کے جذبات عالیہ سے قطع نظر کر کے کہ مغرب کے بازاروں میں اس جنس کا اکثر قحط رہتا ہے، اگر محض معاوضہ اور روادوستی کے اصول سے دیکھا جائے تو بھی امریکہ کے اس فعل کے کوئی معنی ہو سکتے ہیں؟ اور کون امریکہ؟ وہ امریکہ، جسکے مشنری کالج اور اسکول ہندوستان کے اکثر بڑے شہروں میں مدت سے موجود ہیں، (صرف لکھنؤ میں امریکی مشن کے قائم کردہ چار کالج اور اسکول ہیں، اسی طرح الہ آباد دلاہور وغیرہ میں بھی ہیں) جسکی تبلیغی انجمنیں ہندوستان میں بکثرت قائم ہیں، اور جسکے واعظین ہندوستان کی گلی گلی میں اپنے عقاید کی آزادانہ منادی کرتے پھرتے ہیں!

لیکن نفس امتناع سے زیادہ دلچسپ بنا امتناع ہے، ارشاد یہ ہوتا ہے کہ چونکہ اسلام میں تعدد ازواج جائز ہے، اسلئے امریکہ میں اس مذہب کی تبلیغ و اشاعت کی اجازت نہیں مل سکتی، خواہ مسئلہ تعدد ازواج کو موضوع تبلیغ سے الگ ہی رکھا جائے، ”میشک وہ قوم جسکے

لہ بعد کو اطلاع موصول ہوئی کہ مجدد جہد کے بعد بالآخر یہ حکم مسترد ہوا،

قانون میں زنا کاری کوئی جرم نہیں، جبکہ فرہنگ اخلاق میں عصمت و عفت کے الفاظ کیسے بے معنی ہیں، اور جبکہ آئین معاشرت، انیم برہنہ وضع و لباس، فحش تصاویر و مناظر اور ہر ممکن ذریعہ و وسیلہ سے جذبات شہوانی کو تحریک دیتے رہنا باعثِ فحش ہے، وہ قوم اگر اسلام کے سایہ سے بھی جھجکے جبکہ ہاں بد چلنی بدترین محبت ہے، اور جبکہ قانون میں اس جرم کی شدید ترین سزا رکھی گئی ہے، تو اسکی جھجک بالکل قدرتی ہے۔

البتہ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ خود امریکہ کے بعض مشاہیر بیچاری و عصمت فردوشی کی اس افراط سے تنگ آچکے ہیں، اور علانیہ اس صورت حال پر نفرتیں کرنے لگے ہیں، علامہ اعلیٰ نویس کے ہائیکورٹ کے ایک قدیم جج مسٹر جوزف ڈیوڈن، محال میں انکی ایک تحریر شائع ہوئی ہے کہ تین سالہ سال سے طلاق کے مقدمات کی سماعت کرتے کرتے عاجز آگیا ہوں، رفتہ رفتہ حالت یہ پہنچ گئی ہے کہ جو عورت جتنی جلد جلد اور جس کثرت کے ساتھ طلاق حاصل کرتی ہے وہ اسی قدر معزز اور محبوب ہو جاتی ہے میرے نزدیک شادی کی رسم تو ملک میں اب بالکل بے معنی رہ گئی ہے۔ یہ ہے اس قوم کی اندرونی زندگی جو تعدد و ازدواج کا نام سننا بھی تہذیب و شائستگی کے منافی سمجھی ہے، اشاعر نے اسی موقع کے لئے کہا ہے،

کب بد مقابل آئینہ تھا      تم نے اپنی طرف نظر کی

مسلمانوں کے دماغ و قلم کی بیشمار یادگار میں صرف اسے تلف ہو چکی ہیں اور ہوتی جاتی ہیں کہ انکی ملکیت کا حق رکھنے والے نہ خود انکی تدبیر کے تہیہ اور نہ قدر دان ہاتھوں تک پہنچنے دیتے ہیں، ہندوستان میں ایک ہین ہزار دن پرانے خاندان ہیں جبکہ ان قلم کی کتابیں

صندوق کے صندوق کیڑوں کی غذا بن رہے ہیں،  
 کسی ایسے کبتخانہ کی نذر کر دینا تو الگ رہا، جہاں استفادہ و استعمال صبح کے ساتھ حفاظت  
 کی بھی ضمانت ہو جائے، قیمتہ دینا بلکہ دکھلانا تک گوارا نہیں کیا جاتا، یہ تلخ بخیر بہ ہکو بذات خود  
 بار بار ہو چکا ہے،

لیکن آنسو پوچھنے کے لئے حافظ صاحب علی صاحب سنگاپوری کے سے بعض بزرگ بھی  
 موجود ہیں، جنہوں نے بے منت و التجا عربی فارسی کی نصف درجن قلمی کتابیں کبتخانہ دار المصنفین کو  
 بھیج دی ہیں، جنہیں بعض کیا ب وغیرہ مطبوع ہیں، یہ رشحات کرم کا پہلا جینٹا نہیں ہے، پچھلے  
 سال بھی آپ اسی طرح کی متعدد کتابیں عنایت فرما چکے ہیں، شکر مزید بہ کرم مزید!

اس دوسری قسط میں شرح حکمت العین، حاشیہ عبد الحکیم بر تاج العنبر کے علاوہ مسلم البیروت  
 کا ایک جلی خط نسخہ ہے، جو اصول فقہ میں مولوی محب اللہ بہاری کی مشہور تصنیف ہے، ایک مجموعہ  
 رسائل ہے، جس میں ابن سینا دلائل حجتی وغیرہ کے بعض غیر معروف رسالے شامل ہیں، ایک فارسی  
 مثنوی ہے جو غالباً اب تک طبع نہیں ہوئی ہے، مصنف کا نام باقر علیخان ہے، اس میں مثنوی  
 مولانا روم کے اسرار و مطالب کو تہلیل و اختصار کے ساتھ بیان کی کوشش کی گئی ہے،  
 باؤالدین عالمی کی مشہور و مقبول عام کتاب خلاصۃ الحساب کی ایک عربی  
 شرح بھی ہے، عصمت اللہ سارنپوری کی اس کتاب کی فارسی میں کئی شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں سے  
 ایک مولوی روشن علی جوہر ری کی فورٹ ولیم کالج کی طرف سے ۱۳۸۵ھ میں چھپی تھی، خود اصل کتاب  
 بھی ایران میں چھپ چکی ہے، لیکن یہ عربی شرح غالباً اب تک کہیں نہیں چھپی ہے، اصل تصنیف سے  
 کم و بیش ایک صدی بعد ۱۳۸۵ھ میں لکھی گئی ہے،

# مقالات

انڈیا آفس لائبریری

میں

اُر دو کا خزانہ

میں اس وقت ناظرین معارف سے سات ہزار میل دور ہوں، بار بار جی چاہا کہ ناظرین معارف کے لیے اس عجائبستان عالم سے اونکے لائق کوئی تحفہ بھیجوں مگر واقعہ یہ ہے کہ ۲۶ فروری (یعنی جس دن سے ہمارا وفد ساحل انگلستان پر اتر ا) آج ۲۷ اپریل تک شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو جو آمد و رفت و ملاقات سے خالی گزرا ہو، لندن چھوڑ کر کبھی پیرس کبھی اور کمین جانا پڑتا ہے، اور اب اطراف انگلستان کا دورہ شروع ہوتا ہے، کل شب کو اڈنبراؤ ہاؤس سے منجھڑ ۳۰ مئی کو کیمبرج اور واپسی کے بعد کوئٹہ پیرس غرض ایک چمکے ہوئے میرے پائون میں رنجین

گو میری مصروفیت، دیگر ارکان وفد، محترم محمد علی وسید حسین صاحب سے بہت کم ہے تاہم عدم ایفاس عہد کے لیے معذرت خواہ ہوں، اس دوران میں اوس ایوان حکومت میں جس کا نام انڈیا آفس ہے، تین چار دفعہ جانے کا اتفاق ہوا، اس عمارت میں جان سینکڑوں حقیقی و مجازی زیارت گاہیں ہیں، ایک زیادہ نگاہ کا نام انڈیا آفس لائبریری ہے، یہ لائبریری ایک گوشہ عمارت میں واقع ہے، اور ہندوستان کی علمی تاریخ کا مجسمہ ہے، ایک گول ریڈنگ روم (مطالعہ کا کمرہ) ہے، اسکے ایک پہلو میں کتب خانہ ہے دوسرے



پہلو میں متعدد چھوٹے چھوٹے کتبے ہیں جو ہتھیں کتب خانہ کے دفتر میں، مشر اسٹوری جو پہلے علی گڑھ کالج میں عربی پروفیسر تھے، وہ اسٹنٹ لائبریرین ہیں، ڈاکٹر ارنلڈ جو کسی زمانہ میں علی گڑھ کے گزشتہ علمی دور کے ایک ممبر تھے وہ گولڈبریری سے تعلق نہیں رکھتے، لیکن انڈیا آفس سے تعلق ہیں، امین ان دونوں بزرگوں کا ممنون ہوں کہ انھوں نے لائبریری کے دیکھنے میں ہر طرح مدد دی۔

اس لائبریری میں عربی، فارسی، اردو، سنسکرت، بنگالی، گجراتی، ہندی کتابوں کا عظیم نشان ذخیرہ ہے، عربی اور فارسی کی بعض نادر قلمی کتابیں نظر سے گزریں، ایکٹھ مجموعہ قطعات ملو کہ ممتاز محل سلیم بیباں دیکھا، وہی ممتاز محل جن کے غیر فانی نام کو کل محل ہمیشہ زندہ رکھے گا،

ایک موقع تصاویر مجھے دکھایا گیا جو داراشکوہ کی ملکیت میں تھا، ایمن شہزادہ کے مختلف عہد کی، بچپن، تعلیم، جوانی، کی تصویریں ہیں، ایک خط کو فی میں لکھا ہوا قرآن مجید بیان دیکھا جو نہایت حقیقی نسخہ تھا، یہ نسخہ قدیم عربی خط کے مطابق زیر و زبر اور نقطوں سے خالی ہے، تاریخ شیر شاہی کی مجھے ہندوستان میں تلاش تھی، بیان اس کے متعدد نسخے دیکھے، مگر افسوس کہ کتاب کی نوعیت کی نسبت جو ذہن میں خیال تھا وہ صحیح نہیں نکلا،

اس وقت سرسری طور سے میں کتب خانہ کی اردو کتابوں کے ذخیرہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں انڈیا آفس لائبریری تقریباً اسی وقت سے قائم ہے، جب اردو نے اپنی ترقی کا آغاز کیا ہے، اور اگلے انگریز دن کو چونکہ اپنی جدید حکومت کی تازہ ترین زبان سے غیر معمولی دلچسپی تھی اس لیے اس لائبریری کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اردو کی قدیم ترین کتب میں جو ہندوستان میں ناپید ہیں وہ بیان موجود ہیں، اردو کی مطبوعہ کتابوں کی فہرست ایک جلد میں

جو ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، چھپی ہے، اس فہرست کو بوم ہارٹ J.H. BLUMHARDT نے مرتب کیا ہے، یہ اردو کے فاضل ہیں اور کسی زمانہ میں ہندوستان ہی رہ چکے ہیں، علمی کتاب کی فہرست ہی اس کے زیر تحریر ہے، سٹر اسٹوری نے اس کا مسودہ خاص طور سے منگوا کر دکھلایا، مگر چونکہ بوم ہارٹ صاحب خود موجود نہ تھے، اس لیے اس کے بلا جا رہے اس مسودہ سے فائدہ نہ اٹھا سکا،

بہر حال مطبوعہ اردو کتابوں کی اہمیت ہی یہاں میری نگاہ میں کچھ کم نظر نہ آئی، اور تھوڑی دیر کے لیے مجھے مغرور ہونا پڑا کہ اللہ اللہ ہاری زبان بھی اس قدر ترقی یافتہ ہے کہ ۲۰۰ صفحہ میں اس کی فہرست تمام ہوئی ہے، یہ فہرست سنہ ۱۹۰۷ء میں چھپی ہے اس لیے موجود بیسویں عہد کی کتابیں اس فہرست میں شامل نہیں ہیں، اس فہرست کو دیکھ کر یہ تعجب ہوا کہ اردو زبان غدر کے پہلے ہی سے ایک علمی زبان بن رہی تھی، دوسری بات یہ نظر آئی کہ اس زبان کو علمی زبان بنانے میں مسلمان اور ہندو دونوں اہل قلم کا برابر کا سا بھاجا ہے، یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستانی یونیورسٹیوں کی تاریخ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو حصوں میں منقسم نہیں کیا تھا، بلکہ جب صرف ایک سالم اور متحد ہندوستان دنیا میں موجود تھا، بہر حال اردو کتابوں کی یہ فہرست، جو صرف مطبوعات پر مشتمل ہے۔ چھ عنوانوں پر منقسم ہے، علوم و فنون، تاریخ و جغرافیہ، ادبیات، کتب تعلیمی، ادبیات، متفرقات، ہر ایک عنوان کے تحت میں حسب ذیل تقیسات ہیں۔

۱۔ علوم و فنون

۲۔ ہیئت و نجوم

۱۔ زراعت و نباتات

۴۔ علم الطبخ

۲۔ صنعت و حرفت

۵ نیرنگ و طلعات	۲۴ طب حیوانات
۶ علم المنزل و قواعد صحت	۲۵ تاریخ و جغرافیه
۷ نقشه کشی	۲۵ عام سوانح عمریان
۸ اخلاق	۲۶ سوانح محمد مصلم
۹ ورزش و سپهرگری	۲۷ سوانح ائمه
۱۰ قانون	۲۸ حالات قبائل و فرق
۱۱ انگریزی قانون	۲۹ علم الانساب
۱۲ هندو قانون	۳۰ جغرافیه و تقویم البلدان و آبادگرانی
۱۳ اسلامی قانون	۳۱ عام تاریخ
۱۴ منطق و فلسفه	۳۲ مقامی تاریخ
۱۵ طب و تشریح	۳۳ سفرنامه
۱۶ علم الحرب	۳۴ ادبیات
۱۷ موسیقی	۳۴ دوا دین
۱۸ لغت	۳۵ ڈراما
۱۹ علم السنه	۳۶ خطوط و مکاتیب
۲۰ طبعیات	۳۷ انتقادات ادبیه
۲۱ معاشیات	۳۸ شاعری
۲۲ علم المعانی و البیان	۳۹ عام شاعری
۲۳ اجتماعیات	۴۰ تذکره شعراء

۴۱	مذهبی شاعری	۵۹	علم الحساب
۴۲	مذهبی هندو شاعری	۶۰	علم حساب لکلیات و الجزئیات
۴۳	مذهبی اسلامی شاعری	۶۱	اقلیدس
۴۴	معارف و مسائل	۶۲	علم المساحة
۴۵	قصص و افسانه	۶۳	علم وزن و بیتايش
۴۶	قصص منظومه	۶۴	علم الخروقات و الاشكال
۴۷	قصص مشهوره	۶۵	علم المنشآت
۴۸	کتب تعلیمی	۶۶	کتب ابتدائیہ در تیس (در تیس)
۴۹	قواعد	۶۷	انتخابات
۵۰	قواعد عربی	۵۱-۵۲	الکلیات دینیہ
۵۱	قواعد برگنا (پشتو)	۶۸	برہمنی اور لا مذہبی
۵۲	قواعد انگریزی	۶۹	بودھی
۵۳	قواعد ہندی	۷۰	عیسائی
۵۴	قواعد ہندوستانی (اُردو)	۷۱	بائبل
۵۵	قواعد کشمیری	۷۲	بائبل لٹریچر
۵۶	قواعد فارسی	۷۳	تاریخ کلیسا
۵۷	علم الخط	۷۴	تعلیمات
۵۸	ریاضیات	۷۵	ادعیه و خرامیر
۵۹	علم الجبر و المتعالم	۷۶	تخصص

۷۷	مناظرہ و موازنہ ادیان	۸۵	سکھ مذہب
۷۸	ہندو مذہب	۸۶	متفرقات
۷۹	جینی مذہب	۸۷	تعلیمات
۸۰	اسلام	۸۷	تعلیم النساء
۸۱	عبادات	۸۸	تعلیم الصبیان
۸۲	عقائد	۸۹	مجموعہ اے تقریر و مضامین
۸۳	قرائیات	۹۰	رسائل موقت الشیوع
۸۴	حدیث	۹۱	دوادرجال

ذیل میں، ہر عنوانات ستہ میں سے چند کتابوں کے نام، بقید نام مصنف، و تاریخ طبع و مقام طبع لکھے جاتے ہیں، اس انتخاب میں قصداً صرف وہی کتابیں لی ہیں جو غدر سے پہلے یا اسکے بعد کسی قریب زمانہ میں لکھی گئی ہیں، قصص و منظومات کو ہاتھ نہیں لگایا ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ اردو میں اسکا بٹا ذخیرہ ہے، صرف علمی کتابیں لی ہیں، ان پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ علوم جدیدہ کی مختلف شاخوں میں کس سرعت سے اردو ادب و سوت تک ترقی کر رہی تھی، جب تک وہ تمام ملک کی مسلم زبان تھی، اندلحاق قومی سے نا آشنا تھی،

### فن زراعت

- ۱ چائے لگانے کی کتاب، ۷۷ صفحہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۴ء
- ۲ گنگا کی نر، مترجمہ سدا سکھ مال اور انگریزی صفحہ ۲۴۱، ۱۹۵۴ء مطبوعہ آگرہ۔
- ۳ کھیت کرم، مصنفہ کالی رے، تین حصے، دہلی، ۱۹۴۶ء و ۱۹۴۷ء و ۱۹۵۴ء

۴ پندنامہ کاشتکاری، مصنفہ موتی لال، آگرہ ۱۸۵۲ء

۵ علم الفلاحہ، رابرٹ اسکاٹ برن، صفحہ ۲۵۲، علی گڑھ ۱۸۶۵ء

۶ علم الفلاحہ، میجر کاربرٹ، الہ آباد ۱۸۶۹ء

۷ رشیم کاکیرا، موتی لال، لاہور ۱۸۵۳ء

۸ تجربہ ملح، غلام نبی، میرٹھ ۱۸۶۵ء

۹ توصیف زراعت، کلب حسین خان، آگرہ، ۱۸۳۸ء

### کتب حکمت

۱ بحر الحکمت، (اسٹیم انجن کا بیان)، ریورنڈ پارکن، ۱۸۴۷ء، لکھنؤ

۲ سجاد کی کل، ایٹوری لال ۱۸۵۵ء بنارس

۳ نور النواظر، احمد علی کانپور ۱۸۵۴ء

۴ علم تعمیر، کالی پرتا اورید علی، ۱۸۴۳ء پٹنہ

۵ قانون انطباع (چھاپہ) سیٹل سنگھ دہلی ۱۸۴۸ء

### کتب نجوم و ہیئت

۱ خلاصہ نظام آسمانی، پنڈت داسی دھیرا۔ آگرہ، ۱۸۵۲ء

۲ مفتاح الافلاک، عبدالسلام، کلکتہ، ۱۸۳۸ء صفحہ ۲۷۲

۳ نظام آسمانی (انگریزی مع ترجمہ ہندوستانی) کلکتہ ۱۸۳۶ء

۴ مختصر احوال نظام آسمانی، ۱۸۳۸ء آگرہ

۵ مختصر دقائق النجوم، بڑے صاحب گھمائی، مدد اس ۱۸۳۸ء

۶ اصول علم ہیئت، رام چندر، دہلی ۱۸۳۸ء، صفحہ ۳۲۵

علم ہیئت مترجمہ لفٹنٹ میلس، کلکتہ ۱۸۳۲ء

### جغرافیہ

ترجمہ مرصدا الاطلاع (عربی)، دارود و عبدالمومن ۱۸۶۱ء پورٹ بلیر، جلد ۳

فتح گدھ نامہ، احوال ضلع فتح گدھ، کالی راے، دہلی ۱۸۴۹ء، صفحہ ۲۰۴

علم جغرافیہ مترجمہ میر غلام علی، کلکتہ ۱۸۵۱ء، صفحہ ۲۲۰

جغرافیہ عالم۔ دہلی، ۱۸۵۳ء، صفحہ ۱۰۹

خلاصہ علم الارض، (مع انگریزی)، کلکتہ ۱۸۳۳ء

خلاصہ الجغرافیہ، آگرہ، ۱۸۵۲ء

مرآة الاقالیم، کلکتہ، ۱۸۳۶ء، صفحہ ۱۸۰

مختصر بیان جغرافیہ ہند، پنڈت چٹنامنی کانپور ۱۸۶۷ء

جغرافیہ کا پہلا رسالہ، مترجم از انگریزی، میر غلام علی، مدراس، ۱۸۵۳ء

جغرافیہ ہند از انگریزی، پنڈت سواروپ نراین دیواروپ نراین دہلی ۱۸۵۵ء، صفحہ ۱۲۲

### طبیعیات

عجائب روزگار۔ رام چندر۔ دہلی ۱۸۴۷ء

بکلی کی ڈاک، بے، ڈبلو، بیل، آگرہ، ۱۸۵۲ء

ہوا کا بیان، بدری لال، بنارس ۱۸۵۳ء

علم حکمت، میکلس، چارلس ڈیک، کلکتہ، ۱۸۴۳ء، صفحہ ۳

معدنیات، جواہر لال، آگرہ ۱۸۵۵ء

خلاصہ الصنائع، (ترجمہ از انگریزی)، جیولانا تھ، آگرہ، ۱۸۵۷ء، صفحہ ۱۱۲

- ۷ مرآة العلوم، هری درمن لال، بنارس ۱۸۴۹ء
- ۸ رساله مقناطیس، ترجمہ از انگریزی، سید کمال الدین، دہلی، ۱۸۵۶ء، صفحہ ۲۷۱
- ۹ تحصیل فی جبر الثقیل، سید احمد خان، آگرہ، ۱۸۴۴ء
- ۱۰ اصول علم لمبی، ترجمہ از انگریزی، اجود ہیا پرشاد و سیوا پرشاد، دہلی ۱۸۴۴ء، صفحہ ۱۶۹
- ۱۱ اصول جبر الثقیل، محمد حسن، بنارس ۱۸۵۲ء
- ۱۲ اصول قواعد انیات، ترجمہ انگریزی، اجود ہیا پرشاد، دہلی ۱۸۵۶ء، صفحہ ۲۶۴
- ۱۳ مقاصد علوم، ترجمہ انگریزی، سید محمد میر ۱۸۵۶ء کلکتہ،
- ۱۴ دائرہ علم ریچرل فاضلی، محمد کرم بخش، لکھنؤ ۱۸۶۶ء
- معاشیات (پولیٹیکل اکانومی)
- ۱ ترجمہ معاشیات مل - وزیر علی، دہلی ۱۸۴۴ء، صفحہ ۴۱۸۰
- ۲ اصول علم انتظام بدن - ترجمہ انگریزی دھرم نرائن - دہلی، ۱۸۴۶ء
- ۳ اصول سیاست بدن، دھرم سما، علی گڑھ ۱۸۶۹ء
- ۴ علم انتظام بدن - ترجمہ انگریزی، ناسو ولیم پیئر، علی گڑھ ۱۸۶۴ء
- علم المعاشرت
- ۱ اقبال فرنگ، بیان عادات و آداب و احوال فرنگ، ناب قبال لدولہ بہادر کلکتہ ۱۸۳۲ء
- ۲ دستور عمل امورات شادی دغی، چراغ شاہ ملتان ۱۸۶۸ء
- ۳ شہار کیٹی، درباب تخفیف مصارف شادی، آگرہ ۱۸۶۸ء
- ۴ ترمیم ضوابط شادی - آگرہ ۱۸۶۸ء
- ۸ ضوابط شادی آگرہ - ۱۸۶۸ء ایضاً پٹنہ ۱۸۶۴ء



## منطق

- ۱ ترجمہ شمسہ مولوی سید محمد، دہلی ۱۸۳۴ء
  - ۲ میزان العلوم، سید عبد العلی، پٹنہ ۱۸۶۹ء
  - ۳ خلاصۃ المنطق، دیوی پرشاد، بدایون ۱۸۶۹ء
- لائبریری کے بند ہونے کا وقت آگیا اسلئے مجبوراً یہ فہرست تمام ہوتی ہے، ورنہ جی تو یہ چاہتا تھا کہ اس تمام ذخیرہ کا ایک سرسری جائزہ ناظرین معارف کے پیشکش کر سکتا،

سید سلیمان ندوی

۲۷-۱ اپریل ۱۹۷۹ء

البرٹ ہال، لندن

## حقیقت علم

(۳)

یہ صورت ان احساسات مرکبہ کی ہے جسکا تعلق اشیاء جزئیہ کے احساس سے ہی لیکن دوسری صورت ترکیب احساسات کی وہ ہے جن میں اشیاء و اشخاص جزئیہ کا ادراک ہمیں نہیں ہوتا بلکہ جسکے ذریعہ سے ہم واقعات و حوادث کا ادراک کرتے ہیں ان دونوں میں فرق جو کچھ یہ ہے کہ جزئیات و اشخاص کے ادراک و احساس میں مختلف احساسات بیک وقت ذہن کے اندر مجتمع ہوتے ہیں، بخلاف اسکے واقعات کے ادراک کے وقت مختلف احساسات پے در پے ذہن کے اندر مجتمع ہوتے جاتے ہیں، پہلے ذہن کے اندر ایک احساس پیدا ہوتا ہے، پھر دوسرا اسکے بعد تیسرا غرض اسی طرح پے در پے ذہن کے اندر مختلف احساسات آتے رہتے ہیں اور جب ذہن میں ان سب کا اجتماع تدریجاً ہو جاتا ہے تو نفس میں انکے مجموعہ ہے ایک واقعہ کا خیال پیدا ہوتا ہے، انہیں سے پہلی قسم کے احساسات کو جزئیات کا احساس اور دوسری قسم کے احساسات کو واقعات کا احساس کہتے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی دونوں قسم کے احساسات احساسات مرکبہ کہلاتے ہیں، انہیں احساسات مرکبہ ہی کہتے ہیں۔ ہمارے تمام علوم حسیہ کا مدار ہوتا ہے کیونکہ دنیا میں جتنی باتیں ہمارے حواس کے سامنے گذرتی ہیں انکا بیشتر حصہ احساسات مرکبہ کی شکل میں ہمارے ذہن کے اندر آتا ہے اور احساسات بسیط یا احساس مفرد علم طبیعیات کے سالمہ کی طرح محض ایک وحی شے ہے جسکا تجربہ ہمیں اپنی روزانہ زندگی کے لحاظ میں بہت کم ہوتا ہے پس جہاں تک ممکن ہو اپنے احساسات

مرکبہ کو غلطی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا چاہئے ورنہ احساسات کی غلطی سے تمام علوم غلط ہو جائیں گے۔

نصرت کی حقیقت <sup>(۷۶)</sup> صفات بالابین کیفیت جس، اسکے تفریعات، اور جس کی غلطیوں اور ان کے اسباب سے بالاجمال بحث کی گئی جس سے کیفیت جس کی حقیقت اور علم جس کے باہمی تعلق کی کافی وضاحت ہوئی، لیکن شروع مضمون میں ہم نے بیان کیا تھا کہ انسان کے علم بسیط کے تین درجہ ہیں، حس، تصور، تخرید ذہنی اور ان تین مدارج کے بعد علم مرکب یعنی تجربہ، استقراء اور استدلال کے حدود شروع ہوتے ہیں، پس اب کیفیت جس کی تشریح سے فارغ ہونے کے بعد ہم تصور کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔

حس کی طرح تصور بھی چونکہ ایک کیفیت نفسی ہی اس لئے اسکی بھی کوئی منطقی تعریف نہیں کی جاسکتی اور اصل یہ ہے کہ دیگر مبادی کی طرح حکما تعلق انسان کے علوم اولیہ کے ساتھ ہو، ان کو اکت نفسانی کی بھی واقعی منطقی حقیقت بیان کرنا مشکل ہی، تصور کی تعریف قدامت نے یہ کی تھی کہ ذہن میں کسی چیز کے آنے یا منتقل ہوجانے کا نام علم ہے، ان کے نزدیک علم دو تصور دونوں مراد ہیں اور علم و تصور کی دو صورتیں ہیں، اگر مجرّد تصور بلا حکم ہو تو اسکو تصور ساذج کہتے ہیں، مثلاً زید کے علم کے وقت زید کی تصویر جو تمام احوال و احکام خارجیہ سے مجرّد ہو کر ذہن میں آئی ہے وہ قدام کے نزدیک تصور ساذج ہی لیکن اگر زید کی اس تصویر کے ساتھ ذہن میں زید کے کسی خارجی وصف کا بھی تصور ہو، مثلاً ہم بجائے زید کا تصور کرنے کے یہ تصور کریں کہ زید مرگیا یا زید بیٹھا ہے تو اس صورت کو ان کے نزدیک تصدیق کہتے ہیں، قدام کا خیال ہے کہ تصدیق کے لئے کیفیت اذعانی ضروری ہے مگر تصور حالت شک میں بھی ہو سکتا ہے، یہ قدام کے خیالات ہیں لیکن یہ خیالات بوجہ غلطی ہیں۔

اولاً اسلئے کہ علم کی کوئی ایسی صورت نہیں جس میں کیفیت از عانی نہ پائی جاتی ہو کیفیت حس کی تشریح اد پر گزری ہوگی جو گویا تمام علوم انسانی کی اصل و بنیاد ہے، لیکن کیفیت حس کی تشریح میں ہمیں خیال ہو گا کہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کیفیت کا آخری جز جو اصل احساس ہو اور قاضی مادی کا کیفیت نفسی میں تبدیل ہونا ہے اور اس کیفیت کی حقیقت بجز اسکے کچھ نہیں ہے کہ نفس میں اس شے خارجی کا ایک ایسا پائدار نقش پیدا ہو جاتا ہے جسکے باعث نفس اس شے کے وجود خارجی کا حس کر لیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ شک و دہم علم کی حد سے خارج ہیں، دوسری غلطی تصور کی اس تعریف میں یہ ہے کہ نفس کوئی ایسا ظرف نہیں جس میں حروف کندہ ہوتے ہوں جیسا کہ اد پر بیان کیا جا چکا ہو، تیسری غلطی اس تعریف میں یہ ہے کہ تصور کی نفسانی کیفیت جسکا ہر شخص اپنی روزانہ زندگی میں تجربہ کرتا ہے اس تعریف کی غلطی پر شاہد جو در کو ائف نفسانی کی حقیقت کے متعلق خود انسان کے ذاتی تجربہ سے بڑھ کر کوئی شہادت نہیں ہو سکتی، یہ بات ہمارے تجربہ کے بالکل خلاف ہے کہ تصور کرتے وقت کوئی نئی تصویر کسی شے کی ہمارے ذہن میں آتی ہے، گویا اس تعریف کا یہ مطلب ہے کہ تصور کے پہلے انسان کو واقعہ خارجی کا علم ہی نہیں ہوتا حالانکہ یہ سراسر ہمارے ذہنی تجربہ کے خلاف ہے بلکہ ہمارا ذہنی تجربہ اسکے خلاف اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ جس بات کا ہم پہلے سے علم نہ ہو اسکا تصور ہی نہیں کر سکتے ہیں پس وجہ بالا کی بنا پر ہمارے نزدیک قدامت کی تعریف صحیح نہیں ہے،

تصور کی واقعی حقیقت دریافت کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنے باطن کا دقیق مشاہدہ کیا جائے احساس کی طرح کیفیت تصور کسی خارجی بیچ کی محتاج نہیں ہے بلکہ جیسا ہم بیان کر چکے ہیں اس کیفیت کا قلع ان اور اکات انسانی سے ہے جو نفس اپنے ذہنی قوانین کی بنا پر اپنی آمدنی ترتیب حاصل کرتا ہے پس اس کی حقیقت کی تشریح بھی محض اس ذہنی ترکیب کی

حقیقت دریافت کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے، اس اصول کی بناء پر جب ہم اپنے باطن پر غور کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ انسان کے ادراکات دو طرح کے ہوتے ہیں بعض ادراکات کا ظہور تو اس وقت ہوتا ہے جب ہمارے حاسکے سامنے کوئی شے موجود ہو اور ہمارا حاسہ اس شے کا ادراک کر لیا ہو بالفاظ دیگر جب اشیاء خارجی کی موجودگی سے ہمارا نفس بذریعہ حواس مختلف کیفیات نفسیہ سے متحسس ہوتا ہے، مثلاً جب ہم براہ راست سخت گرمی کا احساس کرتے ہیں، یا مثلاً جب ہم آگ کو چھو کر اسکی اذیت محسوس کرتے ہیں لیکن بعض ادراکات وہ ہیں جنہیں گو بالفعل ان مختلف کیفیات نفسیہ کا احساس تو نفس کو نہیں ہوتا البتہ ان ادراکات کے ذریعہ سے ذہن میں ان کیفیات نفسیہ کی یاد تازہ ہوتی ہے جو مختلف ادراکات میں ہمارے ذہن میں پیدا ہوتی تھیں مثلاً اگر ہم اس گرمی اور سردی کی کیفیت کی یاد اپنے ذہن میں تازہ کریں جیسا کہ وقت بذریعہ حواس جتنے احساس کیا تھا تو یہ ادراک پہلے ادراک سے جو بذریعہ حواس حاصل ہوا تھا مختلف ہوگا۔

پھر ادراکات کی یہ دوسری صورت صرف ان محسوسات کے ساتھ خاص نہیں ہے جو جیسا کہ حواس کے ذریعہ سے ہوتا ہے بلکہ جو کچھ یہ ادراکات ذہن کی اندرونی ترتیب سے پیدا ہوتے ہیں اسلئے انکا دائرہ محسوسات کی حد سے متجاوز ہو کر جذبات کو بھی محیط ہوتا ہے جس طرح ہم کبھی کبھی اپنے ذہن میں ان کیفیات نفسیہ کی یاد تازہ کرتے ہیں جنہیں ہم اس وقت متحسس ہوئے تھے جب ہمارے حاسہ کے ساتھ کسی شے خارجی کو تعلق مقارنت یا تعلق علت و معلولیت پیدا ہوا تھا اسی طرح ہم ان کو لائق نفسانی کی یاد بھی اپنے ذہن میں تازہ کر سکتے ہیں، جیسا کہ پیدائش کے لئے حواس کے ساتھ کسی شے کو تعلق پیدا ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً اگر ہم کسی وقت غصہ سے بیتاب ہوئے تھے تو یہ ممکن ہے کہ اس غصہ کے عودال کے بعد

ہمارے ذہن میں اس کیفیت کا تصور پیدا ہو غرض ادراکات کی یہ صورت محسوسات ہی کیسا خاص بنیں ہے بلکہ اسکا تعلق انسان کے تمام کوالف نفسانی کے ساتھ یکساں ہے نیز ان دو صورتوں میں باہم اسقدر تائید ہے کہ اگر مثلاً تم مجھے یہ کہو کہ فلاں شخص کو فلاں شخص کے ساتھ محبت ہے تو میں تمہارا مطلب صاف سمجھ لوں گا اور میرے ذہن میں یہ شبہ ہرگز نہ پیدا ہوگا کہ شاید اس شخص کو محبت نہ ہو بلکہ وہ صرف محبت کا تصور کر رہا ہو

غرض انسان کے ادراکات کی یہ دو قسمیں ہیں جنہیں سے ایک کا تعلق ہیجیات بیردنی کے ساتھ ہو اور دوسری قسم کا کوالف نفسانی کی اندرونی ترتیب سے ان دو قسم کے ادراکات میں سے پہلی قسم کے ادراکات کو احساس کہتے ہیں جبکہ تشریح صفات بالابین گذر چکی ہو اور دوسری قسم کے ادراکات کو تصورات کہتے ہیں پس تقریباً لاکھ بنا پر اگر تم تصور کی منطقی تعریف کرنا چاہو تو تصور کی اس خاص حالت کو جسکے باعث تصور و احساس میں باہم فرق پیدا ہوتا ہے فصل قرار دیکر تصور کی یہ تعریف کر سکتے ہو کہ وہ ادراک کی وہ کیفیت ہو جسکی بیردنی ہیج کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ جو اسوقت پیدا ہوتی ہے جب ہم کسی گذشتہ احساس کی یاد تازہ کر رہے ہوں لیکن چونکہ اس کیفیت کی پیدائش ایک دوسری کیفیت نفسانی پر موقوف ہوتی ہے جسکو اصطلاح میں ہم توجہ کہتے ہیں اسلئے دوسرے الفاظ میں تصور کی تعریف یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ تصور وہ کیفیت ادراکی ہے جو اسوقت پیدا ہوتی ہے جب ہمارے توجہ کا انعطاف کسی خاص گذشتہ احساس کی جانب ہوتا ہے پس اس تعریف سے واضح ہوا کہ جس طرح کیفیت حس کی بنا ہیجیات بیردنی پر ہے اسی طرح کیفیت تصور کی پیدائش ایک ہیج اندرونی پر موقوف ہے جسکو ہم توجہ کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بلا توجہ کے ہم اپنے ذہن میں کسی گذشتہ احساس کی یاد نہیں تازہ کر سکتے ہیں

تصور اور وجود ذہنی کی بحث | تقریر بالا میں تصور کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ احساس کے ذریعہ سے ذہن میں جو معلومات حاصل ہوئے ہیں انہیں کیفیت جس کے مٹ جانے کے بعد رنگ آمیزی کرنے اور انکو دوبارہ نفس کے سامنے لانے کا نام تصور ہے گویا کیفیت جس کے قایم میں سے ہے لیکن نفس کے اس طلسمی راز کو دیکھ کر کہ جس کے مٹنے کے بعد محسوسات ذہنی کی پیدائش پھر دوبارہ کس طرح ہوتی ہے قدامت میں یہ بحث بے پایاں ہوئی کہ آیا ان مدرکات ذہنی کا وجود ذہن کے اندر ہوتا ہے یا نہیں؟ اسی مسئلہ کو اصطلاح میں وجود ذہنی کہتے ہیں جو دیگر مسائل فلسفہ کی طرح ارسطو کی ایجاد ہے اور ارسطو کے بعد ازمنہ متواسطہ میں اس مسئلہ کو عرب فلاسفہ نے گویا اپنے نزدیک عقلی دلائل سے ثابت کر دیا ہے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ اشیا خارجی کا وجود ذہنی بھی ہوتا ہے یعنی یہ کشتے خارجی ذہن کے اندر خود موجود ہوتی ہے لیکن ان لوگوں کے علاوہ عرب فلاسفہ میں اشاعرہ متکلمین کا ایک ایسا گروہ بھی تھا جس نے وجود ذہنی کا شد و مد کے ساتھ انکار کیا اور اس کے بعد بہرے کے نظریہ ہیبت کے ذریعہ سے جو دراصل اشاعرہ متکلمین کی آواز باگشت تھی وجود ذہنی کا پورا ابطال ہو گیا اور اب موجودہ زمانہ میں جبکہ علم النفس کی بنیاد علم تشریح اور وظائف الاعضاء پر رکھی گئی ہے اس بات کا کسی کے ذہن میں شبہ بھی نہیں گذر سکتا کہ جو چیزیں خارج میں موجود ہیں وہ تصور کے ذریعہ سے کبھی ہمارے ذہن کے اندر بھی رسائی حاصل کر سکتی ہیں ہیکو فلاسفہ قدیم کے دلائل سے کوئی بحث نہیں کیونکہ ان کے دیگر دلائل کی طرح اس دعویٰ کے دلائل بھی لفظی مباحث اور سطحی نظر پر مبنی ہیں جبکہ اس زمانہ ترقی میں کوئی قدر قیمت نہیں لیکن ہم اس جگہ صرف یہ بتادینا چاہتے ہیں کہ ان فلاسفہ کو وجود ذہنی کا خیال جو پیدا ہوا اسکی بنا صرف یہ ہے کہ ہمارے حس کے مٹنے کے بعد بھی ہمارے ذہن میں اشیا غائبہ کا تصور باقی رہتا ہے

اسیے اونوں نے خیال کیا کہ تصور کے لیے وجود ذہنی ضروری ہے لیکن حس و تصور کا  
 باہمی مقابلہ کر کے ہم نے اوپر کیفیت تصور کی جو تشریح کی ہے اس کے واضح ہو جانے کے بعد  
 اس بات میں کوئی شبہ نہیں باقی رہتا کہ تصور محض اس احساس بسیط کے ترکیب پانے کا  
 نام ہے جس کا تجربہ اپنی بسیط اور اصلی حالت میں انسان کو بہت کم ہوتا ہے اور وہ کیفیت نفسی  
 جو ارتعاش مادی کی منقلب شدہ صورت ہے جب کیفیت حس کے مٹنے کے بعد نفس میں دوبارہ  
 پیدا ہوتی ہے تو اسی کو ہم تصور کہتے ہیں گویا عدم فناء مادہ اور قانون ارتقار جو دیگر مظاہر کائنات  
 پر عامل ہیں وہ کوائف نفسانی میں ارتعاش مادی کی منقلب شدہ صورتوں پر بھی عامل ہوتے  
 ہیں پس حس کے ذریعہ سے نفس میں جو ایک اثر پیدا ہوتا ہے اس کو اصل شے خارجی سے کوئی  
 نسبت نہیں ہوتی اسکی حالت بالکل ویسی ہی ہے جس طرح خارج میں اکچین اور ہائیڈروجن کے  
 مٹنے سے پانی پیدا ہوتا ہے مگر اکچین اور ہائیڈروجن کے امتزاج کو پانی کی پیدائش سے  
 کوئی نسبت نہیں سیطرح حس کے سامنے شے خارجی کے آنے سے جو احساس پیدا ہوتا ہے  
 اس کو بھی اس شے خارجی سے کوئی نسبت نہیں ہوتی اور چونکہ تصور کی حقیقت بجز اسکے کچھ  
 نہیں ہے کہ وہ مثلاً ہوا احساس ہر حسین عوامل نفسانی سے حرکت پیدا ہو گئی ہے اور تصور  
 کی حالت میں جو کچھ ہوتا ہے وہ صرف یہی ہے کہ وہ اثر جو حس کے وقت ذہن میں قوت کے  
 ساتھ پیدا ہوا تھا اس میں اس کیفیت کے مٹنے ہی جو جمود پیدا ہوتا ہے تصور اس جمود کو  
 مٹا کر اسکی تجدید کرتا ہے گویا وہ نقش جو پہلے رنگ آلود ہو گیا تھا وہ اب ابھر آتا ہے اس لیے  
 یہ ظاہر ہے کہ کیفیت تصور میں ذہن کے اندر کسی شے کے آنے کا گمان بھی کسی طرح نہیں چکنا  
 حس کی صورت میں آگ کی گرمی پہاڑ کی بلندی اور اونٹ کے طول قامت کی تصویر کس کے  
 ذہن میں باقی ہے ؟ اسی طرح تصور کرتے وقت پہاڑ کی بلندی کا وہ جو کس کے ذہن میں ہوتا ہے



ذہن کا اس سر میں تیز کی صلاحیت بھی نہیں ہے تعجب ہے کہ فلاسفہ نفس کو غیر متحیر اور غیر متبدل  
انکر کسطح اس بات کے قائل ہو گئے کہ اس غیر متحیر اور غیر متبدل جو ہر کے اندر متحیر اور متبدل چیزوں کا  
حصول یا حلول ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر کو اس سے بحث نہیں کہ نفس ایک جوہر غیر متبدل ہے  
یا جوہر متبدل البتہ ہم نفس کی حقیقت سے ناواقف رہ کر اس قدر جانتے ہیں کہ اعمال نفس فکر و شعور  
پر مشتمل ہیں اور ان مشاعر و افکار کی وہ صفت جو نفس کی اندرونی ترتیب سے پیدا ہوتی ہے  
یعنی جسکے پیدا کرنے میں مہجات بیرونی کو دخل نہیں ہوتا اسکی پیدائش ذہن میں چند نفسانی  
قانون کی بنا پر ہوتی ہے انہیں نفسانی قوانین میں سے نفس کا ایک قانون یہ ہے کہ حس کے  
ذریعہ سے جو نقش ذہن انسانی میں پیدا ہوتا ہے اس میں ایک دوسرے عامل نفسانی یعنی توجہ کے  
ذریعہ سے کیفیت حس کے مٹنے کے بعد رنگ آمیزی کی جا سکتی ہے اس قانون کو ہیوٹم کے  
الفاظ میں تم یون ہی ادا کر سکتے ہو کہ جس طرح خارج میں ہر وہ شے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے جو مذم  
ہونے کے بعد اپنا ایک پائدار نقش چھوڑ جاتی ہے اسی طرح اعصاب انسانی میں بھی یہ ایک  
عجیب خاصیت ہے کہ انکے سامنے کسی شے خارجی کے آنے سے لوح اعصاب پر ایک نقش ساجو

سلہ تصورات کا رد و ذہنی مان لینے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حصول یا دخول ذہنی کے کیا معنی ہیں  
مفصل تعلق یا مغایرت کافی نہیں ہے فلاسفہ قدیم کا میلان زیادہ تر اس جانب معلوم ہوتا ہے کہ حصول اصل میں حلول  
ذہنی ہی لیکن دفعہ ہر کو کھلا و قدیم حلول ہی کی تعریف متعین نہیں کر سکتے ہیں اسکے علاوہ حلول ذہنی کی بنا پر فلاسفہ  
نے بساطت نفس کو ثابت کیا ہوا اور اس کمزور بنیاد پر اپنے ابعاد الطبیعیات کی ایک بہت بڑی عازت کھڑی کر دی ہے  
لیکن اصل ہی کمزور ہے یہ تعمیر کیا کام دیگی ہم نے جو ذہنی کے متعلق فلاسفہ و حکمین کے کل مشاجرات کو بڑھ کر خود  
ہی غور کیا لیکن ہر کو دو ذہن میں سے کسی کے دلائل میں بھی مفصل تجربیات ذہنیہ اور الفاظ کی بھم بھم کی گئی  
سوا کچھ نظر نہ کیا۔ ۱۲۔

بجائتا ہے وہ نقش یا اثر کبھی زائل نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے عالم نفسی یعنی توجہ کی وساطت سے اسکے ذرات میں ہر وقت انتشار پیدا ہوتا رہتا ہے اسی انتشار و افتراق کی سبب کیفیت کا نام اصطلاح میں تصور ہے یہ کیفیت انسانوں کی طرح حیوانوں میں بھی پیدا ہوتی ہے۔ غرض کیفیت تصور کی پیدائش نفس کے صرف اس قانون پر مبنی ہے جسکا تجربہ انسان کو روزانہ زندگی میں برابر ہوتا رہتا ہے لفظ ”قانون“ کا منشاء صرف یہ ہے کہ ہم اپنی روزانہ زندگی میں صرف یہ پاتے ہیں کہ جب ہم اپنے کسی گزشتہ احساس کی جانب توجہ کرتے ہیں تو وہ احساس ہمارے ذہن میں دوبارہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اور اس واقعہ کی لم کیا ہے؟ اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ کیفیت تصور کی پیدائش کی علت توجہ ہے پس تصور کرتے وقت توجہ اور اس کیفیت کے علاوہ ہمیں کسی ایسی چیز کا تجربہ کبھی نہیں ہوتا جو ہمارے ذہن کے اندر موجود ہوتی ہو اور اس بنا پر وجود ذہنی کا خیال جھوٹا فلسفہ کے ان دیگر خیالات سے زیادہ دقیق نظر نہیں آتا جو محض سطحیت اور مبہم الفاظ کی پیچیدگیوں پر مبنی ہیں۔

(۲۸) تصور جس کا فرق اور دونوں کا باہمی تعلق | لیکن چونکہ کیفیت توجہ کی نفسانی تشریح اور اس کے قوانین نفسی سے ہمارے زیر بحث موضوع کو کوئی تعلق نہیں اسلئے ہم ان مباحث سے یہاں قطع نظر کرتے ہیں البتہ کیفیت تصور کی مزید تشریح کی غرض سے یہاں صرف اتنا جان لینا چاہیے کہ چونکہ انسان کے ذہن کو کبھی اس شے کی جانب توجہ نہیں ہو سکتی جسکا علم پہلے سے انسان کو نہ ہو چکا ہو اسلئے توجہ کی طرح تصور بھی اپنی پیدائش میں اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ پہلے سے ذہن میں زیر توجہ امر کے متعلق معلومات حاصل ہو چکے ہوں اور چونکہ تصور کے پہلے معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ بجز احساس کے اور کوئی نہیں ہے اسلئے جب کبھی ہمارے ذہن میں تصور کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اس سے پہلے ہمارے ذہن میں احساس کے ذریعہ سے معلومات

حاصل ہو چکے ہوتے ہیں کیفیت حس کی تشریح کے بیان میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حس کا آخری جزو اصل احساس ہے اور تعاش مادی کا کیفیت نفسی میں تبدیل ہو جاتا ہے احساس کے ذریعہ سے ذہن میں یہ کیفیات نفسیہ جب پیدا ہوتی ہیں تو گو حاسہ کے سامنے سے بچ کر گزرتے ہیں اصل احساس کی کیفیت مٹ جاتی ہے مگر احساس کے ذریعہ ذہن انسانی پر جو ایک نقش سا بجاتا ہے وہ اب بھی باقی رہتا ہے اور پھر جب کبھی ہماری توجہ اس مٹے ہوئے نقش کی جانب منعطف ہوتی ہے تو ہمارے ذہن میں پھر وہی اگلی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو اصل احساس کی وقت پیدا ہوئی تھی پس تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ تصور کی پیدائش ہمیشہ احساس کے بعد ہوتی ہے نیز یہ کہ تصور محض ذہن کی اس کیفیت کا نام ہے جس میں ذہن قوانین توجہ کی بنا پر احساس کے مٹے ہوئے نقش میں رنگ آمیزی کرتا ہے یا یوں کہو کہ حاسہ کے سامنے کسی شے خارجی کے آنے سے لوح ذہن پر جو ایک نقش کندہ ہوتا ہے اس میں حاسہ کے سامنے سے اس شے خارجی کے ہٹنے ہی رنگ پیدا ہو جاتا ہے کیفیت تصور اس رنگ کے دفع کرنے کا نام ہے گویا حیات کے رنگ اور نقش کا تصور کے ذریعہ سے صیقل ہو جانا ہے غرض تصور اور حس کی نفسانی تشریح سے یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ تصور و احساس میں قبلیت و بعدیت کی نسبت ہے اگر ہر کو کسی چیز کا حس نہ ہوا ہو تو اس چیز کا تصور بھی ہم نہیں کر سکتے ہیں اس دعویٰ کی تفصیلی دلائل سے ہم آگے چل کر مفصل بحث کریں گے لیکن اب ان دونوں کیفیتوں کا باہمی تعلق دریافت کرنے کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے باہمی فرق بھی مفصل بتا دیے جائیں

## کیا قرآن مجید میں شاعری نہیں ہے؟

از مولانا عبدالسلام ندوی

کفار عرب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خطابات دیے تھے اون میں ایک یہ تھا کہ آپ شاعر ہیں، لیکن خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر موقع پر اس سے تیری دستخاشی ظاہر کی ایک موقع پر فرمایا۔

وما علمنا الا الشعر وما ينبغي له  
ہم نے اس کو نہ شاعری کی تعلیم دی اور نہ شاعری کو لکھنا

دوسری جگہ ارشاد ہوا

وما هو بقول شاعر  
یہ شاعر کا کلام نہیں

ایک جگہ نہایت تہدید الفاظ میں فرمایا۔

ام يقولون شاعر نترص به ريب  
کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایک شاعر ہے جس کی  
المنون قل ترصوفاني معكم من  
بربادی کے لیے ہم حادث زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں،  
المتربصين۔  
کہہ کہ انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں،

ان آیات کے علاوہ روایات سے بھی ثابت ہو کر بعض نیک دل لوگ آپ کی خدمت میں آئے اور شہادت دی کہ آپ جو کلام اہل عرب کے سامنے پیش کر رہے ہیں وہ شاعرانہ کلام سے بالکل مختلف ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ جب انیس (جو شاعر بھی تھے) آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پٹ کر اپنے بھائی حضرت ابوذر غفاریؓ سے کہا،

يقولون شاعرًا كما هن، ساحرًا لقد  
کفار کہتے ہیں کہ وہ شاعر ہے، کاہن ہے،  
سمعت قول الکھتفما هو یقولہم  
ساحر ہے، لیکن میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے

ولقد وضعت قوله على اقراء الشعر فمنا  
 وادى كقول نين، مينى اوكى كلام كثرى  
 يلتم على سان احد بعدى انه شعر الله  
 كى تراز دين تولا تو اب ميرى بعد كوى يه نك كى  
 انه لصا دق وانهم لكادون  
 وه شعر هى خدا كى قسم وه سچا هى اور وه لوگ جھوٹے ہيں

اب سوال يه ہے كه ان دون اتوال مين كسكو ترجيح ديكاے ؟

يه بالكل سچ ہے كه رسول الله صلى الله عليه وسلم شاعر نه تھے، اور آپ نے اهل عرب كے سامنے  
 جس كلام كو سجدى كے ساتھ پيش كيا تها دفعه نه تها، تا هم ايك جم غفير جو عرب كے شاعر نه مذاق سے  
 كامل واقفيت ركھتا تھا محض لغض وعناد كيو جسے آپ كو شاعر كا خطاب نين ديكتا تھا۔

آپ غيب كى خبر مين ديتے تھے تو اهل عرب آپ كو كا هن كتے تھے، آپ معجزات دکھاتے تھے تو  
 وه لوگ آپ كو ساحر كتے تھے، آپ اگر چه كا هن يا ساحر نه تھے تا هم آپ مين اور ان لوگون مين  
 اسقدر ماب الا شراك ضرور تھا كه كا هن بهى اسى قسم كى ميشنگويان كرتے تھے اور جادو كرون كى  
 شعبه بازيان بهى معجزات سے مشابيهوتى تھين اور كفار نے اسى مماثلت كو پيش نظر ركھ كر آپ كو  
 ساحر اور كا هن كا خطاب ديا تها، اس بنا پر اور هنون نے آپ كو شاعر كا خطاب بهى كسى نه كسى سبب  
 كى وجہ سے ديا هوگا، ليكن اسكے ساتھ ايك ايسے شخص كى شهادت كو بهى جو خود شاعر تها، نظر انداز  
 نين كيا جاسكتا، وه آپكے كلام كو شاعرى كى ميزان مين ركھتا ہے تو وه شعر سے بالكل مختلف  
 نظر آتا هو، اور وه بے اختيار پكا لوٹھتا هو كه خدا كى قسم وه سچا ہے اور وه لوگ جھوٹے ہيں۔

شعر كى حقيقت كے متعلق اهل ادب كى جو تصريحات هين وه بهى با هم متعارض هين، ادب كى  
 عام كتابون مين شعر كے ليے صرف وزن قافيه اور اراده متكلم كو ضرورى قرار ديا گيا ہے ليكن ابن  
 رشيق نے كتاب عمدہ مين شاعرى كى حقيقت كے متعلق معتقين اهل ادب كے جو اقوال نقل كئے  
 هين اولن سے ثابت هوتا ہے كه وزن ابجر اور قافيه بالكل عرضى جيز مين، اور شعر كے

اصلی عناصر ان سے بالکل الگ ہیں، ان کے نزدیک شعر کی بنیاد چار چیزوں پر قائم ہے، ترغیب و ترہیب، خوشی و مسرت، رنج و غصہ، اور شاعری کے تمام انواع کی صورت ترکیبی، انہی عناصر اربعہ سے وجود میں آتی ہے، ترغیب سے مح و فح کے جذبات کی تولید ہوتی ہے، ترہیب سے اعتدال و استعطفان کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، خوشی و مسرت تثنیہ و غزل کا خاکہ تیار ہوتا ہے، اور رنج و غصہ سے ہجو، اور دھمکی کے جذبات کو اشتعال ہوتا ہے، چنانچہ ایک بار عبد الملک بن مردان نے ارطاة بن ہمیر سے کہا کہ آج تم شعر کہہ سکتے ہو؟ اس نے کہا میں نہ خوش ہوں، نہ مجھے غصہ آیا ہے، نہ میں نے شراب پی ہے، اور نہ میرے دل میں کسی چیز کی خواہش ہے، اور شعرا انہی حالات میں کہا جاتا ہے، ایک ادیب نے شاعری کو صرف دو قسم یعنی مح و ذم میں منقسم کر دیا، اور اس کے نزدیک شاعری کے بقیہ انواع انہی دونوں کی ذمین ہیں، مرثیہ، فخریہ، تثنیہ، غزل، حکم، موعظ، زہد و قناعت، غرض تمام محاسن اخلاق مح میں دخیل ہیں، اور ہجو بالکل اسکے برعکس ہے، ایک ادیب کا قول ہے کہ شعر بالکل ایک گھر کے مشابہ ہے، اس کی بنیاد طبیعت ہے، اس کی چہت روایت ہے، اس کا ستون علم ہے، اس کا دروازہ تجربہ ہے اور اس کا رہنے والا معنی ہے، وزن و قوافی بالکل ایسے ہی ہیں جیسے خیمے کے لیے کھونٹیاں،

ان معقین نے شاعری کے پانچ مقصد قرار دیے ہیں، تغزل، مدح گسری، ہجو گوئی، محاکات (یعنی کسی چیز کی تصویر کھینچنا) جس میں تشبیہ و استعارہ بھی داخل ہے، اب ان اقوال کو پیش نظر رکھ کر غور کرو تو تم کو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید شاعر

سے بھرا ہوا ہے، عبادات اور معاملات کے متعلق قرآن مجید میں جو آیتیں ہیں، اول میں اگرچہ شاعرانہ عناصر نہیں پائے جاتے، لیکن یہ تمام آیتیں مدنی ہیں، اور کفار کا اصلی مقابلہ

کرتین تھا، اور کی آستین ماسٹر شاعرانہ عناصر سے لبریز ہیں، کی آیتوں میں عمروما حشر و نشر عذاب  
و ثواب اور دوزخ و جنت کا ذکر کیا گیا ہے، مسلمانوں کی مدح، اور کفار کی بھوک لگی ہے،  
اور ان تمام مضامین کو نہایت پر جوش اور شاعرانہ انداز میں ادا کیا گیا ہے، مثلاً و انما  
قیامت کا بیان جن آیات میں کیا گیا ہے، اور میں کقدر اعلیٰ مدح کی محاکات پائی جاتی ہے  
کلاد ادا دکت الارض دکاد کا وجاء ہرگز نہیں جب زمین ریزہ ریزہ کر دیا جائیگی، اور خطا  
ربک وال ملک صفا صفا، اور فرشتے پرے ہانڈے ہوئے آئیں گے،

فاذ ابدق البصر و خسف القمر و جمع شمس جبکہ گاہ چڑھیا جائیگی اور چاند گھٹا جائیگا اور چاند  
والقمر یقول الا انسان یومئذ ابن المقدر اور سورج چمک کر پیے جائیگی، تو انسان کیسے کہ اب جا  
کلاد و ذرا الی ربک یومئذ ۲ مستقر گرینا مان، ہرگز نہیں کوئی جا پائے نہ ضرورت خدا کی پس کا  
وجہ یومئذ ناظرۃ الی ربھا ناظرۃ، بہت سے چہرے آج تروتازہ نظر آئیں گے، اور اپنے  
ووجہ یومئذ باسرة تظن ان یفعلن بها خدا کی طرف دیکھتے ہوئے، بہت سے چہرے نگین نظر آئیں گے  
فاقرۃ کلاد اذ بلغت الترقی و قیل من اور انکا خیال ہو گا کہ اورن پر سخت عذاب آئے گا  
راق و ظن انه الفراق والتفت الباقی ہرگز نہیں، جب سانس خلق میں آکر دمک جائیگا  
باساق الی ربک یومئذ ۱ المساق اور کہا جائیگا کہ اب کون بھارتھو تک کرید الا ہر  
اور وہ گمان کرے گا کہ فراق کا وقت آگیا، اور ڈانٹے  
ٹانگ پٹنے لگی، اب خدا ہی کی طرف یہ نہکا واہر  
وگو خدا سے ڈرو، کیونکہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی

یا ایھا الناس اتقوا ربکم ان زلزلة الساعة شی عظیم یوم توفیھا تن هل کل مضرة چیز ہے، اوس دن ہر دودھ پلانیا والی عورت اپنے  
شیر خارج کرے گا بھول جائیگی، اور ہر حاملہ کا حمل  
یا ایھا الناس اتقوا ربکم ان زلزلة الساعة شی عظیم یوم توفیھا تن هل کل مضرة  
عما ارضعت وتضع کل ذات حملها

وترى الناس سكرى وما هم بسكرى  
ولكن عذاب الله شديد

ساقط ہوا یگانہ، تم لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ متواری  
ہیں، حالانکہ وہ متواری نہیں، لیکن عذاب خدا سخت ہے  
اہل جنت کی مح میں کس قدر شاہد جاہ و جلال کا اظہار کیا گیا ہے،

وجوه یومئذ ناعمة لسیما راضیة فی  
جنة عالیة لا تسمع فیھا لاغیة فیھا  
عین جاریة فیھا سرور مرفوعة واکواب  
موضوعة ومارق مصفوفة ووزرابی  
مبثوثة۔

بہت سے چہرے آج کے دن ترو تازہ اپنی کمانی کر  
خوش، جنت عالیہ میں ہونگے جس میں نواب تین  
دینیکے، اوس میں ہرین جاریں ہوگی اوس میں  
بلند تخت ہونگے، پیاز رکھئے ہوئے ہونگے اوصف  
بصف پردے اور بچھے ہوئے بستر ہونگے

کفار کی ہر کس قدر سخت الفاظ میں کی گئی ہے،  
ولو طع کل حلاف ہمین ہما و مشاء بنیم  
مناع للخیر معتدا یشیم عقل بعد ذلک  
ذیم ان کان ذامال و بنین۔

اور اوس شخص کے کہتے ہیں نہ آجا جو بات میں قسم  
کھاتا چڑا ہوا خستہ طاعن ہے چلیاں کھاتا ہے  
لوگو کو اچھے کاموں سے روکتا ہے ہر صدمہ بڑھاتا ہے ہر تندرستی  
اور ان مبتدیانہ کو سنا ہے جو بنیاد پر اس کے وہ لڑاؤ و لڑائی

قرآن مجید کا شاعرانہ زور زیادہ تر تشبیہات و استعارات میں صرخت ہوا ہے، لیکن وہ اس قدر کثیر  
متنوع، اور مختلف المقاصد میں کہ اس مختصر مضمون میں ان کا استقصا نہیں کیا جاسکتا،

موجودہ زمانہ میں شعر کی حقیقت کے متعلق جو موشگافیاں ہونی  
ہیں، اوس نے اس مسئلہ کو ادب ہی واضح کر دیا ہے، قدیم اہل ادب  
کے نزدیک شعر کم از کم الفاظ کا پابند تھا، لیکن جدید تحقیقات کی بنا پر  
شعر کے لیے الفاظ کی بھی ضرورت نہیں، چنانچہ مل صاحب فرماتے ہیں،



”شاعری میں ایک خاص کیفیت پائی جاتی ہے جس کا وجود نظم و نثر دونوں میں یکساں طور سے ہو سکتا ہے، بلکہ چاہے یہ سرے سے الفاظ ہی کی محتاج نہیں ۹۹  
ایک یورپین مصنف لکھتا ہے کہ

”ہر چیز جو دل پر ہتھواب یا حیرت، یا عرش یا اور کسی قسم کا اثر پیدا کرتی ہے شعریہ ہے“  
اس بنا پر فلک نیلگون، نجم درختان بہیم سج گنگا، نہ شفق تبسم گل، اخرام صبا، الزلزل،  
دیرانی دشت، شادابی حین، غرض تمام عالم شعریہ ہے، یہ آجکل کا خیال ہے، لیکن عجیب  
بات ہے کہ حضرت خواجہ فرید الدین عطار نے آج سے چھ سو برس پہلے کہا تھا۔

پس جہاں شاعر ہو چون گراں

لیکن کیا قرآن مجید میں یہ خاص کیفیت نہیں پائی جاتی؟ کیا کسی شاعر نے قرآن مجید سے  
زیادہ مناظر قدرت کی نیرنگیوں، اور مظاہر فطرت کی بوقلمونیوں کو مسایا کیا ہے؟  
اگر قرآن مجید میں یہ خاص کیفیت پائی جاتی ہے اگر قرآن مجید میں روحانی و مادی دونوں  
عالم کی نیرنگیاں نظر آتی ہیں تو کیا وہ مجسم شعر نہیں ہو سکتا؟ اگر حسان بن ثابت نے اپنے  
بچے کی زبان سے ایک عمدہ تشبیہ سکر بے اختیار کہہ دیا تھا کہ واللہ میرا لڑکا شاعر ہو گیا، تو  
اہل عرب نے قرآن کی ہزاروں لطیف تشبیہات اور بدیع استعارات کو سکر اگر اسے شعر کہا  
تو کیا مذاق صحیح اور کو مجرم قرار دے سکتا ہے؟

اس موقع پر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید خطیبانہ انداز کی کتاب ہے، اور  
خطابت میں بھی اگرچہ شاعری کے تمام عناصر پائے جاتے ہیں، با اینہمہ دونوں کے حدود بالکل  
الگ الگ ہیں،

”خطابت کا مقصد حاضرین سے خطاب کرنا ہوتا ہے، اسپیکر حاضرین کے مذاق و معتقدات اور میلان طبع کی جستجو کرتا ہے تاکہ اسکے لحاظ سے تقریر کا ایسا پیرایہ اختیار کرے جس سے ان کے جذبات کو براہِ نگہِ تختہ کر سکے اور اپنے کام میں لاس، بخلات اسکے شاعر کو دوسرے غرض نہیں ہوتی وہ یہ نہیں جانتا کہ کوئی اسکے سامنے بھی یا نہیں ہے“

قرآن مجید کے ذریعہ سے بھی دوسروں ہی کے معتقدات و خیالات پر اثر ڈالاجاتا تھا، ایسے ادسکا انداز خطیبانہ تھا، شاعرانہ نہ تھا، اہل عرب کی یہ غلطی تھی کہ وہ ایک خطیبانہ کلام کو شاعرانہ کلام سمجھتے تھے لیکن عرب میں خطابت اور شاعری کے حدود بالکل ملے جلے ہوئے تھے، شاعر اور خطیب دونوں اہل عرب کی قوت تھے اور دونوں کی آتش بیانیان قبیلہ کے قبیلہ میں آگ لگایا کرتی تھیں، لیکن باہینہ استراک و اتحاد اہل عرب نے ہمیشہ خطبہ کو خطبہ اور شعر کو شعر سمجھا، پھر قرآن مجید کے متعلق اونھوں نے ایسی بدی غلطی کیوں کی؟ بل صاحب کے نزدیک یہی شاعری کو منصب عام پر لایا جاسکتا ہے، کیونکہ

”ہر شاعری گو یا ایک خلوت نشین شخص کی گھنگھو ہوتی ہے اور کسی خلوت نشین کی گھنگھو کے شائع ہو جانے میں کوئی ہتھ لہ نہیں، یہ بالکل ممکن ہے کہ جو گھنگھو ہم نے کسی وقت مرن اپڑنفس کو مخاطب کر کے کی ہو وہی بعد کو دوسروں سے بھی کریں یا جو اقوال و افعال ہم سے نہائی میں سرزد ہوئے ہوں اونکا اعادہ منظر عام پر بھی کر دیں،“

لیکن اس حالت میں ہی شاعری شاعری ہی رہتی ہے، خطبہ نہیں بن جاتی ایسے کہ ”شاعری شمر ہے عزت گزینی اور غرور و فکر کا، اور خطابت لوگوں سے میل جول اور راہ و رسم کا، جس شخص کے اندر دونی احساسات قوی ہوتے ہیں اسکو اگر دماغی تعلیم کا فی

طوری سے مل جلے تو اس میں اعلیٰ درجہ کے شاعر بننے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے  
یہ خلاف اسکے جو شخص دوسرے دن کے مزاج و جذبات سے پوری واقفیت رکھتا ہے  
وہ اعلیٰ درجہ کا خطیب ہوتا ہے،

قرآن مجید کی ابتدائی آیتیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت گزینی اور گوشہ نشینی  
کا نتیجہ تھیں اور خدا کا پہلا پیغام آپ کو غار حرا کے ایک تاریک گوشے میں دیا گیا تھا، نبوت کے  
بعد اہل مکہ سے آپ کی رسم و راہ بہت کم ہو گئی تھی، قرآن مجید کا ابتدائی حصہ جو نازل ہوا  
تھا وہ اہل مکہ کے معتقدات و خیالات کے بالکل متباہن تھا، اس لیے مل صاحب کے نظریہ کے  
مطابق قرآن مجید کو بہ نسبت خطابت کے شاعری سے زیادہ مشابہت تھی، اور اسی منشا  
کی بنا پر اہل عرب اس کو شاعرانہ کلام سمجھتے تھے، اس نظریہ سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی اگر  
قرآن مجید اور خطبات عرب میں باہم مطابقت کی جائے تو دونوں کی تشبیہات میں دونوں  
کے استعارات میں، دونوں کی سلاست میں، دونوں کی روانی میں محسوس فرق نمایاں ہوگا  
قس بن ساعدہ کے خطبات اگرچہ قرآن مجید سے بہت کچھ مشابہ ہیں، لیکن وہ بالکل مصنوعی  
ہیں، اور قرآن مجید کی آیات کو پیش نظر رکھ کر بنائے گئے ہیں، ان کے علاوہ اہل عرب کے  
جو خطبے ہیں، اول سے قرآن مجید ہر حیثیت سے مختلف ہے، اور اس اختلاف کی بنا پر  
اگر اہل عرب نے اس کو خطبات سے الگ رکھا تو یہ کوئی انشا پر دانائے غلطی نہیں تھی،

ایک اور حیثیت سے بھی قرآن مجید کو شاعری سے الگ کیا جاسکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اہل  
اللب نے مضامین شعر کی دو قسمیں کی ہیں، تخیلی اور عقلی، عقلی مضامین اصولاً بالکل صحیح ہوتے  
ہیں، اور حدیث، قرآن، آثار صحابہ اور اقوال حکما سے ان کی تائید کی جاسکتی ہے، انشاعر

اولین کوئی تصرف نہیں کرتا، بلکہ صرف اولن کو موزون کر دیتا ہے، مثلاً ایک شاعر کہتا ہے،

انی وان كنت ابن سید عامر      وفي السر منها والصبر المصن

میں اگرچہ قبیلہ عامر کے      مردار کا بیٹا ہوں

لما سودتني عامر عن وداثة      ابی اللہ ان اسموہام ولا اب

لیکن مجھ کو عامر سے درختہ سرداری نہیں ملی، خدا نہ کرے کہ میں باپ مان کی وجہ سے بدنام ہوں

لیکن یہ مضمون بالکل صحیح ہے اور قرآن و حدیث میں یہ تصریح مذکور ہے، قرآن مجید میں ہے

ان اکر مکم عند الله اتقا کہ      تم میں کے خدا نزدیک سے زیادہ شریف وہ ہے جو جسے

زیادہ پرہیزگار ہے،

حدیث شریف میں ہے،

یا بنی ہاشم اتجئنی الناس بلاعمال      اس بنی ہاشم ایسا نہ کہ لوگ میرے پاس اعمال

و تجئونی بالانساب      لیکر آئیں اور تم نسب لیکر آؤ،

شاعر نے اس میں اس سے زیادہ کوئی تصرف نہیں کیا ہے کہ جو کچھ قرآن و حدیث میں مذکور

تھا اس کو نظم کر دیا ہے، اہل ادب میں جو لوگ

خیر الشعرا صدقہ      سب اچھا شعروہ ہے، جو سب سے زیادہ سچا ہوں

کے مدعی ہیں ان کے دعویٰ کی بنیاد اسی قسم کے مضامین پر قائم ہے اور حضرت حسان بن ثابت

نے انہی مضامین کی نسبت فرمایا ہے،

وان احسن بیت انت قائمہ      بیت یقال ادا انشدتہ صدقا

بہترین شعر جو تم نے کہا ہے      وہ ہر جگہ پڑھ کر مانگ لوگ بل انھیں کہتے ہیں

لیکن ان کے بالکل برعکس تخیلی مضامین میں کسی قسم کی صداقت نہیں پائی جاتی، شاعر صرف

اپنی قوت تخیل سے اد کو ثنابت کو کے تمام دنیا سے منوالیتا ہے، مثلاً ایک شاعر جوانی پر بڑھاپے کی فضیلت اس طرح ثنابت کرتا ہے

والصّارم المصقول احسن حالۃ یوم الوغی من صارم لم یصل

صیقل شدہ تلوار لڑائی کے دن زنگ آلود تلوار سے بہتر ہوتی ہے

ایک اور شاعر اسی دعویٰ کو اس طرح ثنابت کرتا ہے،

وبیاض البازی اصدق حسنا ان تاملت من سواد الغراب

باز کی سفیدی اگر غور کرو تو کوس کی سیاہی کو زیادہ خوشنما ہوتی ہے

ان دونوں شاعر دن نے صرف بال کی سفیدی اور سیاہی کا مقابلہ کر کے یہ ثنابت کیا ہے

کہ بڑھاپے کو جوانی پر فضیلت حاصل ہے، کیونکہ بال کی سفیدی صیقل کردہ تلوار اور باز کے

پر سے اور اوس کی سیاہی زنگ آلود تلوار اور کوس کے پر سے مثلاً ہے، اور صیقل شدہ

تلوار اور باز کے پر کی سفیدی از رنگ آلود تلوار اور کوس کے پر کی سیاہی سے بہر حال

بہتر ہوتی ہے، اسلئے بڑھاپے کو جوانی پر ترجیح حاصل ہے، لیکن بڑھاپا در حقیقت جن

اسباب سے منحوس ہوتا ہے، اور جن اسباب کی بنا پر جوانی محبوب خیال کی جاتی ہے

اد کو ان دونوں اشعار میں نظر انداز کر دیا گیا ہے، بڑھاپے میں آدمی سے صرف اس

بنا پر نفرت نہیں ہوتی کہ اس کے بال سفید ہو گئے ہیں، بلکہ اس بنا پر کہ اس کے چہرے کا

رنگ دروغن جانا رہا ہے، اور جوانی میں انسان صرف اسلئے محبوب نہیں ہوتا کہ اس کے

بال سیاہ ہیں بلکہ اسلئے کہ اس کے چہرے پر شباب کی رونق پائی جاتی ہو، لیکن ان دونوں

شاعر دن کی قوت تخیل نے نہ کی بات چھوڑی، اور صرف سفیدی اور سیاہی کا مقابلہ کر کے

ایک تشبیہ کے ذریعہ سے اپنے فرضی دعوے کو ثنابت کر دیا،

شعرا کو قتل و تصرف کا موقع انہی مضامین میں ملتا ہے، اور انہی کے ذریعہ سے انکی قوت متجیدہ اپنی جولانیان دکھاتی ہے، مبالغہ، غلو، اور اغراق سب کا محل ہی مضامین ہوتے ہیں، اور جو لوگ

خیر الشعرا کذبہ بہترین شعروہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹا ہو

کے مدعی ہیں وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں اسی قسم کے اشعار کو پیش کرتے ہیں، کذب صریح انکے نزدیک بھی شاعری کے موضوع سے خارج ہے۔

بہر حال شاعر کا اصلی کمال انہی مضامین کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے، اور قرآن مجید چونکہ ہمہ تن صداقت ہے، اسلئے اس میں اس قسم کے مضامین نہیں پائے جاتے اور ہلکے مفسرین کے نزدیک خداوند تعالیٰ نے انہی مضامین کی بنا پر شاعری سے برأت ظاہر کی ہے اور شاعرانہ طرز ادا کے اختیار کرنے سے اجتناب کیا ہے، چنانچہ علامہ راغب صفحہ ۱۱۱ اپنے مقدمہ تفسیر میں لکھتے ہیں

اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید کی نظم عبارت میں وزن کا کیوں لحاظ نہیں کیا گیا جو شہرہ اور یہ معلوم ہے کہ کلام موزون، کلام غیر موزون سے بلند رتبہ ہوتا ہے، کیونکہ ہر موزون کلام منظوم ہے، اور ہر منظوم موزون نہیں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے نظم شعرواد اسکے وزن سے اسلئے استرازا کیا کہ شعر میں ایک ایسی خاصیت پائی جاتی ہے، جو حکمت الہیہ کے منافی ہے، کیونکہ قرآن مجید صداقت کا سرچشمہ ہے، اور شاعر کا نہتہ کمال یہ ہے کہ وہ باطل کو حق کی صورت میں نمایان کرے، اور مح دزم میں حد سے تجاوز کر جائے، صداقت و حقانیت شاعر کا مقصود نہیں ہوتا، اس کے

کلام میں اگر سچائی پائی بھی جاتی ہے تو بالعرض پائی جاتی ہے، ایسے پہکھا جاتا ہے کہ جس شخص میں قوت خیالی زیادہ ہوتی ہے، اس میں شاعرانہ قوت زیادہ موجود ہوتی ہے، اور جس شخص میں قوت عاقلہ زیادہ پائی جاتی ہے، وہ شعر کہنے کی بہت کم قدرت رکھتا ہے۔“

ہمارے اہل ادب نے بھی قرآن مجید کو اس قسم کے مضامین کی آمیزش سے پاک رکھا ہے، یہاں تک کہ جن اسباب کی بنا پر قرآن مجید میں ان مضامین کا شبہ بھی پیدا ہو سکتا ہے اونکی نفی کی ہے، مثلاً قرآن مجید میں بہ کثرت استعارات موجود ہیں، جسکی نسبت تخیلی ہونیکا اشتباہ ہو سکتا ہے، لیکن علامہ عبدالقادر جبرجانی نے اسرار البلاغہ میں لکھا ہے کہ ”استعارہ تخیل میں داخل نہیں ہے، کیونکہ استعارہ کرنے والے کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ وہ مستعار لہجہ میں لفظ مستعار کے حقیقی معنے کا اثبات کر کے، وہ صرت دونوں میں مشابہت ثابت کرنا چاہتا ہے، اور اس میں کوئی کیونکر شبہ کر سکتا ہے، حالانکہ قرآن مجید میں بہ کثرت استعارات موجود ہیں، مثلاً خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،  
واشتعل المر اس شیباً،  
سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا،  
لیکن یہ مقصد نہیں ہے کہ سرد حقیقت بھڑک اٹھا، بلکہ مقصد اس مشابہت کا ثابت کرنا ہے جو سر کی سفیدی اور آگ کی روشنی میں پائی جاتی ہے۔“

لیکن اس تقریر سے بھی اصل عقدہ حل نہیں ہوتا، یہ بالکل سچ ہے کہ قرآن مجید میں تخیلی مضامین نہیں پائے جاتے، یہ بھی سچ ہے کہ اہل ادب کی ایک جماعت تخیلی شاعری کو شاعرانہ قوت کا اصلی جولا لگا ہوا قرار دیتی ہے، لیکن اصل حقیقت کے لحاظ سے جیسا کہ آں

اور ارسطو کا خیال ہے شاعری صرف محاکات کا نام ہے اور قدیم شعراء عرب کی شاعری کا میدان صرف یہی محاکات ہے، تخیلی مضامین ان کے یہاں بہت کم پائے جاتے ہیں، متاخرین نے بے شبہ تخیلی مضامین بہ کثرت پیدا کیے ہیں، اور ابو تمام اور بھرتی نے اس زمین کے ایک ایک ذرے کو آسمان بنا دیا ہے، لیکن قدیم شعراء عرب کے یہاں اس قسم کے گورکھ دھندے نہیں پائے جاتے، جو لوگ تخیلی شاعری کو ترجیح دیتے ہیں، انھوں نے صرف متاخرین کے کلام کو پیش نظر رکھا ہے، لیکن جن لوگوں نے قدیم شعراء عرب کے کلام کا کافی مطالعہ کیا ہے، ان کے نزدیک شاعری کی اصل کائنات بھی محاکات ہے، چنانچہ ابن رشیق کتاب العمده میں لکھتے ہیں، شعرا زیادہ تر حصہ اسی محاکات پر مشتمل ہے،

تخیل نے اگرچہ بظاہر شاعری کا میدان بہت کچھ وسیع کر دیا ہے، تاہم اصل نتائج کے لحاظ سے تخیل اور محاکات دونوں کے حدود کی وسعت تقریباً یکساں تخیل کے ذریعے سے ایک ہی مضمون کو مختلف قالب میں ادا کیا جاسکتا ہے، ایسے ایک نقطہ پھیل کر دائرہ بن جاتا ہے، لیکن یہی مقصد محاکات کے ذریعے سے بھی حاصل ہو سکتا ہے، ابن قدامہ نے نقد الشعر میں لکھا ہے کہ

”محاکات کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے تمام عوارض و اوصاف کا ذکر کیا جائے اور چونکہ اکثر شعراء اول چیز دیکھی محاکات کرتے ہیں، جن میں ہر گز عوارض و اوصاف ہوتے ہیں، ایسے وہی شاعر عمدہ محاکات کر سکتا ہے جو ان چیزوں کے اکثر اوصاف کا احاطہ کرے پھر ادا کو ایسے واضح الفاظ میں ظاہر کرے کہ وہ ہماری نگاہ کے سامنے آجائے بعض متاخرین کا خیال ہے کہ عمدہ محاکات وہ ہے جو کان کو آکھ بناوے“

لے کتاب العمده جلد دوم باب الوصف لے



اور اس حیثیت سے شاعر کی قوت متخیلہ کو ایک وسیع میدان مل جاتا ہے اور ایک چیز کے عوارض و اوصاف کی تحمیل کرتی ہے، اور ۔۔۔۔۔

..... ان اجزاء کے یکپارچہ مین کافی وسیع ہے

توافق و تناسب سے کام لیتی ہے، بعض اجزاء کو کبھی تہہ اور بعض اجزاء کو جمع کرتی ہے، غرض قوت تخیل کے عمل کے لیے فرضی مضامین کی ضرورت نہیں، وہ حقیقی اور واقعی مضامین میں بھی اپنا عمل کر سکتی ہے، شاعری کا ایک جزو استعارات اور تشبیہات ہیں، اور وہ محاکاتہ میں داخل ہیں، لیکن کیا استعارات و تشبیہات کی بے قلمو نیان، عالم تخیل کی نیرنگیوں سے کچھ کم و لا دیر ہیں؟ علامہ عبدالقادر جباری قرآن و حدیث چند بیچ استعارات نقل کر کے لکھتے ہیں

۱۰ اور جب ان استعاروں کی یہ حالت ہے تو اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ سچائی کی پابندی کے ساتھ بھی تمھارے لیے وسیع میدان، اور کشادہ فضا موجود ہے اور جیسا کہ اغراق اور تخیل کے حامیوں کا خیال ہے کلام میں لطف، بوقلمونی اور شعاعانہ صنایع صرف اصول و صورت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ دعویٰ کی باگ ڈور چیل کر دیجائے، اور ایسا دعویٰ کیا اچھا ہے جو صحیح نہواور ایسی بات ثابت کی جائے جس کا عقل انکار کر لے،“

بہر حال شاعری کے لیے محاکات کا وسیع میدان موجود ہے۔ اور قرآن مجید میں اگرچہ کچھ کی شاعری موجود نہیں ہے، لیکن وہ تشبیہات، استعارات، تمثیلات اور محاکات سے بھرا ہوا ہے اہل عرب کے نزدیک انہی چیزوں کا نام شاعری تھا، اور اسی بنا پر وہ قرآن پاک کو شاعرانہ کلام سمجھتے تھے اور ادبی حیثیت سے اذکار کا یہ سمجھنا غلط نہ تھا، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ قرآن مجید محض سخن کی کتب ہے، شعر و شاعری دو مختلف چیزیں ہیں اور خود اہل عرب نے ہی قرآن مجید کی

نسبت کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ بعینہ شعر ہے، ایسے خداوند تعالیٰ کو اس دعویٰ کی تردید کرنے کی ضرورت بھی نہیں پیش آئی چنانچہ علامہ راغب اصفہانی مقدمہ تفسیر میں لکھتے ہیں، وقال تعالیٰ وما هو بقول شاعر ای لیس خدا کے اس قول کا کہ یہ شاعر کا قول نہیں ہے یہ بقول کاذب ولم یمن ان ذلک لیس مطلب ہے کہ وہ کاذب کا قول نہیں، یہ مطلب بشعر فان وزن الشعر اظهر من ان نہیں کہ وہ شعر نہیں ہے کیونکہ وزن شعر کے متعلق ہے۔  
یشتبه علیہما کو کوئی اشتباہ نہیں ہو سکتا تھا،

خدا نے دوسرے موقع پر بے شبہ یہ فرمایا ہے،

وما علمناه الشعر وما ينبغي له ہم نے اوسکو شعر کی تعلیم نہیں دی ورنہ یہ اوسکو ایسے سزاوار تھا لیکن اس آیت میں بھی شعر کی نفی نہیں کی ہے، بلکہ صرف یہ کہا ہے کہ شعر بغیر کے لیے سزاوار نہیں، البتہ با وجہ شعر ہونے کے ادن کو گون کر قرآن مجید میں تمام شاعرانہ خصوصیات نظر آتی ہیں اور اگر وہ اسی پر قناعت کرتے تو خداوند تعالیٰ اسکی تذکرہ کرنا لیکن شاعرانہ خصوصیات کی بنا پر غلطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے، اور قرآن پاک نے اسی خیال، اور اسی لقب کی تردید کی ہے،

هل انبکم علی من تنزل الشیاطین تنزل علی کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کبڑے دیتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کل افانک انیم یلقون السمع والکثر ہم کذبون کفار پر جو ان کا کان لگاتے رکھتے ہیں اور نہیں کہڑے جھوٹے میں شاعر اور الشعراء متبعہم الغاوان الم تدرہم فی کل بیری گراہ لگ کرتے ہیں کیا تو نہیں دیکھا کہ وہ ہر سیدان وادیمون وانهم یقولون مالایفعلون سرگشتہ بھرتے ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ پر عمل نہیں کرتے اور جن اسباب کی بنا پر کسی ہر خود اس آیت میں ادکی تصریح کر دی ہے اہل عرب کا خیال تھا کہ شاعر کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے جو ادب پر شاعرانہ مضامین کا اظہار کرتا ہے، اور قرآن مجید بھی اسی قسم کے

مضامین کا مجموعہ ہے، علم عرب میں شعرا کی اخلاقی حالت نہایت اہتر ہوتی تھی، ان کے تبلیغ  
 عموماً اوباش اور شہدے لوگ ہوتے تھے، ادکا کوئی خاص مقصد نہیں ہوتا تھا، وہ ہر چیز پر طبع  
 آزمائی کرتے تھے، اور یہی نقشن ادکا اصلی کمال تھا، وہ جو کچھ کہتے تھے اس پر عمل نہیں کرتے تھے،  
 لیکن ایک پیغمبر کی حالت بالکل اس سے مختلف ہوتی ہوئی وہ ہم من اللہ اور طاہر الاخلاق  
 ہوتا ہوا اس کے مبتغین نیک خو ہوتے ہیں، اس کی زندگی کا ایک خاص مقصد ہوتا ہے، اس کے قول و  
 فعل میں مطابقت ہوتی ہے، اس لیے اگر ایک پیغمبر کو شاعر تسلیم کر لیا جائے تو سب سے اس کی نبوت ہی  
 کا خاتمہ ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حدیث سے اس کا انکار کیا، البتہ قرآن مجید میں جو شاعرانہ  
 خصوصیات موجود ہیں، ان کی بنا پر اہل عرب قرآن مجید کو بالکل بجا طور پر شاعرانہ کلام سمجھتے تھے  
 اس لیے خداوند تعالیٰ نے اس کی تردید نہیں کی، حضرت انس کی یہ غلطی تھی کہ وہ شعرا و شاعری  
 دونوں کو ایک چیز سمجھ اور جب ان کو نظر آیا کہ قرآن پاک اور ان شعر پر منطبق نہیں ہوتا تو ان کی  
 زبان سے یہ الفاظ نکلے،

ولقد وضعت قوله على اقراء الشعر فما ايلئم يني اس کے قول کو اور ان شعر پر رکنا تو اب کوئی یہ  
 علی لسان احد بعدی انہ شعر ہے، نہ کہ وہ شعر ہے،

لیکن جو اہل عرب بھی یہ نہیں کہتے تھے کہ قرآن مجید بعینہ شعر ہے، ادکا صرف یہ دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں  
 شاعری پائی جاتی ہے، اور یہ دعویٰ بالکل صحیح تھا، البتہ ادکی یہ غلطی تھی کہ صرف شاعری کی بنا پر  
 ایک پیغمبر کو شاعر کہتے تھے، حالانکہ آل صاحب کے نزدیک

”یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص شاعر ہو کر اس کا کلام شاعری ہو“  
 اور قرآن مجید اسی قسم کے ... کا کلام تھا۔

## نامہ کیمبرج

از مسٹر حسین الدین انصاری

(مارچ کے معارف میں کیمبرج یونیورسٹی کی تاریخ اور موجودہ نظام ترکیبی ایک مضمون درج ہو چکا ہے، امید ہے کہ اس قسم کے سماجی سلسلہ مضامین سے ناظرین معارف کو برصغیر کے مشہور ترین تعلیمی مرکز کے حالات حاضرہ سے تازہ و صحیح واقفیت حاصل ہوتی رہے گی، ایڈیٹر)

تیسری سال کا دوسرا ٹرم (لینٹ ٹرم) ۱۶ جنوری سے آغاز ہوا، اور ۱۱ مارچ کو ختم ہو گیا، اس ٹرم میں بہ نسبت پچھلے ٹرم کے تعلیمی اور ورزشی سرگرمیاں نمایان طور پر زیادہ تھیں، اس نے طلبہ اس زندگی کے عادی ہو چکے تھے، اور اپنے اپنے شعبوں میں زیادہ مصروف نظر آتے تھے، یہی ٹرم تھاجیمین آگسٹ ڈاکٹر کیمبرج کے لوگ ہر قسم کے ورزشی کھیلوں میں باہم مقابلہ کرتے ہیں، اور یونیورسٹی کے لوگوں کے ماسوائے عام میں بھی طرداری کے سبب سے بڑے جوش کا اظہار ہوتا ہے، اس مرتبہ اکثر کھیلوں میں کیمبرج ہار تار ہا، کشتی رانی میں دونوں یونیورسٹیوں کا مقابلہ شہر لندن میں ہوتا ہے، اسلئے یہ سب سے بڑی عام دلچسپی کی شے شمار ہوتی ہے، اسلئے کے بعد اس مرتبہ پھر کیمبرج نے آگسٹورڈ کو بہت بڑی شکست دی، جابین کے طفاردون میں یکساں جوش و خروش کے مناظر دیکھے گئے،

طلبہ کی کثرت کے متعلق مختصراً لکھا جاسکتا ہے کہ اس ٹرم میں بجز چار یا پانچ طالب علموں کے کسی کا داخلہ نہیں ہو سکا، اور یہ طلبہ بھی وہ ہیں جنکے لئے پیشتر سے جگہ محفوظ تھی، یا انکے غیر معمولی حالات یونیورسٹی کو شریک کرنے پر مجبور کر رہے تھے، یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سننی جائیگی کہ

جو طلبہ گزشتہ اکتوبر میں نہ داخل ہو سکے تھے اور اکتوبر ۱۹۲۲ء میں داخل ہو سکی امید میں بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے اکثر کو پوری طور پر آئندہ اکتوبر میں بھی داخلہ کی طرف سے مایوس کر دیا گیا ان بد قسمتوں کی فہرست میں بعض ہندوستانی طلبہ کا نام بھی ہے،

کیمرج کے ہندوستانی طلبہ کو انڈین ایڈویزری کمیٹی کے سکریٹری کی ہمدردی پر بجا طور پر بہت کچھ اعتماد ہے، مگر نامکملات کا حل کوئی نہیں کر سکتا، قدرتی طور پر اس تنگی کے زمانہ میں ہندوستانی طلبہ کے لئے شرائط بڑھائے جا رہے ہیں، اور افضلیت انکو دی جاتی ہے جو ہندوستان سے بڑی بڑی سندیں لائے ہیں، بار بار اس امر کا اعلان کیا جا چکا ہے کہ جو طلبہ ہندوستان چھوڑنے سے قبل اپنے داخلہ کی کوشش نہیں کرتے اور دفعتاً وارد ہو جاتے ہیں، ان کے لئے موجودہ حالات میں کوئی توقع نہیں کیا جاسکتی، لیکن تقریباً ہر ماہ میں طلبہ بغیر ان اعلانات کی پروا کئے وارد ہوتے چلے جاتے ہیں جس کا تلخ نتیجہ افسوس ہے کہ انکو ٹیگنٹا ہوگا، سکریٹری ایڈویزری کمیٹی نے حال میں اعلان کیا ہے کہ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں داخلہ کے لئے اب کسی عرضی پر غور بھی نہیں ہو سکتا، اور ۱۹۲۱ء کے لئے داخل ہونے والوں کی فہرست بھی تقریباً پُر ہو گئی ہے، کیونکہ اب سے تین سال تک (بوجہ جنگ) ایسے طلبہ کی تعداد بہت ہی کم ہوگی جو فائنل تکمیل ہو کر سنئے آبنوالوں کے لئے جگہ خالی کریں، اگر سفر ڈسے بھی اسی قسم کی مایوس کن خبریں موصول ہوتی ہیں اور جو طلبہ بیان محروم ہو چکے ہیں ان کے لئے صرف دوراہین رہ گئی ہیں یا تو کسی چوٹی یونیورسٹی میں نام لکھائیں یا وطن واپس ہوں،

ہر یولیس کے امتحانات حرب معمول جزوی اور ماسج میں منعقد ہوئے، مگر داخلہ کی شکایات کے باعث سے طلبہ کی تعداد پہلے ٹرم کے مقابلہ میں بہت کم تھی، اور عموماً ان طلبہ کو شامل لکھتی تھی جو ابتدائے سال کے امتحان میں ناکام میاب رہے تھے، کہا جاتا ہے کہ اس ٹرم کے امتحانات

غیر معمولی طور پر سخت تھے، خصوصاً لاطینی زبان کے پرچے جنہیں ہندوستانی طلبہ کی تعداد  
 مہاشیاب طلبہ کی فہرست میں ہمیشہ زیادہ ہوتی ہے، مقامی رسائل و جرائد اس  
 سختی کو بچوں پر ظلم سے تعبیر کرتے ہیں اور خواہشمند ہیں کہ آکسفورڈ کے ”رہدل“ حکام کی طرح  
 (جنہوں نے ابتدائی امتحانات میں حال میں بہت کچھ آسانیاں پیدا کر دی ہیں) کیمبرج کے  
 ذمہ دار لوگ ان مظالم سے باز آئیں، چنانچہ اب یہ امید پیدا ہو رہی ہے کہ اس طرز عمل سے  
 آئندہ پرہیز کیا جائیگا، لیکن بعض اہل کار اندیشہ کر رہے ہیں کہ کہیں اس سختی سے فشار امتحان  
 کے معیار کو بلند کرنا نہ ہو،

اس زمانہ میں انگلستان کی اقتصادی ضرورتوں پر غور کرنے سے طلبہ کے اخراجات کا بھی  
 کافی اندازہ ہو سکتا ہے، روز افزون گرانی کا اثر گزشتہ سہ ماہی میں اس قدر ہوا ہے کہ  
 بلا استثنا ہر طالب علم اپنے کو عجیب مشکلات میں پاتا ہے، بعض کالجوں نے فیس میں بھی تقریباً ۲۵  
 فیصدی کا اضافہ کر دیا ہے اور دوسرے شعبہ جات زندگی میں جو مصارف بڑھے اور بڑھ  
 رہے ہیں وہ بہت ہی حیرتناک ہیں، پونڈ کی قیمت کا ہندوستان میں ’نمہ‘ سے بھی کم رہ جانا  
 گزشتہ سہ ماہی میں بیشک ہندوستانیوں کے لئے ایک حد تک خوش قسمتی کہا جاسکتا ہے، لیکن  
 وزیر ہند کے اس ارادہ کا اعلان کہ پونڈ ہمیشہ کے لئے قانوناً غلے کا کر دیا جائے گا، از بس  
 مایوس کن ہے، اور موجودہ حالات کے دیکھتے ہوئے اس صورت میں تین سو روپیہ ماہوار  
 میں بھی طلبہ یونیورسٹی کی زندگی بسر کرنا غیر ممکن پائیں گے، گو یہ بخوبی بعض لوگوں کے نزدیک  
 ممکن العمل ہے، لیکن قانون نے بہت سے حالات کو ممکن کر دیا ہے، اور اس امر کے پیش  
 آجانے کے تصور سے بہت سے غریب ہندوستانی پریشان ہو رہے ہیں، انڈین سول سروس  
 کے انگریز ممبروں کے لئے جو عوامی آکسفورڈ یا کیمبرج جے جاتے ہیں یہ بخوبی بہت خوش آئند

ہوگی جیسا کہ کیمبرج ریویو کی ایک تازہ اشاعت میں سرجمیس ولسن کے، سی، بی نے ایک مضمون لکھ کر حوالہ دیا ہے، لیکن ایسی کوشش جو دنیا بھر کے اقتصادی نظام کے خلاف ایک جنگ سے کم نہیں ہے، ان صد ہا ہندوستانی طلبہ کے لئے ایک حسرت ناک حادثہ ہے

حکومت نے یونیورسٹی کو جو مالی امداد دینا منظور کیا تھا اس کے متعلق ناظرین کو یقیناً معلوم ہو چکا ہوگا کہ علامہ رستم علی گئی، مگر وائس چانسلر نے بعد کو یہ تجویز سینیٹ میں پیش کی ہے کہ یہ امداد بطور مستقل سالانہ وظیفہ کے نہ لی جائے، بلکہ وقتی امداد کی طرح منظور کر لی جائے، اور آئندہ اخراجات کی کفالت کے لئے قوم سے اپیل کی جائے، ہنوز اس تحریک کے متعلق کوئی معلومات شائع نہیں ہوئے، مگر یونیورسٹی کے حکام کی وضع داری سے امید کی جا رہی ہے کہ اس خوددارانہ تحریک کے کامیاب بنانے میں پوری سرگرمی دکھائیں گے، یونیورسٹی کے بعض قرضے ایسے ہیں جنکی ادائیگی کے لئے طلبہ اپنی جیب سے چندہ جمع کر رہے ہیں، ان نوجوانوں نے جس سرعت کے ساتھ یونیورسٹی کے لئے ایک وسیع قطعہ اراضی کے خریدنے میں چندہ جمع کیا وہ انکی خودداری کی ایک نمایان دلیل ہے،

اس ٹرم میں گرٹن (زمانہ کا لچ) کو کسی گناہم شخص نے دس ہزار پونڈ کا عطیہ بھیجا ہے، جس سے منشا صنف انات کو سائنس اور ریاضی کی طرف ترغیب دلانا ہے، یونیورسٹی کی طرف سے تین سو پونڈ لائے کے ایک وظیفہ کا اعلان ہوا ہے جو سیام گورنمنٹ اپنے کسی قابل طالب علم زرعیات کو دینا چاہتی ہے،

یونیورسٹی کے نصابی لکچرون کا پروگرام اس ٹرم میں بھی دہی رہا جو پچھلے ٹرم میں تھا، البتہ اس مرتبہ ایسے لکچر تعداد میں زیادہ تھے جن میں طلبہ شوقیہ شرکت کرتے ہیں، ڈاکٹر کنگسٹن بدستور اپنے فلسفہ کے عظیم نشان لکھ دیتے رہے، اور پیشتر کے یہ نسبت سامعین اور بھی

زیادہ نظر آتے تھے، مگر بالکل خلاف اُمید پروفیسر سورلے کے درس اخلاقیات میں شرکار کی تعداد گھٹتی رہی کیونکہ موصوف اس ٹرم میں بہت دقیق مسائل اور مصطلحات پر پہنچ چکے تھے پروفیسر سورلے نے اس مرتبہ فلورسافیکل سوسائٹی کی دعوت پر تین ہفتہ تک ہر جمعرات کو (Cambridge Platonists) کے متعلق اپنے ذراہم کردہ معلومات ایک مضمون کی صورت میں لکھ کر سنائے، اور اس حیثیت سے کہا جاسکتا ہے کہ فلورسافیکل سوسائٹی اس ٹرم میں بہت دلچسپی کی جگہ تھی جس نے متعدد دور افتادہ مضامین کے طلبہ کے لئے اعلیٰ کثرت کا کام کیا، لیکن کیمبرج کے متعدد رسائل میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جسکو اس اعلیٰ صحبت میں کسی طرح کی دلکشی نظر آئی ہوتی، یا کم از کم کسی نے اس سرگرمی کی ضرورت کر دی ہوتی مادرا اسکے ایک بہت اہم مضمون پروفیسر سٹرجلڈش چندریوس نے بائنی اسکول میں ایک خاصی تعداد شرکار کا جلسہ کر کے سنایا مضمون میں نہایت مدلل بحث ان انکشافات پر کی گئی تھی جو موصوف کو ذاتی تحقیقات کی بنا پر نباتات اور قوت نامیہ کے متعلق معلوم ہوئے ہیں کیمبرج کے سائنس دانوں نے اس مجسمہ، فضل و کمال کا خیر مقدم جس گرجوشی سے کیا ہے شاید ہی کسی ہندوستانی کا اس سے پیشتر کیا گیا ہو۔

وائس چانسلر کے زیر صدارت ہفتہ بھر کے لئے ایک اور لکچر دن کا سلسلہ جاری کیا گیا تھا، جس میں مختلف عنوانات (مثلاً کیمبرج جدید و قدیم، آواز کیونکر منتقل ہوتی ہے، یونان کا اعلیٰ قرض، برطانیہ والے کون ہیں، وغیرہ وغیرہ) پر مختلف ماہرین کے لکچر ہوتے رہے مگر یہ طبع کسی حیثیت سے بھی کامیاب نہیں کہے جاسکے، اسی طرح کیمبرج یونیورسٹی میں مذہبی لکچر دن اور مواظط کا سلسلہ تھا، جس میں بجز ان چند لوگوں کے جو اپنے کو عیسائی کہنا برا سمجھتے ہیں، اور سب شریک ہوتے تھے، علمی نقطہ نظر سے ان دینی صحبتوں میں کوئی دلچسپی تھی



اکتوبر ٹرم میں لارڈ رابرٹ سیسل کی تشریف آوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس ٹرم میں باقاعدہ لیگ آف نیشنس یونین کے نام سے ایک انجمن قائم ہو گئی ہے جس میں لیگ کے موافقین اور مخالفین دونوں شرکت کر رہے ہیں، تاکہ اگر ایک فرقہ لیگ کی حمایت کرے تو مخالفین خود انہیں لوگوں میں شامل ہو کر اسکی مخالفت کریں، ان حالات کے ساتھ ایسی انجمن کا رونما ہونا ایک عجیب و غریب واقعہ خیال کیا جاتا ہے، اس ٹرم کے اہم حالات میں مسٹر چرچل اور مسٹر ایسکوٹھ کا درود بھی ہے، ہر دو اصحاب نے اپنے اپنے موقع پر قوت بیانیہ جوہر دکھائے، مسٹر چرچل نے اپنے سیاسی خیالات دنیا کی موجودہ حالت پر ظاہر کئے اور مشکلات کا حل انھوں نے اپنے منصوبوں کے پورے کئے جانے ہی پر منحصر بتایا، موصوف کا موضوع بحث زیادہ تر روس کی اصلاح اور روسی ریاستوں میں برطانوی دخل اندازی تھا جبکہ وہ حامی ہیں، مسٹر ایسکوٹھ کی تقریر کا خلاصہ مقامی رسالوں نے ایک جملہ میں ادا کیا ہے یعنی لبرل ازم چوٹی جماعتوں کے لئے نہیں بلکہ بڑی جماعتوں کے لئے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان الفاظ کا مفہوم خود موصوف نے بھی واضح نہیں کیا، تاہم یونیورسٹی لبرل کلب کے ارکان نے مسٹر ایسکوٹھ کا خیر مقدم کیا، کیونکہ اسی زمانہ میں وہ اپنی رکنیت پارلیمنٹ کیلئے کھڑے ہوئے تھے اور بالآخر کامیاب ہوئے،

کیمبرج یونین سوسائٹی کے دو مرتبہ کے مباحثے قابل ذکر ہیں، اول وہ جولاء ۲۲ فروری کو منعقد ہوا جس میں آکسفورڈ یونین کے ایک ممبر کی تحریک زیر بحث تھی کہ اب وقت آگیا ہے کہ انگلستان میں لیبر گورنمنٹ قائم ہو جائے، غلبہ آرا سے یہ تحریک مسترد ہو گئی مگر مقررین اور سامعین میں بہت جوش پیدا ہوا تھا، اسی طرح جنوری میں ایک موقع پر بہت جوش تقریروں کے بعد یونین نے اس تحریک کو پاس کیا تھا، گورنمنٹ آئرلینڈ کے بارہ میں

جو کوششیں کر رہی ہے وہ قابلِ آفرین ہیں“ خلاف معمول اس ٹرم کے جلسوں میں ہندوستانی طلبہ کی تعداد نسبتاً کم ہوتی تھی جبکہ بظاہر کوئی معقول سبب نظر نہیں آتا،

”انڈین مجلس“ کے جلسے اس ٹرم میں بہت کامیاب رہے، مجلس کی طرف سے اس ٹرم میں ہر سال سالانہ ضیافت ہوا کرتی ہے جس میں تقریباً تمام ہندی طلبہ اور متعدد جہان شریک ہوتے ہیں، خاص جہانوں میں مسز رائے کلکتہ کی ایک رئیس اور تعلیمیافتہ بزرگ خاتون لندن سے مدعو ہوئی تھیں، جنھوں نے ڈنر میں اور مجلس کے جلسہ میں بھی نوجوانوں کو بہت کچھ مادرانہ پسند و نصائح سے مشکور کیا، اور شرکارا کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے، موصوفہ نے جلسہ کے سامنے ان مشکلات کا ذکر کیا جو بعض ہندوستانی نووارد تعلیمات کو اس وقت لندن میں جانے قیام تلاش کرنے میں پیش آتی ہیں، اور بعض متعصب لوگ جن زحمتوں میں انکو مبتلا کرتے ہیں ان پر اظہارِ افسوس کیا، تحریک کا منشا یہ تھا کہ ہندوستانی لوگ چندہ کر کے لڑکیوں کے پھرنے کے لئے لندن میں کوئی مستقل انتظام کریں، جلسہ میں بمبئی کی ایک مسلمان نژاد خاتون مسز حمید بھی شریک تھیں، مگر جنھوں نے کوئی تقریر نہیں فرمائی، لندن اور کیمبرج یونیورسٹی کی بعض تعلیمات موجود تھیں، اور اس روز کے مباحثہ میں جنھوں نے طلبہ کی طرح حصہ لیا، اس ناما جو لندن سے آئی تھیں انکی تقریریں بہت دلچسپ سمجھی گئیں۔

مسلم ایسوسی ایشن کے جلسوں میں زیادہ تر وہ اسلامی سیاسی مباحث پیش رہے جو اہل مسلمانوں کے لئے اہم سمجھے جاتے ہیں، اسی زمانہ میں ہندوستان سے وفد خلافت کے آئینکے غیر موصول ہوئی جبکہ استقبال کے لئے بہت سے ارکان مسلم ایسوسی ایشن لندن گئے، آخری جلسہ میں طے کیا گیا ہے کہ ارکان وفد کے لئے ایک عظیم الشان ضیافت کا اہتمام کیا جائے اور ملکی پہلے ہفتہ میں وفد کے اصحاب کے ماسوا کثیر تعداد میں وہ انگریز سربراہ کردہ اصحاب بھی مدعو

کے جائین جو اسلامی مسائل سے کسی حیثیت سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں تاکہ باہم تبادلہ خیالات کا بہت اچھا موقع پیدا ہو، چنانچہ اہتمام اور فراہم شدہ چندہ کی رقم کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانانِ کیمبرج صحیح معنوں میں وفد کا عملی خیر مقدم کرنا چاہتے ہیں، وفد نے یہ دعوت قبول کر لی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ وفد کے کارناموں میں اس ضیافت کا ذکر بہت اہمیت کے ساتھ کیا جائیگا۔

کیمبرج کا پچھلا مشاعرہ امید سے بھی زیادہ کامیاب رہا، انکسفر ڈولڈن اور آڈنبراک بعض طلبہ بھی اس میں شریک ہوئی کی غرض سے آئے تھے اور جو نہیں آ سکے انکی ہم طرح غریب اہل بزم کے سامنے پڑھی گئیں، نیز غیر طرح کلام سے بھی حاضرین محفوظ کئے گئے، جلسہ کی ترتیب و اہتمام میں حتی الوسع مشاعرہ کی روایات کا خاص لحاظ رکھا گیا تھا، دلچسپی لینے والوں کی سرگرمی اس خبر سے ظاہر ہوئی کہ اسی زمانہ میں انجمن ادب اردو کے نام سے ایک انجمن کا باقاعدہ افتتاح عمل میں آیا جسکے قواعد و ضوابط مرتب کرنے کے لئے ایک مجلس انتظامیہ قائم کر دی گئی، انجمن کے مقاصد میں سے زیادہ نہیں ہیں، (۱) ہر ٹرم میں ایک مرتبہ بزم مشاعرہ منعقد کرنا، (۲) ہندوستانی طلبہ میں اردو کا مذاق پیدا کرنا اور باقی رکھنا (۳) اور ٹرم وار ایک خالص ادبی رسالہ شائع کرنا (جس کا نام نواسے کیمبرج رکھا گیا ہے) کو شش ہو رہی ہو کہ یہ رسالہ اسی طریقہ پر چلایا جائے، جس طرح کیمبرج کے بعض پرچے محض طلبہ کے غیر ذمہ دار ہاتھوں میں نہ کر سالا سال سے جاری ہیں، امید کی جاتی ہے کہ پہلا پرچہ جون میں شائع ہوگا، جسکے لئے ہندوستان سے متعدد اہل قلم حضرات سے مضامین نظم و نثر حاصل کئے جا رہے ہیں، انجمن میں کیمبرج کے علاوہ باہر کے طلبہ بھی شریک کئے گئے ہیں اور رسالہ کی اشاعت ہندوستان میں بھی ہو کر گی، اس سال کے لئے انجمن کے سکریٹری پنجاب کے ایک لائق ہندوگریجویٹ میں جو بیان سے بھی ڈگری لے چکے ہیں، موصوف کی سخیہ مزاجی اور استقلال طلبیہ اعتماد رکھتے ہیں، اور یدین دجا امید ہو سکتی ہے کہ ہندوستان میں کی یہ پہلی قعدہ اور جدید تحریک کامیاب ہو جائے۔

## تَلْخِصْ دُما، تَبْصِرْ دُما چین کی تمدنی عظمت

چین کے سفیر متینہ لندن نے چند روز ہوئے اپنی ایک تقریر میں بیان کیا تھا کہ امریکہ  
چینی طلبہ -- ۱۲ کی تعداد میں امریکہ میں ہیں، اور ۱۹۰ کی تعداد میں برطانیہ میں، اسپرٹاؤنر، انجینئر  
پلیمنٹ لکھتا ہے کہ چینی طلبہ کی تعداد میں یہ تناسب انگلستان کے لئے باعثِ شرم ہے۔  
”امریکہ ہم سے زیادہ چین کی اہمیت پر نظر رکھتا ہے، نہ صرف اس حیثیت سے کہ اس  
ملک سے دولتِ خوب گیسٹی جاسکتی ہے، یا یہ کہ وہاں حقوقِ خوب حاصل کئے جاسکتے ہیں،  
بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اہل چین انسانیت کے اولین معلمین سے ہیں، تقریباً سارے پہ  
سورس سے ان پر دوبارہ ہے، لیکن انکی طویل تاریخ کو دیکھتے ہوئے یہ مدت بہت ہی مختصر ہے  
اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قوم کو اپنے قدیم شایر پر قائم رہنے اور حوادثِ دہر کے  
باوجود اپنی سیرت برقرار رکھنے پر جو قدرتِ حاصل ہے، اتنی کسی دوسری قوم کو نہیں،  
یاد رکھنا چاہیے کہ ولادتِ مسیح سے لیکر تیرہویں صدی تک اس قوم کا تمدن دنیا  
میں بہترین رہا ہے، قدیم لیکن غیر فرسودہ، اور مغربی تمدنوں سے کہیں زیادہ پائدار،  
اور اسی تمدن کے اصلی خصوصیات اب تک قائم ہیں،“

ایسی حالت میں

”مغرب کا فرض ہے کہ تعلیم اور ہر دوسرے طریقہ سے اہل چین کو دوبارہ حصولِ عروج  
میں مدد دے۔ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ اگر ہم ہر خود غلط بنیں تو انہیں سکھانے کے علاوہ ہم

اُن سے یکو بھی بہت کچھ سکتے ہیں، اسیں شبہ نہیں کہ ان میں بہت سی چیزیں ان خطاط  
 ہوا ہے، خصوصاً صنایع عالیہ میں، تاہم اُن کا خطاط ہمارے خطاط سے زائد نہیں  
 اسکے آگے نامزد لکھتا ہے کہ خوش مذاقی میں وہ مغرب سے بہت آگے ہیں، اور لطافت  
 و نفاست معاشرت میں مغرب ان سے برسوں سبق لے سکتا ہے، چنانچہ جو لباس چینی  
 خواتین پہنتی ہیں، وہ یورپ کی اعلیٰ ترین خواتین کو خواب میں بھی نصیب نہیں، بحر اسکے کہ  
 اس قسم کے کپڑے چین ہی سے منگائے جائیں، اور رنگ سے متعلق جو قوت امتیازی چین کی  
 دہقانہ مستورات کو ہوتی ہے، اسکی عشر عشر بھی پیرس کے ماہرین رنگ کو نصیب نہیں،  
 حصول مسرت، مغربی تمدن کا نصب العین ہے، لیکن متعدد ذرائع حصول مسرت میں  
 چین کا قدم ہم سے آگے ہے، اور اگر یہ صحیح ہے تو تسلیم کرنا چاہیے کہ تہذیب دشاننگی میں ہم  
 چین سے فرد تر ہیں،

”بہتر ہوتا اگر ہم ان ۱۹۰ چینی طلبہ سے ذرا اپنے تمدن کے متعلق صاف اور بے لاگ  
 رائے دریافت کرتے، وہ یقیناً ہماری حالت کو پوری طرح سمجھ رہے ہیں، البتہ دہاتے  
 غیر ہندو نہیں کہ خواہ مخواہ اس رائے کا اظہار بھی کرنے لگیں، تاوقتیکہ ہم ان سے خاص  
 اصرار کے ساتھ دریافت نہ کریں۔“

اسیں شبہ نہیں کہ ان کے ہاں سیلاب اور وباؤں آتی رہتی ہیں، اور تفرقیان  
 اور بغاوتیں ہوتی رہتی ہیں، لیکن خود ہمارے ہاں بھی توجہ عظیم ہو چکی ہے، ان پر  
 مصائب جو کچھ آتے ہیں، غفلت، نادانیت و جہالت کے باعث آتے ہیں لیکن ہمارے  
 ہاں کے مصائب خود ہمارے پیدا کردہ ہوتے ہیں ان کے ہاں بیشک ایسی دشواریاں  
 ہیں، جکے حل کرنے سے وہ عاجز ہیں، لیکن ہم تو اپنی خود بینی سے خود یہ مشکلات پیدا

کرتے ہیں، ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نے فطرت کو مسخر کر لیا ہے، لیکن جتنا ضبط نفس ان میں ہے اس سے ہم ابھی بے عمل و درہنہ ہیں“

اُن میں خود داری اتنی ہے کہ وہ انقلابات زمانہ کا اتنا تک برابر کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں، انکی حکومتیں پامال ہو چکیں، لیکن اُنکا نظام معاشرت بدستور قائم ہے، وہ ردی سلطنت کی طرح نہیں کہ حکومت کے جانے کے ساتھ ہی قومیت بھی مٹ گئی، چینی قومیت کی بنیاد اس سے کہیں زیادہ مستحکم و پائیدار ہے،

آخر میں تاثر کہتا ہے کہ ضرورت اسکی ہے کہ ۱۹۰ سے بدرجہا زاید چینی طلبہ انگلستان میں ہوں، اور بکثرت اہل انگلستان چین میں سیکھنے کی غرض سے مقیم ہوں،

## یورپ اور ریونیو نگاری

یورپ میں ریونیو نگاری ایک مستقل پیشہ ہے، صد ہا کا ملین ادب و ارباب قلم مستقل ذریعہ معاش بھی شغلہ ریونیو نگاری ہے، جنگ کے ہمہ گیر اثرات سے جس طرح ہر شعبہ حیات متاثر ہوا، یہ صیغہ بھی ہوا، انگلستان کے مشہور ادبی پرچہ آئینیم نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اسکے مطالب کو ہم اپنی زبان میں لکھتے ہیں،

وہ کہتا ہے کہ سترہویں صدی میں جس ریونیو نگار کو پانچ پونڈ فی ہفتہ کی آمدنی ہو جاتی تھی وہ خوش قسمت و خوشحال خیال کیا جاتا تھا، لیکن سترہویں صدی میں اس آمدنی پر فراغت کے ساتھ تو کیا معمولی طور پر بھی گذر کر نامدوار ہے، غریب ریونیو نگار اسپر بھی قناعت کرنے کو آمادہ ہے، لیکن اقل مرتبہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اتنی اجرت تو اسے بہر حال ملتی رہنا چاہیئے، لیکن یہ بھی ممکن نہیں اسلئے کہ گو شرح بدستور ہے، تاہم کوئی ایڈیٹر اب ریونیو کے لئے سابق کی برابر گنجائش نہیں نکال سکتا

اور اسمین ایڈیٹر کا قصور نہیں، اس بیچارہ کے پاس اتنی جگہ ہے کہ ان جو ریویلوں کے لئے اتنی گنجائش نکال سکے؟

۳۰۰۰۰ روزانہ دہشتہ دار اخبارات ریویلوں کیلئے جتنی جگہ دیتے تھے، اب صرف اسکی نصف دیتے ہیں، اسکے معنی یہ ہیں کہ پانچ پونڈ پائیلون کا معاوضہ اب کل ڈھائی پونڈ رہ جاتا ہے! ایسی حالت میں آج جس ریویلوں نگار کی آمدنی چار پونڈ فی ہفتہ ہے، اس خوش قسمت سمجھنا چاہیے، لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ اسے محنت کم پڑتی ہے، کتابیں اسے اتنی ہی پڑھنی پڑتی ہیں، ان پر دیدہ ریزی دیسی ہی کرنا ہوتی ہے، ریویلوں کے ادین آستہ ہی ہوتے ہیں، فرق صرف انکی ضخامت میں ہے، پہلے بہت مفصل و طویل ریویلوں لکھ کر تے تھے، اب ایڈیٹروں کی ناکید ہے کہ انہیں حتی الامکان نہایت مختصر ہونا چاہیے، لیکن جو شخص اس کام کا ذرا بھی تجربہ رکھتا ہے، وہ جان سکتا ہے کہ ریویلوں کی طوالت و اختصار سے ریویلوں نگار کی محنت پر کچھ اثر نہیں پڑتا، اگر کتابوں کی تعداد کم ہوتی تو بیشک محنت میں تخفیف ہو سکتی تھی۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ فن مٹ جائیگا، کوئی فن اسوقت تک زندہ نہیں رہ سکتا، جب تک ارباب فن اسے ترقی نہ دیتے رہیں، اور ظاہر ہے کہ فاقہ کشی ارباب فن کو زندہ نہیں رکھ سکتی،

موجودہ ریویلوں نگاروں کے لئے صرف دو راستے کھلے ہوئے ہیں، یا ان کا معاوضہ مضاعف کر دیا جائے، جیسا کہ اور ہر پیشہ میں ہو رہا ہے، اور یا وہ کوئی دوسرا پیشہ تعلیم مشغلہ اختیار کریں، لیکن بحالات موجودہ یہ دونوں صورتیں ناقابل عمل ہیں،

عام خیال یہ ہو گا کہ پہلی صورت بہت آسان ہے، اسلئے کہ اخبار کا مالک علی العموم ایک باثروت شخص سمجھا جاتا ہے، اور اسمین شبہ نہیں کہ ایک خاص طرز کے مالکان اخبارات کے

معلق یہ خیال بالکل صحیح ہے، لیکن علمی و تنقیدی جرائد و رسائل کے نصیب میں ہمیشہ افلاس رہتا ہے، مصارف بالعموم تمام اخبارات کے بڑھ گئے ہیں، کاغذ کی قیمت چار چنہ ہو گئی ہے، طباعت کی اجرت دو چنہ سے زائد، اور مشینری کی قیمت شش چنہ، لیکن اسکے مقابلہ میں دوسری طرف اخبارات نے اپنی قیمت بھی دو چنہ کر دی ہے، اور اشتہارات کی اجرت بقدر پچاس فیصدی کے بڑھا دی، اور اس طرح مصارف میں اضافہ بمقابلہ اضافہ مدخل کے صرف دو چنہ رہ گیا ہے،

لیکن ایسا صرف روزانہ سیاسی اخبارات ہی کر سکتے ہیں، ایک علمی پرچہ کے خریدار ہی کتنے ہوتے ہیں، زیادہ سے زیادہ انکی تعداد پچاس ہزار ہو سکتی ہے، لیکن اگر پرچہ کی قیمت بڑھا دی جائے تو بھی تعداد ڈوٹ کر دس ہزار کے لگ بھگ پہنچ جائیگی، ان پر چون کیلئے اضافہ قیمت، اضافہ اجرت اشتہارات و کثرت اشاعت کے الفاظ بے معنی ہیں،

اخبار میں ادبی و تنقیدی کا لم رکھنا، جیسا کہ ہر ایڈیٹر اپنے تجربہ سے کہہ سکتا ہے، پرچہ کی مالی ترقی میں فواد خواہ ایک رکاوٹ پیدا کرنا ہے، تجدید، ایڈیٹر فوراً اس بیکار کا لم کوڑا کر اسکے بجائے گھوڑ دوڑ کے نتائج، طلاق کے مقدمات، اور مشہور کتب باز دین کے حالات درج کر لیا، جس سے مالک کی آمدنی اور ایڈیٹر کی تنخواہ دونوں میں اضافہ ہو سیکے گا، لیکن ابھی ہر ایڈیٹر اس جدید طرز کا ہنر، گواہینہ نسل اسی کے لئے تیار ہو رہی ہے، ابھی تو یہ کہہ خیال ایڈیٹر ایسا سودا فروخت کرنے نکلا ہے، جسکی بازار میں مطلق مانگ نہیں، پھر کس منہ سے وہ اضافہ تنخواہ کا مطالبہ کر سکتا ہے؟

اسکے بعد دوسری صورت تنقید نگار کے لئے یہی باقی رہ جاتی ہے کہ وہ نادل نویسی کا لئے سجان اللہ یورپ کے رسالے اس عظیم الشان تعداد کو انتہائی قحط کی مثال میں پیش کرتے ہیں، (معارف)



نفع بخش مسئلہ شروع کرے، لیکن اسے اپنی ناقدانہ زندگی میں نادلوں کے جو تجربات ہو چکے ہیں وہ یقیناً اس کا قلم اس موضوع پر نہ اٹھنے دینگے، لیکن تنقید نگاری کی موت خود علم و ادب کی موت ہے اسلئے کہ بغیر صحیح تنقید کے کوئی لٹریچر زندہ نہیں رہ سکتا۔

اس مصیبت کا علاج صرف جماعت کے ہاتھ میں ہے، جب تک جماعت میں مذاقِ سلیم نہ پیدا ہوگا، اور تنقید کی قدر شناسی نہ ہوگی، اس فن کا رفتہ رفتہ مٹ جانا یقینی ہے، اور ہمارے جس موجودہ تمدن پر اس قدر غرور و ناز کیا جاتا ہے، اسکے متعلق تاریخِ مین یہ ہمیشہ درج رہیگا کہ اس میں جو لوگ خونِ جگر کہا کر لٹریچر کی آبیاری کرتے تھے، انکی قیمت اتنی بھی نہ تھی جتنی مطبع کے کپیڑیروں کی ہوتی تھی!

## صحتِ دماغی اور تصوف

سٹرڈمنڈ ہوس، جنکے بعض خیالات و افکار سے ناظرینِ معارف و روشناس ہو چکے ہیں، انھوں نے بہرٹ جرنل کے تازہ نمبر میں ایک مضمون ”نفیساتِ صحتِ نفس“ پر شائع کیا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں کہ مدت سے ایک جدید سائنس ”تشریحِ نفسی“ (Analytical Psychology) کا مین اسقدر مشہور سن رہا تھا کہ بالآخر مین نے اسکے مطالعہ کرنے کا قصد کر لیا، چنانچہ اس فن کی ایک ابتدائی کتاب ”نفیساتِ اختلالِ نفس“ مصنفہ ڈاکٹر برنارڈ ہارٹ مین نے انہائی، اور اسے ایک سے زائد بار دہیچی کے ساتھ پڑھا،

اس جدید فن کے بانیوں کا دعویٰ ہے کہ اسکے ذریعہ سے دیوانگی کا علاج بخوبی ہو سکتا ہے، لیکن جب اس حد تک کامیابی ہو چکی ہے تو کیوں نہ ایک قدم آگے بڑھا کر اس فن سے انسدادِ جنون میں مدد لی جائے، اور اسکی بنیادوں پر صحتِ نفس، ثباتِ عقل و سلامتیِ دماغ کے کلیات

قائم کئے جائیں ؟

اس فن کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ دماغ ایک مجموعہ کا نام ہے، جسکے ماتحت بیشمار اجزاء ایک دوسرے سے الگ، لیکن ایک دوسرے سے متحدہ و مشترک زندگی کو پورا کرتے رہتے ہیں، لیکن کبھی ان میں تناقض پیدا ہو جاتا ہے، یعنی ایک مرکز ذرات نفسی دوسرے مراکز ذرات نفسی سے بیگانہ ہو کر ان سے برسرِ پیکار ہو جاتا ہے، اسی وقت سے نفس میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے، شیرازہ دماغ بکھر جاتا ہے، توازن و رہم برہم ہو جاتا ہے، اور اجتماع کے بجائے افتراق و انتشار کی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے، یہی افتراق بڑھ کر جنون و دیوانگی کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے، جس طرح سلطنت میں جب مرکز اصلی کی اطاعت چھوٹے چھوٹے مراکز ترک کر دیتے ہیں اور اپنی خود مختاری کا اعلان کرنے لگتے ہیں، اور اسی وقت سے سلطنت میں طوائف الملوک و غانہ جنگی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح دماغ کے تمام مراکز کو اصلی مرکز نفس یا شخصیت کے تابع رہنا چاہیے، اور جو وقت و تابع نہیں رہتے، اس وقت سے اختلال دماغی شروع ہو جاتا ہے، فرض کرو ایک شخص کو روپیہ جمع کرنے کا شوق ہے، اس شوق کا ایک مرکز اس کے دماغ میں قائم ہوگا، اور وہ شخص اپنے شوق کو پورا کرینے کی کوشش کریگا، لیکن روپیہ فراہم کرنے کی سعی حدود ہیں، ایک دوسرا مرکز دوسروں کے حقوق کی پاسداری و نگہداشت کا بھی ہوتا ہے، اگر ان حدود کو ملحوظ رکھ کر مرکز تحصیل زر کام کر رہا ہے، تو صحت دماغی درست ہے، لیکن فرض کرو کہ یہ مرکز اپنے سامنے دوسرے مراکز کو پامال کر دینا چاہتا ہے، روپیہ جمع کرنے کی ذہن میں اس شخص کو کچھ خیال نہیں کہ دوسروں کی عزت، دولت و جان کو کتنا نقصان پہنچے گا، اور وہ اپنی اس ذہن کی تکمیل میں دوسروں کی عزت لے لیتا ہے، دوسروں کا سارا مال غصب کر لیتا ہے، اور دوسروں کو قتل کر ڈالتا ہے، تو اس شوق کو ضبط نہ کیا جائیگا،

مسٹر ہومس کہتے ہیں کہ تشریح نفسی کے یہ اصول بجائے خود بالکل صحیح ہیں، لیکن تحقیقات کا قدم یہاں تک پہنچ کر رک کیوں جاتا ہے؟ یہ صحیح ہے کہ مختلف مراکز دماغ، نفس یا ذات کے ماتحت ہیں، اور اسکے خلاف انکی خود مختاری کا اعلان ہی جنوں ہے، لیکن خود یہ نفس، کیا قائم بالذات و خود مختار ہے؟

فاضل مقالہ نگار کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مختلف مراکز دماغ نفس ذاتی کے ماتحت و محکوم ہیں، اسی طرح یہ نفس ذاتی بھی مطلق العنان نہیں، بلکہ اسکے علاوہ اور بھی برابر درجہ کے نفوس ہیں مثلاً نفس وطنی، نفس ملی، نفس معاشری وغیرہ، اور نفس ذاتی ان سب کے مجموعہ یا نفس کل کے ماتحت ہے،

تشریح نفسی کے عام علماء، اختلال نفس کا سبب مراکز دماغ کی بغاوت کو بیان کر کے رک جاتے ہیں، لیکن محض دفع مرض، صحت کامل کے مرادف نہیں، اور محض دیوانگی کا فقدان اس امر کے لئے کافی نہیں کہ انسان دماغی صحت کے لحاظ سے اسقدر بہتر حالت میں ہو جیسے اسکو ہونا چاہیے، انسان کا فرض یہ ہے کہ کمال انسانیت تک پہنچے، اور اس مرتبہ سے کچھ بھی فروتر نہ رہنا اسکے لئے باعث شرم ہے، اور اسی کو اصطلاح اخلاق و ثمریت میں مصیبت کہتے ہیں، فرض کرو ایک بد مزاج و بد اخلاق شخص ہے، وہ اپنے والدین کی نافرمانی کرتا ہے، اپنے اہل و عیال کو تکلیف دیتا ہے، اپنے ہمسایوں سے خواہ مخواہ لڑتا ہے، اور کسی کے درد و کہہ میں شرکت نہیں کرتا، ایسا شخص نہ قانونی حیثیت سے مجرم ہے، نہ کوئی اسے دیوانہ کہہ سکتا ہے، پھر بھی کیا انکی حالت قابل رشک ہے؟ کیا اسکی ذات میں کافی نقائص موجود ہیں؟ یا ایک دو تہمتہ بخیل ہے، اسکے پاس لاکھوں روپیہ نقد ہے، اور لاکھوں کی جائداد ہے لیکن وہ ایمین سے ایک پیسہ بھی کسی مفید کام میں خرچ نہیں کرتا، صدقاً محتاج اس کے

در دوازہ پر آتے ہیں، اور دھکے دیکے نکلوا دیئے جاتے ہیں، اس کے غریب اعزہ اور ہسایوں کے ہاں فاقے ہوتے ہیں، لیکن اسے کوئی پردہ اینہیں ہوتی، ایسے شخص پر بھی نہ مجرم کا اطلاق ہو سکتا نہ مجنون کا پھر بھی اسے کامل انسان کون کہیگا؟

ان مثالوں میں مراکز دماغ میں باہم کوئی تناقض و تنازع نہیں بلکہ تمام مراکز کی خلیعت ان اشخاص کی حیات ذاتی میں معین ہو رہی ہے، یہاں جو کچھ نزاع ہے، وہ نفس ذاتی اور نفس اجتماعی کے درمیان ہے، انسان کی خود غرضی اس طرز زندگی میں کوئی عیب نہیں دیکھتی، لیکن ایک اور بالاتر قانون ہے جو اس طرز زندگی کو سخت ناقص پاتا ہے، اور اس کا فتویٰ یہ ہے کہ انسانیت کی تکمیل اسی صورت میں ہو سکتی ہے، جب نفس ذاتی اپنے سے وسیع تر نفس کے ماتحت رہے گویا جس طرح اختلاف نفس، دماغ کے عدم توازن سے پیدا ہوتا ہے، اسی طرح انسانیت کی تکمیل، توازن نفس سے ہوتی ہے،

لیکن اس مقصد کے حصول کی عملی تدبیر کیا ہے؟ بادشاہ اگر قوی ہو تو صوبہ داروں کی بنادت یقیناً ناکام رہیگی، یہی حال سلطنت نفس کا ہے، انسان کا نفس کل اگر قوی ہے تو اس کے ماتحت نفوس یقیناً مغلوب رہیں گے، پس اگر نفس کل کا غلبہ و اقتدار برقرار رکھنا منظور ہو تو لازمی ہے کہ اسے پر قوت بنایا جائے، اور اسے پر قوت رکھنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ جہان تک ممکن ہو اپنی نفس ذاتی اپنی شخصیت انفرادی، اپنی خودی کو مثایا جائے اور اسے یہاں تک مثایا جائے کہ اس کا کوئی مستقل وجود ہی نہ باقی رہ جائے، بلکہ یہ اپنی تین اسی نفس کل میں ضم و جذب کر دے، ہستی کی تمام کشمکش اس وقت تک ہو جب تک ہستی میں تعینات و شخصیات ہیں، لیکن جب وہ اپنی تین ہستی کل میں غائب کر دے، اور وجود محدود و متناہی اپنے تین وجود مطلق و غیر متناہی میں فنا کر دے تو ہر طرح کا سکون حاصل ہو جاتا ہے اور یہی مرتبہ انسانیت کی تکمیل ہے ع حشرت طرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا۔  
بہ الفاظ دیگر عرفان نفس کا اصلی ذیہ نفس کشی ہے،

## احبابِ علیہ

نائر دجن کا عنصر بیض ہونا ڈیڑھ صدی سے مسلم چلا آتا ہے، لیکن حال میں بعض محققین طبیعت نے اپنا خیال یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ بیض نہیں بلکہ نائر دجن اور ہلیم سے مرکب ہے، علما نے ابھی کسی قطعی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکے ہیں،

ڈاکٹر آگسٹن والر اسوقت انگلستان میں فن طبیعت کے ایک نامور عالم ہیں، حال میں انھوں نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے، جسکے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ اسکے لگا دینے سے کسی شخص کا جھوٹ نہیں چھپ سکتا، فرض کرو کہ ایک ملزم عدالت کے سامنے اظہار دے رہا ہے، اور یہ غلط بیانی کر رہا ہے کہ وہ موقع واردات پر کبھی گیا ہی نہیں ہے، اسوقت عدالت کو چاہیئے کہ اسکے سامنے چند نامانوس مقامات کی تصویریں پیش کرے، جن میں سے ایک اس موقع واردات کی تصویر بھی ہو، اور وہ برقی آلہ ملزم کے ہاتھ میں لگا دیا جائے، اس تصویر کو دیکھ کر ملزم کے نظامِ عصبی پر جو اثر پڑے گا وہ ان اثرات سے بالکل مختلف ہوگا جو دوسری تصاویر سے ہوگا، اور اس اختلاف اثر کے نقوش فی الفور اس آئینہ صفت آلہ میں منکس ہو جائیں گے، جبکہ روکنا کسی طرح امکان انسانی میں نہیں، اور اس طرح فوراً جھوٹ کھل جائیگا، گویا اس آلہ کے رواج پا جانے کے بعد عدالتوں میں دروغ بیانی کا سد باب ہو جائیگا،

ڈاکٹر رابرٹ بل نے جو گلاسکو کے ایک مشہور طبیب ہیں، اور مرض سرطان کے علاج میں

خاص شہرت رکھتے ہیں، اعلان کیا ہے کہ انسان اگر شروع سے صرف نباتات خوردہ اور نباتات بھی غیر مطبوخ تو ایک سو ساٹھ سال تک کی عمر حاصل کر سکتا ہے، ڈاکٹر موصوف کہتے ہیں کہ ان پکانے کا طریقہ طول حیات انسانی کا سب سے بڑا دشمن ہے، غذا میں جس حد تک پختگی و طبع کی ضرورت ہوتی ہے، وہ حرارت آفتاب سے کہیتوں اور باغون میں از خود ہو جاتی ہے اس کے بعد پھر آگ میں پکانا غذا کی اصلی قوت کو سخت کر دیتا ہے۔

پروفیسر میکول لی فراس نے رائل انسٹیٹوشن کے سامنے ایک تازہ پچہ میں بیان کیا ہے کہ آئینہ جنگ میں خانگی حشرات الارض اور کیرے کوڑوں مثلاً کبھی، چمچ، کھٹل وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل ہو گی کہ ان کے ذریعہ سے دشمن کی فوج دھمک میں جراثیم امراض پھیلا دینا بہت آسان ہے پروفیسر موصوف نے اظہار تعجب کیا کہ گزشتہ جنگ میں جرمنی کا ذہن اس تدبیر کی طرف کیوں نہ منتقل ہوا، یہ حربہ ایسا ہے جس کا کوئی تور نہیں،

مجلس مباحثہ و مناظرہ کا انعقاد ہندوستان کے ساتھ مخصوص نہیں، کبھی کبھی اس کی نظیریں یورپ میں بھی مل جاتی ہیں، چنانچہ حال میں ایک معرکہ آرا مناظرہ کونسل ہال (لندن) میں اسپرینگ ہولڈم کے موضوع پر منعقد ہوا، اسپرینگ ہولڈم کی موافقت و حمایت میں بولنے والے سر آرثر کینن ڈوایل نے جو ادبی حلقہ میں بحیثیت ایک ممتاز افسانہ نویس کے خاص شہرت رکھتے ہیں، اور جماعت منکرین کے سرگروہ مسٹر جوزف میکیب تھے جو مشہور ملحد ہیں، ایک نامور بیرسٹر مارشل ہل صدر جلسہ تھے مقررین کی پہلی تقریر کے لئے چالیس چالیس اور جوابی تقریر کے لئے پندرہ پندرہ منٹ کا وقت دیا گیا تھا، مناظرہ پورے جوش و سرگرمی کے ساتھ ہوا،

لیکن کو کی فریق دوسرے کو مطمئن نہ کر سکا بلکہ ہر فریق اپنی اپنی جماعت کے اخبارات میں بھی شائع کر رہا ہے کہ دلائل کی قوت ایسی کی جانب تھی،

ٹائمر کا طبی نامہ نگار لکھتا ہے کہ آجکل یورپ کے طبی حلقوں میں غیر ارادی نظام عصبی کے وظائف اور معمولی نظام عصبی سے اسکے تعلقات پر سرگرمی سے بحث ہو رہی ہے اس غیر ارادی یا اضطرابی نظام عصبی سے مراد ان اعصاب و مراکز اعصاب کا مجموعہ ہے جو ارادہ کے تصرف و اختیار کے بغیر اضطرابی فعلیت میں مشغول رہتے ہیں، نازہ تحقیقات سے اس نظام عصبی کے افعال بہت زاید اہم ثابت ہو رہے ہیں، خصوصاً قلب، جگر و معدہ اور ان کے حوالی میں، مقالہ نگار کو توقع ہے کہ تحقیقات کے مکمل ہونے پر مسائل طب و اصول علاج میں بہت کچھ تغیر کرنا ہوگا،

جذبات و احساسات اب تک وزن و بیکانش کی چیز نہ تھے، لیکن ڈاکٹر والکر جکا ذکر چند سطریں اُدھر آچکا ہے، انھوں نے ایسے آلات ایجاد کئے ہیں جن میں برقی قوت کی مدد سے رنج و غم، راحت و مسرت، غیظ و غضب، حیرت و تعجب، ہر قسم کے احساسات و واردات قلب کے نفوذ مع فرق مداح رجسٹر میں درج ہو سکیں گے، اور اس طرح ذہنیات و غیر مرئیات کی مساحت کا ایک جدید فن مدون ہو سکیگا،

کچھ روز سے جرمنی کے ان علاقوں میں جہاں انگریزی فوجیں اب تک موجود ہیں انگلستان ٹیلیفون کا سلسلہ قائم کیا گیا ہے، اور صد اسیل کی اس مسافت کو ٹیلیفون کے پیامات برابر

کے کرتے رہتے ہیں، اس ضمن میں اسکا بھی تجربہ ہوا کہ فی منٹ (تو) الفاظ باسانی منتقل کئے جاسکتے ہیں، اور توقع ہے کہ عنقریب ڈیرہ سوا الفاظ تک کی فی منٹ آمد و رفت ہو سکے۔

یورپ میں بکثرت مشاہدہ میں آچکا ہے کہ جو ڈاکٹر اکسریز کے چارج میں رہتے ہیں انہیں جلد یا بدیر خود ہی اسکے مضر اثرات کا شکار ہونا پڑتا ہے، چنانچہ حال میں ایک فریج ڈاکٹر میسودیلیان کو سرطان میں مبتلا ہو کر اپنا پورا بایان ہاتھ قطع کرنا پڑا ہے، ڈاکٹر موصوف پیچیس برس سے زاید سے روٹنجن شعاعوں کے ذریعہ سے علاج کرتے ہیں، لیکن اس طریق علاج کو اختیار کرنے کے کچھ ہی روز کے بعد سے انہیں اس خاص قسم کے سرطان کے علامات معلوم ہونے لگے، جو اکسریز کے استعمال سے پیدا ہوتا ہے، یعنی . . . . .

RADIOGRAPHIC CANCER چنانچہ سن ۱۹۵۸ء میں انہیں اپنے اوپر عمل جراحی

کرنا پڑا، اس وقت سے لیکر اب تک پورے دس بار انہیں اپریشن کی ضرورت پڑ چکی ہے، اور ہر مرتبہ بعد صحت انھوں نے پھر اسی مشغلہ کو اختیار کیا ہے، ابکی مرتبہ کا اپریشن بہت ہی سخت تھا، جس میں ڈاکٹر موصوف کو نہ صرف شانہ سے اپنا پورا بایان ہاتھ قطع کرنا پڑا ہے بلکہ منہلی کی کچھ ہڈی بھی، ڈاکٹر موصوف کی سالانہ تنخواہ کل ایک سو ساٹھ پونڈ ہے جو ہندوستان کے مسکہ میں موجودہ شرح زر کے لحاظ سے سو روپیہ ماہوار سے کچھ اوپر ہوتی ہے فرانس کے اخبارات اپنی حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ اس قدر قلیل مشاہرہ پر کیوں ایک شخص کو دوسروں کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، فرانس میں چونکہ اس قسم کے واقعات بکثرت واقع ہوتے رہتے ہیں، اخبارات کی تجویز ہے کہ ان شہیدان فرض کے لئے پہلے حادثہ کے بعد مغفول و ظلیفہ مقرر ہو جانا چاہیے تاکہ انہیں پھر ملازمت کی



ضرورت باقی نہ رہے اور خدمتِ خلق کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈالنے کا کچھ تو سادہ مضامین کو مل جائے،

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، جس کا گیارہواں ایڈیشن ۱۹۱۱ء میں کیمریج یونیورسٹی پریس کی جانب سے شائع ہوا تھا، حال میں اس کے چیف ایڈیٹر مسٹر جیمز ہوم نے ایک اخبار کے نمائندہ سے بیان کیا کہ جنگ نے دنیا کی کاپی لٹ کر دی ہے، اس بنا پر انسائیکلو پیڈیا کا جدید ایڈیشن جلد شائع کرنا ناگزیر ہو گیا ہے، عنقریب اس پر نظر ثانی شروع ہوگی، اور کام شروع ہونے پر دہرے برس کے عرصہ میں امید ہے کہ طبع جدید شائقین کے ہاتھوں تک پہنچ جائے، آئندہ ایڈیشن میں جو جدید معلومات درج ہونگے ان کا دو ثلث حصہ جنگ و منغلات جنگ کی نذر ہوگا، باقی ایک ثلث میں عام اضافہ معلومات ہوگا۔

نیویارک ٹیٹل سوسائٹی (امریکہ) کے روبرو اسکے صدر فٹن ڈاکٹر فیسک نے بطور دیتے ہوئے بیان کیا کہ سائنس کی مدد سے بعض کمپیون کی عمر ان کے عام اوسط عمر کے مقابلہ میں نہ صد چند (۹۰۰ گنی) بڑھائی جا چکی ہے، ایسی حالت میں یہ امید کرنا بجا نہیں کہ انسان کی عمر بھی سائنس تک تداویر سے ۱۹۰۰ سال تک کی ہو سکے! لیکن آخر میں ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی تسلیم کیا کہ جب تک سائنس اس حد تک ترقی کرے کہ اس وقت تک ممکن ہے کہ سطح ارض پر حیات کا نشان بھی نہ باقی رہ جائے،

ایک سائنسک مضمون نگار لکھتا ہے کہ بعض اشخاص سے متعلق یہ بات متواتر

تجربہ میں آئی ہے کہ اُنکے پاس گھڑی کام نہیں دیتی، بہتر سے بہتر نئی گھڑی لا کر انہیں دیکھاتی ہے، اور انہیں ابھی دو ہی ایک دن اسے جیب میں رکھے یا کلائی میں لٹکائے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ بند ہو جاتی ہے اور ہزار مرست پر بھی درست نہیں ہوتی، لیکن اگر وہی گھڑی کسی دوسرے شخص کو دیدی جاتی ہے تو معاً چلنے لگتی ہے، اسی طرح بعض اشخاص ایسے بھی تجربہ میں آئے ہیں جنکے ہاتھ میں پہنچکر ہیرے اور یا قوت ماند پڑ جاتے ہیں، بخلاف اسکے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنکے ہاتھ میں پہنچکر ان کی چمک دمک بدرجہا بڑھ جاتی ہے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہر انسان کے جسم سے مقناطیسی ذرات، مثل ریڈیم کی شاعون کے خارج ہوتے رہتی ہیں، دو گھڑیاں، ہیرے، یا قوت وغیرہ ان سے متاثر ہوتے ہیں، پھر چونکہ ہر شخص کا مزاج و طبیعت دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، اسلئے قدر تا ان ذرات مقناطیسی کا اخراج بھی مختلف طریقوں اور صورتوں سے ہوتا ہے، اور اسی لئے اسکے اثرات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

متحدہ انگریزی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ کریم گنج (احاطہ بنگال) میں ایک ہندو فیروز سادہ سوامی سچا اندوار دھوا ہے، جسکی عمر ساڑھے تین سو سال سے متجاوز ہے، یہ شخص مرہٹی نسل کا ہے مگر گفتگو ہندی میں کرتا ہے، جنگ پالی پت (۱۸۵۷ء) کو وہ اپنا چشمیدہ واقعہ بیان کرتا ہے، اور جنگ پلاہی (۱۸۵۷ء) کو مکمل کی بات بتاتا ہے کہانے پینے میں وہ چوت چات کا پابند ہے، اور بجز گوشت اور مچھلی کے ہر شے کھا لیتا، وہ اپنا مسکن کو بہتان جالیہ بیان کرنا ہے اور کہتا ہے کہ دربار نیپال اسکو اپنا مرشد ایک سو گیارہ سال سے بنائے ہوئے ہے، اسکے ساتھ اسکا ایک چیلابی ہے جسکو وہ بھی باطل بچہ بتاتا ہے، اور اسکی عمر ۸۲ سال کی ہے، یہ سادہ ہو گیا دے رنگ کے جو گیان

کیڑے پہنے ہوئے ہے، اور اپنی ناقابلِ تعین دراز عمری کا سبب محض یوگ کی پابندی اور باطنی دظاہری پاکیزگی و احتیاط قرار دیتا ہے،

کرہ ارض و کرہ میخ و دونوں بروقت گردش میں مصروف رہتے ہیں، اس دہلی گردش میں کبھی کبھی وہ ایک دوسرے کے قریب ہو جاتے ہیں، اور کبھی کبھی ان کا درمیانی فاصلہ بڑھ جاتا ہے، قریب ہونے کی صورت میں درمیانی فاصلہ ساڑھے تین کرو میل بڑھ جاتا ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے پندرہ یا سترہ سال کی مدت میں یہ فاصلہ چھہ کرو تیس لاکھ میل تک پہنچ جاتا ہے، ۲۱- اپریل گذشتہ کو یہ فاصلہ پانچ کرو چالیس لاکھ میل رہ گیا تھا اور چونکہ آئندہ کئی سال تک اس قدر قریب ممکن نہ تھا، اسلئے سائنس دان طبقہ کو خیال پیدا ہوا کہ اس نتائج کو مزید تک پیام رسانی کی کوشش کرنا چاہیئے،

ڈاکٹر ملینز جو اس تجویز کے سب سے بڑے موید اور کامیابی کے سب سے زیادہ متوقع تھے، انھوں نے نیو یارک (امریکہ) کے قریب ایک خاص رصد خانہ بڑے اہتمام اس غرض کے لئے تیار کرایا اور اس نتائج کو نام شب انتہائی قوت کے لاسکی پیامات فضا میں روانہ کرتے رہے، برقی امواج کی سب سے بڑی قوت جو اب تک استعمال ہوئی تھی وہ ۱۶ ہزار میٹر کی تھی، ڈاکٹر موصوف نے اس سے کام لیا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ سطح ارض کا کوئی قطعہ ایسا باقی نہیں رہا جہاں کی آوازیں اُنکے رصد خانہ میں نہ پہنچی ہوں، لندن، پیرس، برلن وغیرہ بعید سے بعید مقامات کی خیف ترین آوازیں بھی غیر مسموع نہ رہیں، لیکن مزید اب تک خاموش رہا،

ڈاکٹر موصوف نے میرا عقول ہمت و عزم سے کام لیکر برقی قوت کے ذخیرہ کو اور زیادہ پر قوت بنایا، یہاں تک کہ انھوں نے امواج لاسلی کی قوت تین لاکھ میٹر تک پہنچادی جو چشم فلک پر نے بھی کبھی نہیں دیکھی تھی، اس طلسم بندی نے زمین کے قلابے آسمان سے ملا دیئے، بعد مسافت، ایک بے معنی لفظ رہ گیا، اور کائنات فضا کی ہر ادنیٰ سی ادنیٰ جنبش کا بھی عکس صاحب رصد خانہ کے آئینہ نظر پر پڑنے لگا، لیکن فضا نے میری رخ پر اب بھی عالم ہوتاری رہا، یہاں تک کہ سپیدہ سحر نمودار ہو گیا، اور چہرہ میری رخ پر چھایا گیا، ڈاکٹر مین نے اپنی کامل ناکامی کا صاف صاف اعتراف کیا ہے، لیکن انھوں نے ہمت نہیں ہاری بلکہ آئندہ بھی اپنی تحقیقات جاری رکھنے کا وعدہ کیا ہے،

میرج ہمیشہ سے اہل تنجیم کی توجہ کا مرکز رہا ہے، جو قش و نجوم کے علماء اسکے عجیب غیب خواص و افعال بتاتے آئے ہیں، لیکن مغرب کے علماء فلکیات کے بیان کے مطابق وہ بھی منہلہ اور سیاروں کے ایک ستارہ ہے جو اپنے محور پر ۴۴ گھنٹہ، ۳۸ منٹ ۳۳ سکند میں گردش کرتا رہتا ہے (گویا اسکے ہاں کا دن ہمارے ہاں کے دن سے کچھ ہی بڑا ہوتا ہے) اور گردش مداری ۶۸۷ دن میں کرتا ہے، اسلئے میں وہ زمین کے مقابل ۱۵۱ سالچ کو آیا تھا، اور ابکی ۳۱ اپریل کو، لیکن اس تقاطع کی اوسط مدت ۷۸۰ دن بیان کی جاتی ہے، آجکل وہ کرہ ارض کے خط استوا کے نیچے ہے، اسلئے بمقابلہ شمالی ممالک کے جنوبی ممالک میں اسکے مشاہدات زیادہ سہولت و صحت کے ساتھ ہو سکے ہیں،

# بَابُ التَّحْقِيقِ فِي الْأَخْلَاقِ

## تالیف اخلاق یورپ

از

مولوی عبدالماجد بی، اے، ایم، آر، اے، ایس،

”انجمن ترقی اردو“ کے ترجمے بہترین تصانیف سے بہتر ہوتے ہیں، ایک بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ جو کتاب ترجمہ کے لئے انتخاب کی جاتی ہے، اپنے موضوع پر مستند اور بہترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے، لیکن کی مشہور تصنیف ”مہتری آف یورپین مارلس“ جس کا اردو نام ”موج عنوان“ انجمن کے اس سلسلہ بریفیس کی سب سے آخری، یعنی تازہ ترین اشاعت ہے،

اس کتاب کے دو حصے ہیں، حصہ اول سلسلہ میں شائع ہو چکا تھا، حصہ دوم سلسلہ میں نکلا، لیکن یورو کے لئے سلسلہ کی پوری سہ ماہی گزر جانے کے بعد موصول ہوا ہے، لکھائی چھاپائی میں حصہ اول سے ہر طرح بہتر ہے، ضخامت ۲۲۶ صفحے ہے، پہلے حصہ سے قریباً پونے دو سو صفحے کم، مجلد کی قیمت تین روپیہ ہے، تجلید بھی حصہ اول سے نفاست میں بڑی ہوئی ہے،

فلسفہ اخلاق کی بنیاد دو سوالوں پر ہے، ایک یہ کہ اچھے برے نیک و بد کی پہچان کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ اچھائیوں کے کرنے اور بُرائیوں سے بچنے کا محرک کیا ہے؟ دوسرے سوال کا جواب کسی کسی طرح پہلے ہی کے جواب میں آ جاتا ہے، اور اخلاقیات کا اصل مسئلہ معیارِ حقیر و شریک کی تعین ہی ہے،

اس معیار کی نسبت دو ہزار سال کے اندر فلسفہ کی دنیا میں جتنے نظریات قائم ہوئے ہیں، ان کے ذریعے اختلافات کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو اصولی طور پر صرف دو ہی مذاہب نکلتے ہیں:-  
 ۱- ایک کے نزدیک ازل سے اور قدرتی طور پر خود انسان کے اندر ایک ایسا احساسہ موجود ہے جو نیک و بد کی تمیز کرتا ہے، دل و ضمیر آپ ہی بول اٹھتا ہے کہ فلاں چیز بری ہے اور فلاں اچھی، پس یہی آواز ضمیر اور شہادت باطن معیار خیر و شر ہے،  
 اس مذہب کا نام ضمیریت ہے،

۲- دوسرا کہتا ہے کہ ہمیں جس طرح انسان تجربہ سے یہ جانتا ہے کہ ہر مہلک اور تریاق اس کا ٹوٹ ہے، اسی طرح یہ بھی تجربہ ہی سے معلوم ہوا ہے کہ فلاں قسم کے عادات و فضائل نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے مضر اور فلاں مفید ہیں، یعنی اخلاق کے خیر و شر کا معیار افادہ ہے، جو چیز سعادت انسانی کے لئے بھتیجی ہی فائدہ رساں ہے، اتنی ہی خیر ہے،  
 اسی بنا پر یہ نظریہ افادیت کے نام سے موسوم ہے،

مصنف نے پہلے تاریخ اخلاق یورپ کے باب اول میں اپنی دو مذاہب پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، ضمیریت کی حمایت کی ہے، اور افادیت کی تردید، افادیت پر اعتراضات کی ایک مستقل فصل باندھی ہے،

انگلستان کے نامور فلسفی جان لاک نے اپنی کتاب ”فہم انسانی“ میں دعویٰ کیا ہے کہ انسان کا سارا علم حصولی و اکتسابی ہے، وہ جو کچھ بھی جانتا ہے اسکی بنیاد براہ راست یا بالواسطہ تجربہ ہی بنتا ہے، اسکا سب سے بڑا ثبوت، اس نے یہ قرار دیا ہے کہ معلومات انسانی کے اصولی طور پر جتنے اصناف ممکن ہیں انکو ایک ایک کر کے بنا دیا کہ کس تجربہ و احساس سے ماخوذ ہیں، اگر کسی دعویٰ کے لئے یہ طریق اثبات صحیح ہے تو زیر تبصرہ کتاب آپ اپنی تردید ٹھرتی ہے

اس لئے کہ بقول مصنف کے اسکی ”موجودہ تصنیف کا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ خارجی حالات اخلاق پر کہاں تک موثر ہوتے رہے، ہر عہد میں کیا کیا اخلاقی سانچے قائم ہوئے ہیں، عملاً انکی کہاں تک مطابقت ہوتی رہی ہے، اور کن کن اسباب سے ان میں تغیر و ترمیم ہوا کی ہے“

جب خارجی حالات و اسباب جزئیات اخلاق کو اس حد تک بدل دیتے ہیں کہ ایک بات جو کسی ایک عہد، قوم یا ملک میں محمود ہے، دوسری دوسری قوم، یا ملک میں قبیح بھی جانے لگتی ہے یہاں تک کہ انہی اختلافات کی بنا پر ”تاریخ اخلاق“ لکھی جاسکتی ہے تو پھر بغیر فاطنون کا عالم مثال مانے یہ سمجھ میں آنا مشکل ہے کہ افراد و جزئیات سے قطع نظر کر کے معیار اخلاق کی کوئی ایسی مجرد کلی حقیقت موجود ہے جو حالات و تجربات کے اثر سے قطعاً آزاد ہے،

یہ اعتراض خود مصنف کو جا بجا کہشکا ہے جسکا جواب بھی دیا ہے کہ جزئیات اخلاق کو چھوڑ کر نفس خیر و شر کا امتیاز شہادت ضمیر اور بصیرت باطن ہی سے حاصل ہوتا ہے، اس دفعہ دخل کا جو کچھ وزن ہے ظاہر ہے،

اگرچہ کتاب مذکور کی یہ بحث علم النفس کی گہرائی اور فلسفیانہ ژرف نگاہی سے خالی ہے تاہم جو لوگ اخلاقیات کے اس اہم مسئلہ سے بالکل نا آشنا ہیں، اور خالص دشتک علمی حیثیت سے اسکا مطالعہ نہیں کرنا چاہتے، انکو اس باب میں بھی عام واقفیت کا کافی اور دلچسپ ذخیرہ ملے گا، نہایت آسان اور قریب الفہم طریقہ سے دونوں مذاہب کی تشریح کی گئی ہے۔

کتاب کے اصل موضوع یعنی ”تاریخ اخلاق“ کا آغاز باب دوم سے ہوتا ہے جہاں سے مصنف نے بتانا شروع کیا ہے کہ مختلف حالات و اسباب کا اثر عملاً اخلاق و عادات پر کیا پڑا، اسکے لئے دو دور قائم کئے ہیں، ایک ”قبول مسیحیت“ سے قبل کا اور ایک اسکے بعد کا،

دور اول باب دوم پر ختم ہوتا ہے، باقی دو باب دوسرے دور سے متعلق ہیں اور آخری باب میں ”مرتبہ عورت“ پر گفتگو ہے،

اگرچہ مصنف نے نام کے لئے ”دامن“ بحث کو اشارہ یوں صدی تک وراثہ کیا ہے، اور ”تاسیخ اخلاق یورپ“ کے نام سے خیال ہوتا ہے کہ یورپ بھر کی ”تاسیخ اخلاق“ امین لگتی ہوگی، لیکن اصل یہ ہے کہ پورا حق صرف یونان و روم ہی کا ادا کیا گیا ہے، عام تاریخین میں بھی تغلیباً ”یورپ قدیم“ سے ہی دو ملک مراد ہوتے ہیں،

انہی کی اخلاقی تاسیخ کے تمام پہلوؤں کو دو جلدوں کی وسعت میں خوب پھیل کر لکھا ہے اور سچ یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے، ایک مسلسل رشتہ، بیان میں معلومات کا نہایت ہی دلچسپ و دافسرہ سرمایہ جمع ہو گیا ہے،

پردہ مسلمانوں کی بدعت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اصل میں یہ یونان قدیم کی ایجاد ہے، اور اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معمولی پردہ نہ تھا، بلکہ ہندوستان و چین میں بھی ترقی سے اودھ کا سخت ترین پردہ تھا، جو ہمارے گھروں کی تصویر کھینچ دیتا ہے۔

”گرو اہیان سخت پردہ کے اندر رہتی تھیں، ان کے رہنے کے لئے مکان کا ایک

پردہ دار حصہ مخصوص ہوتا تھا، اور ان کے مشاغل یہ ہوتے تھے، چرخہ کاٹنا، سینا پر دنا،

خانہ داری کا انتظام... عام مجالس و ملاعب میں کبھی شریک نہیں ہوتی تھیں... انکی

یہ طرز زندگی گویا ایک طرف انکی عصمت و ناموس کی سب سے بڑی محافظ تھی، لیکن

دوسری طرف اسکا یہ اثر بھی ہوا کہ ان کے خواہے وہی کی تربیت نہ ہو سکی، اور ہر دمیت

لنڈیوں باندیوں میں گھرے رہنے سے انکی نظریں لازمی طور پر تنگ و سبت ہو گئیں

گہر دلیوں کی خوبی کا بڑا سمیاریہ تھا کہ انکی بابت نیک یا بد کسی حیثیت سے بھی



سوسائٹی میں ذکر نہ آنے پائے“ (صفحہ ۱۸۰-باب ۵)

”..... اپنے شوہروں کی غیر معتدل بد چلینوں پر یہ عموماً صابر رہتی ہیں گھر کے اندر جو آداب و اخلاق رائج تھے وہ بہت ہی شریفانہ تھے، بیویوں پر کسی طرح کے مظالم کا پتہ نہ تھا شوہر زیادہ تر باہر ہمارتے تھے جس سے بیویوں کو رشک و رقابت کے مواقع بہت کم ملتے تھے وہ ان کے ساتھ دلی الفت و محبت رکھتی تھیں..... لڑائی غلاموں کو ان کے کام پر مقرر کرنا خانگی مصارف میں کفایت مد نظر رکھنا، اسباب خانہ داری، کپڑے، جوئے وغیرہ وغیرہ کو قرینہ سے رکھنا یہ سب بیوی کے فرائض ہیں“

اس ضمن میں بعض اور باتیں بھی مسلمانوں ہی کے گھر کا بہید کھولتی ہیں،  
”باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ بغایت پست تھا، اسکی زندگی مدت العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی، لڑکپن میں اپنے والدین کی، جوانی میں شوہر، اور بچہ گی میں فرزندوں کی دراشت میں اس کے مقابل میں اس کے مرد اعزہ کا حق ہمیشہ راجح سمجھا جاتا تھا، طلاق کا حق اسے قانوناً ضرور حاصل تھا تاہم علاوہ اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں آتا سکتی تھی کہ عدالت میں اس کا اظہار یونانی ناموس حیا کے منافی تھا، البتہ وہ اپنے ساتھ حمیر ضرور لاتی تھی، اور اپنی لڑکیوں کو بھی خدائی کے وقت میریزیا کو ذرائع میں داخل تھا“

یہ کتاب گو کہ یورپ میں پھیل چکی گئی ہے، اور اس کے دائرہ بحث میں صرف یورپ ہی کی تاریخ اخلاق داخل ہے، لیکن سیکڑوں اختلافات کے باوجود بھی فطرت انسانی ہمیشہ اور ہر جگہ اپنی ایک رنگیوں کو ظاہر کر دیتی ہے، اسلئے اقتباس بالا کے علاوہ اور بھی جا بجا لکھی جا سکتی ہیں۔  
”ہیسا سامان لیگا کہ گویا ہم ہندوستان کا حال پڑھ رہے ہیں“

البتہ کہیں کہیں مصنف کے مبالغہ آمیز اور غیر محاط بیانات سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ

یورپ سے باہر کی دنیا سے اچھی طرح واقف نہیں تھا یہ کہ کنواریوں کی عصمت شکاری اور باہیون کی شوہر پرستی تو یونان قدیم کی سی کہیں دنیا میں کبھی پائی نہیں گئی“ (باب پنجم صفحہ ۱۷۸) اس دعویٰ پر متعدد جگہ زور دیا گیا ہے، لیکن کیا عصمت شکاری اور شوہر پرستی کی ہندو روایات کا مرتبہ یونان سے بھی بلند تر نہیں رہا ہے،

ایک موقع پر اسلام کا ذکر اس تقریب سے آگیا ہے کہ سب سے بڑھ چڑھ کر جو سبب مسیحیوں میں عسکریت کی روح پھولنے کا ہوا وہ اسلام کی تقلید غمی کہ اسی نے حقیقت مسیحیوں کی کسی نرم دہشتی سرشت جماعت کو محاربات صلیبی کا پرچم مجاہد بنا دیا، (صفحہ ۱۷۸ حصہ دوم)۔ بجز اسلام کے اور کسی مذہب کے نام سے دنیا میں اتنا کشت و خون نہیں ہوا جتنا مسیحیت سے ہوا (صفحہ ۱۶۱) اس گزشتہ جنگ کے بعد اب جب ”تاریخ اخلاق یورپ“ لکھی جائیگی تو یقیناً اس خنایت من بھی مسیحیت کو اسلام کے سامنے ”سرنگون“ نہ ہونا پڑے گا!

ترجمہ کا سب سے بڑا وصف یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ترجمہ نہ معلوم ہو ”تاریخ اخلاق یورپ“ میں یہ وصف جس کمال کی حد تک پایا جاتا ہے، اس کا اندازہ ادھر کے اقتباسات ہوا ہوگا، لیکن سچ یہ ہے کہ ترجمہ لاکھ با محاورہ ہو پھر بھی ترجمہ ہی رہتا ہے اور اصل تصنیف کی سلامت دے بے تکلفی کو پہنچا تو یقیناً ناممکن ہے، خصوصاً کسی علمی اور سنجیدہ تصنیف میں، اسلئے ”ہسٹری آف یورپین مارس“ کو اردو ملبوس میں پیش کرنے کیلئے ”تغیر مطالب“ کے سوا باقی ترجمے کی پابندیوں کو اٹھایا گیا ہے، حذف و اضافہ اور ہر طرح کے تصرفات کی نوعیت و وسعت کا دیا چھ مترجم میں ذکر بھی کر دیا گیا ہے کہ غلط فہمی نہ واقع ہو،

کتاب کے پڑھتے وقت جو لیس سیرر دہولین کے پہلو پہ پلو تھوڑا بڑبڑا دیکھ کر کے نام

ملین گے، مشترکی اردو بآبی فرقوں کا بھی ذکر آجائیگا، کہیں کہیں اردو فارسی کے اشتراک بھی نظر  
پڑیں گے، لیکن ان باتوں سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ اردو ویکی نے گلستان بوستان پڑھی تھی،  
یا یورپ میں عبدالوہاب نجدی کے پیرو موجود ہیں، اور یزید پر ماتم گسار ان کر بلا دیاں بھی  
نست بھیجے تھیں،

ان تصرفات کی غرض فقط اتنی ہی ہے کہ اردو خوانوں کے لئے ایک بالکل اجنبی ملک کی  
باتوں میں جو اجنبیت و دشت ہوگی وہ کچھ نہ کچھ مألویت و دلچسپی سے بدل جائے،  
ان تصرفات اور سلاست و روانی کی عام خصوصیت کے ساتھ بھی کہیں کہیں ترجمہ کی شوگر  
لگ ہی جاتی ہے، خود ترجمہ نگار نے اس کا احساس کر کے دیباچہ میں تفسیح کر دی ہے لیکن نقش ثانی  
(حصہ دوم) اس داغ سے بھی بالکل پاک نظر آتا ہے،

اگرچہ دو چار جگہ بعض شاہیر اشخاص کے ناموں پر فٹ نوٹ کا اضافہ کر دیا گیا ہے لیکن  
بہت بڑی تعداد ایسے ناموں، اصطلاحات اور تعلیمات کی دوسرے ایڈیشن میں قطعاً محتاج  
توضیح ہے جو عام اردو خوانوں کے لئے پچستان کی حد تک نامالوس ہیں، مثلاً

”کلریشیا دور جینا سے زیادہ کس نے دنیا میں ناموس شوہری کی حفاظت میں  
جان بازی سے کام لیا ہے... یا صابی عورتوں اور کوریولینس سے بڑھ کر کون حب  
وطن کا ثبوت دے سکتا ہے؟“ (صفحہ ۱۹۰)

تالیف اخلاق یورپ، موضوع بحث کی اہمیت، معلومات کی دلچسپی، واقفیت کی افزائش،  
اور لباس اردو کی زیبائش کے لحاظ سے ہماری زبان میں ایک گرا فقدر اضافہ ہے،

عبدالباقی

# امی بیبا

## افاداتِ اکبر

ہے دورِ روزہ قیامِ سر اسے فنا نہ بہت کی خوشی ہے نہ کم کا گلا

یہ کہان کا فسانہ مسودِ زیاں جو گیا وہ گیا جو ملا وہ ملا

نہ بہارِ جی نہ خزان ہی رہی کسی اہلِ نظر نے یہ خوب کہی

یہ کرشمہٴ شانِ ظہور ہے سب کبھی خاکِ اُڑی کبھی پہول کہلا

نہیں رکھتا میں خواہشِ عیش و طرب ہی ساتی ہرے بس طلب

بھٹھے طاعتِ حق کا چکھلا دے مراد نہ شرابِ پلا نہ کتابِ مکرہلا

ہے فضولِ یہ قصہٴ زید و بکر، ہر ایک اپنے عمل کا چکھلیگا ثمر

کہو ذہن سے وضعتِ عمر ہے کم جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

کروں کیا غم کہ دنیا سے ملا کیا	کسی کو کیا ملا دنیا میں تھا کیا
یہ دو دنوں کے ہیں سخت مشکل	نہ پوچھو تم کہ میں کیا اور خدا کیا
رہا مرنے کی تیاری میں مصروف	مرا کام اور اس دنیا میں تھا کیا
وہی صدمہ رہا وقت کا دل پر	بہت روئے مگر اس سے ہوا کیا
دلِ نالوا بلی زبانِ بت پرستی	ذرا سوچو کہا کیا تھا کیا کیا
تمہارے حکم کے تابع ہیں ہم سب	نہیں سمجھو بُرا کیا اور بہلا کیا

ابھی اکبر نیکیس کی جو خیر یہ چرچے ہو رہے ہیں جا بجا کیا

اسکی باتوں سے بچہ رکھا ہوتے اسے خضر  
اسکے پاؤں کو تو دیکھو کہ کدھر جاتے ہیں

### کلام شاقب لکھنوی

شام فراق کچھ نہیں آنا نظر مجھے  
چپ رہتا قید غم میں مگر میرے بھصیر  
چھپکر جلا میں کیوں مرے داغ بھر مجھے  
کرتے ہیں جو نالہ کشی چھیر کر مجھے  
تم دور ہو تو کس لئے دل میں مقام ہے  
میں پاس ہوں تو کیوں نہیں اپنی خبر مجھے  
مگر اے حسن و عشق کے ہاتھوں نظامِ در  
بیجا خیال ہے اوہرا نگواہ ہر مجھے  
نقش قدم میں نقشِ وفا دیکھ دیکھ کر  
کرتی ہے یاد کہو کے مری رگدڑ مجھے  
قائل ہوں میں کہ محفلِ تقدیر قبیح واد  
حصہ ملا بہوں کو خوشی کا مگر مجھے  
پر دے سے باہر لگیا اب زندگی کا راز  
دیکھو تو دیکھ جاؤ کبھی اک نظر مجھے  
شوقِ بہار باغ میں تنکے چنے تو ہیں  
دیکھوں جو دیکھنے دے اسیری کا در مجھے  
دل واسے جانتے ہیں مگر کہہ رہا ہوں میں  
ترا پار ہی ہے شدتِ دردِ جگر مجھے  
کیا قبر پر جلسے ہیں احباب نے چراغ  
اس سمت سے تو کچھ نہیں آنا نظر مجھے  
نالوں نے کر دیامری عروٹ کا رنقاش  
اب شب کو بھی چھپا نہیں سکتا ہر گھر مجھے  
دربان کی نظر میں ہوں میں یعنی تو کیا  
مدت سے جاتا ہے ترا سنگِ در مجھے  
دنیا نئی نفس کی ہے اپنے سوا جہان  
ڈھونڈتے ہیں مجی مان کوئی لڑھکے مجھے

کیا جانوں کوئی گندہ پھری تھی کہ اور کچھ  
 اک چیز ذبح کرتی رہی رات بھر مجھے  
 غربت میں راہ کشتی سے ناگب میرے سب  
 قصہ بچہ رہا ہے مرا ہم سفر مجھے

## غزل

کینی چو اکوئی سا بن یا پیر اعظم

دستِ دشت بگریبان دکنیدن نتوان  
 بجھ گل جامہ خوشترنگ دیدن نتوان  
 شمع سوزان نغمہ و صبح جہا نساب توئی  
 شوق دیدار ہی دارم دیدن نتوان  
 شمع در محبت بیگانه لفظہ میدارد  
 خوش ہی سوز دواز در و تمپیلن نتوان  
 جان پر لب آمد و باتا نفس پابند است  
 نازک این رشتہ جان نہ اکیدن نتوان  
 لطف ساتی کہ بہر رشتہ نگاہے دارد  
 من چنین میرم و در بزم رسیدن نتوان  
 مشکہ امرو ز غمنا ہے جانے دارم  
 بشنوائیک کہ چنین باز شنیدن نتوان  
 چشم از بخود کی شوق چنان مالیدم  
 غار مژگان ز کفِ پاسے تو حیدن نتوان  
 انس با دام دودم حلقہ زنجیر پیوست  
 کہ ز صحرایسوسے شہر رسیدن نتوان

چارہ سازان بہو اداری در دم کھیتی

دل بر آشفته کہ از خویش بریدن نتوان

## مکتبہ اسلامیہ

سرگزشتِ مروءتیں: ڈرامے کا فن اگرچہ نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے تاہم اس زمانہ میں اہل یورپ نے اسکو جو ترقی دی ہے وہ گزشتہ ترقیوں سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی، یورپ میں ہر ملک، ہر صوبہ، اور ہر شہر میں نہایت کثرت سے تھیٹر گھر قائم ہیں جنہیں شادی و مسرت اور سنج و غم کے مناظر دکھا کر اخلاق انسانی کی تہذیب و تکمیل کیجاتی ہے اور چونکہ انکے اسٹیج پر نازنینانِ فرنگ کی متحرک تصویریں بھی نظر آتی ہیں، اسلئے اہل ایشیا کی نظر پالچا کر انکی طرف اٹھتی ہے، اور وہ اسپر نشتر لگاتی ہیں، کپتان فتح علی بھی انہیں بد قسمت لگوں میں تہا جنگلی نگاہیں تھیٹر کی برقی روشنی اور ایکٹرس کی جلوہ افروز یوں سے خیرہ ہو گئی ہیں، اسلئے اس نے اپنے ملک میں وہ تمام سامان ہمہ پہنچانا چاہا جس نے اہل یورپ کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے، چنانچہ اس نے آذری ترکی زبان میں چھ ڈرامے تیار کئے جنہیں ایک زیر ریلو ڈراما بھی ہے، اسکو مرزا جعفر قزاقہ داغی نے جدید فارسی زبان میں ترجمہ کیا ہے، جو نہایت سلیس اور عام فہم ہے، ڈرامے کے ابتداء میں قاضی فضل حق صاحب ایم، اسے پرفیسر گورنمنٹ کالج لاہور کا ایک مقدمہ ہے جس میں ڈرامے کی تعریف اور اسکی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا کہ عرب اور تمام سامی اقوام میں ڈرامے کا مطلق رواج نہ تھا، اور اسلام میں چونکہ لہو و لعب کی ممانعت آئی ہے اسلئے مسلمانوں نے بھی اسکی طرف توجہ نہیں کی،

یہ ڈراما نہایت دلچسپ ہے اور قاضی صاحب موصوف نے مقدمہ اور طغانات کی فرسٹ سے اسکی دلچسپی میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے، ہلکا امید ہے کہ جو لوگ جدید فارسی زبان

سیکھنا چاہتے ہیں انکے لئے اسکا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔ اسکی قیمت ۱۲ روپے اور مبارک علی مکتب فروش اندرون لوہاری دروازہ لاہور سے مل سکتا ہے،

القرآن: یہ ایک رسالہ ہے جس میں جناب عبد اللہ خان بہادر پنشنرز ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کھلہ تفتیش جرائم لاہور نے وہ آیات قرآنی درج کی ہیں جنہیں تعلقات زناشوی کا ذکر کیا ہے، افسوس ہے کہ انہوں نے طرز بیان اسقدر مغلق اور پیچیدہ اختیار کیا ہے کہ اس سے عام ملامت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، قرآن مجید میں مضمون کو نہایت صاف شستہ اور واضح عبارت میں بیان کرتا ہے جسکو ہر شخص نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، اسلئے قرآن کے مفسر اور شارح کا بھی یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ اسکے تمام مضامین کو نہایت صاف اور سادہ طریقہ سے ادا کرے لیکن اسکے برعکس اس کتاب میں قرآن مجید کو بالکل ایک مٹھا اور جیتان بنا دیا گیا جس سے اصل مقصد فوت ہو گیا ہے، اسکے علاوہ تمام آیتوں کا ترجمہ بالکل جدید انداز سے کیا گیا ہے جو قدیم ترجمہ سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا، اور ہم اسکو بالکل غلط سمجھتے ہیں، افسوس ہے کہ اس طرح مسلمان تحریف کی طرف مایل ہوتے جاتے ہیں، اور قرآن کے وہ معنی بیان کرتے ہیں جن سے احادیث و آثار صحابہ، اور مفسرین کی تفسیریں بالکل خالی ہیں، رسالہ کی قیمت ۸ روپے اور مصنف سے مل سکتی ہے و دلکش: اوتار کرشن صاحب اگر دال کی ایڈیٹری میں مراد آباد سے یہ رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے، اسکے تمام مضامین ادبی اور تاریخی ہیں، جو نہایت دلچسپ پیرایہ میں لکھے گئے ہیں رسالہ کو دلکش اور دلچسپ بنانے کے لئے تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں، قیمت سالانہ چار روپے ہونا کا پرچہ ۶/-







